

سِرِّ کَامِل



پیش لفظ

حیر کاہل رحمہ اللہ کو میں نے آپ کے لئے لکھا ہے۔ آپ سب کی زندگی میں آنے والے اُس موڑ کے لئے، جب روشنی یا تاریکی کے انتخاب کا فیصلہ ہم پر چھوڑ دیا جاتا ہے، ہم چاہیں تو اس راستے پر قدم بڑھادیں جو روشن ہے اور چاہیں تو تاریکی میں داخل ہو جائیں۔

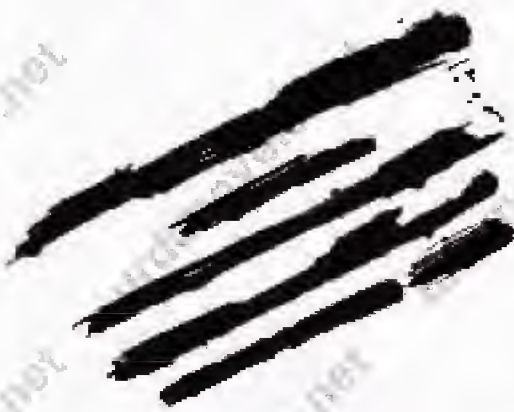
روشنی میں ہوتے ہوئے بھی انسان کو آنکھیں کھلی رکھنی پڑتی ہیں۔ اگر وہ ٹھوکر کھائے بغیر زندگی کا سفر طے کرنا چاہتا ہے تو تاریکی میں داخل ہونے کے بعد آنکھیں کھلی رکھیں یا بند کوئی فرق نہیں پڑتا، تاریکی ٹھوکر دوں کو ہماری زندگی کا مقدر بنادیتی ہے۔

مگر بعض دفعہ تاریکی میں قدم دھرنے کے بعد ٹھوکر گئے سے پہلے ہی انسان کو بچھٹاوا ہونے لگتا ہے۔ وہ داپس اُس موڑ پر آنا چاہتا ہے جہاں سے اس نے اپنا سفر شروع کیا تھا۔ تب صرف ایک چیز اس کی مدد کر سکتی ہے، کوئی آواز جو رہنمائی کا کام کرے اور انسان اطاعت کے علاوہ کچھ نہ کرے۔

حیر کاہل رحمہ اللہ وہی آواز ہے، جو انسان کو تاریکی سے روشنی تک لاسکتی ہے اور لاتی ہے۔ اگر انسان روشنی چاہے تو ”یقیناً ہدایت انہیں کو دی جاتی ہے جو ہدایت چاہتے ہیں۔“

آئیے ایک بار پھر حیر کاہل رحمہ اللہ کو سنیں!

باب ۱



”میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش؟“ ہاں پوچھتے ہو توں میں دہائے ۷۰ سوچ میں پڑ گئی ہوں
ایک لباس لپٹے ہوئے قدموں سے کسی سے سکرانی۔
”بہت مشکل ہے اس سوال کا جواب دینا۔“
”کیوں مشکل ہے؟“ جو یہ نے اس سے پوچھا۔
”کیونکہ میری بہت ساری خواہشات ہیں اور ہر خواہش ہی میرے لئے بہت اہم ہے۔“ اس نے
سرجھکتے ہوئے کہا۔

دو دنوں آؤنڈریم کے مٹی سے میں دھار کے ساتھ زمین پر لکھ لگائے بیٹھی تھی۔
ایک ایسی ہی کلاسز میں آج ان کا آٹھواں دن تھا اور اس وقت دو دنوں اپنے فری ٹائم میں
آؤنڈریم کے مٹی سے میں آکر بیٹھ گئی تھی۔ لیکن سوچ بچل کے دانوں کو ایک ایک کر کے کھاتے

ہوئے جویریہ نے اس سے پوچھا۔

”تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے امامہ؟“

امامہ نے قدرے حیرانی سے اسے دیکھا اور سوچ میں پڑ گئی۔

”پہلے تم بتاؤ، تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟“ امامہ نے جواب دینے کے بجائے اٹلا سوال کر دیا۔

”پہلے میں نے پوچھا ہے، تمہیں پہلے جواب دینا چاہئے۔“ جویریہ نے گروں پلائی۔

”اچھا..... ٹھیک ہے..... مجھے اور سوچنے دو۔“ امامہ نے فوراً ہار مانتے ہوئے کہا: ”میری زندگی کی

سب سے بڑی خواہش؟“ وہ بڑبڑائی۔ ”ایک خواہش تو یہ ہے کہ میری زندگی بہت لمبی ہو۔“ اس نے کہا۔

”کیوں.....؟“ جویریہ فیسی۔

”میں پچاس، ساٹھ سال کی زندگی مجھے بڑی چھوٹی لگتی ہے..... کم سے کم سو سال تو ملنے چاہئیں

انسان کو دنیا میں..... اور پھر میں اتنا سب کچھ کرنا چاہتی ہوں..... اگر جلدی مری جاؤں گی تو پھر میری

ساری خواہشات اور ضروری رہ جائیں گی۔“ اس نے مونگ چلی کا ایک دانہ منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

”اچھا اور.....؟“ جویریہ نے کہا۔

”اور یہ کہ میں ملک کی سب سے بڑی ڈاکٹر بننا چاہتی ہوں..... سب سے اچھی آئی سیٹسٹ۔

میں چاہتی ہوں جب پاکستان میں آئی سرجری کی تاریخ لکھی جائے تو اس میں میرا نام ٹاپ آف والٹ

ہو۔“ اس نے مسکراتے ہوئے آسمان کو دیکھا۔

”اچھا اور اگر کبھی تم ڈاکٹر بن سکیں تو.....؟“ جویریہ نے کہا: ”آخر یہ میرٹ اور قسمت کی بات

ہے۔“

”ایسا ممکن ہی نہیں ہے۔ میں اتنی محنت کر رہی ہوں کہ میرٹ پر ہر صورت آؤں گی۔ پھر میرے

والدین کے پاس اتنا پیسہ ہے کہ میں اگر یہاں کسی میڈیکل کالج میں نہ جا سکی تو وہ مجھے بیرون ملک بھجوا

دیں گے۔“

”پھر بھی اگر کبھی ایسا ہو کہ تم ڈاکٹر نہ بن سکو تو.....؟“

”ہو ہی نہیں سکتا..... یہ میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہے میں اس پر ویشن کے لئے سب

کچھ چھوڑ سکتی ہوں۔ یہ میرا خواب ہے اور خواہوں کو بھلا کیسے چھوڑ دیا بھلا یا جاسکتا ہے۔ اسباب مل.....“

امامہ نے قطعی انداز میں سر ہلاتے ہوئے تھیلی پر رکھے ہوئے دانوں میں سے ایک اور دانہ منہ

میں ڈالا۔

”زندگی میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہوتا..... کبھی بھی کچھ بھی ہو سکتا ہے، فرض کرو کہ تم ڈاکٹر نہیں بن

پاتیں تو.....؟ پھر تم کیا کرو گی.....؟ کیسے ری ایکٹ کرو گی؟“ امامہ اب سوچ میں پڑ گئی۔

”پہلے تو میں بہت روؤں گی۔ بہت سی زیادہ..... کئی دن..... اور پھر میں مری جاؤں گی۔“

جویریہ نے اختیار فرمیں: ”اور ابھی کچھ دیر پہلے تو تم یہ کہہ رہی تھیں کہ تم لمبی زندگی چاہتی ہو..... اور

ابھی تم کہہ رہی ہو کہ تم مری جاؤ گی۔“

”ہاں تو پھر زندہ رہ کر کیا کروں گی۔ سارے پلاننگ میسرے میڈیکل کے حوالے سے ہیں..... اور

یہ جج زندگی سے نکل گئی تو پھر باقی رہے گا کیا؟“

”یعنی تمہاری ایک بڑی خواہش دوسری بڑی خواہش کو ختم کر دے گی؟“

”تم سمجھ لیو.....“

”تو پھر اس کا مطلب تو یہی ہوگا کہ تمہاری سب سے بڑی خواہش ڈاکٹر بننا ہے، لمبی زندگی پانا

نہیں۔“

”تم کہہ سکتی ہو.....“

”اچھا..... اگر تم ڈاکٹر بن سکیں تو پھر مری کیسے..... خود کشی کرو گی یا طبعی موت؟“ جویریہ نے

بڑی عجیبی سے پوچھا۔

”طبعی موت ہی مردوں کی..... خود کشی تو کبھی نہیں سکتی۔“ امامہ نے لاپرواہی سے کہا۔

”اور اگر تمہیں طبعی موت آنے لگی تو..... میرا مطلب ہے جلد ہی آئی تو پھر تو تم ڈاکٹر نہ بننے کے

باوجود بھی لمبی زندگی گزارو گی۔“

”نہیں، مجھے ہمارے کہ اگر میں ڈاکٹر نہ بنی تو پھر بہت جلد مری جاؤں گی۔ مجھے اتنا دکھ ہوگا کہ میں تو

زندہ رہ رہی تھیں سکوں گی۔“ وہ یقین سے بولی۔

”تم جس قدر خوش مزاج ہو، میں کبھی یقین نہیں کر سکتی کہ تم کبھی اتنی دنگی ہو سکتی ہو کہ رد و کر

مر جاؤ اور وہ بھی صرف اس لئے کہ تم ڈاکٹر نہیں بن سکیں۔ look funny۔“ جویریہ نے اس بار اس کا

ذائقہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

”تم اب میری بات چھوڑو، اپنی بات کرو، تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟“ امامہ

نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

”رہے دو.....“

”کیوں رہے دوں.....؟ بتاؤ نا؟“

”تمہیں برا لگے گا؟“ جویریہ نے کچھ ہچکچاتے ہوئے کہا۔

امامہ نے گردن موڑ کر حیرانی سے اسے دیکھا۔ ”مجھے کیوں برا لگے گا؟“

جو یہ خاموش رہی۔

"تمہیں کیا بات ہے جو مجھے بری لگے گی؟" امامہ نے اپنا سوال دہرایا۔

"بری لگے گی۔" جو یہ یہ نے دم آدم آواز میں کہا۔

"آخر تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خواہش کا میری زندگی سے کیا تعلق ہے کہ میں اس پر برا

مانوں گی۔" امامہ نے اس بار تدریے اچھے ہوئے انداز میں پوچھا۔ "تمہیں تمہاری یہ خواہش تو نہیں ہے

کہ میں ڈاکٹر بنوں؟" امامہ کو اچانک یاد آیا۔

جو یہ یہ نہیں دی۔ "نہیں..... زندگی صرف ایک ڈاکٹر بن جانے سے کہیں زیادہ اہمیت کی حامل

ہوتی ہے۔" اس نے کچھ فلسفیانہ انداز میں کہا۔

"پچھلیاں مجھ کو اچھوڑ دو اور مجھے بتاؤ۔" امامہ نے کہا۔

"میں وعدہ کرتی ہوں، میں برا نہیں مانوں گی۔" امامہ نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے

ہوئے کہا۔

"وعدہ کرنے کے باوجود میری بات سننے پر تم بری طرح ہاراش ہو گی۔ بہتر ہے ہم کچھ اور بات

کریں۔" جو یہ یہ نے کہا۔

"اچھا میں اندازہ لگاتی ہوں، تمہاری اس خواہش کا تعلق میرے لئے کسی بہت اہم چیز سے ہے۔"

رائٹ.....؟" امامہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا جو یہ یہ نے سر ہلایا۔

"سب سوال یہ ہیں کہ میرے لئے کون سی چیز اتنی اہم ہو سکتی ہے کہ میں....." وہ بات

کرتے کرتے رک گئی۔

"مگر جب تک میں تمہاری خواہش کی اہمیت نہیں جان لیتی، میں کچھ بھی اندازہ نہیں کر سکتی۔" بتا

دو جو یہ یہ..... پلیر..... اب تو مجھے بہت سی زیادہ تجسس ہو رہا ہے۔" اس نے منت کی۔

وہ کچھ دیر سوچتی رہی۔ امامہ غور سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی، کچھ دیر کی خاموشی کے بعد جو یہ یہ نے

سر اٹھا کر امامہ کو دیکھا۔

"میرے پروفیشن کے علاوہ میری زندگی میں فی الحال جن چیزوں کی اہمیت ہے وہ صرف ایک

ہی ہے اور اگر تم اس کے حوالے سے کچھ کہنا چاہتی ہو تو کہہ میں برا نہیں مانوں گی۔" امامہ نے سمجھتی

سے کہا۔

جو یہ یہ نے تدریے چونک کر اسے دیکھا، وہ اپنے ہاتھ میں سوجن دایک انگلی کو دیکھ رہی تھی۔

جو یہ یہ مسکرائی۔

"میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ تم۔" جو یہ یہ نے اسے اپنی خواہش بتائی۔

امامہ کا چہرہ یک دم سفید پڑ گیا۔ وہ شاید کبھی یا حیرت زدہ..... جو یہ یہ اندازہ نہیں کر سکی، مگر اس کے

چہرے کے تاثرات یہ ضرور بتا رہے تھے کہ جو یہ یہ کے منہ سے نکلنے والے جملے اس کے ہر اندازے

کے برعکس تھے۔

"میں نے تم سے کہا تھا، تم برا ہو گی۔" جو یہ یہ نے جیسے معافی بخش کرنے کی کوشش کی مگر امامہ

کچھ کہے بغیر اسے دیکھتی رہی۔

☆.....☆.....☆

میر حلق کے غل چلانا ہو اور دسے دو ہر اہو گیا، اس کے دونوں ہاتھ اپنے پیٹ پر تھے۔ اس کے

سامنے کمرے بارہ سالہ لڑکے نے اپنی پچھلی ہوئی فی شرٹ کی آستین سے اپنی ناک سے ہنسا ہوا خون

صاف کیا اور ہاتھ میں چکڑے ہوئے ٹیسٹریٹن ایک بار پھر پوری قوت سے میو کی ہنگ پر دے مارا۔

میر کے حلق سے ایک بار پھر جھجھکی نکلی اور وہ اس بار سیدھا ہو گیا۔ کچھ بے چینی کے عالم میں اس نے خود سے

دو سال بچوں نے بھائی کو دکھا جو اب بغیر کسی لحاظ اور مروت کے اسے اس ہنگ سے پیٹ رہا تھا جو میر

کچھ دیر پہلے اسے پیٹنے کے لئے لے کر آیا تھا۔

اس بیٹے میں ان دونوں کے درمیان ہونے والا یہ تیسرا جھگڑا تھا اور تینوں بار جھگڑا شروع کرنے

والا اس کا چھوڑا بھائی تھا۔ میر اور اس کے تعلقات ہمیشہ ہی ناخوشوار رہے تھے۔

ان کا جھگڑا بچپن سے لے کر اب سے کچھ پہلے تک صرف زبانی کلامی باتوں اور دھمکیوں تک ہی

محدود رہتا تھا، مگر اب کچھ عرصے سے دونوں باحقابی پر بھی اتر آئے تھے۔

آج بھی یہی ہو ا تھا وہ دونوں اسکول سے اکٹھے واپس آئے تھے اور گاڑی سے اترتے ہوئے اس

کے چھوٹے بھائی نے بڑی روشنی کے ساتھ جیسے ڈکی سے اس وقت اپنا بیک کھینچ کر نکالا جب میر اپنا بیک

نکال رہا تھا۔ بیک کھینچتے ہوئے میر کے ہاتھ کو بری طرح گز آئی۔ میر بری طرح تھلایا۔

"تم اندھے ہو چکے ہو؟"

وہ اطمینان سے اپنا بیک اٹھائے بے نیازی سے اندر جا رہا تھا، میر کے چلانے پر اس نے پلٹ کر

اس کو دیکھا اور لاؤنچ کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔ میر کے تن بدن میں جیسے آگ لگ گئی، وہ تیز

قدموں سے اس کے پیچھے اندر چلا آیا۔

"اگر دوبارہ تم نے ایسی حرکت کی تو میں تمہارا ہاتھ توڑ دوں گا۔" اس کے قریب پہنچتے ہوئے میر

ایک بار پھر دھاوا۔ اس نے بیک کندھے سے اٹار کر نیچے رکھ دیا اور دونوں ہاتھ کرپ رکھ کر کمر اہو گیا۔

"کالوں کا۔۔۔ تم کیا کرو گے.....؟ ہاتھ توڑ دو گے؟ اتنی اہمیت ہے؟"

"یہ میں تمہیں اس وقت بتاؤں گا جب تم دوبارہ یہ حرکت کرو گے۔" میر اپنے کمرے کی

طرف بڑھا۔

مگر اس کے بھائی نے پوری قوت سے اس کا ہیک کھینچے ہوئے اسے رکھنے پر مجبور کر دیا۔
 ”نہیں تم مجھے ابھی بتاؤ۔“ اس نے میو کا ہیک اٹھا کر دور اچھال دیا۔ میو کا چہرہ سرخ ہو گیا اس نے زمین پر پڑا ہوا اپنے بھائی کا ہیک اٹھا کر دور اچھال دیا۔ ایک لمحے کا انتظار کئے بغیر اس کے بھائی نے پوری قوت سے میو کی ٹانگ پر ٹھوکر ماری۔ جو اب اس نے پوری قوت سے چھوٹنے بھائی کے منہ پر مگادار جو اس کی ناک پر لگا۔ اگلے ہی لمحے اس کی ناک سے خون نچلنے لگا۔ اتنے شدید جھلے کے باوجود اس کے حلق سے کوئی آواز نہیں نکلی تھی۔ اس نے میو کی نالی کھینچے ہوئے اس کا گاد ہانے کی کوشش کی۔ میو نے جو اب اس کی شرٹ کو کالرز سے کھینچا اسے شرٹ کے پھٹنے کی آواز آئی۔ اس نے پوری قوت سے اپنے چھوٹے بھائی کے پیٹ میں مگادار اس کے بھائی کے ہاتھ سے اس کی نالی نکل گئی۔

”خیر میں تمہیں اب تمہارا ہاتھ توڑ کر دکھاتا ہوں۔“ میو نے اسے گالیاں دیتے ہوئے لاؤنچ کے ایک کونے میں پڑے ہوئے ایک ریکٹ کو اٹھا لیا اور اپنے چھوٹے بھائی کو مارنے کی کوشش کی مگر اگلے ہی لمحے ریکٹ اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے پوری قوت سے گھما کر اتنی برقی رفتار سے اسے مارا کہ اس کو میو کے پیٹ میں مارا کہ وہ سنبھل یا خود کو بچا بھی نہیں سکا۔ اس نے یکے بعد دیگرے اس کی کمر اور ٹانگ پر ریکٹ برسادیے۔

اندر سے ان دونوں کا بڑا بھائی اشتعال کے عالم میں باہر لاؤنچ میں آگیا۔

”کیا تکلیف ہے تم دونوں کو..... مگر میں آتے ہی ہنگامہ شروع کر دیتے ہو۔“ اس کو دیکھتے ہی چھوٹے بھائی نے اٹھا ہوا ریکٹ نیچے کر لیا تھا۔

اور تم..... تمہیں شرم نہیں آتی اپنے سے بڑے بھائی کو مارتے ہو۔“ اس کی نظر اب اس کے ہاتھ میں پکڑے ریکٹ پر گئی۔

”نہیں آتی۔“ اس نے بڑی زحمتی کے ساتھ کہتے ہوئے ریکٹ ایک طرف اچھال دیا اور بڑی بے خوفی سے کچھ فاصلے پر پڑا ہوا اپنا ہیک اٹھا کر اندر جانے لگا۔ میو نے بلند آواز میں میڑھیاں چڑھتے ہوئے اپنے چھوٹے بھائی سے کہا۔

”تم کو اس کا خیال دے چکے ہو۔“ وہ ابھی تک اپنی ٹانگ سنبھال رہا تھا۔

”sure why not.“ (ہاں، کیوں نہیں) ایک عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ میڑھیاں کے آخری سرے پر ڈک کر اس نے میو سے کہا: ”اگلی بار تم پیٹ لے کر آؤ..... ٹینس ریکٹ سے کچھ مزہ نہیں آیا..... تمہاری کوئی بڑی نہیں ٹوٹی۔“ میو کو اشتعال آگیا۔

”تم اپنی ناک سنبھالو..... وہ یقیناً ٹوٹ گئی ہے۔“

میو خستے کے عالم میں میڑھیاں کو دیکھتا رہا، جہاں کچھ دیر پہلے وہ کھڑا تھا۔

☆.....☆.....☆

سبز ساختار چرڈز نے دوسری رو میں کھڑکی کے ساتھ جلیبی کھانے پر بیٹھے ہوئے اس لڑکے کو چوتھی بار گھورا۔ وہ اس وقت بھی بڑی بے نیازی سے کھڑکی سے باہر دیکھنے میں مصروف تھا۔ وہ خافہ قادر باہر سے نظریں ہٹاتا..... ایک نظر سبز ساختار کو دیکھتا۔ اس کے بعد پھر اسی طرح باہر جھانکتے لگتا۔

اسلام آباد کے ایک غیر ملکی اسکول میں وہ آج پہلے دن اس کلاس کی بیالوجی پڑھانے کے لئے آئی تھیں۔ وہ ایک ڈپلومیٹ کی بیوی تھیں اور کچھ دن پہلے ہی اسلام آباد اپنے شوہر کے ساتھ آئی تھیں۔ بچک ان کا پروفیشن تھا اور جس جس ملک میں ان کے شوہر کی پوسٹنگ ہوئی وہاں سفارت خانہ سے منسلک اسکول میں پڑھاتی رہیں۔

اپنے سے پہلے بیالوجی پڑھانے والی فہر سبز بیرون کی حکیم آف ورک کو ہی جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کلاس کے ساتھ کچھ ابتدائی تعارف اور گفتگو کے بعد دل اور نگاہوں اور ان خوں کی ڈیبا گرام رائٹنگ بورڈ پر دہاتے ہوئے اسے سمجھانا شروع کیا۔

ڈیبا گرام کی کامیابی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے اس لڑکے کو کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے دیکھا۔ پرانی بھینک کا اشتعال کرتے ہوئے اپنی نظریں اس لڑکے پر مرکوز رکھتے ہوئے انہوں نے اچانک بولنا بند کر دیا۔ کلاس میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔ اس لڑکے نے سر گھما کر اندر دیکھا۔ سبز ساختار چرڈز سے اس کی نظریں ملیں۔ سبز ساختار چرڈز مسکرائیں اور ایک بار پھر انہوں نے اپنا نیچر شروع کر دیا۔ کچھ دیر تک انہوں نے اسی طرح بولتے ہوئے اپنی نظریں اس لڑکے پر رکھیں، جواب اپنے سامنے پڑی ٹوٹ بک پر کچھ لکھنے میں مصروف تھا اس کے بعد سبز ساختار چرڈز نے اپنی توجہ کلاس میں موجود دوسرے اسٹوڈنٹس پر مرکوز کر لی۔ ان کا خیال تھا وہ خامسا شرمندہ ہو چکا ہے وہ بارہا باہر نہیں دیکھے گا مگر صرف دو منٹ کے بعد انہوں نے اسے ایک بار پھر کھڑکی سے باہر متوجہ دیکھا۔ وہ ایک بار پھر بولنے لگے خاموش ہو گئیں۔ بلا توقف اس لڑکے نے گردن موڑ کر پھر ان کی طرف دیکھا اس بار سبز ساختار چرڈز مسکرائیں نہیں، بلکہ قدرے سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے ایک بار پھر نیچر دیکھنا شروع کر دیا۔ چند لمحے گزرنے کے بعد انہوں نے رائٹنگ بورڈ کو دیکھنے کے بعد دوبارہ اس لڑکے کو دیکھا تو وہ ایک بار پھر کھڑکی سے باہر کچھ دیکھنے میں مصروف تھا۔ اس بار غیر محسوس طور پر ان کے چہرے پر کچھ ناراضی نمودار ہوئی اور وہ کچھ جھنجھلاتے ہوئے خاموش ہوئیں اور ان کے خاموش ہوتے ہی اس لڑکے نے کھڑکی کے باہر سے اپنی نظریں ہٹا کر ان کی طرف دیکھا، اس بار اس لڑکے کے ماتھے پر بھی کچھ غلطی تھیں۔ ایک نظر سبز ساختار چرڈز کو ناگوار سے دیکھ کر وہ ایک بار پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

اس کا انداز اس قدر تو جین آئیں تھا کہ سزا سزا چڑا کر کاچرو سرخ ہو گیا۔

"سالار! تم کیا دیکھ رہے ہو؟" انہوں نے سختی سے پوچھا۔

"nothing....." ایک لنگھی جواب آیا۔ وہ اب چھتھی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں کیا ہے، میں کیا پڑھا رہی ہوں؟"

"hope so" اس نے اسے ردِ انداز میں کہا کہ سزا سزا چڑا کر نے ایک دم ہاتھ میں پکڑا ہوا لادر

کیپ سے بند کر کے نخل پر پھینک دیا۔

"یہ بات ہے تو پھر یہاں آؤ اور یہ ڈایا کرام بنا کر اس کو لیبل کرو۔" انہوں نے اسٹیج کے ساتھ

رائٹنگ بورڈ کو صاف کرتے ہوئے کہا۔ یکے بعد دیگرے لاکے کے چہرے پر کئی رنگ آئے۔ انہوں

نے کلاس میں بیٹھے ہوئے اسٹوڈنٹس کو آپس میں نظروں کا جالو کرتے دیکھا۔ وہ لڑکا اب مرد نظروں

کے ساتھ سزا سزا چڑا کر کو دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی انہوں نے رائٹنگ بورڈ سے آخری نشان صاف کیا وہ اپنی

کری سے ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھا۔ تیز قدموں کے ساتھ اس نے نخل پر پڑا ہوا لادر اٹھایا اور

برقی رفتار کی رفتار کے ساتھ رائٹنگ بورڈ پر ڈایا کرام بنانے لگا۔ پورے دو منٹ ستاون سیکنڈز کے بعد اس

نے لادر پر کیپ لگا کر اسے میز پر ہی انداز میں اچھالا۔ جس انداز میں سزا سزا چڑا کر نے اچھالا تھا اور

سزا سزا چڑا کر کی طرف دیکھے بغیر اپنی کری پر آکر بیٹھ گیا۔ سزا سزا چڑا کر نے اسے لادر پر اچھالنے یا اپنی کری

کی طرف جاتے نہیں دیکھا۔ وہ بے چینی کے عالم میں رائٹنگ بورڈ پر تین منٹ سے بھی کم عرصہ میں لائی

جانے والی اس labelled ڈایا کرام کو دیکھ رہی تھیں جسے بنانے میں انہوں نے دس منٹ لئے تھے اور وہ

ان کی ڈایا کرام سے زیادہ اچھی تھی۔ وہ کہیں بھی معمولی سی لنگھی بھی نہیں دھوڑ سکیں۔ کچھ خفیف سی ہوتے

ہوئے انہوں نے مگر دن سوڑ کر ایک بار پھر اس لڑکے کو دیکھا وہ پھر کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

دسمن نے تیسری بار دروازے پر دستک دی، اس بار اندر سے امانہ کی آواز سنائی دی۔

"کون ہے؟"

"امانہ! میں ہوں..... دروازہ کھولو۔" دسمن نے دروازے سے اپنا ہاتھ جٹاتے ہوئے کہا۔ اندر

خاموشی پھا گئی۔

لادر کو دیکھ کر دروازے کا لاک کھلنے کی آواز سنائی دی۔ دسمن نے دروازے کے ونڈل کو تھما کر

دروازہ کھول دیا۔ امانہ اس کی جانب پشت کئے اپنے بیڈ کی طرف بڑھی۔

"تمہیں اس وقت کیا کام آن چاہا ہے مجھ سے؟"

"آخر تم نے اتنی ہلدی دروازہ کیوں بند کر لیا تھا۔ ابھی تو دس بجے ہیں۔" دسمن کمرے میں

داخل ہوتے ہوئے بولا۔

"میں نیند آرہی تھی مجھے۔" وہ بیڈ پر بیٹھ گئی۔ دسمن اس کا چہرہ دیکھ کر چونک گیا۔

"تم روری تھیں؟" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔ امانہ کی آنکھیں سرخ اور سوتی ہوئی تھیں اور

وہ اس سے نظریں چرانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"نہیں رو نہیں رہی تھی، میں سر میں کچھ درد ہو رہا تھا۔" امانہ نے مسکراتے کی کوشش کی۔

دسمن نے اس کے پاس بیٹھے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر ٹیپر پکڑ چیک کرنے کی کوشش کی۔

"کبھی بخار تو نہیں ہے۔" اس نے کچھ تشریف بھرے انداز میں کہا اور پھر ہاتھ چھوڑ دیا۔ "بخار تو

نہیں ہے..... پھر تم کوئی ٹیبلٹ لے لیتیں۔"

"میں لے چکی ہوں۔"

"اچھا تم سو جاؤ..... میں باتیں کرنے آیا تھا مگر اب اس حالت میں کیا باتیں کروں گا تم سے۔"

دسمن نے قدم باہر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ امانہ نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ خود بھی اٹھ

کر اس کے پیچھے گئی اور دسمن کے باہر نکلنے ہی اس نے دروازے کو پھر لاک کر لیا۔ بیڈ پر اونٹھے منٹ لیٹ

کر اس نے تجھے میں مت پھپھالیا۔ وہ ایک بار پھر آنکھوں کے ساتھ روری تھی۔

☆.....☆.....☆

تیسرے سال کا وہ لڑکا اس وقت ٹی وی پر میوزک شو دیکھنے میں مصروف تھا، جب طیبہ نے اندر

جھانکا۔ بے چینی سے انہوں نے اپنے بیٹے کو دیکھا اور پھر کچھ ناراضی کے عالم میں اندر چلی آئیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" انہوں نے اندر آتے ہی کہا۔

"ٹی وی دیکھ رہا ہوں۔" اس نے ٹی وی سے نظریں نہیں ہٹائیں۔

"ٹی وی دیکھ رہا ہوں..... فار گلاسٹیک۔ تمہیں احساس ہے کہ تمہارے عہد زور ہے جس؟" طیبہ

نے اس کے سامنے آتے ہوئے کہا۔

"سو دات....." اس لڑکے نے اس بار کچھ لنگھی سے کہا۔

"سو دات؟" تمہیں اس وقت اپنے کمرے میں کتابوں کے درمیان ہونا چاہیے نہ کہ یہاں اس

بے ہودہ شر کے سامنے۔" طیبہ نے ڈانٹا۔

"مجھے جتنا پڑھنا تھا میں پڑھ چکا ہوں آپ سامنے سے ہٹ جائیں....." اس کے لہجے میں ناگواری

آگئی۔

"پھر بھی اٹھو اور اندر جا کر پڑھو۔" طیبہ نے اسی طرح کھڑے کھڑے اس سے کہا۔

"نہ نہیں یہاں سے اٹھوں گا نہ اندر جا کر پڑھوں گا۔ میری اسٹڈیز اور بھی زبردست مسئلہ ہیں۔ آپ کا

نہیں۔“

”اگر تمہیں اتنی پرواہ ہو تو اس وقت تم یہاں بیٹھے ہوئے؟“

”step aside“ اس نے طیبہ کے بیٹے کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑی بدتمیزی کے ساتھ ساتھ ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

”آج تمہارے بیٹا آجائیں تو میں ان سے بات کرتی ہوں۔“ طیبہ نے اسے دھمکانے کی کوشش کی۔
”ابھی بات کر لیں۔ کیا ہو گا؟ پلایا کیا کر لیں گے۔ جب میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ مجھے جتنی تیاری کرنی ہے میں نے کر لی ہے تو پھر آپ کو کیا مسئلہ ہے؟“

”یہ تمہارے سالانہ امتحان ہیں، جنہیں احساس ہونا چاہئے اس بات کا۔“ طیبہ نے یک دم اپنے لہجے کو نرم کرتے ہوئے کہا۔

”میں کوئی دو چار سال کا بچہ نہیں ہوں کہ میرے آگے پیچھے بھرتا پڑے آپ کو۔ میں اپنے معاملات میں آپ سے زیادہ سمجھ دار ہوں، اس لئے یہ قرص کا اس قسم کے بیٹے مجھ سے مت بولا کریں۔
ایکڑام ہو رہے ہیں۔ اسٹڈیز پر دھیان دو، اس وقت تمہیں اپنے کمرے میں ہونا چاہئے۔“

”میں تمہارے قادر سے بات کروں گی۔“

”what a rubbish“

دو بات کرتے کرتے صفے میں صوف سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا ہاتھ میں پکڑا ہوا بیگ اس نے پوری قوت سے سامنے والی دیوار پر دے مارا اور پاؤں پٹکا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ طیبہ کچھ بے بسی اور غفلت کے عالم میں اسے کمرے سے باہر نکلا ہوا دیکھتی رہیں۔

☆.....☆.....☆

کلونیٹا فرانس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے پکٹ میز پر رکھتے ہوئے ایک نظر ہال میں دوڑائی، پھر شروع ہونے میں ابھی دس منٹ باقی تھے اور ہال میں موجود اسٹوڈنٹس کتابیں، نوٹس اور نوٹ بکس پکڑے تیزی سے صفحے آگے پیچھے کرتے ان پر آخری نظریں ڈال رہے تھے۔ ان کی جسمانی حرکات سے ان کی پریشانی اور اضطراب کا اظہار ہو رہا تھا۔ کلونیٹا فرانس کے لئے یہ ایک بہت باتوں میں تھا پھر ان کی ٹھکریں ہال کے تقریباً درمیان میں بیٹھے ہوئے سالار پر جا ٹھہریں۔ بکس اسٹوڈنٹس میں اس وقت وہ واحد اسٹوڈنٹ تھا جو اطمینان سے اپنی کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ دیکھے بیٹھا تھا۔ ایک ہاتھ میں اسکیل پکڑے آہستہ آہستہ اسے اپنے جوتے پر مارتے ہوئے وہ اطمینان سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ کلونیٹا کے لئے یہ سینا بھی نیا نہیں تھا۔ اپنے سات سالہ کیریئر میں انہوں نے کچھ دن کے دوران سالار کو اسی بے فکری اور لاپرواہی کا مظہر کرتے پایا تھا۔

نوجوان کو دو منٹ پر انہوں نے سالار کے پاس سے گزرتے ہوئے اسے Objective پر مبنی Paper حتمیہ، تیس منٹ کے بعد اسے وہ بھی ان سے لے لیا تھا۔ نوجوان کو دس منٹ پر انہوں نے سالار کو اپنی کرسی سے کھڑا ہوتے دیکھا۔ اس کے کھڑے ہوتے ہی ہال میں اس سے پیچھے موجود تمام اسٹوڈنٹس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ بھی ہاتھ میں لئے کلونیٹا فرانس کی طرف جا رہا تھا۔ کلونیٹا فرانس کے لئے یہ بھی نیا سینا نہیں تھا۔ وہ پہلے بھی یہی کچھ دیکھتی آئی تھیں۔ تیس منٹ میں مل گیا جانے والا وہ بچہ وہ اٹھ منٹ میں مل کر کے ان کے سر پر کھڑا تھا۔

”بچہ کو دو بار دہر کر لے لو۔“ انہوں نے یہ جملہ اس سے نہیں کہا۔ وہ جانتی تھیں اس کا جواب کیا ہو گا۔
”میں دیکھ چکا ہوں۔“ وہ اگر اسے ایک بار پھر بھی دیکھنے پر مجبور کر تیں تو وہ بیٹھ کی طرح بیچے ڈالے جا کر اپنی کرسی کے پیچھے پر رکھ کر بازو پینے پر پینٹ کر بیٹھ جاتا۔ انہیں یاد نہیں تھا کبھی اس نے ان کے کہنے پر بھی کوہو بار دہر چیک کیا ہو اور وہ یہ تسلیم کرتی تھیں کہ اسے اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اس کے پیچھے میں کسی ایک بھی لٹپلی کوڈ صحت نامہ بہت مشکل کام تھا۔

انہوں نے ایک ٹنگی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے ہاتھ سے بھی پکڑ لیا۔

”تم جانتے ہو سالار میری زندگی کی سب سے بڑی تمنا کیا ہے؟“ انہوں نے پیچھے پر نظر ڈالنے ہوئے کہا۔ ”کہ میں تمہیں تیس منٹ کا..... پیچھے..... تیس منٹ..... کے بعد Submit کرواتے ہوئے دیکھوں۔“ وہ ان کی بات پر خفیف سے انداز میں مسکرایا۔ ”آپ کی یہ خواہش اس صورت میں پوری ہو سکتی ہے ہم اگر میں یہ پیچھے ۱۵۰ سال کی عمر میں مل کر رہے ہوں۔“

”نہیں میرا خیال ہے ۱۵۰ سال کی عمر میں تم یہ پیچھے دس منٹ میں کرو گے۔“

اس بار وہ ہنسار دہاں مڑ گیا۔ کلونیٹا فرانس نے ایک نظر اس کے پیچھے کے صفحات کو آٹ پلٹ کر دیکھا۔ ایک سرسری سی نظر بھی انہیں یہ بتانے کے لئے کافی تھی کہ وہ اس پیچھے میں کتنے نمبر گوائے گا..... ”تیرہ۔“

☆.....☆.....☆

سلی نے اپنی بیٹی کے ہاتھوں میں گفٹ پیچھے میں لپٹے ہوئے پکٹ کو جراتی سے دیکھا۔

”یہ کیا ہے اماں؟ تم تو ریکٹ مگی تھیں۔ شاید کچھ کتابیں ملنی تھیں جنہیں؟“

”ہاں ای ایچے کتابیں ہی ملنی تھیں، مگر کسی کو تحفے میں دینے کے لئے۔“

”کس کو تحفہ دینا ہے؟“

”وہ لانا میں ایک دوست ہے میری، اس کی سالگرہ ہے۔ اسی کے لئے خریدی ہے کوئی نیرسروس کے ڈولے بھگوانوں کی کیونکہ مجھے تو ابھی یہاں رہنا ہے۔“

"لاؤ پھر مجھے دے دو یہ بیکٹ، میں دسم کو دوں گی، اور بھجوا دے گا۔"

"نہیں ای ایس ایس! مجھے نہیں بھجواؤں گی۔ ابھی اس کی ساگر و کی تاریخ نہیں آئی۔" سلتی کو لگا جیسے وہ ایک دم گھبرا گئی ہو۔ انہیں خبر پائی ہوئی۔ کیا یہ گھبرانے والی بات تھی؟

تین سال پہلے امامہ کی وجہ سے انہیں بہت زیادہ پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ انہیں اور ان کے شوہر باشم کو۔ وہ تب اپنی بیٹی کے بارے میں بہت فکر مند تھیں اور باشم ان سے زیادہ مگر پچھلے تین سال میں سب کچھ ٹھیک ہو گیا تھا۔ وہ دونوں اب اس کی طرف سے مکمل طور پر مطمئن تھے۔ خاص طور پر اس وجہ سے اس کی نسبت ملے کر کے۔ وہ جانتی تھیں امامہ اس کو پسند کرتی ہے اور صرف وہی نہیں اس کو کوئی بھی پسند کر سکتا تھا۔ وہ ہر لحاظ سے ایک اچھا لڑکا تھا۔ وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ وہ امامہ سے نسبت ملے ہوئے پر بہت خوش ہوئی تھی۔ اس وجہ سے ان کے درمیان پہلے بھی خاموشی دوڑتی اور بے تکلفی تھی مگر بعض دندہ انہیں لگتا جیسے وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت چپ ہوئی جا رہی ہے۔ وہ پہلے ایسی نہیں تھی۔

"مگر اب وہ اسکول جانے والی بنی بھی تو نہیں رہی۔ میڈیکل کالج کی اسٹوڈنٹ ہے۔ پھر وقت بھی کہاں ہوتا ہے اس کے پاس۔" سلتی بیٹھ خود کو تسلی دے لیتی تھیں۔

وہ ان کی سب سے چھوٹی بیٹی تھی۔ بڑی دونوں بیٹیوں کی وہ شادی کر چکی تھیں۔ ایک بیٹی کی بھی شادی کر چکی تھیں جب کہ وہ بیٹے اور امامہ فیر شادی شدہ تھے۔

"اچھا ہی ہے کہ یہ سنجیدہ ہوتی جا رہی ہے۔ لڑکیوں کے لئے سنجیدگی اچھی ہوتی ہے۔ انہیں جتنی جلدی اپنی زندگی کا احساس ہو جائے، اتنا ہی اچھا ہے۔" سلتی نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے امامہ سے نظریں جٹالیں۔ وہ چینیوں میں گھبراہٹ ہوئی تھی اور جتنے دن وہ یہاں رہتی ان کی نظریں اس پر اسی طرح مرکوز رہتیں۔

"چنانچہ یہ سنا چکا تھا کہ امامہ گھبراہٹ ہوئی ہے جو بھی کام اس کے ذمے لگاؤ بس بھول ہی جاؤ۔" انہیں اچانک اپنے ملازم کا خیال آیا۔ جس کے پیچھے وہ لاؤنگ میں آئی تھیں۔ یاد آتے ہوئے وہ لاؤنگ سے نکل گئیں۔

☆.....☆.....☆

یہ نیا انٹر وینٹ تھی۔ تین سال شروع ہونے میں تیس سوٹ باقی تھے۔ دس لاکھوں پر مشتمل چھ سو چار سو سال کے لاکھوں کا وہ گروپ پچھلے دو دیکھنے سے اپنے اپنے سوٹر میں پھیلنے پر شہر کی مختلف سڑکوں پر اپنے کتب و کھانے میں مصروف تھا، ان میں سے چند نے اپنے ہاتھ پر چند آرینڈز باندھے ہوئے تھے جن پر ستر سال کے حوالے سے مختلف پیمائش درج تھیں۔ وہ لوگ ایک گھنٹہ پہلے پش علاقے کی ایک بڑی ہیر مارکیٹ میں موجود تھے اور وہاں وہ مختلف لڑکیوں پر آوازے کستے رہے تھے۔

اپنی بانٹیں پر سوار اب مختلف سڑکوں پر چکر لگا رہے تھے، ان کے پاس غار کریمز موجود تھے

جنہیں وہ وقتاً فوقتاً چلا رہے تھے۔ پونے بارہ سو چار سو سال کے باہر موجود تھے جہاں پارکنگ لائٹ گاڑوں سے بھر چکا تھا۔ یہ گاڑیاں ان لوگوں کی تھیں جو جم خانے میں ستر سال کے سلسلے میں ہونے والی ایک پارٹی میں آئے تھے۔ ان لڑکوں کے پاس بھی اس پارٹی کے دعوتی کارڈ موجود تھے۔ کیونکہ ان میں سے تقریباً تمام کے والدین جم خانہ کے ممبر تھے۔

وہ لڑکے انٹر وینٹ کے زیادہ بچے کر بچپن سوٹ ہو رہے تھے چند منٹوں بعد ڈانس طور سمیت تمام بچوں کی لائٹس آف ہو جاتی تھیں اور اس کے بعد باہر لان میں آتش بازی کے ایک مظاہرے کے ساتھ نیا سال شروع ہونے پر لائٹس آف ہو جاتی تھیں اور اس کے بعد تقریباً تمام رات وہاں انہیں کے ساتھ ساتھ شراب پی جاتی۔ جس کا اہتمام ستر سال کی اس تقریب کے لئے جم خانہ کی انتظامیہ خاص طور پر کرتی تھی۔ لائٹس آف ہوتے ہی وہاں ایک طوفان بدتمیزی کا آغاز ہو جاتا تھا اور وہاں موجود لوگ اسی "طوفان بدتمیزی" کے لئے وہاں آئے تھے۔

چند روزہ سال وہ لڑکا بھی دس لاکھوں کے اس گروپ کے ساتھ آنے کے بعد اس وقت ڈانس طور پر راک بیٹ پر ڈانس کر رہا تھا، ڈانس میں اس کی مہارت قابل دید تھی۔

بارہ بیٹے میں دس سیکنڈز رہ جانے پر لائٹس آف ہو گئیں اور ٹھیک بارہ بجے لائٹس ایک دم دوبارہ آن کر دی گئیں۔

انہرے کے بعد سیکنڈ دیکھنے والوں کی قیادت میں اب شور اور خوشی کے قہقہوں اور ہنسیوں میں بدل گئی تھیں چند سیکنڈز پہلے ختم جانے والا میوزک ایک بار پھر بجنا جانے لگا۔ وہ لڑکا اب اپنے دوستوں کے ساتھ باہر پارکنگ میں آ گیا جہاں بہت سے لڑکے اپنی اپنی گاڑیوں کے بادل بھا رہے تھے۔ ان ہی لڑکوں کے ساتھ بیڑے کے کین بکڑے وہ وہاں موجود ایک گاڑی کی چھت پر چڑھ گیا۔ اس لڑکے نے گاڑی کی چھت پر کھڑے کھڑے اپنی جیکٹ کی جیب سے بیڑے کا ایک بھرا ہوا کین نکالا اور پوری طاقت سے کچھ قاصطے پر کھڑی ایک گاڑی کی وڈا اسکرین پر دے مارا۔ ایک دھماکے کے ساتھ گاڑی کی وڈا اسکرین چرچر ہو گئی وہ لڑکا اطمینان کے ساتھ اپنے ہاتھ میں بکڑا کین پرتا رہا۔

☆.....☆.....☆

وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے کامران کو ڈیوٹیم کھیلنے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اسکرین پر موجود اسکرین کوئی خاص اضافہ نہیں ہو رہا تھا، شاید اس کی وجہ وہ مشکل ٹریک تھا جس پر کامران کو گاڑی ڈرائیو کرنی تھی۔ سالار لاؤنگ کے مسٹروں میں سے ایک صوفے پر بیٹھا اپنی ٹوٹ بک پر کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔ مگر وقتاً فوقتاً نظر اٹھا کرتی، وہی اسکرین کو بھی دیکھ رہا تھا جہاں کامران اپنی جد جہد میں مصروف تھا۔ ٹھیک آدھے گھنٹہ کے بعد اس نے ٹوٹ بک بند کر کے سامنے پڑی بیڑے پر رکھ دی۔ پھر صوفے پر ہاتھ

دکھ کر جماعتی رویہ۔ دونوں ٹانگیں سامنے پڑی میز پر دکھ کر اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں سر کے نیچے بانٹے وہ کچھ دیر اسکرین کو دیکھتا رہا، جہاں کامران اپنے تمام چائرسز ضائع کرنے کے بعد ایک بار پھر نیا گرم کھیلنے کی تیاری کر رہا تھا۔

”کیا پرالیم ہے کامران؟“ سٹالار نے کامران کو مخاطب کیا۔

”اویسے ہی..... خاتم لے کر آیا ہوں مگر اسکو کرنے میں پڑی مشکل ہو رہی ہے۔“ کامران نے بے ذراوی سے کہا۔

”اچھا مجھے دکھاؤ۔“ اس نے صوفے سے اٹھ کر ریوٹ کنٹرول اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

کامران نے دیکھا۔ پہلے جس سیکڑ میں ہی سالار اسے جس اسپینے پر دو دروازہ تھا اس اسپینے پر کامران اب تک نہیں دوڑا ہوا تھا۔ جو ٹریک اسے بہت مشکل لگ رہا تھا وہ سالار کے سامنے ایک بچکانہ چیز محسوس ہو رہا تھا۔ ایک منٹ بعد وہ جس اسپینے پر گاڑی دو دروازہ تھا اس اسپینے پر کامران کے لئے اس پر نظر میں نہ آتا تھا۔ مشکل ہو گیا جب کہ سالار اس اسپینے پر بھی گاڑی کو مکمل طور پر کنٹرول کر کے ہوئے تھا۔

تین منٹ کے بعد کامران نے پہلی بار گاڑی کو ڈانگ گئے اور پھر ٹریک سے اتر کر ایک دھماکے کے ساتھ جاہ کرتے دیکھا۔ کامران نے کچھ منظر اترے ہوئے سڑک سالار کو دیکھا۔ گاڑی کیوں چلا ہوئی تھی۔۔۔ جان گیا تھا۔ یہ ٹوٹ اب سالار کے ہاتھ کے بجائے میز پر پڑا تھا اور وہ اپنی ٹوٹ بیک اٹھائے کھڑا ہو رہا تھا۔ کامران نے سر اٹھا کر اُسے دیکھا۔ ”بہت بڑی جگہ ٹیم ہے۔“ سالار نے تبصرہ کیا اور کامران کی جانگوں کو چلا گئے ہوئے لٹاؤں سے باہر نکل گیا۔ کامران اونٹ پیچھے سات ہندسوں پر جی اسی اسکو رکھ کر رہا تھا جو اسکرین کے ایک کونے میں جھنگ رہا تھا۔ کچھ نہ کچھ میں آنے والے انداز میں اس نے ہیر وئی دو واڑے کو دیکھا۔ جس سے وہ غائب ہوا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ دونوں ایک بار پھر خاموش تھے، اسجد کو الجھن ہونے لگی۔ ایسا اتنی کم کو نہیں سمجھتی تھی وہ اس کے سامنے ہو جاتی تھی۔ جھجھکے آدھے گھنٹے میں اس نے گھنٹی کے لفظ بولے تھے۔

وہ اسے بچپن سے جانتا تھا۔ وہ بہت خوش مزاج تھی۔ ان دونوں کی نسبت ٹھہرائے جانے کے بعد بھی ابتدائی سالوں میں اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اسجد کو اس سے بات کر کے خوشی محسوس ہوتی تھی۔ وہ بلا کی حاضر جواب تھی، مگر پچھلے کچھ سالوں میں وہ یک دم بدل گئی تھی اور میڈیکل کالج میں جا کر قریہ تھریلی اور ابھی زیادہ محسوس ہونے لگی تھی۔ اسجد کو بعض دفعہ یوں محسوس ہوتا جیسے اس سے بات کرنے ہوئے وہ حد درجہ غماز رہتی ہے۔ ابھی وہ ابھی ہوئی ہی محسوس ہوتی اور ابھی اسے اس کے سچے میں عجیب سی سرد مہری محسوس ہوتی۔ اسے لگتا وہ جلد از جلد اس سے چھٹکارا پا کر اس کے پاس سے اُنھ کے چل چل جانا

454

اس وقت بھی وہ ایسا ہی محسوس کر رہا تھا۔

”میں کئی بار سوچتا ہوں کہ میں خواہتا ہوں تمہارے لئے یہاں آنے کا تہذکرہ تیار کروں..... تمہیں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہو گا کہ میں آؤں یا نہ آؤں۔“ امجد نے ایک گھبرائی سانس لے کر کہا۔ وہ اس کے بالمتبادل لان چیئر پر بیٹھی دور باؤ غری والی پرچم چڑھائی ہوئی تھل کو گھور رہی تھی۔ امجد کی شکایت پر اس نے گردن ہلاتے بغیر اپنی نظریں تھل سے ہٹا کر امجد پر مرکوز کر دیں۔ امجد نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا مگر وہ خاموش رہی تو اس نے گفتگو میں کچھ رد و بدل کے ساتھ اپنا سوال زہریلا۔

”تمہیں میرے بڑا آنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا امام۔۔۔ کیوں لٹیک کہہ رہا ہوں میں؟“

”اب میں کیا کہہ سکتی ہوں اس پر؟“

”ختم کم از کم انکار کو کر سکتی ہو۔ میری بات کو جتنا تو کھتی ہو کہ ایسی بات نہیں ہے۔ میں لطفہ سوچ رہا ہوں اور.....“

”ایسی بات نہیں ہے، آپ غلط سوچ رہے ہیں۔“ امام نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ اس کا دلچسپ جواب بھی اتنی ہی غصہ اور جھڑپ تھا جتنا پہلے تھا۔ اس کا ایک غصہ کی سانس لے کر رہ گیا۔

”ہاں، میری دعا اور خواہش تو یہی ہے کہ ایسا نہ ہو اور میں واقعی غلط سوچ رہا ہوں مگر تم سے بات کرتے ہوئے میں ہر بار ایسا ہی محسوس کرتا ہوں۔“

”بس بات سے آپ ایسا غصہ کرتے ہیں؟“ اس بار پہلی بار اسجد کو اس کی آواز میں کچھ ناراضی جھلکتی ہوئی غصہ نہیں ہوئی۔

”بہت سی باتوں سے..... تم میری کسی بات کا احتک سے جواب ہی دیتیں۔“

”عالمانکہ میں آپ کی ہر بات کا احوال سے جواب دینے کی ضرورت کو محسوس کرتی ہوں..... لیکن اب اگر آپ کو میرے جواب پسند نہ آئیں تو میں کیا کر سکتی ہوں۔“

"میں نے یہ کپ کہا کہ مجھے تمہارے جواب پسند نہیں آئے۔ میں تو صرف یہ کہہ رہا تھا کہ میری ہر بات کے جواب میں تمہارے پاس..... ہاں اور نہیں کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ بعض دفعہ تو مجھے لگتا ہے میں اپنے آپ کے باتیں کر رہا ہوں۔"

”اگر آپ مجھ سے یہ پوچھیں گے کہ تم ٹھیک ہو؟ تو میں اس کا جواب ہاں یا نہیں میں ہی دوں گی۔ ہاں اور نہیں کے علاوہ اس سوال کا جواب کسی تقریر سے دیا جاسکتا ہے تو آپ مجھے دودے دیں، میں دودے کر دوں گی۔“ وہ بالکل سنجیدہ تھی۔

"ہاں اور نہیں کے ساتھ بھی تو کچھ کہا جاسکتا ہے..... اور کچھ نہیں، تم جیسا کہ چاہو ہی پوچھ سکتی ہو۔"
"نہیں آپ کا کیا حال ہو چھو، ظاہر ہے اگر آپ میرے گھر آئے ہیں، میرے سامنے بیٹھے مجھ سے باتیں کر رہے ہیں تو اس کا واضح مطلب تو یہی ہے کہ آپ ٹھیک ہیں ورنہ آپ اس وقت اپنے گھر اپنے بستر پر پڑے ہوتے۔"

"یہ قارمبائی ہوتی ہے اماں.....!"

"اورے آپ جانتے ہیں، میں فارمیسیز پر یقین نہیں رکھتی۔ آپ بھی مجھ سے میرا حال نہ پوچھا کریں۔ میں بالکل مائنڈ نہیں کروں گی۔" امجد بیٹھے لاجواب ہو گیا۔

"ٹھیک ہے فارمیسیز کو کچھ ٹھوڑا، بندہ کوئی اور بات کر لیتا ہے۔ کچھ ڈسکس کر لیتا ہے۔ اپنی مصروفیات کے بارے میں ہی کچھ بتا دیتا ہے۔"

"امجد! میں آپ سے کیا ڈسکس کروں..... آپ پرنس کرتے ہیں۔ میں میڈیکل کی اسٹوڈنٹ ہوں..... آپ سے میں کیا پوچھوں، اسٹاک مارکیٹ کی پوزیشن.....؟ فرینڈ bullish تھا یا bearish انڈیکس میں کتنے پوائنٹس کا اضافہ ہوا؟ یا اگلی کنسٹنٹ کہاں بھیج رہے ہیں؟ اس بار گورنمنٹ نے آپ کو کتنی رپیٹ دی؟" اس کا لہجہ اب بھی اتنا ہی سرد تھا یا آپ سے اتنا ہی ڈسکس کروں، کون سے عوامل انسان کے جگر کو متاثر کر سکتے ہیں۔ بائی پاس سرجری میں اس سال کون سی نئی تکنیک استعمال کی گئی ہے۔ دل کی دھڑکن بحال کرنے کے لئے کتنے سے کتنے دولت کا الیکٹرک شاک دیا جاسکتا ہے۔ تو ہم دونوں کی مصروفیات تو یہ ہیں اب ان کے بارے میں ڈسکشن سے آپ اور میں محبت اور بے لنگھی کی کون سی حوصلیں ملے کریں گے۔ وہ میری کچھ سے باہر ہے۔"

امجد کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اب وہ اس لمحہ کو کوس رہا تھا جب اس نے اماں سے شکایت کی تھی۔

"اور بھی تو مصروفیات ہوتی ہیں انسان کی۔" امجد نے قدرے کمزور لہجہ میں کہا۔

"نہیں پڑھائی کے علاوہ میری تو اور کوئی مصروفیات نہیں ہیں۔" اماں نے قطعیت سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"پہلے بھی تو ہم دونوں آپ میں بہت سی باتیں کرتے تھے۔" اماں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"پہلے کی بات چھوڑیں، اب میں وقت ضائع کرنا اور ڈنٹیں کر سکتی۔ حیرت مجھے آپ پر ہو رہی ہے۔ آپ پرنس میں ہو کر اتنی اچھوڑ اور ایجوٹل سوچ رکھتے ہیں۔ آپ کو تو خود بہت پرکھچیل ہونا چاہئے۔"

امجد کچھ بول نہ سکا۔

"ہم دونوں کے درمیان جو رشتہ ہے وہ ہم دونوں جانتے ہیں۔ اب اگر آپ میری پکھیل اپروچ

کو بے اتفاقی، بے نیازی، ناراضی سمجھیں تو میں کیا کر سکتی ہوں۔ میں آپ کے ساتھ یہاں بھی ہوں تو اس کا مطلب یہی ہے کہ میں اس رشتے کو اہمیت دیتی ہوں ورنہ کوئی اجنبی تو اس طرح یہاں میرے ساتھ بیٹھ کر چائے نہیں پی سکتا۔" وہ ایک لمحے کے لئے ٹکی۔ "اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آپ کے آنے یا نہ آنے سے مجھے کوئی فرق پڑے گا نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم دونوں ہی بہت مصروف رہتے ہیں۔ ہم ماڈرن ایج کی بیدار ہیں اور ہیں نہ میں کوئی میر ہوں کہ آپ کے لئے کچی کی چوری لے جا کر ٹھنڈوں آپ کی بائسری منی رہوں گی نہ ہی آپ رانچے کے فیملی سے تعلق رکھتے ہیں کہ میرے لئے ٹھنڈوں یہ فریضہ سرانجام دیں۔ سچ یہی ہے کہ فرق واقعی نہیں پڑتا کہ ہم دونوں ملیں یا نہ ملیں، باتیں کریں یا نہ کریں۔ ہمارا رشتہ وہی رہے گا جواب ہے یا آپ کو لگتا ہے اس میں کوئی تبدیلی آسکتی ہے؟"

اگر امجد کے ماتھے پر ہینڈ نہیں آیا تھا تو اس کی واحد وجہ دسمبر کا مہینہ تھا ان دونوں کی عمر میں آٹھ سال کا فرق تھا مگر اس وقت کیلی بار امجد کو یہ فرق اٹھارہ سال کا محسوس ہوا تھا۔ وہ اسے اپنے سے اٹھارہ سال بڑی لگی تھی۔ وہ بچتے پہلے وہ انیس سال کی ہوئی تھی مگر اس وقت امجد کو لگ رہا تھا جیسے وہ انیس سال سے سیدھی ایدز مری میں مبتلا تھی اور خود وہ ایک بار پھر Pre-teen میں آ گیا تھا۔ وہ اس کے بالفاظ ٹانگ پر ٹانگ رکھے امجد کے چہرے پر نظریں جمائے اسی بے تاثر انداز میں اس کے جواب کی منتظر تھی۔ امجد نے کرسی کے مجھے پر گئے اس کے ہاتھ میں مٹکی کی انگوٹھی کو دیکھا اور کھنکھار کر اپنا گلا صاف کرنے کی کوشش کی۔

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو؟ میں صرف اس لئے ڈسکشن کی بات کر رہا تھا کہ ہمارے درمیان انڈر اسٹینڈنگ ڈویلپ ہو سکے۔"

"امجد! میں آپ کو بہت اچھی طرح سمجھتی اور جانتی ہوں اور یہ جان کر مجھے الموس ہوا کہ آپ سمجھتے ہیں کہ ہمارے درمیان ابھی ابھی کسی انڈر اسٹینڈنگ کو ڈویلپ کرنے کی ضرورت ہے۔ میرا خیال تھا ہم دونوں کے درمیان ابھی خاصی انڈر اسٹینڈنگ ہے۔"

وہ امجد کا دل نہیں تھا، امجد نے اعتراف کیا۔

"اور اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ اتنا ہی اور پرنس کو ڈسکس کر کے ہم کوئی انڈر اسٹینڈنگ ڈویلپ کر لیں گے تو ٹھیک ہے، آٹھ دہم بھی ڈسکس کر لیا کریں گے۔" اماں کے لہجے میں لاپرواہی کا عنصر واضح تھا۔ "تم کو میری بات بری لگی ہے؟"

"بالکل بھی نہیں..... میں کیوں برا مانوں گی؟" اس کے لہجے میں موجود حیرت کے عنصر نے امجد کو مزید شرمندہ کیا۔

"شاید میں نے غلط بات کی ہے۔" "شاید نہیں یقیناً۔" اس نے تینوں نظروں پر باری باری زور

دے ہوئے کہا۔

”تم جانتی ہو میرے نزدیک یہ رشتہ کتنی اہمیت کا حامل ہے۔ میرے بہت سے خواب ہیں۔ اس رشتے کے حوالے سے، تمہارے حوالے سے۔“ امجد نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ لہجہ بے تاثر چہرے کے ساتھ اسی تیل کو دیکھ رہی تھی۔

”شاید اس لئے میں ضرورت سے زیادہ حساس ہو جاتا ہوں۔ مجھے اس رشتے کے حوالے سے کوئی خوف نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں یہ رشتہ ہم دونوں کی مرضی سے ہوا ہے۔“

وہ اس کے چہرے پر نظر میں جمائے ہوئے جذب سے کہہ رہا تھا اور یکدم ہی اسے ایک بار پھر یہ احساس ہونے لگا تھا جیسے وہ وہاں موجود نہیں تھی۔ اس کی بات نہیں سن رہی تھی۔ امجد کو لگا وہ ایک بار پھر خود سے باتیں کر رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

ایک بہت بڑی کوٹھی کے عقب میں موجود انجینی سے میوزک کی آواز باہر لان تک آرہی تھی۔ باہر موجود کوئی بھی شخص انجینی کے اندر موجود لوگوں کی قوت برداشت پر حیرانی کا اظہار کر سکا تھا لیکن وہ انجینی کے اندر موجود لوگوں کی حالت دیکھ لیتا تو وہ اس حیران کن قوت برداشت کی وجہ جان جاتا۔ انجینی کے اندر موجود چھ لڑکے جس حالت میں تھے اس حالت میں اس سے زیادہ تیز اور بلند میوزک بھی ان پر اثر انداز نہ ہو سکتا تھا اور جہاں تک ساتویں لڑکے کا تعلق تھا تو وہ ایسی کسی چیز سے متاثر نہیں ہوتا تھا۔

انجینی کا وہ کمرہ اس وقت دھوئیں کے مرغولوں اور عجیب قسم کی بو سے بھرا ہوا تھا۔ قالین پر ایک مشہور ریٹرنٹ سے لائے گئے کھانے کے کھلے ہوئے ڈبے اور ڈسپوزر محل نہیں۔ بچے بھی بڑے تھے۔ قالین پر کھائے پینے کی بچی بچی چیزیں اور ہڈیاں بھی ادھر ادھر بچھری تھیں۔ سوٹ ڈریسنگ کی پلاسٹک کی بوتلیں بھی ادھر ادھر لٹک رہی تھیں۔ کچپ کی بوتلوں سے نکلنے والی کچپ قالین کو کچھ اور بدلتا چارہ تھی۔ وہ سات لڑکے اسی قالین پر ایک دوسرے سے کچھ قاسلے پر براجمان تھے۔ ان کے سامنے قالین پر بڑے خالی کپڑے کا ایک ڈیمر بھی لگا ہوا تھا اور تقریباً گیارہ سلسلہ وہیں تک نہیں لڑکا تھا اس وقت وہ ان ڈارگز کو استعمال کرنے میں مصروف تھے جن کا انتظام ان میں سے ایک نے کیا تھا۔

پچھلے دو ماہ میں وہ تیسری بار اس ایڈیٹر کے لئے اکٹھے ہوئے تھے اور ان تین مواقع پر وہ چار مختلف قسم کی ڈرگز استعمال کر چکے تھے۔ پہلی بار انہوں نے دو ڈرگز استعمال کی تھی جو ان میں سے ایک کو اپنے باپ کی دواؤں سے ملی تھی۔ دوسری بار انہوں نے جو ڈرگز استعمال کی تھی وہ انہوں نے اپنے ایک اسکول بیل کے توسط سے اسلام آباد کے ایک کلب سے خریدی تھی اور اس بار وہ جو ڈرگز استعمال کر

رہے تھے وہ انہوں نے ایک ٹرپ پر اوپنڈی کی ایک مارکٹ میں ایک افغان سے خریدی تھی۔ تینوں مواقع پر انہوں نے ان ڈرگز کے ساتھ انکوئل کا استعمال کیا تھا جس کا حصول ان کے لئے مشکل نہیں تھا۔ اس وقت بھی ان سات لڑکوں میں سے چھ لڑکے پوری طرح نشے میں تھے۔ ان میں سے ایک ابھی بھی کانپتے ہاتھوں کے ساتھ ڈرگز کو سونپنے کی کوشش کر رہا تھا جب کہ دو لڑکے سگریٹ پیچے ہوئے باقی لڑکوں کے ساتھ ٹوٹی پھوٹی گھنگو کر رہے تھے۔ صرف ساتواں لڑکا مکمل طور پر ہوش میں تھا اس لڑکے کا چہرہ pimples / مہاسوں سے بھرا ہوا تھا اور اس کے گلے میں موجود ایک سیاہ رنگ ڈوری میں تین چار تانبے کی عجیب سی شکل کے زیورات پردے ہوئے تھے۔ ایلس پر پیسلے اسٹائل کے کارنر والی ایک چمکر ڈارک بلو شرٹ کے ساتھ وہ ایک بے ہودہ سی سرنگی چھو پہنے ہوئے تھا جس کے دونوں ٹخنوں پر میڈو کا چہرہ چنٹ کیا گیا تھا۔

اس نے آنکھیں کھول کر اپنی دائیں طرف موجود لڑکوں پر ایک اپنی نظر ڈالی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں مگر اس سرخی کے باوجود وہ ایسا کوئی تاثر نہیں دے رہی تھیں کہ وہ باقی لڑکوں کی طرح مکمل طور پر نشے کی گرفت میں تھا۔ چند منٹ انہیں دیکھنے کے بعد اس نے سیدھے ہوتے ہوئے ڈیمار میں موجود باقی ڈرگز کون میں ڈال دی اور ایک چھوٹے سے سڑک کے ساتھ اسے سونپنے لگا۔ کافی دیر کے بعد اس نے اسٹرا کو ایک طرف پیکیج دیا اور اپنے ہاتھ کی پور پر تھوڑی سی ڈرگز رکھ کر زبان کی لوک کے ساتھ کچھ دلچسپی، تجسس مگر احتیاط کے ساتھ اسے پکھا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے برقی دھاری کے ساتھ اپنے بائیں جانب تھوکا، ڈرگز جیتنا بہت اچھی کوالٹی کی تھی۔ اس کی آنکھیں اب پہلے سے زیادہ سرخ ہو رہی تھیں مگر ابھی بھی وہ اپنے ہوش و حواس میں تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اپنی اس سرگرمی سے کچھ زیادہ محفوظ نہیں ہوا۔ ایک دو منٹ کے بعد اس نے اپنے پاس قالین پر پڑے ہوئے بیڑ کے can سے چند گھونٹ لیتے ہوئے پیسے ڈرگز کے ڈاسٹ کو صاف کرنے کی کوشش کی۔ can دیکھنے کے بعد وہ چند منٹ تک کون میں موجود ڈرگز کو دیکھتا رہا دوسرے چھ لڑکے اس وقت تک نشے میں پوری طرح دھت کارہٹ پر اور سیدھے سیدھے پڑے تھے مگر وہ اب بھی اسی طرح بیٹھا تھا can میں موجود بیڑ کے گھونٹ لیتے ہوئے وہ ہر سوچا انداز میں ان سب کو دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھیں اب حورم ہو رہی تھیں مگر ان میں موجود چمک بتا رہی تھی کہ وہ ابھی بھی مکمل طور پر نشے میں نہیں ہے۔

یہ اس کے ساتھ تیسری بار ہوا تھا۔ پہلی دو بار ڈرگز استعمال کرنے کے بعد بھی وہ اسی طرح بیٹھا رہا تھا جب کہ اس کے دوست بہت جلد نشے میں دھت ہوئے تھے۔ رات کے پچھلے پہر وہ ان لوگوں کو اسی حالت میں چھوڑ کر خود گھر آگیا تھا۔ آج بھی وہ یہی کر رہا تھا تھا۔ کمرے کے اندر موجود ڈرگز کی بو سے اب پہلی بار وہ ابھنے لگا تھا اس نے کھڑا ہونے کی کوشش کی اور وہ لڑکھڑاہٹ اپنی لڑکھڑاہٹ پر قابو

پاتے ہوئے وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ نیچے جھک کر اس نے کاپٹ سے کی رنگ، والٹ اور کریڈٹ کارڈ اٹھائے پھر آگے بڑھ کر اس نے اسٹیرج کو بند کر دیا۔ اپنی ستورم اور سرخ آنکھوں سے اس نے کمرے میں ایک نظر دوڑائی۔ یوں جیسے وہ کوئی چیز یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو پھر وہ کمرے کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

ایک بار پھر نیچے جھک کر اس نے جاگڑ پینے اور ان کے قصوں کو ٹکٹوں کے گرد لپیٹ کر گردبانہ جی پھر دروازے کا لاک کھول کر وہ باہر نکل گیا۔ روشنی سے یک دم وہ کوہ پلہ در کی تاریکی میں آ گیا تھا۔ اندھیرے میں اپنا راستہ دھونڈتے ہوئے وہ انگیسی کے چرونی دروازے کو کھولتا ہوا باہر لان میں آ گیا۔ انگیسی کی سڑکیاں اترتے ہوئے اسے اپنی ناک سے کوئی چیز بہتی ہوئی محسوس ہوئی۔ بالیاں ہاتھ اٹھا کر اس نے اپنے اوپر ہی ہونٹ پر رکھا اس کی انگلیاں چھپانے لگی تھیں۔ اس نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے اپنی انگلیوں کو انگیسی کی چرونی لائٹ کی روشنی میں دیکھا۔ اس کی پوروں پر خون کے قطرے گتے ہوئے تھے۔ اس نے اپنی ٹراؤز کی جیب نڈلتے ہوئے اندر سے ایک رومال برآمد کیا اور اپنی پوروں پر لگا ہوا خون صاف کیا اس کے بعد اس رومال کے ساتھ اس نے اپنے ناک سے نچنے والا خون صاف کیا اسے اپنے حلق میں کوئی چیز چھتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس نے کھانکھ کر اپنا گلا صاف کرنے کی کوشش کی۔ اسے اب اپنے سینے میں بھی ٹھنکن کا احساس ہونے لگا۔ چند گہرے سانس لے کر اس نے اس ٹھنکن کو کم کرنے کی کوشش کی۔ وہیں کھڑے کھڑے اس نے دو تین بار نیچے تھوکا اور ایک بار پھر سڑکیاں اترنے کے لئے قدم بڑھایا۔ وہ یک دم ٹھٹھک گیا۔ اس کے ناک میں عجیب سی سنسنیٹ ہوئی اور پھر یک دم کوئی چیز پوری قوت سے پہنچ گئی۔ وہ بے اختیار کمرے کی جھک گیا۔ ایک دھماکہ کی صورت میں اس کی ناک سے نچنے والا خون سڑکیوں پر گرنے لگا تھا۔ مارٹل پر پھسکا ہوا خون، وہ اسے دیکھتا رہا۔

☆.....☆.....☆

گالف کلب میں تقریباً تقسیم انعامات منعقد کی جا رہی تھی۔ سولہ سالہ سالار سکندر بھی انظر سکھیں کی کیکری میں seven under par کے اسکور کے ساتھ پہلی پوزیشن کی ٹرائی وصول کرنے کے لئے موجود تھا۔

سکندر عثمان نے سالار سکندر کا نام پکارے جانے پر تالیاں بجاتے ہوئے اس ٹرائی کیمپٹ کے بارے میں سوچا۔ جس میں اس سال انہیں کچھ مزید تبدیلیاں کر والی پڑیں گی۔ سالار کو ملنے والی شیلڈ ز اور ٹرائی کی تعداد اس سال بھی پچھلے سالوں جیسی ہی تھی۔ ان کے تمام بچے ہی پڑھائی میں بہت اچھے تھے مگر سالار سکندر باقی سب سے مختلف تھا۔ ٹرائی، شیلڈ ز اور سڑکیوں کے معاملے میں وہ سکندر عثمان کے باقی بچوں سے بہت آگے تھا۔ ۵۰ آئی کیو کیل کے حامل اس بچے کا مقابلہ کرنا ان میں سے کسی کے لئے ممکن

تھا بھی نہیں۔

فخریہ انداز میں تالیاں بجاتے ہوئے سکندر عثمان نے دائیں طرف بٹھی ہوئی اپنی بیوی سے سرگوشی میں کہا: "یہ گالف میں اس کی حیرتوں اور اس سال کی چوتھی ٹرائی ہے۔"

"ہر چیز کا حساب رکھتے ہو تم۔" اس کی بیوی نے مسکراتے ہوئے جیسے قدرے ستائشی انداز میں اپنے شوہر سے کہا، جس کی نظر میں اس وقت مہمان خصوصی سے ٹرائی وصول کرتے ہوئے سالار پر مرکوز تھیں۔

"صرف گالف کا اور کیوں، دو ختم ابھی طرح جاتی ہو۔" سکندر عثمان نے اپنی بیوی کو دیکھا جواب سیٹ کی طرف جاتے ہوئے سالار کو دیکھ رہی تھی۔

"اگر یہ اس وقت اس مقابلے میں شرکت کرنے والے پروفیشنل کھلاڑیوں کے ساتھ کھیل رہا ہو تو بھی اس وقت اس کے ہاتھ میں یہی ٹرائی ہوتی۔" سکندر عثمان نے بیٹے کو دور سے دیکھتے ہوئے کچھ فخریہ انداز میں دعویٰ کیا۔ سالار اب اپنی سیٹ کے اطراف میں موجود دوسری سیٹوں پر موجود دوسرے انعامات حاصل کرنے والوں سے ہاتھ ملانے میں مصروف تھا۔ ان کی بیوی کو سکندر عثمان کے دعویٰ پر کوئی حیرت نہیں ہوئی کیونکہ وہ جانتی تھیں سالار کے بارے میں یہ ایک باپ کا جذباتی جملہ نہیں تھا۔ وہ واقعی اتنا ہی غیر معمولی تھا۔

اسے دو ہفتے پہلے اپنے بھائی زہیر کے ساتھ اسی گالف کورس پر افکارہ بول پر کھیل جانے والا گالف کا کچھ یاد آیا۔ rough میں اتفاقاً گر جانے والی ایک بال کو وہ جس صفائی اور مہارت کے ساتھ واپس کریں پر لایا تھا اس نے زہیر کو حیرت کر دیا، وہ پہلی بار سالار کے ساتھ گالف کھیل رہا تھا "مجھے یقین نہیں آ رہا۔" افکارہ بول کے خارجہ تک کسی کو بھی یہ یاد نہیں تھا کہ اس نے یہ جملہ کتنی بار بولا تھا۔

rough سے کھیل جانے والی اس شاٹ نے اگر اسے حیرت کیا تھا تو سالار سکندر کے Pullers نے اسے دم بخود کر دیا تھا۔ گیند کو بول میں جاتے دیکھ کر اس نے کلب کے سہارے کھڑے کھڑے صرف گردن موڑ کر آنکھوں سی آنکھوں میں سالار سکندر اور اس بول کے درمیان موجود فاصلے کو ماپا تھا اور پھر جیسے بے چینی سے سر ہلاتے ہوئے سالار کو دیکھا۔

"آج سالار صاحب اچھا نہیں کھیل رہے۔" زہیر نے طر کر بے چینی کے عالم میں اپنے پیچھے کھڑے کیڑی کو دیکھا جو گالف کا رٹ پکڑے سالار کو دیکھتے ہوئے بڑبڑا رہا تھا۔

"ابھی یہ اچھا نہیں کھیل رہا؟" زہیر نے کچھ استہزاء سے انداز میں کلب کے کیڑی کو دیکھا۔

"ہاں صاحب ورنہ بال بھی rough میں نہ جاتی۔" کیڑی نے بڑے معمول کے انداز میں انہیں بتایا۔

"آپ آج یہاں پہلی بار کھیل رہے ہیں اور سالار صاحب پچھلے سات سال سے یہاں کھیل رہے ہیں۔"

میں اسی لئے کہہ رہا ہوں کہ آج وہ اچھا نہیں کھیل رہے۔
کیٹی نے زیر کی معلومات میں اضافہ کیا اور زیر نے اپنی بہن کو دیکھا جو خیر انداز میں مسکرا رہی تھیں۔

"اگلی بار میں پوری تیاری کے ساتھ آؤں گا اور اگلی بار کھیل کی جگہ کا انتخاب بھی میں کر دوں گا۔"
زیر نے کچھ وقت کے عالم میں اپنی بہن کے ساتھ سالار کی طرف جاتے ہوئے کہا۔
"any time any place" (کسی بھی وقت کسی بھی جگہ) انہوں نے اپنے بچے کی طرف سے اپنے بھائی کو براہ امتداد انداز میں چیلنج کرتے ہوئے کہا "میں تمہیں اس دیک اینڈ پرائیوٹ اور ڈی اے کے ساتھ کراچی بلوانا چاہتا ہوں۔" انہوں نے سالار کے قریب کھینچ کر بچے کے چمکے انداز میں کہا۔ سالار مسکرایا۔
"کس لئے؟"

"میرے behalf پر تمہیں کراچی چیمبر آف کامرس کے صدر کے ساتھ ایک میچ کھیلنا ہے میں اس بار ایکشن میں اس سے ہار ہوں، مگر وہ اگر کسی سے گالف کا میچ ہار گیا تو اسے ہارٹ ایک ہو جائے گا اور وہ بھی ایک بچے کے ہاتھوں so let's settle the scores کی بات پر ہنسی نہیں، مگر سالار کے ہاتھ پر چند مل سودا ہو گئے تھے۔

"بچہ؟" اس نے ان کے جیلے میں موجود واحد قابل اعتراض نقطہ پر زور دیتے ہوئے اسے دہرایا۔
"میرا خیال ہے انکل اچھے کل آپ کے ساتھ اٹھارہ ہو کر کا ایک اور ٹیم کرنا پڑے گا۔"

☆.....☆.....☆

امجد روزہ کھول کر اپنی ماں کے کمرے میں داخل ہوا۔

"ای اے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

"ہاں کہو..... کیا بات ہے؟"

امجد مونس پر بیٹھ گیا۔ "آپ ہاشم انکل کی طرف نہیں گئیں؟"

"نہیں۔ کیوں کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں اماں اس دیک اینڈ پرائیوٹ ہوئی ہے۔"

"اچھا..... آج شام کو چلیں گے..... تم گئے تھے وہاں؟" کھیلنے نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ میں گیا تھا۔"

"کیسی ہے وہ۔ اس بار تو خاصے غریب کے بعد آئی ہے۔" کھیلے کو یاد آیا۔

"ہاں وہاں کے بعد....." کھیلے کو امجد کچھ الجھا ہوا لگا۔

"کوئی مسئلہ ہے؟"

"اسی اچھے اماں دیکھتے کچھ غریب سے بہت بدلی بدلی لگ رہی ہے۔" اس نے ایک مگر اسانس لیے ہوئے کہا۔

"بدلی بدلی؟ کیا مطلب؟"

"مطلب تو میں شاید آپ کو نہیں سمجھا سکتا، بس اس کا رویہ میرے ساتھ کچھ عجیب سا ہے۔" امجد نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"آج تو وہ ایک معمولی سی بات پر ناراض ہو گئی۔ پہلے جیسی کوئی بات ہی نہیں رہی اس میں..... میں سمجھ نہیں پا رہا کہ اسے ہوا کیا ہے۔"

"تمہیں وہم ہو گیا ہو گا امجد..... اس کا رویہ کیوں بدلنے لگا..... تم کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو کر سوچ رہے ہو۔" کھیلے نے اسے حیرانی سے دیکھا۔

"نہیں اسی..... پہلے میں بھی جی جی کچھ رہا تھا کہ شاید مجھے وہم ہو گیا ہے لیکن اب خاص طور پر آج مجھے اپنے یہ احساسات صرف وہم نہیں لگے ہیں۔ وہ بہت اکڑے سے انداز میں بات کرتی رہی مجھ سے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے اس کا رویہ کیوں بدل گیا ہے؟" کھیلے نے برقی میز پر رکھے ہوئے کہا۔

"یہ تو مجھے نہیں پتا؟"

"تم نے پوچھا اس سے؟"

"ایک بار نہیں کہی بار....."

"پھر.....؟"

"ہر بار آپ کی طرح دو بھی یہی کہتی ہے کہ مجھے غلط فہمی ہو گئی ہے۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"کبھی وہ کہتی ہے اسٹریڈ کی وجہ سے ایسا ہے..... کبھی کہتی ہے وہ اب پھور ہو گئی ہے اس لئے....."

"یہ ایسی کوئی غلط بات تو نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے واقعی یہ بات ہو۔" کھیلے نے مکھ سوچتے ہوئے کہا۔

"ای بات سمجھ گئی کی نہیں ہے۔ مجھے لگتا ہے وہ مجھ سے کھڑے لگی ہے۔" امجد نے کہا۔

"تم فضول باتیں کر رہے ہو امجد اس میں سمجھ گئی کہ ایسی کوئی بات ہو گی ویسے بھی تم دونوں تو بچپن سے ایک دوسرے کو جانتے ہو، ایک دوسرے کی عادات سے واقف ہو۔"

کھیلے کو بچنے کے خدشات ہانگلے ہوئے تھے۔

"ظاہر ہے۔ عمر کے ساتھ کچھ تبدیلیاں آتی جاتی ہیں، اب بچے تو رہے نہیں ہو تم لوگ..... تم معمولی معمولی باتوں پر چیخاں ہونے کی عادت چھوڑ دو۔" انہوں نے بچے کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"وہ بچے بھی ہاشم بھائی اگلے سال اس کی شادی کر دینا چاہتے ہیں۔ وہ کہہ رہے تھے کہ وہ بعد میں اپنی تعلیم

کھل کرتی رہے گی۔ کم از کم وہ تو اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔" بھلیہ نے انکشاف کیا۔
"انگل نے ایسا کیا کیا؟" اس پر کچھ چٹکا۔

"کئی بار کہا ہے..... میرا خیال ہے وہ لوگ تو تیار پاں بھی کر رہے ہیں۔" اس پر نے ایک اطمینان بھر دیا۔

"ہو سکتا ہے اماں اسی وجہ سے قدرے پریشان ہو۔"

"ہاں ہو سکتا ہے..... بہر حال یہ ہی سچ ہے۔ اگلے سال شادی ہو جانی چاہئے۔" اس پر نے کچھ مطمئن ہوتے ہوئے کہا۔

☆.....☆.....☆

وہ سولہ ستر سال کا ایک دبلا چلا کر لبا لڑکا تھا اس کے چہرے پر بلوغت کا وہ گہرا دواں نظر آرہا تھا جسے ایک بار بھی شبو نہیں کیا تھا اور اس روئیں نے اس کے چہرے کی مصوہیت کو برقرار رکھا تھا۔ وہ اس پر شش شادیں اور ایک ڈھیلی ڈھالی شرٹ پہنے ہوتے تھا۔ اس کے پیروں میں کاشن کی جرابیں اور جاگرز تھے جو گم چپاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں ایک عجیب طرح کی بے چینی اور اضطراب تھا۔

وہ اس وقت ایک پر بھوم مرکز کے بچوں کے ایک بڑی ڈیوٹی سونٹر سائیکل پر بیٹھا ہوا تھی۔ تقریباً اسے اڑائے لے جا رہا تھا۔ وہ کسی قسم کے ہیڈلٹ کے بغیر تھا اور بہت دلیق انداز میں سونٹر سائیکل کو چلا رہا تھا۔ اس نے دو دفعہ ٹھٹھل کر ڈا..... تین دفعہ خطرناک طریقے سے کچھ گاڑیوں کو اور ٹیک کیا..... چار دفعہ بانیک چلاتے چلاتے اس کا اگلا پیرو اٹھا دیا اور کتنی ہی دیر دور تک صرف ایک پیچ پر بانیک چلاتا رہا..... دو دفعہ دائیں بائیں دیکھے بغیر اس نے اپنی مرضی کا ٹرن لیا..... ایک دفعہ وہ زگ زگ انداز میں بانیک چلانے لگا، دیکھے دفعہ اس نے پوری رفتار سے بانیک چلاتے ہوئے اچھے دونوں پاؤں اٹھا دیے۔

پھر ایک دم اسی رفتار سے بانیک چلاتے ہوئے اس نے دن اسے کی خلاف ورزی کرتے اس لین کو توڑا اور دوسری لین میں زنانے کے ساتھ گھس گیا، سامنے سے آتی ہوئی ٹریک کی بیک میں ایک دم چرچانے لگیں..... اس نے نکل اسپیڈ پر بانیک چلاتے ہوئے ایک دم ونڈل پر سے اچھے ساتھ بنا دیے۔ بانیک پوری رفتار کے ساتھ سامنے سے آنے والی گاڑی کے ساتھ ٹکرائی، وہ ایک جھٹکے کے ساتھ ہوا میں بلند ہوا اور پھر کسی چیز پر گر..... اسے اندازہ نہیں ہوا۔ اس کا ذہن تاریک ہو چکا تھا۔

وہ دونوں لڑکے اس پر ایک دوسرے کے بالفاظی دوسرے کے پیچھے کڑے تھے، مگر ہاں میں موجود اسٹوڈنٹس کی نظریں ہمیشہ کی طرح ان میں سے ایک پر مرکوز تھیں، وہ دونوں بیٹے ہوائے کے

انتخاب کے لئے کوئیننگ کر رہے تھے اور وہ پروگرام بھی اس کا ایک حصہ تھا۔ دونوں کے دوسرے پر ایک ایک پکڑ لگا ہوا تھا، جن میں سے ایک پر دوٹ فار سالار اور دوسرے پر دوٹ فار فیضان لکھا ہوا تھا۔

اس وقت فیضان بیٹے ہوائے لگا جانے کے بعد اپنے ممکنہ اقدامات کا اعلان کر رہا تھا، جب کہ سالار پوری سنجیدگی کے ساتھ اسے دیکھتے تھے۔ فیضان اسکول کا سب سے اچھا مقرر تھا اور اس وقت بھی وہ اپنے جوش و خلبات کے کمال دکھانے میں مصروف تھا اور اسی پر فخر لب و لہجے میں بات کر رہا تھا جس کے لئے وہ مشہور تھا۔ بہترین سائنس سسٹم کی وجہ سے اس کی آواز اور انداز دونوں ہی خاصے خاصے تھے۔ ہال میں بلاشبہ سکوت طاری تھا اور یہ خاموشی صرف اسی وقت فوجی جب فیضان کے سپورٹرز اس کے کسی اچھے بھلے پر داد دینا شروع ہوتے ہال ایک دم تالیوں سے گونج اٹھتا۔

آدھ گھنٹہ کے بعد وہ جب اپنے لئے دوٹ کی اپیل کرنے کے بعد خاموش ہوا تو ہال میں اگلے کئی منٹ تالیاں اور سیٹیاں بگتی رہیں۔ ان تالیاں بجانے والوں میں خود سالار سکندر بھی شامل تھا۔ فیضان نے ایک خاصانہ نظر ہال پر اور سالار پر ڈالی اور اسے تالیاں بجاتے دیکھ کر اس نے گردن کے ہلکے سے اشارے سے اسے سر اٹھا، سالار سکندر آسمان حریف نہیں تھا یہ وہ اچھی طرح جانتا تھا۔

اس کی سکرٹری اب سالار سکندر کے لئے انڈسٹری کر رہا تھا۔ تالیوں کی گونج میں سالار نے بولنا شروع کیا۔

"گھنٹہ تک فریڈز....." وہ ایک لمحہ ٹھہرا۔ "فیضان اکبر ایک مقرر کے طور پر یقیناً ہمارے اسکول کا اثاثہ ہیں۔ میں یاد دہراؤں گی ان کے مقابلے میں کسی اسٹیج پر کڑا نہیں ہو سکتا۔" وہ ایک لمبے کے لئے رکھا اس نے فیضان کے چہرے کو دیکھا۔ جس پر ایک خفیہ مسکراہٹ ابھر رہی تھی مگر سالار کے بھلے کے باقی حصے نے اگلے لمحے اس مسکراہٹ کو غائب کر دیا۔

"اگر معاملہ صرف باتیں بتانے کا ہو تو....."

ہال میں ابھی سی ٹکٹھلا نہیں ابھری۔ سالار کے لہجے کی سنجیدگی پر قرار تھی۔
"مگر ایک بیٹے ہوائے اور مقرر میں بہت فرق ہوتا ہے۔ مقرر کو باتیں کرنی ہوتی ہیں۔ بیٹے ہوائے کو کام کرنا ہوتا ہے۔ دونوں کے درمیان فرق talker اور doer کا ہوتا ہے اور

great talkers are not great doers سالار کے سپورٹرز کی تالیوں سے ہال گونج اٹھا۔
"میرے پاس فیضان اکبر جیسے خوب صورت لفظوں کی روانی نہیں ہے۔" اس نے اپنی بات جاری رکھی۔ "میرے پاس صرف میرا نام ہے اور میرا حاشاؤں کا بکاؤ اور مجھے کوئیننگ کے لئے لفظوں کے کوئی دور بان نہیں بہانے مجھے صرف چند الفاظ کہنے ہیں۔" وہ ایک بار پھر دکا۔

"Trust me and vote for me" (مجھ پر اعتماد کریں اور مجھے ووٹ دیں)۔

اس نے شہر پہ ادا کرتے ہوئے جس وقت اپنے ٹانگ کو آف کیا اس وقت ہال ٹائلوں سے گونج رہا تھا ایک منٹ چالیس سیکنڈز میں وہ اسی پے گئے اور calculated انداز میں بولا تھا، جو اس کا خاصا تھا۔ اور اسی ڈیڑھ منٹ نے فیضان کا تختہ کر دیا تھا۔

اس ایجنسی کے خلاف کے بعد دونوں امیدواروں سے سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔ سالار سکندر ان جوابات میں بھی اتنے ہی اختصار سے کام لے رہا تھا جتنا اس نے اپنی تقریر میں لیا تھا۔ اس کا سب سے طویل جواب چار جملوں پر مشتمل تھا جب کہ فیضان کا سب سے مختصر جواب بھی چار جملوں پر مشتمل نہیں تھا۔ فیضان کی وہ فصاحت و بلاغت جو پہلے اس کی خوبی تھی اب اس وقت اس اسٹیج پر سالار کے مختصر جوابات کے سامنے چرب زبانی نظر آرہی تھی اور اس کا احساس خود فیضان کو بھی ہو رہا تھا، جس سوال کا جواب سالار ایک لفظ یا ایک جملے میں دیتا، اس کے لئے فیضان کو عادتاً تہیہ یا مدحی پڑتی اور سالار کا اپنی تقریر میں اس کے بارے میں کیا ہوا یہ تہرہ وہاں موجود اسٹوڈنٹس کو کچھ اور عجیب محسوس ہوتا کہ ایک مقرر صرف باتیں کر سکتا ہے۔

"سالار سکندر کو ہیڈ ہوائے کیوں ہو چاہئے؟" سوال کیا گیا۔

"کیونکہ آپ بہترین شخص کا انتخاب چاہتے ہیں۔" جواب آیا۔

"کیا یہ جملہ خود ساختہ نہیں ہے؟" اعتراض کیا گیا۔

"نہیں یہ جملہ خود شناسی ہے۔" اعتراض کو رد کر دیا گیا۔

"خود ساختہ اور خود شناسی میں کیا فرق ہے؟" ایک بار پھر چپے ہوئے لہجے میں پوچھا گیا۔

"وہی جو فیضان اکبر اور سالار سکندر میں ہے۔" سنجیدگی سے کہا گیا۔

"اگر آپ کو ہیڈ ہوائے نہ دیا تو آپ کو کیا فرق پڑے گا؟"

"فرق مجھے نہیں آپ کو پڑے گا۔"

"کیسے.....؟"

"اگر بہترین آدمی کو ملک کا لیڈر نہ بنایا جائے تو فرق قوم کو پڑتا ہے۔ اس بہترین آدمی کو نہیں۔"

"آپ اپنے آپ کو بھر بہترین آدمی کہہ رہے ہیں۔" ایک بار پھر اعتراض کیا گیا۔

"کیا اس ہال میں کوئی ایسا ہے جو خود کو برے آدمی کے ساتھ equate کرے؟"

"ہو سکتا ہے ہو؟"

"پھر میں اس سے ملتا چاہوں گا۔" ہال میں ہنسی کی آوازیں اُبھریں۔

"ہیڈ ہوائے بننے کے بعد سالار سکندر جو تبدیلیاں لائے گا اس کے بارے میں بتائیں۔"

"تبدیلی بتائی نہیں جاتی دکھائی جاتی ہے اور یہ کام میں ہیڈ ہوائے بننے سے پہلے نہیں کر سکتا۔"

چند اور سوال کئے گئے پھر اسٹیج ٹیکر ٹری نے حاضرین میں سے ایک آخری سوال لیا۔ وہ ایک سری فنک لڑکا تھا جو کچھ شرارتی انداز میں مسکراتے ہوئے کھڑا ہوا۔

"مگر آپ میرے ایک سوال کا جواب دے دیں تو میں اور میرا چور اگر روپ آپ کو دے دے گا۔" سالار اس کی بات پر مسکرایا۔ "جواب دینے سے پہلے میں جاننا چاہوں گا کہ آپ کے گردپ میں کتنے لوگ ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"بھئی۔۔۔۔۔" اس لڑکے نے کہا۔

سالار نے سر ہلایا "او کے۔ سوال کریں۔"

"آپ کو کچھ حساب کتاب کرتے ہوئے مجھے بتا ہے کہ اگر ہم 267895 میں 952852 کو جمع کریں، پھر اس میں سے 399999 کو تفریق کریں پھر اس میں 929292 کو جمع کریں اور اسے....." وہ سری فنک لڑکا ٹھہر ٹھہر کر ایک کاغذ پر لکھا ہوا ایک سوال پوچھ رہا تھا۔ "مجھے کے ساتھ ضرب دیں پھر اسے دو کے ساتھ تقسیم کریں اور جواب میں 492359 کو جمع کر دیں تو کیا جواب آئے۔" وہ لڑکا اپنی بات مکمل نہیں کر سکا۔

"8142473 بڑی برقی رفتار کے ساتھ سالار نے جواب دیا۔ اس لڑکے نے کاغذ پر ایک نظر دوڑائی اور پھر کچھ بے یقینی سے سر ہلاتے ہوئے تالیاں بجانے لگا۔ فیضان اکبر کو اس وقت اپنا آپ ایک ایکٹر سے زیادہ نہیں لگا۔ پورا ہال اس لڑکے کے ساتھ تالیاں بجانے میں مصروف تھا۔ فیضان اکبر کو وہ پورا پورا دگر ام ایک مذاق محسوس ہونے لگا۔

ایک گھنٹے کے بعد جب دو سالار سکندر سے پہلے اس اسٹیج سے اتر رہا تھا تو وہ جانتا تھا کہ وہ مقابلے سے پہلے ہی مقابلہ ہار چکا تھا۔ 150 کے آئی کیو لیول والے اس لڑکے سے اسے زندگی میں اس سے پہلے بھی اتنا حسد محسوس نہیں ہوا۔

☆.....☆.....☆

"ہمارے آپا! آپ لاہور کب جائیں گی؟"

وہ اپنے خوشی کو دیکھتے ہوئے چوکی۔ سر اٹھا کر اس نے سہو کو دیکھا۔ وہ سائیکل کی رفتار کو اب بالکل آہستہ کئے اس کے گرد چکر لگا رہا تھا۔

"کل..... کیوں.....؟ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" ہمارے نے اپنی فائل بند کرتے ہوئے کہا۔

"جب آپ چلی جاتی ہیں تو میں آپ کو بہت مس کرتا ہوں۔" وہ بولا۔

"کیوں.....؟" ہمارے نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"کیونکہ آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں اور آپ میرے لئے بہت سے کھلونے لاتی ہیں اور آپ مجھے

میر کر دانے لے کر جاتی ہیں اور آپ میرے ساتھ کھیتی ہیں اس لئے۔" اس نے تسلی جوا ب دیا۔
 "آپ مجھے اپنے ساتھ لاہور نہیں لے جاسکتیں؟" امامہ اندوہ نہیں کر سکی یہ تجویز تھی یا سوال.....
 "نہیں کیسے لے جاسکتی ہوں..... میں تو خود ہاسٹل میں رہتی ہوں، تم کیسے رہو گے وہاں؟" امامہ نے کہا۔

سعد سائیکل چلاتے ہوئے کچھ سوچنے لگا پھر اس نے کہا "تو پھر آپ جلدی یہاں آیا کریں۔"
 "اچھا۔ جلدی آیا کروں گی۔" امامہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم ایسا کیا کرو کہ مجھ سے فون پر بات کرنا کرو۔ میں فون کیا کروں گی تمہیں۔"
 "ہاں یہ ٹھیک ہے۔" سعد کو اس کی تجویز پسند آئی۔ سائیکل کی رفتار میں اضافہ کرتے ہوئے وہ لان کے لیے لیے پھر کاٹنے لگا۔ امامہ بے دھیانی کے عالم میں اسے دیکھنے لگی۔

وہ اس کا بھائی نہیں تھا، دس سالہ سعد پانچ سال پہلے ان کے گھر آیا تھا کہاں سے آیا تھا اس کے بارے میں وہ نہیں جانتی تھی، کیونکہ اسے اس کے بارے میں اس وقت کوئی جھنجھٹ نہیں ہوا تھا مگر کیوں لایا گیا تھا۔ یہ وہ انہی طرح جانتی تھی۔ سعد اب دس سال کا تھا اور وہ گھر میں بالکل مکمل مل گیا تھا۔ امامہ سے وہ سب سے زیادہ مانوس تھا۔ امامہ کو اس پر اکثر ترس آتا۔ ترس کی وجہ اس کا لاوارث ہونا نہیں تھا۔ ترس کی وجہ اس کا مستقبل تھا..... اس کے دو چچاؤں اور ایک تایا کے گھر بھی اس وقت اسی طرح کے گھر لئے ہوئے بنے پل رہے تھے۔ وہ ان کے مستقبل پر بھی ترس کھانے پر مجبور تھی۔

فاصل ہاتھ میں پکڑے سائیکل پر لان میں گھر سے سعد پر نظریں جمائے وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اسے دیکھتے ہوئے وہ اسی طرح کی بہت سی سوچوں میں الجھ جاتی تھی مگر اس کے پاس کوئی حل نہیں تھا۔ وہ اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ چاروں اس وقت لاہور کے ریڈ لائٹ ایریا میں موجود تھے۔ ان کی عمریں اٹھارہ، انیس سال کے لگ بھگ تھیں اور اپنے طبقے سے وہ چاروں اپنے کلاس کے جھگڑتے تھے مگر وہاں پر ان کی عمر کوئی نمایاں کر دینے والی چیز تھی نہ ان کی اپر کلاس سے تعلق رکھنے کی امتیازی خصوصیت..... کیونکہ وہاں پر ان سے بھی کم عمر لڑکے آتے تھے اور اپر کلاس اس علاقے کے مستقل کسٹمرز میں شامل تھی۔

چاروں لڑکے ریڈ لائٹ ایریا کی فونی ہوئی گلیوں سے گزرتے جا رہے تھے، جن لڑکے آج بھیں میں باتیں کر رہے تھے، جب کہ صرف چوتھا قدرے جنس اور دلچسپی سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا، یوں لگ رہا تھا جیسے وہ پہلی بار وہاں آیا تھا اور ان تینوں کے ساتھ تھوڑی دیر بعد ہونے والی اس کی گفتگو سے یہ ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ واقعی وہاں پہلی بار آیا تھا۔

گلی کے دونوں اطراف میں کھلے دروازوں میں بیٹا سنگھار کے شہنشاہی کپڑوں میں بیوس ہر عمر اور ہر شکل کی عورت کھڑی تھیں سفید..... سیاہی..... سیاہ..... گندی..... بہت خوبصورت..... درمیانی..... اور معمولی شکل و صورت والی۔

گلی میں سے ہر شکل اور عمر کا مرد گزر رہا تھا۔ وہ لڑکا وہاں سے گزرتے ہوئے ہر چیز پر خود کردہ ہاتھ۔
 "تم یہاں کتنی بار آئے ہو؟" پتلے پتلے اس لڑکے نے اچانک اپنے دائیں طرف پتلے والے لڑکے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

وہ لڑکا جو اپنا "کتنی بار.....؟" یہ تو پتا نہیں..... اب تو کتنی بھی بھول چکا ہوں، اکثر آتا ہوں یہاں پر۔" اس لڑکے نے قدرے فخریہ انداز میں کہا۔
 "ان عورتوں میں مجھے تو کوئی انٹرکشن محسوس نہیں ہو رہی۔"

"nothing special about them" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔
 "مگر کہیں رات ہی گزارنی ہو تو کم از کم Environment (احول) تو اچھا ہو۔"
 "it's such a dirty, filthy place." (یہ تو بہت ہی گندی جگہ ہے) اس نے گلی میں موجود گڑبڑوں اور کوڑے کے ڈھیروں کو دیکھتے ہوئے کچھ ناگوار ہی سے کہا۔

"پھر گرل فرینڈز کے ہوتے ہوئے یہاں آنے کی کیا ضرورت ہے؟" اس نے اس بار اپنی بیٹیوں اچکاتے ہوئے کہا۔

"اس جگہ کا اپنا ایک چارم ہے۔ گرل فرینڈز اور یہاں کی عورتوں کا کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ گرل فرینڈز اس طرح کے ڈانس تو نہیں دیکھائیں جو ابھی کچھ دیر بعد تم دیکھو گے۔" تیسرا لڑکا چند "اور پھر پاکستان کی جس بڑی دیکھنے والی کا ڈانس دیکھانے تم تمہیں لے جا رہے ہیں وہ تو جس....."

دوسرے لڑکے کی بات کو پہلے لڑکے نے کاٹ دیا۔ "اس کا ڈانس تو تم پہلے بھی مجھے دکھائے ہو۔"
 "نہوے وہ کچھ بھی نہیں تھا۔ بھائی کی شادی پر ایک بھرا کیا تھا..... مگر یہاں پر تو بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔"

"وہ دیکھ نہیں تو ایک پوش علاقے میں رہتی ہے پھر یہاں کیوں آتی ہے؟" پہلے لڑکے نے کچھ غیر مطمئن انداز میں اس سے پوچھا۔

"یہ تم آج خود اس سے پوچھ لیتا میں کبھی اس سے اس طرح کے سوال نہیں کرتا۔" دوسرے لڑکے کی بات پر ہائی دونوں لڑکے ہنسے مگر تیسرا لڑکا اسی طرح چستی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہا۔
 ان کا سفر ہلا خراسان گلی کے آخر میں ایک عمارت کے سامنے ختم ہو گیا۔ عمارت کے نیچے موجود دکان سے تینوں لڑکوں نے سوچے کے بہت سے ہار خریدے اور اپنی کلائیوں میں لپیٹ لئے۔ ایک ہار

دوسرے لڑکے نے اس لڑکے کی کھائی میں بھی لیٹ دیا جو وہاں آنے پر اعتراض کر رہا تھا پھر ان لوگوں نے وہاں سے پان خریدے۔ تمباکو والا پان دوسرے لڑکے نے اس لڑکے کو بھی دیا جو شاید زندگی میں پہلی بار پان کھا رہا تھا۔ پان کھاتے ہوئے دو چاروں اس عمارت کی سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ اوپر پہنچ کر پہلے لڑکے نے ایک بار پھر تنہائی نظروں سے چاروں طرف دیکھا اور پھر اس کے چہرے پر اطمینان کی ایک جھلک نمودار ہوئی۔ وہ جبکہ بہت صاف ستھری اور خاصی مدیک آواز تھی۔

گاؤ بچے اور چاند نیاس بھی ہوئی تھیں اور باریک پر دے لڑا رہے تھے، کچھ لوگ پہلے ہی وہاں موجود تھے۔ رقص ابھی شروع نہیں ہوا تھا ایک عورت لپکتی ہوئی ان کی طرف آئی۔ اس کے چہرے پر ایک خوب صورت مصنوعی مسکراہٹ تھی ہوئی تھی اس نے دوسرے لڑکے کو مخاطب کیا پہلے لڑکے نے غور سے اس عورت کو دیکھا۔ لاہیز عمر کی وہ عورت اپنے چہرے پر بے تماشیاں ایک اپ تھوپے اور بالوں میں سوئے اور گلاب کے گجرے لٹکائے، ہیلوں کی ایک چنگھاڑتی ہوئی سرخ ساڑھی میں ملبوس تھی۔ جس کا بلاؤز اس کے جسم کو چھپانے میں ناکام ہو رہا تھا مگر وہ جسم کو چھپانے کے لئے پہنا کیا بھی نہیں تھا۔ ان چاروں کو وہ ایک کونے میں لے گئی اور وہاں اس نے انہیں نظرباں۔

پہلے لڑکے نے وہاں بیٹھنے سے منع میں موجود پان اس اگلا دن میں تھوک دیا، جو ان کے قریب موجود تھا کیونکہ پان منہ میں ہوتے ہوئے اس سے بات کرنا مشکل ہو رہا تھا، پان کا ذائقہ بھی اس کے لئے کچھ زیادہ خوشگوار نہیں تھا۔ بچوں لڑکے وہاں پیٹھے دم آواز میں باتیں کرنے لگے جب کہ پہلا لڑکا اس بال کے چاروں طرف موجود گاؤں بچوں سے ٹیک لگائے ہوئے لوگوں کو دیکھ کر باجن میں سے کچھ اپنے سامنے شراب کی بوتلیں اور ٹوٹوں کی گڈیاں رکھے بیٹھے تھے۔ ان میں سے اکثریت سفید لٹھے کے گلف لگے کپڑوں میں ملبوس تھی۔ اس نے عید کے اجتماعات کے علاوہ آج پہلی بار کسی اور جگہ پر سفید لباس پہننے والوں کا اتنا بڑا اجتماع دیکھا تھا۔ خود وہ اپنے ساتھیوں کی طرح سیاہ جینز اور اسی رنگ کی آدھے بازوؤں والی ٹی شرٹ میں ملبوس تھا۔ ان کی عمر کے کچھ اور لڑکے بھی وہاں انہیں کی طرح جینز اور ٹی شرٹس میں ملبوس تھے۔

تھوڑی دیر بعد ایک اور عورت اسی طرح کے پیٹھے چنگھاڑتے رنگوں والے کپڑوں میں ملبوس وہاں آکر بال کے درمیان میں بیٹھ کر ایک فرال ستانے لگی تھی۔ اس کے ساتھ کچھ ساڑھوں سے بھی تھے۔ دو فرلیں ستانے اور اپنے اوپر اچھالے جانے والے کچھ ٹوٹ اٹھا کر وہ خاصی خوش اور مطمئن دایکس چلی گئی اور اس کے جانے کے فوراً بعد ہی قسم اڑھ شری کی وہ ایکٹریس ہال میں داخل ہوئی اور بال میں موجود ہر مرد کی نظر اس سے جیسے چپک کر رہ گئی تھی۔ اس نے ہال میں باری باری چاروں طرف محوم کر ہر ایک کو سر کے اشارے سے خوش آمدید کہا تھا۔

سازندوں کو اس بار کسی تکلیف کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ کیسٹ پیسٹر پر باری باری چھ بیجان انگیز کانٹے لگائے گئے تھے جن پر اس عورت نے اپنا قص فیض کرنا شروع کیا تھا اور کچھ دیر پہلے کی خاموشی ایک دم ختم ہو گئی تھی چاروں طرف موجود مرد اس عورت کو لاؤ قصین پیش کرنے کے ساتھ ساتھ شراب نوشی میں مصروف تھے۔ ان میں سے کچھ جو زیادہ جوش میں آ رہے تھے وہ آٹھ کر اس ایکٹریس کے ساتھ ڈانس میں مصروف ہو جاتے۔

ہال میں واحد شخص جو ابلی جگہ پر کسی حرکت کے بغیر بے تاثر چہرے کے ساتھ بیٹھا تھا وہی لڑکا تھا مگر اس کے باوجود یہ اندازہ لگا مشکل نہیں تھا کہ وہ اس ایکٹریس کے رقص سے خاصا محظوظ ہو رہا تھا۔ تقریباً دو گھنٹے کے بعد جب اس ایکٹریس نے اپنا رقص ختم کیا تو وہاں موجود آدمی سے زیادہ مرد ایسا غصیل ہو چکے تھے، وہاں مگر جانان کے لئے زیادہ مسئلہ اس لئے نہیں تھا کیونکہ ان میں سے کوئی بھی مگر جانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ وہ سب وہاں رات گزارنے آئے تھے۔ ان چاروں نے بھی رات وہاں گزار دی۔

اگلے دن وہاں سے وہ ابھی پر گاڑی میں اس دوسرے لڑکے نے جہاں لیٹے ہوئے پہلے لڑکے سے پوچھا جو اس وقت لاہر والی سے گاڑی سے باہر دیکھنے میں مصروف تھا۔

”کیسا رہا یہ تجربہ؟“

”اچھا تھا۔“ پہلے لڑکے نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

”بس اچھا تھا۔۔۔ اور کچھ نہیں۔۔۔ تم بھی بس۔۔۔“ اس نے قدرے ناراضگی کے عالم میں بات اور صوری چھوڑ دی۔

”کبھی کبھار جانے کے لئے اچھی جگہ ہے۔۔۔ اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں۔۔۔ مگر something special والی کوئی بات نہیں ہے۔ میری گرل فرینڈ اس لڑکی سے بہتر ہے جس کے ساتھ میں نے رات گزار دی ہے۔“

اس لڑکے نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

☆.....☆.....☆

ڈانگ نخل پر ہاشم بین کی پوری فیملی موجود تھی۔ کھانا کھاتے ہوئے وہ سب آپس میں خوش کچیلوں میں بھی مصروف تھے۔ سوسائٹ کھنگو اس وقت ایسا تھی جو اس دیک ایجنڈ پر بھی اسلام آباد میں موجود تھی۔

”بابا۔۔۔ آپ نے یہ بات نوٹ کی کہ امامہ دن بہ دن مسجد سے مسجد ہوتی جا رہی ہے۔“ ویم نے قدرے چہیزنے والے انداز میں امامہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ یہ تو میں بھی پچھلے کی بات سے لوٹ کر رہا ہوں۔" ہاشم سمجھنے نے دسم کی بات پر ہنسی کے چہرے خود سے دیکھنے ہوئے کہا۔

ہاشم نے چادروں کا بچہ منہ میں رکھتے ہوئے دسم کو گھورا۔

"کیوں ہاشم! کوئی مسئلہ ہے؟"

"بابا! یہ بڑی فضول باتیں کرتا ہے اور آپ بھی خواہ مخواہ اس کی باتوں میں آ رہے ہیں۔ میں اپنی اصطلاح کی وجہ سے معذرت اور سنجیدہ ہوں۔ اب ہر کوئی دسم کی طرح نکلا تو نہیں ہوتا۔" اس نے اپنے ساتھ بیٹھے دسم کے کندھے پر کچھ ناراضی سے ہلکا سا ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"بابا! آپ ذرا اندازہ کریں، میڈیکل کے شروع کے سالوں میں اس کا یہ حال ہے تو جب یہ ڈاکٹر بن جائے گی تب اس کا کیا حال ہو گا۔" دسم نے ہاشم کی سنجیدگی پر داند کرتے ہوئے اس کا مذاق اڑایا۔ "سالوں گزر جایا کریں گے، ہاشم! دسم کو مسکراتے ہوئے۔"

ڈانٹک نیکل پر موجود لوگوں کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ان دونوں کے درمیان یہ فوک جھونک ہمیشہ ہی رہتی تھی۔ بہت کم مواقع ایسے ہوتے تھے جب دونوں اکٹھے ہوں اور ان کے درمیان آپس میں جھگڑا نہ ہو۔ مستقل غیادوں پر ہوتے رہنے والے ان جھگڑوں کے باوجود ہاشم کی سب سے زیادہ دوستی بھی دسم کے ساتھ ہی تھی۔ اس کی وجہ شاید ان کی اوپر تلے کی پیچیدگی بھی تھی۔

"اور آپ تصور کریں کہ....." اس بار ہاشم نے اسے اپنی بات مکمل کرنے نہیں دی، اس نے اس کے کندھے پر پوری طاقت سے مٹکا مارا۔ دسم پر کچھ زیادہ اثر نہیں ہوا۔

"ہمارے گھر میں ایک ڈاکٹر کے ہاتھ میں شفا کے سوا اور کیا کیا ہو سکتا ہے۔ آپ اس کا مظاہرہ دیکھ رہے ہیں اس سے آپ یہ اندازہ بھی لگا سکتے ہیں کہ آج کل کے ڈاکٹر زوارڈ میں مریضوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہوں گے۔ ملک میں بڑھتی ہوئی شرح اموات کی ایک وجہ....."

"بابا! اس کو منع کریں۔" ہاشم نے ہاتھ اٹھایا ڈالتے ہوئے ہاشم سمجھنے سے کہا۔

"دسم....." ہاشم سمجھنے نے اپنی مسکراہٹ جب بند کرتے ہوئے دسم کو جھڑکا، وہ بڑی سعادت مندی سے فوراً خاموش ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

اس نے چوڑے لٹائے کو گراؤنگز میں خالی کر دیا اور پھر اسے بند کر کے چلا دیا۔ خانقاہیں اسی وقت اندر آیا۔

"مجھ نے صاحب الاکس، میں آپ کی مدد کر دوں۔" وہ اس کی طرف بڑھا مگر اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

"نہیں میں خود کر لیتا ہوں۔ تم مجھے دودھ کا ایک گلاس دے دو۔" اس نے گراؤنگز آف کرتے ہوئے کہا۔ خانقاہیں ایک گلاس میں دودھ لے کر اس کے پاس چلا آیا۔ دودھ کے آدھے گلاس میں اس نے گراؤنگز میں موجود تمام پاؤڈر ڈال دیا اور ایک چمچ سے اچھی طرح ملانے لگا مگر ایک ہی سانس میں دودھ بلی گیا۔

"کھانے میں آج کیا پکایا ہے تم نے؟" اس نے خانقاہیں سے پوچھا۔

خانقاہیں نے کچھ ڈشز گنواہی شروع کر دیں۔ اس کے چہرے پر کچھ ناگواری ابھری۔

"میں کھانا نہیں کھاؤں گا، سونے جا رہا ہوں، مجھے ڈسٹرب مت کرنا۔"

اس نے تختی سے کہا اور مگن سے نکل گیا۔

دروں میں پہنچی ہوئی ہانسی کی ٹپل کو وہ فرش پر تقریباً صیبت رہا تھا۔ اس کی شبیہ بڑھی ہوئی تھی اور آنکھیں سرخ تھیں۔ شرٹ کے چند ایک کے سوا سارے ہی شین کھلے ہوئے تھے۔

اپنے کمرے میں جا کر اس نے دروازے کو لاک کر لیا اور وہیں موجود وچھڑی سائز کے میوزک سسٹم کی طرف گیا اور کمرے میں بولٹن when a man loves a woman بلنڈ آواز میں بجنے لگا۔ وہ ریویوٹ لے کر اپنے بیڈ پر آ گیا اور دسم سے منہ بے ترتیبی کے عالم میں لیت گیا۔

اس کا ریویوٹ والا ہایاں ہاتھ بیڈ سے نیچے لٹک رہا تھا اور مسلسل مل رہا تھا۔ اس کے دونوں پاؤں بھی میوزک کے ساتھ گردش میں تھے۔

کمرے میں بیڈ اور اس کے اپنے خلیے کے علاوہ ہر چیز اپنی جگہ پر تھی، گھنٹی پر کچھ بھی بے ترتیب نہیں تھا۔ گھنٹی پر گرد کا ایک ڈنڈہ تک نظر نہیں آ رہا تھا۔ میوزک سسٹم کے پاس موجود ریویوٹری ٹیبلٹ میں تمام آڈیو اور ویڈیو کیسٹس بڑے اچھے طریقے سے لگی ہوئی تھیں۔ ایک دوسری ویویو میں موجود ریکس پر کن یوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ کونے میں پڑی ہوئی کپیڈ ریجیل سے عباس تھا کہ اسے استعمال کرنے والا بہت آگے گزرا ہے۔ کمرے کی مختلف ویویو پر ہائی ڈی وی ڈی ڈسکریٹو اور وہاں کے بیٹلز کے پڑھنے لگے تھے۔ ہاتھ روم کے دروازے اور کمرے کی کڑکیوں کے شیشوں کو پلے پوائے میگزین سے ڈالی گئی کچھ مائٹری بیڈ تصویریں دے سجایا گیا تھا، کمرے میں ٹپکی بارڈر مل جوتے والا اور داندہ کھولنے کی بہت بڑی طرح چھٹکا کیونکہ بالکل سامنے کڑکیوں کے شیشوں پر موجود دودھ تصویریں چھٹکوں کے لئے دیکھنے والوں کو تصویریں نہیں بلکہ اصل لڑکیاں نظر آتی تھیں۔ ان تصویروں کو وہاں لگاتے ہوئے ترتیب کا خاص خیال رکھا گیا تھا۔ میوزک سسٹم میں ویویو کے ساتھ موجود تھا ویویو کے ایک کونے میں ویویو پر ایک الیکٹرونک مینار لٹکا یا گیا تھا اور اسی کونے میں ایک کی بورڈ بھی اسٹیڈ پر دکھا ہوا تھا۔ ویویو پر مینار سے کچھ قاصدے piccolo، ٹوٹ اور oboe بھی لگائے گئے تھے اس کمرے کے کینوں کو بیٹیا میوزک سے گہری

دلچسپی تھی۔ بیڈ کے بالکل سامنے والی دیوار میں سوچو دیکھتے ہیں ٹی وی موجود تھا اور اسی کینٹ کے مختلف خانوں میں مختلف ٹرانزیر اور شیلڈز پڑی ہوئی تھیں۔

کمرے کا چھوٹا کانا بھی خالی نہیں تھا وہاں دیوار پر مختلف دیکھنے لگے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک ٹینس کا تھا اور دو اسکواش کے، ان ریکٹس کو دیوار پر لٹکانے سے پہلے نیچے پڑ گئے تھے اور باہر ریکٹس اس طرح لٹکائے گئے تھے کہ ہوں لگتا تھا وہ ریکٹس ان کھلاڑیوں نے پکڑے ہوں ٹینس کے ریکٹ کے نیچے کچھ بلا سائیجی کا پوسٹر تھا جب کہ اسکواش کے ایک ریکٹ کے نیچے جہاگیر خان کا پوسٹر تھا جب کہ دوسرے ریکٹ کے نیچے روڈنی مارش کا۔

کمرے میں واحد جگہ جہاں بے ترتیبی تھی وہ ڈبل بیڈ تھا جس پر وہ لیٹا ہوا تھا۔ سلک کی بیڈ شیٹ بری طرح سلوٹ ڈوڈھی اور اس پر ادھر ادھر چند پر لو کرانی کے غیر ملکی میگزین پڑے ہوئے تھے جن میں پلے پوائے نمایاں تھا جیل پر ایک بھی کمر اور کاغذ کی کچھ چھوٹی چھوٹی کتھیں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ جینا کچھ دیر پہلے وہ ان میگزینز سے تصویریں کاٹ رہا تھا۔ فوٹو گلو کے کچھ رپورٹرز بھی ٹرے ٹرے بیڈ پر ہی پڑے ہوئے تھے۔ ڈبل بیڈ کا ایک چیکٹ اور لائسنس بھی انٹرنل ٹرے کے ساتھ بیڈ پر ہی پڑا تھا جب کہ سلک کی سفید چمک دار بیڈ شیٹ پر کئی جگہ ایسے نشان تھے جیسے وہاں پر سگریٹ کی راکھ بھی تھی۔ کافی کا ایک خالی ٹک بھی بیڈ پر پڑا ہوا تھا اور اس کے پاس ایک ٹائی اور دست داغ بھی تھی۔ ان سب چیزوں سے کچھ فاصلے پر سر ہانے ایک موبائل پڑا تھا جس پر ایک دم کوئی کال آنے لگی تھی۔ بیڈ پر اوڑھنے سے لیٹا ہوا وہ لو جو ان اب شاید نیند کے عالم میں تھا کیونکہ موبائل کی بپ پر اس نے سر اٹھائے بغیر اٹھا دیا یاں ہاتھ بیڈ پر ادھر ادھر پھیرتے ہوئے جیسے موبائل تلاش کرنے کی کوشش کی مگر موبائل اس کے ہاتھ کی رسائی سے بہت دور تھا۔ اس پر مسلسل کال آ رہی تھی۔ کچھ دیر اسی طرح ادھر توڑ ہاتھ پھیرنے کے بعد اس کا ہاتھ ساکت ہو گیا شاید اب وہ واقعی سوچا تھا کیونکہ اس کے خیر کئے جیڑ ڈک پچھے تھے۔ موبائل پر اب بھی کال آ رہی تھی۔ بیڈ سے باہر نکلے ہوئے اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا ریسیٹ بک دم اس کی گرفت سے نکل کر نیچے کارپٹ پر گر پڑا۔ مائیکل بولٹن کی آواز ابھی بھی کمرے میں گونج رہی تھی۔ "when a man loves a woman" پھر ایک دم کمرے کے دروازے پر کسی نے دستک دی اور پھر دستک کی یہ آواز بڑھتی ہی گئی۔ موبائل کی کال ختم ہو چکی تھی، دروازے پر دستک دینے والے ہاتھ بلا جتنے گئے وہ بیڈ پر لوہے سے منہ بے حس و حرکت پڑا تھا۔

☆—☆—☆

"ڈونٹ ٹیلی۔ امارہ! تم واقعی اٹھ چکے ہو؟"

زینب کو جو یہ کہے انکشاف پر جیسے کڑھ لگا۔ امارہ نے ملاحتی نظروں سے جو یہ کہہ کر دیکھا جو پہلے

قی معذرت خواہ انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔

"اسے نہیں مجھے دیکھ کر بتاؤ، کیا تم واقعی اٹھ چکے ہو؟" زینب نے اس بار اسے کچھ جھڑکتے ہوئے کہا۔ "ہاں، مگر یہ اس قدر غیر معمولی اور حیرت انگیز واقعہ تو نہیں کہ تم اس پر اس طرح ری دیکٹ کرو۔" امارہ نے بڑی رسائی سے کہا۔ وہ سب لائبریری میں بیٹھی ہوئی تھیں اور اپنی طرف سے جتنی المقدور سرگوشیوں میں باتیں کر رہی تھیں۔

"مگر تمہیں ہمیں بتانا تو چاہئے تھا، آخر وہاں میں رکھے کی کیا ضرورت تھی۔" اس بار امارہ نے کہا۔ "راز میں تو نہیں رکھا، بس یہ کوئی اتنا اہم واقعہ نہیں تھا کہ تمہیں بتانی اور پھر تم لوگوں سے میری دوستی جواب ہوئی ہے جبکہ اس سبھی کو کئی سال گزر چکے ہیں۔" امارہ نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"کئی سال سے کیا سراہا ہے تمہاری؟"

"میرا مطلب ہے، دو تین سال۔"

"پھر بھی امارہ! بتانا تو چاہئے تھا تمہیں۔" زینب کا اعتراض ابھی بھی اپنی جگہ قائم تھا۔ امارہ نے مسکراتے ہوئے زینب کو دیکھا۔

"اب کروں گی تو اور کئی کو بتاؤں یا نہ بتاؤں تمہیں ضرور بتاؤں گی۔"

"دیر کی ٹی۔" زینب نے اسے ٹھوکتے ہوئے کہا۔

"اور کچھ نہیں تو تم ہمیں کوئی تصویر وغیرہ ہی لا کر دکھاؤ موصوف کی۔۔۔۔۔ ہے کون؟۔۔۔۔۔ نام کیا ہے؟۔۔۔۔۔ کیا کرتا ہے؟"

امارہ نے بیٹھ کی طرح ایک ہی سانس میں سوال در سوال کر ڈالے۔

"فرسٹ کزن ہے۔۔۔۔۔ امجد نام ہے۔" امارہ نے ڈک ڈک کر کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ایم بی اے کیا ہے اس نے اور بزنس کرتا ہے۔"

"شکل و صورت کیسی ہے؟" اس بار زینب نے پوچھا۔ امارہ نے خود سے اس کے چہرے کو دیکھا۔ "نیک ہے۔"

"نیک ہے؟ میں تم سے پوچھ رہی ہوں لہذا ہے؟ ڈارک ہے؟ چمڑم ہے؟" اس بار امارہ مسکراتے ہوئے کچھ کے بغیر زینب کو دیکھتی رہی۔

"امارہ نے اپنی پسند سے یہ سبھی کی ہے۔۔۔۔۔ دوا پھا خاصا گڈ لٹک ہے۔" جو یہ کہنے اس بار امارہ کی طرف سے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ ہمیں اندازہ کر لینا چاہئے تھا، آخر وہ امارہ کا فرسٹ کزن ہے۔۔۔۔۔ اب امارہ اتنا اٹھا کام ہے کہ تم ہمیں اس کی تصویر لا کر دکھاؤ۔" زینب نے کہا۔

”نہیں، اس سے پہلے کا ضروری کام یہ ہے کہ تم ہمیں کچھ کھانے پلانے لے چلو۔“ رابعہ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

”نی الحال تو یہاں سے چلیں، ہاسٹل جانا ہے مجھے۔“ امامہ یک دم اٹھ کر کھڑی ہو گئی تو وہ بھی اٹھ گئیں۔

”ویسے جبر پر اٹھنے یہ بات پہلے کیوں نہیں مانی؟“ ساتھ چلتے ہوئے نضب نے جبر پر یہ پوچھا۔
 ”بھئی، امامہ نہیں چاہتی تھی..... اس لئے میں نے بھی اس موضوع پر بات نہیں کی۔“ جبر پر نے معذرت خواہان انداز میں کہا۔ امامہ نے مڑ کر ایک بار پھر جبر پر کو گھورا، اس کی نظروں میں حسد تھی۔
 ”امامہ کیوں نہیں چاہتی تھی..... میری سٹگی ہوئی ہوئی تو میں تو شور مچاتی ہر جگہ، وہ بھی اس صورت میں جب یہ میری اپنی مرضی سے ہوئی۔“ نضب نے بلند آواز میں کہا۔

امامہ نے اس بار کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا۔

☆.....☆.....☆

”آپ کا جنا آبادی کے اس ۲۰۵ حصے میں شامل ہے، جو ۱۵۰ سے زیادہ کا آئی کیو لیول رکھتے ہیں۔ اس آئی کیو لیول کے ساتھ وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ غیر معمولی سہی تحریر حوصلہ نہیں ہے۔“ اس غیر ملکی اسکول میں سالار کو جانتے ہوئے ابھی صرف ایک ہفتہ ہوا تھا جب سکندر عثمان اور ان کی بیوی کو وہاں بلا دیا گیا تھا۔ اسکول کے سائیکالوجسٹ نے انہیں سالار سکندر کے مختلف آئی کیو ٹیسٹ کے بارے میں بتایا تھا جس میں اس کی پر فارمض نے اس کے فچر زاور سائیکالوجسٹ کو حیران کر دیا تھا۔ اس اسکول میں وہ ۱۵۰ کا آئی کیو لیول والا پہلا اور واحد بچہ تھا اور چند ہی دنوں میں وہ وہاں سب کی توجہ کا مرکز بن گیا تھا۔

سکندر عثمان اور ان کی بیوی سے ملاقات کے دوران سائیکالوجسٹ کو اس کے بچپن کے بارے میں کچھ اور کھوج لگانے کا موقع ملا۔ وہ کافی دلچسپی سے سالار کے کیس کو اسٹڈی کر رہا تھا اور دلچسپی کی یہ نوعیت پر ویشش نہیں ڈالتی تھی۔ اپنے کیریئر میں وہ پہلی بار اس آئی کیو کے بچے کا سامنا کر رہا تھا۔

سکندر عثمان کو آج بھی وہ دن اچھی طرح یاد تھا۔ سالار اس وقت صرف دو سال کا تھا اور غیر معمولی طور پر وہ اس عمر میں ایک عام بچے کی نسبت زیادہ صاف لہجے میں باتیں کرتا تھا اور باتوں کی نوعیت ایسی ہوتی تھی کہ وہ اور ان کی بیوی اکثر حیران ہوتے۔

ایک دن جب وہ اپنے بھائی سے فون پر بات کرنے کے لئے فون کر رہے تھے تو سالار ان کے پاس کھڑا تھا۔ وہ اس وقت فی وی لاؤنج میں بیٹھے تھے اور فون پر باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ فی وی بھی دیکھ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے فون رکھ دیا۔ ریسورر کھٹے کے فوراً بعد انہوں نے سالار کو فون کا ریسورر اٹھا لیا ہے وہ دیکھا۔

”ہیلو انگل! میں سالار ہوں۔“ وہ کمرہ ہاتھ انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اطمینان سے ریسورر کان سے لگائے کسی سے باتوں میں مصروف تھا۔

”میں ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟“ سکندر نے حیرت سے اسے دیکھا۔ پہلے ان کے ذہن میں یہی آجاکر وہ عجیب سوٹ فون پر باتیں کر رہا ہے۔

”پاپا میرے پاس بیٹھے فی وی دیکھ رہے ہیں۔ نہیں، انہوں نے فون نہیں کیا، میں نے خود کیا ہے۔“ وہ اس کے اگلے منٹے پر چڑکے۔

”سالار! کس سے باتیں کر رہے ہو؟“ سکندر نے پوچھا۔

”انگل شاہنواز سے۔“ سالار نے سکندر کو جواب دیا۔ انہوں نے ہاتھ پر ہاتھ کر ریسورر اس سے لے لیا۔ ان کا خیال تھا کہ اس نے غلطی سے کوئی نمبر ملا لیا ہو گیا پھر لاسٹ نمبر کو زنی ڈال کر دیا ہو گا۔ انہوں نے کان سے ریسورر لگایا، دوسری طرف ان کے بھائی ہی تھے۔

”یہ سالار نے نمبر ڈال کر کیا ہے۔“ انہوں نے معذرت کرتے ہوئے اپنے بھائی سے کہا۔

”سالار نے کیسے ڈال کر کیا تو بہت چھوٹا ہے۔“ کھن کے بھائی نے دوسری طرف کچھ جراتی سے پوچھا۔
 ”میرا خیال ہے اس نے آپ کا نمبر فی ڈال کر دیا ہے۔ اتفاق سے ہاتھ لگ گیا ہو گا۔ ہاتھ مار رہا تھا سٹ پر۔“ انہوں نے فون بند کر دیا اور ریسورر چھپے رکھ دیا۔ سالار جو خاموشی کے ساتھ ان کی گفتگو سننے میں مصروف تھا ریسورر کے نیچے رکھتے ہی اس نے ایک بار پھر ریسورر اٹھا لیا۔ اس بار سکندر عثمان اسے دیکھتے گئے، وہ بالکل کبھی سمجھ نہ سکی کہ اس کی طرح ایک بار پھر شاہنواز کا نمبر ڈال کر رہا تھا اور پوری راتنی کے ساتھ۔ وہ ایک لمحے کے لئے دم بخود رہ گئے تھے۔ دو سال کے بچے سے انہیں یہ توقع نہیں تھی۔ انہوں نے ہاتھ پر ہاتھ کر لے لیا وہاں۔

”سالار! تمہیں شاہنواز کا نمبر معلوم ہے؟“ انہوں نے حیرانی کے اس جھٹکے سے سنبھلتے ہوئے کہا۔
 ”ہاں۔“ بڑے اطمینان سے جواب دیا گیا۔

”کیا نمبر ہے؟“ اس نے بھی راتنی کے ساتھ وہ نمبر دہرایا۔ وہ اس کا چہرہ دیکھنے لگے۔ انہیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی کے انداز سے واقف ہو گا اور پھر وہ نمبر۔

”تمہیں یہ نمبر کس نے سکھایا؟“

”میں نے خود سیکھا ہے۔“

”کیسے؟“

”ابھی آپ نے ملایا تھا۔“ سالار نے ان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”تمہیں کتنی آتی ہے؟“

"ہاں۔"

"کہاں تک۔"

"بہتر ڈانک۔"

"سناؤ۔"

وہ شہین کی طرح شروع ہو گیا۔ ایک ہی سانس میں اس نے انہیں سونک گئی سناؤ۔ سکندر عثمان کے ہیٹ میں غلے پڑ گئے۔

"اچھا۔ میں ایک اور نمبر ڈانک کرتا ہوں میرے بعد تم اسے ڈانک کرنا۔" انہوں نے ریسیور اس سے لیتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔" سالار کو یہ سب ایک دلچسپ کھیل کی طرح لگا۔ سکندر عثمان نے ایک نمبر لایا اور پھر فون بند کر دیا۔ سالار نے فوراً ریسیور ان سے چڑا کر انہیں کی روانی کے ساتھ وہ نمبر لایا۔ سکندر عثمان کا سر گھومتے لگا تھا۔ وہ واقعی وہی نمبر تھا جو انہوں نے لایا تھا۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے کئی نمبر ملانے اور پھر سالار سے وہی نمبر ملانے کے لئے کہا۔ وہ کوئی غلطی کئے بغیر وہی نمبر ملا۔ سالار یہ یقیناً فون کر ایک میوہی دکھاتا تھا۔ انہوں نے اپنی بیوی کو بلایا۔

"میں نے اسے کتنی نہیں سکھائی، میں نے تو بس کچھ دن پہلے اسے چند کتابیں لا کر دی تھیں اور کل ایک بار ایسے ہی اس کے سامنے سونک گئی پڑھی تھی۔" انہوں نے سکندر عثمان کے انتظار پر کہا۔ سکندر عثمان نے سالار کو ایک بار پھر کتنی سنانے کے لئے کہا وہ سنا گیا۔ ان کی بیوی ہکا بکا اسے دیکھتی رہیں۔

دو فون میاں بیوی کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کا بچہ واقعی اعتبار سے غیر معمولی صلاحیتیں رکھتا ہے اور بچی وجہ تھی کہ ان دونوں نے اپنے باقی بچوں کی نسبت اسے بہت جلد ہی دو سروں کی غٹروں میں آگیا تھا۔

"اس بچے کو آپ کی خاص توجہ کی ضرورت ہے، عام بچوں کی نسبت ایسے بچے زیادہ حساس ہوتے ہیں، اگر آپ اس کی اچھی تربیت کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یہ بچہ آپ کے اور آپ کے خاندان کے لئے ایک سرمایہ ہوگا۔ صرف خاندان کے لئے بلکہ آپ کے ملک کے لئے بھی۔" سکندر عثمان اور ان کی بیوی اس نمبر پر کئی سائیکالوجسٹ کی باتیں پڑے خیر انداز میں سنتے رہے۔

اپنے دوسرے بچوں کے مقابلے میں وہ سالار کو زیادہ اہمیت دیتے لگے تھے۔ وہ ان کی سب سے قیمتی لڑائی تھا اور انہیں اس کی کامیابیوں پر فخر تھا۔

اسکول میں ایک ٹرم کے بعد اسے اگلی کلاس میں پڑھوٹ کر دیا گیا اور دوسری ٹرم کے بعد اس سے اگلی کلاس میں اور اس وقت پہلی بار سکندر عثمان کو کچھ تشویش ہونے لگی۔ وہ نہیں چاہتے تھے سالار

آٹھ دس سال کی عمر میں جو نیز یا سینئر لیجرج کر لیا مگر جس رات سے وہ ایک کلاس سے دوسری کلاس میں چار ہاتھ بنی ہو گیا تھا۔

"میں چاہتا ہوں آپ میرے بیٹے کو اب چار سے ایک سال کے بعد ہی اگلی کلاس میں پڑھوٹ دیں۔ میں نہیں چاہتا وہ اپنی جلدی اتنے انداز میں طریقے سے اپنا ایکٹوٹیک کیریئر ختم کر لے۔ آپ اس کے انٹیکس اور انٹیکوٹیز پڑھائیں، مگر اسے ڈانک طریقے سے ہی پڑھوٹ کریں۔"

ان کے اصرار پر سالار کو دوبارہ ایک سال کے اندر ڈانک یا ٹرپل پڑھوٹ نہیں دیا گیا، اس کے ٹیلنٹ کو اسپنڈرٹس اور دوسری چیزوں کے ذریعے چھوڑ دیا جانے لگا۔ خطرناک ٹینس، گالف اور میوزک۔ وہ چار شے تھے جن میں اسے سب سے زیادہ دلچسپی تھی مگر اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ خود کو صرف ان چاروں چیزوں تک ہی محدود رکھتا تھا۔ وہ اسکول میں ہونے والے تقریبات پر کیم میں شریک ہوتا تھا اگر کسی میں شریک نہیں ہوتا تھا تو اس کی وجہ صرف یہ ہوتی تھی کہ وہ کیم یا سپورٹ اسے زیادہ دلچسپ نہیں لگتی تھی۔

☆.....☆.....☆

"جویریہ! پروفیسر انتھان کے لیکچر کے نوٹس مجھے دینا۔" امار نے جویریہ کو مخاطب کیا جو ایک کتاب کھولے بیٹھی ہوئی تھی۔ جویریہ نے ہاتھ بندھا کر اپنی ایک نوٹ بک اسے تصدیق دیا۔ نوٹ بک اسکول کے سطح پر پڑھنے لگی۔ جویریہ ایک بار پھر کتاب کے مطالعے میں مصروف ہو گئی۔ کچھ دیر بعد اچانک اسے جیسے ایک خیال آیا تھا۔ اس نے مڑ کر اپنے بستر پر بیٹھی ہوئی امار کو دیکھا۔

"تم نے لیکچر نوٹ کرنا کیوں بند کر دیا ہے؟" اس نے امار کو مخاطب کیا۔ امار نے نوٹ بک سے لکڑیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"مجھے کچھ کچھ میں آنے تو میں نوٹ کر دوں۔"

"کیا مطلب؟" انہیں پروفیسر انتھان کا لیکچر بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ جویریہ کو جیسے حیرت ہوئی۔ امار چما توڑ دھاتے ہیں۔

"میں نے کب کہا کہ براہن دھاتے ہیں، میں مجھے۔"

اس نے کچھ اٹھے ہوئے لکچر میں بات ادھور دی چھوڑ دی۔ وہ ایک بار پھر ہاتھ میں بکری نوٹ لے کر کچھ دھڑکی۔ جویریہ نے فوراً اسے دیکھا۔

"تم آج کل کچھ غائب دماغ نہیں ہوتی جا رہی؟" اسٹریٹ ہوٹل کی وجہ سے؟" جویریہ نے اپنے لائے دیکھ کر کتاب بند کرتے ہوئے بڑے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"اسٹریٹ؟" وہ بڑبڑاتی۔ "نہیں! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

”تمہاری آنکھوں کے گرد دھبے بھی پڑے ہوئے ہیں۔ کل رات کو شاید ساڑھے تین کا وقت تھا جب میری آنکھ کھلی اور تم اس وقت بھی جاگ رہی تھیں۔“

”میں پڑھ رہی تھی۔“ اس نے بے اعتدال لہجے میں کہا۔

”جیس، صرف کتاب اپنے سامنے رکھے بیٹھی ہوئی تھیں، مگر کتاب پر نظر نہیں تھی تمہاری۔“

جو یہ نے اس کا بندہ روڈ کرتے ہوئے کہا۔ ”تمہیں کوئی مسئلہ تو نہیں ہے؟“

”کیا مسئلہ ہو سکتا ہے مجھے؟“

”بھر تم اتنی چپ چاپ کیوں رہنے لگی ہو؟“ جو یہ اس کی ٹال مٹول سے حاشہ ہوئے بغیر بولی۔

”نہیں، میں کیوں چپ رہوں گی۔“ امار نے مسکراتے کی کوشش کی۔ ”میں تو پہلے ہی کی طرح

بولتی ہوں۔“

”صرف میں ہی نہیں، باقی سب بھی تمہاری پریشانی کو محسوس کر رہے ہیں۔ جو یہ یہ سلیڈ گی سے بولی۔

”کوئی بات نہیں ہے، صرف اسٹریز کی فینش ہے مجھے۔“

”میں یقین نہیں کر سکتی ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں، تمہیں ہم سے زیادہ فینش تو نہیں ہو سکتی۔“

جو یہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ امار نے ایک گہرا سانس لیا، وہ اب راجہ پوری تھی۔

”تمہارے گھر میں تو خیریت ہے؟“

”ہاں، بالکل خیریت ہے۔“

”امجد کے ساتھ تو کوئی جھگڑا نہیں ہوا؟“

”امجد کے ساتھ جھگڑا کیوں ہو گا؟“ امار نے اسی کے انداز میں پوچھا۔

”پھر بھی اختلافات تو ایک بہت ہی.....“ جو یہ یہ کی بات اس نے درمیان میں ہی کاٹ دی۔

”جب کہہ رہی ہوں کہ کوئی مسئلہ نہیں ہے تو تمہیں یقین کیوں نہیں آ رہا۔ اتنے سوالوں سے کون

ی بات ہے جو میں نے تم سے شیئر نہیں کی یا جو تمہیں پتا نہیں ہے پھر تم اس طرح مجھے حرم سمجھ کر گفتگو

کیوں کر رہی ہو۔“ وہ اب خفا ہو رہی تھی۔

جو یہ یہ گڑبڑا گئی۔ ”یقین کیوں نہیں کروں گی، میں صرف اس لئے اصرار کر رہی تھی کہ شاید تم

مجھے اس لئے اپنا مسئلہ نہیں بتا رہی کہ میں پریشان نہ ہوں اور تو کوئی بات نہیں۔“

جو یہ یہ کچھ ناامید ہو کر اس کے پاس سے اٹھ کر وہیں اپنی اسٹڈی ٹیبل کے سامنے جا بیٹھی۔

اس نے ایک بار پھر وہ کتاب کھول لی جسے وہ پہلے پڑھ رہی تھی۔ کافی دیر تک کتاب پڑھتے رہنے کے

بعد اس نے ایک جھانکی اور گردن موڑ کر لا شعوری طور پر امار کو دیکھا۔ وہ دیوار سے ٹک لگائے

اس کی ٹوٹ بک کمرے بیٹھی تھی مگر اس کی نظریں ٹوٹ بک پر نہیں تھیں وہ سامنے والی دیوار پر نظریں

سامنے بیٹھی تھی۔

☆.....☆.....☆

اس نے گاڑی خیر کے بل سے کچھ فاصلے پر کمزری کر دی پھر ڈکی سے ایک پوری اور ری نکال لی۔

وہ پوری کو سمجھتے ہوئے اس ہلی کی طرف بڑھتا رہا۔ پاس سے گزرنے والے کچھ راہ گیروں نے اسے دیکھا

کر وہ ڈکے نہیں، اور پتھج کر اس نے اپنی شرٹ اُٹار کر نہر میں پھینک دی۔ چند لمحوں میں اس کی شرٹ

بچے پانی کے ساتھ غائب ہو چکی تھی۔ ڈاکر بلا ٹکری ٹک بھڑکی اس کا لہجہ اور خوب صورت جسم

بہت نمایاں تھا۔

اس وقت اس شخص کی آنکھوں میں کوئی ایسا اثر تھا جسے پڑھتا دوسرے کسی بھی شخص کے لئے

ناممکن تھا۔ اس کی عروا میں میں سال ہو گی، مگر اس کے قد و قامت اور طبع نے اس کی عمر کو جیسے بڑھا دیا

تھا۔ اس نے ری ہلی سے نیچے نہر میں لٹکالی شروع کر دی، جب وہی کاسر اپانی میں غائب ہو گیا تو اس نے

ری کا دوسرا سر اور ری کے منہ پر لپٹ کر سختی سے گرہیں لگانی شروع کر دیں اور اس وقت تک لگا رہا جب

تک کو اس کی ختم نہیں ہو گیا پھر پانی میں پڑا سر ادا ہلکے کھچ کر اس نے اندازے سے تین فٹ کے قریب وہی

پھوڑی اور اپنے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے اس نے اپنے سروں کے گرد ری کو بہت مضبوطی کے

ساتھ دو تین غلی دیئے اور گر لگا دی۔ اب اس تین فٹ کے ٹکڑے کے سرے پر بڑی ہمارت کے

ساتھ اس نے دو پھندے جڑے پھر ایک کرہل کی منڈ پر پھندے کیا۔ اپنا دایاں ہاتھ کر کے پیچھے

جاتے ہوئے اس نے دائیں ہاتھ کے ساتھ پہلے پھندے میں سے دایاں ہاتھ گزارا اور پھر بائیں ہاتھ

کے ساتھ اس نے وہ پھندا کھچ کر کس دیا۔ اس کے بعد اس نے کر کے پیچھے دائیں ہاتھ کے ساتھ

دوسرے پھندے میں سے دایاں ہاتھ گزارا اور دائیں ہاتھ سے اسے کس دیا۔

اس کے چہرے پر اطمینان بھری مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے اس نے پشت

کے بل خود کو پل کی منڈ پر سے نیچے گرا دیا۔ ایک جھٹکے کے ساتھ اس کا سر پانی سے ٹکرایا اور کر تک کا

حصہ پانی میں ڈوب گیا پھر وہی ختم ہو گئی۔ اب وہ اس طرح لٹکا ہوا تھا کہ اس کے بازو پشت پر بندھے

ہوئے تھے اور کر تک کا حوزہ پانی کے اندر تھا۔ پوری میں موجود وزن بقیہ اس کے وزن سے زیادہ تھا جسکی

وجہ تھی کہ پوری اس کے ساتھ نیچے نہیں آئی اور وہ اس طرح ٹک گیا۔ اس نے اپنا سانس روکا ہوا تھا۔

پانی کے اندر رہنا سہجے جاتے ہی اس نے آنکھیں کھلی رکھنے کی کوشش کی مگر کام نہ رہا۔ پانی گولا تھا اور اس

میں موجود مٹی اس کی آنکھوں میں چھپے گی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے ہاتھ پھوڑے اب جیسے

پہننے لگے تھے۔ اس نے یک دم سانس لینے کی کوشش کی اور پانی منہ اور ناک سے اس کے جسم کے اندر

داخل ہونے لگا۔ وہ اب بری طرح پھڑپھڑا رہا تھا مگر وہ اپنے بازوؤں کو استعمال کر کے خود کو سٹخ پر لا

سکا تھا اور نہ ہی اپنے جسم کو اٹھا سکا تھا۔ اس کے جسم کی ہڈیاں ہلکتی تھیں۔ آہستہ آہستہ دم توڑ رہی تھی۔ چند لوگوں نے اسے ہل سے لپے کر لے دیکھا اور پیچھے ہوئے اس طرف بھاگے، وہی ابھی تک ہل رہی تھی، ان لوگوں کی کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں۔ پانی کے نیچے ہونے والی حرکت اب دم توڑ گئی تھی۔ اس کی انگلیاں اب بالکل بے جان نظر آ رہی تھیں۔ ہل پر کھڑے لوگ خوف کے عالم میں اس بے جان وجود کو دیکھ رہے تھے۔ ہل پر موجود ہجوم بڑھ رہا تھا۔ نیچے پانی میں موجود وہ وجود ابھی بھی ساکت تھا۔ صرف پانی اسے حرکت دے رہا تھا۔ کسی ہڈی کی طرح..... آگے پیچھے..... آگے پیچھے.....

☆.....☆.....☆

"امام! جلدی سے تیار ہو جاؤ۔" راہبہ نے اپنی الماری سے اپنا ایک سوٹ نکال کر پہنے ہوئے کہا۔

امام نے قدموں سے حیرانی سے اسے دیکھا۔ "کس لئے تیار ہو جاؤں؟"

"بھئی، شاہجگ کے لئے جا رہے ہیں، ساتھ چلو۔" راہبہ نے اسی تیز رفتاری کے ساتھ استری کا پگ نکالتے ہوئے کہا۔

"نہیں، مجھے کہیں نہیں جانا۔" اس نے ایک بار پھر اپنی آنکھوں پر اپنا بازو رکھتے ہوئے کہا۔ وہ اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔

"کیا مطلب ہے..... مجھے کہیں نہیں جانا..... تم سے پوچھ کون رہا ہے..... تمہیں بتا رہے ہیں۔"

راہبہ نے اسی لمحے میں کہا۔

"اور میں نے بتا دیا ہے، میں کہیں نہیں جا رہی۔" اس نے آنکھوں سے بازو ہٹائے بغیر کہا۔

"نہیں، ابھی چل رہی ہے ہمارے ساتھ، پورا گروپ جا رہا ہے، ظم بھی دیکھیں گے، واپسی پر۔"

راہبہ نے پورا پروگرام بتاتے ہوئے کہا۔

امام نے ایک لمحہ کے لئے اپنی آنکھوں سے بازو ہٹا کر اسے دیکھا۔ "نہیں، ابھی جا رہی ہے؟"

"ہاں، نہیں کو ہم راستے سے پک کریں گے۔" امام کسی سوچ میں ڈوب گئی۔

"تم بہت ڈل ہو رہی جا رہی ہو امام!" راہبہ نے قدموں سے حیرانی کے ساتھ تہہ کیا۔ "ہمارے ساتھ کہیں آنا جانا ہی چھوڑ دیا ہے تم نے، آخر ہو تا کیا جا رہا ہے تمہیں۔"

"کچھ نہیں، بس میں آج کچھ چکی ہوئی ہوں، اس لئے سونا چادری ہوں۔" امام نے بازو ہٹا کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد جو یہ بھی امام کو آگئی اور وہ بھی اسے ساتھ چلنے کے لئے مجبور کرتی رہی، مگر امام

کی زبان پر ایک ہی بات تھی۔ "نہیں مجھے سونا ہے، میں بہت تنگ گئی ہوں۔" وہ مجبور اسے برا بھلا کہتے ہوئے وہاں سے چلی گئیں۔

رستے سے انہوں نے زینب کو اس کے گھر سے پک کیا اور زینب کو پک کرتے ہوئے جو یہ کہنا یاد آیا کہ اس کے پک کے بعد اس کا والد نہیں ہے، وہ اسے ہاسٹل میں ہی چھوڑ آئی تھی۔

"وہاں ہاسٹل چلے ہیں، وہاں سے والد لے کر پھر بازار چلیں گے۔" جو یہ کہنے پر وہ لوگ دوبارہ ہاسٹل چلی آئیں، مگر وہاں آکر انہیں حیرانی کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ کمرے کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔

"یہ امام کہاں ہے؟" راہبہ نے حیرانی سے کہا۔

"ہاں نہیں۔ کمرہ لاک کر کے اس طرح کہاں جا سکتی ہے۔ وہ تو کبہ رہی تھی کہ اسے سونا ہے۔"

جو یہ کہنے لگی۔

"ہاسٹل میں تو کسی کے روم میں نہیں چلی گئی؟" راہبہ نے خیال ظاہر کیا۔ وہ دونوں اگلے کئی منٹ ان واقعہ لڑکیوں کے کمروں میں جاتی رہیں جن سے ان کی پہلو ہائے تھی، مگر امام کا کہیں پتا نہیں تھا۔

"کہیں ہاسٹل سے باہر تو نہیں گئی؟" راہبہ کو اچانک خیال آیا۔

"آؤ دارڈن سے پوچھ لیتے ہیں۔" جو یہ کہنے لگی۔ وہ دونوں دارڈن کے پاس چلی آئیں۔

"ہاں، امام ابھی کچھ دیر پہلے باہر گئی ہے۔" دارڈن نے ان کی انگواڑی پر بتایا۔ جو یہ اور راہبہ ایک دوسرے کا ہنر دیکھنے لگیں۔

"وہ کبہ رہی تھی شام کو آئے گی۔" دارڈن نے انہیں مزید بتایا۔ وہ دونوں دارڈن کے کمرے سے نکل آئیں۔

"یہ گئی کہاں ہے؟ ہمارے ساتھ تو جانے سے انکار کر دیا تھا کہ اسے سونا ہے اور وہ چکی ہوئی ہے اور اس کی طبیعت خراب ہے اور اب اس طرح غائب ہو گئی ہے۔" راہبہ نے اگلے ہوئے انداز میں کہا۔

رات کو وہ قدرے لیٹ واپس آئیں اور جس وقت وہ واپس آئیں۔ امام کمرے میں موجود تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے ان دونوں کا استقبال کیا۔

"گنگا ہے۔ خاصی شاہجگ ہوئی ہے آج۔" اس نے ان دونوں کے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے شاپر زکو دیکھتے ہوئے کہا۔

ان دونوں نے اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا، بس شاپر زکوہ کر اسے دیکھنے لگیں۔

"تم کہاں گئی ہو گئی تھیں؟" جو یہ کہنے لگی۔ اس نے پوچھا۔ امام کو بھیے ایک جھٹکا لگا۔

"میں اپنا والد لینے واپس آئی تھی تو تم یہاں نہیں تھیں، کمرہ لاک تھا۔" جو یہ کہنے لگی۔ اسی انداز

میں کہا۔

”میں تم لوگوں کے پیچھے گئی تھی۔“

”کیا مطلب؟“ جو یہ نے کچھ نہ بکھنے والے انداز میں کہا۔

”جہاد سے تعلق کے بعد میرا ارادہ بدل گیا تھا۔ میں یہاں سے نسیب کی طرف گئی کیونکہ تم لوگوں کو اسے پک کر مانتا تھا، مگر اس کے چوکیدار نے بتایا کہ تم لوگ پہلے ہی وہاں سے نکل گئے ہو، پھر میں وہاں سے واپس آگئی۔ بس رہنے میں کچھ کتابیں لی تھیں میں نے۔“ امانہ نے کہا۔

”دیکھا۔ تم سے پہلے کہا تھا کہ ہمارے ساتھ چلو مگر اس وقت تم نے فوراً انکار کر دیا، بعد میں بے وقوفوں کی طرح پیچھے ہٹ چلی پڑی۔ ہم لوگ تو شکوک ہو گئے تھے جہاد سے بارے میں۔“ زاہد نے کچھ اطمینان سے ایک شاپر کھولتے ہوئے کہا۔

امانہ نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ صرف مسکراتے ہوئے ان دونوں کو دیکھتی رہی۔ وہ دونوں اب اپنے شاپر کھولتے ہوئے خریدی ہوئی چیزیں اسے دکھا رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

”جہاد نام کیا ہے؟“

”چاہ نہیں؟“

”ماں باپ نے کیا رکھا تھا؟“

”یہ ماں باپ سے پوچھیں۔“ خاموشی۔

”لوگ کس نام سے پکارتے ہیں تمہیں؟“

”ڑکے یا لڑکیاں؟“

”ڑکے؟“

”بہت سارے نام لیے ہیں۔“

”زیادہ تر کون سا نام پکارتے ہیں؟“

”daredevil“..... خاموشی.....

”اور لڑکیاں؟“

”وہ بھی بہت سے نام لیتی ہیں۔“

”زیادہ تر کس نام سے پکارتی ہیں؟“

”یہ میں نہیں بتا سکتا۔“ It's too personal. (یہ بالکل ذاتی ہے)۔

گہری خاموشی، طویل سانس پھر خاموشی۔

”میں آپ کو ایک مشورہ دوں؟“

”ہی؟“

”آپ میرے بارے میں وہ جاننے کی کوشش کیوں نہیں کرتے جو نہ آپ پہلے جانتے ہیں نہ میں۔“

آپ کے دائیں طرف بھیل پر جو سفید فاکس پڑی ہے اس میں میرے سارے particulars موجود ہیں پھر آپ وقت ضائع کیوں کر رہے ہیں؟“

سانگیکہ انیسٹ نے اپنے پاس موجود بھیل بسپ کی روشنی میں سامنے کاؤچ پر دراز اس نوجوان کو دیکھا جو اپنے ہی سلسلہ ہمارا ہاتھ اس کے پیروے پر گہرا اطمینان تھا اور یوں لگ رہا تھا جیسے وہ سائیکو انیسٹ کے ساتھ ہونے والی اس ساری گفتگو کو بے کار سمجھ رہا تھا۔ کمرے میں موجود غنڈک، خاموشی اور غم تاریکی نے اس کے اعصاب کو بالکل حاشر نہیں کیا تھا۔ وہ بات کرتے ہوئے دکان فوٹا کمرے میں چاروں طرف نظریں دوڑا رہا تھا۔ سائیکو انیسٹ کے لئے سامنے لیٹا ہوا نوجوان ایک عجیب کس تھا، وہ فوٹو گرافک میموری کا مالک تھا۔ اس کا آئی کیو لیول ۱۵۰ کی رینج میں تھا، وہ قہر و آفت، آفت استیڈنگ ایکٹنگ ریکارڈ رکھتا تھا، وہ گالف میں پریزیڈنٹس کولڈ میڈل ٹینا بار بیت چکا تھا اور وہ..... وہ تیسری بار خودکشی کی ناکام کوشش کرنے کے بعد اس کے پاس آیا تھا۔ اس کے والدین ہی اسے اس کے پاس لے کر آئے تھے اور وہ بے حد پریشان تھے۔

وہ ملک کے چند بہت اونچے خاندانوں میں سے ایک سے تعلق رکھتا تھا۔ ایسا خاندان جس کے پاس پیسے کی بھرمار تھی، چار بھائیوں اور ایک بہن کے بعد دو چوتھے نمبر پر تھا۔ دو بھائی اور ایک بہن اس سے بڑے تھے۔ اپنی ذہانت اور قابلیت کی وجہ سے وہ اپنے والدین کا بہت زیادہ چہیتا تھا۔ اس کے باوجود وہ کچھ نین سال میں اس نے تین بار خودکشی کی کوشش کی۔

مکمل دماغ اس نے سڑک پر بانٹک چلائے ہوئے دن وے کی خلاف ورزی کی اور بانٹک سے ہاتھ اٹھائے، اس کے پیچھے آنے والے ٹریفک کا ٹیشیل نے اسے دیکھا تھا۔ خوش قسمتی سے گاڑی سے نکلنے کے بعد وہ ہوا میں اچھل کر ایک دوسری گاڑی کی محبت پر گر گیا اور پھر زمین پر گر گیا۔ اس کی جگہ ایک بازو اور ایک ٹانگ میں فریکچر ہوئے، جب اس کے والدین کا ٹیشیل کے اصرار کے باوجود اسے ایک حادثہ ہی سمجھے، کیونکہ اس نے اپنے ماں باپ سے یہی کہا تھا کہ وہ لکھنوی سے دن وے سے ہٹ گیا تھا۔

دوسری بار پھر اسے ایک سال کے بعد اس نے لاہور میں خود کو بانٹک کر پانی میں ڈوبنے کی کوشش کی۔ ایک بار پھر اسے بچا لیا گیا۔ پہلے پھر کمرے لوگوں نے اسے اس ریسمیت باہر کھینچ لیا تھا جس کے ساتھ ہاتھ کر اس نے خود کو غرق کر لیا تھا۔ اس بار اس بات کی گواہی دینے والوں کی تعداد زیادہ تھی کہ

اس نے خود اپنے آپ کو پانی میں گر دیا تھا مگر اس کے اس باپ کو ایک بار بھر یہیں نہیں آیا۔ سالار کا بیان یہ تھا کہ کچھ لڑکوں نے اس کی گاڑی کو پانی کے پاس روکا اور پھر اسے ہاندہ کر پانی میں پھینک دیا۔ جس طرح وہ زندہ جاوہر تھا اس سے پانی ہی لٹکا تھا کہ اسے واقعی ہی ہاندہ کر گر لایا گیا تھا۔ پولیس اگلے گلی کی پٹے اس کے بتائے گئے پھیلے کے لڑکوں کو پورے شہر میں تلاش کرتی رہی۔ سکندر عثمان نے خاص طور پر ایک گارڈ اس کے ساتھ حقیقتات کر دیا جو چوبیس گھنٹے اس کے ساتھ رہتا تھا۔

مگر تیسری بار وہ اپنے ماں باپ کی آنکھوں میں دھول نہیں بھونک سکا۔ خواب آور گولیوں کی ایک بڑی تعداد کو فیس کر اس نے کھالیا تھا۔ گولیوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ معدہ واٹھ کرنے کے باوجود اگلے گلی دونوں دو پیار رہا تھا۔ اس بار کسی کو بھی کوئی ٹکڑا نہیں ہوا۔ اس نے خاندان کے سامنے ان گولیوں کے پاؤں کو دودھ میں ڈال کر پیا تھا۔

سکندر عثمان اور طیبہ سکندر رشاک زور گئے تھے۔ پچھلے دونوں واقعات بھی انہیں پوری طرح یاد آگئے تھے اور وہ کچھ مانتے گئے تھے کہ انہوں نے پہلے اس کی بات پر اعتبار کیا۔ کیا..... پورا مگر اس کی وجہ سے پریشان ہو گیا تھا، اس کے بارے میں اسکول، کالونی اور خاندان ہر جگہ خبریں پھیل رہی تھیں۔ وہ اس بار اس بات سے انکار نہیں کر سکا کہ اس نے خود بخوبی کی کوشش کی تھی، مگر وہ یہ بتانے پر تیار نہیں تھا کہ اس نے ایسا کیوں کیا تھا۔ بھائی، لیکن ماں یا باپ اس نے کسی کے سوال کا بھی جواب نہیں دیا تھا۔

سکندر اسے لپٹ کر کے بعد اس کے بڑے دو بھائیوں کی طرح اسے ہیر وں ملک تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھجوانا چاہتے تھے، وہ جانتے تھے اسے کبھی بھی نہ صرف بڑی آسانی سے انڈر مشن مل جائے گا بلکہ امریکا شپ بھی..... لیکن ان کے سارے پلاز جیسے بھک کر کے اڑ گئے تھے۔

ادراپ وہ اس سائیکو انالسٹ کے سامنے موجود تھا، جس کے پاس سکندر عثمان نے اسے اپنے ایک دوست کے مشورہ پر بھجوا دیا تھا۔

”لیکچر ہے سالار! بالکل ٹوڈا پوائنٹ بات کرتے ہیں۔ مرنے کیوں چاہتے ہو تم؟“ سالار نے کھڑے ہو چکے۔

”آپ سے کس نے کہا کہ میں مرنے چاہتا ہوں؟“

”خود بخوبی کی نہیں کوششیں کر چکے ہو تم۔“

”کوشش کرنے اور مرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔“

”تینوں دفعہ تم اتفاقاً بیچے ہو ورنہ تم نے خود کو مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔“

”بیکس۔ جس کو آپ خود بخوبی کی کوشش کہہ رہے ہیں میں اسے خود بخوبی کی کوشش نہیں سمجھتا۔ میں

صرف دیکھنا چاہتا تھا کہ موت کی تکلیف کیسی ہوتی ہے۔“

وہ اس کا چہرہ دیکھنے لگا تو بڑے پرسکون انداز میں انہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”اور موت کی تکلیف تم کیوں محسوس کرنا چاہتے تھے؟“

”میں ایسے ہی curiosity محسوس کر لیں۔“ سائیکو انالسٹ نے ایک گہرا سانس لے کر اس 150

آئی کیو لیول والے نوجوان کو دیکھا، جواب سمجھتے ہوئے گھبراہٹا تھا۔

”تو ایک بار خود بخوبی کی کوشش سے تمہارا یہ محسوس ختم نہیں ہوا۔“

”اوتھ تب..... تب میں بے ہوش ہو گیا تھا اس لئے میں فیک سے کچھ بھی محسوس نہیں کر سکا۔

دوسری بار بھی ایسا ہی ہوا۔ تیسری بار بھی ایسا ہی ہوا۔“ وہ مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے بولا۔

”اور اب تم چوتھی بار کوشش کر رہے؟“

”حقیقتاً میں محسوس کرنا چاہتا ہوں کہ درد کی انتہا پر جا کر کیسا لگتا ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”جیسے Joy کی انتہا ecstasy ہوتی ہے مگر میری کچھ میں نہیں آتا کہ خوشی کی اس انتہا کے بعد کیا

ہے، اسی طرح درد کی بھی تو کوئی انتہا ہوتی ہوگی، جس کے بعد آپ کچھ بھی کچھ نہیں سمجھ سکتے جیسے ecstasy

میں آپ کچھ بھی کچھ نہیں سمجھ سکتے۔“

”میں نہیں سمجھ سکا۔“

”فرض کریں آپ ایک بار میں strip please دیکھ رہے ہیں، بہت تیز تیز لگ رہا ہے، آپ

ڈانک کر رہے ہیں، آپ نے کچھ ڈانک بھی لی ہوئی ہیں، آپ ناچ رہے ہیں پھر آہستہ آہستہ آپ اپنے

ہوش و حواس کھو دیتے ہیں، آپ ecstasy (سرور) میں ہیں، کہاں ہیں؟ کیوں ہیں؟ کیا کر رہے ہیں؟

آپ کو کچھ بھی پتا نہیں لیکن آپ کو یہ ضرور پتا ہوتا ہے کہ آپ جو کچھ بھی کر رہے ہیں وہ آپ کو اچھا

لگ رہا ہے۔ میں جب باہر چھٹیاں گزارنے جاتا ہوں تو اپنے کمرے کے ساتھ ایسے بارز میں جاتا ہوں۔

میرا پر اطمینان ہے کہ ان کی طرح میں ecstatic (مذہبوش) نہیں ہوں I never get wild with joy

مجھے ان چیزوں سے اتنی خوشی نہیں مل پاتی جتنی باقی لوگوں کو ملتی ہے اور یہی چیز مجھے مایوس کرتی ہے۔

میں نے سوچا کہ اگر سرور کی انتہا پر نہیں پہنچ سکتا تو شاید میں درد کی انتہا پر پہنچ سکوں لیکن وہ بھی نہیں ہو

سکا۔“ وہ خاصا مایوس نظر آ رہا تھا۔

”تم اس طرح کی چیزوں میں وقت ضائع کیوں کرتے ہو، انتہا شاید ایک ایک بار ملے تمہارا.....“

سالار نے اس بار انتہائی جراتی سے اس سے کہا۔ ”پلیز، پلیز اب میری ذہانت کے داگ لانا

مست شروع کیجئے گا۔ مجھے پتا ہے میں کیا ہوں۔ ٹھیک آگیا ہوں میں اپنی قہر میں مبتلا ہوں۔“ اس کے لیے

میں تکی تھی۔ سائیکو انالسٹ کچھ دیر اسے دیکھا رہا۔

"اچھے لے کوئی کول کیوں نہیں سین کرتے تم؟"

"میں نے کیا ہے؟"

"کیا؟"

"مجھے خود کشی کی ایک اور کوشش کرنی ہے۔" مکمل اطمینان تھا۔

"کیا تمہیں کوئی ڈپریشن ہے؟"

"ناٹ ایٹ آل۔"

"تو میرا کیوں چاہتے ہو؟" ایک مگر اسانس۔

"کیا آپ کو ایک بار پھر سے جتنا شردا کر دیں کہ میں مرنا نہیں چاہتا۔ میں کچھ اور کرنے کی

کوشش کر رہا ہوں۔" وہ آگیا۔

بات مکالمہ پھر کر پھر وہیں آگئی تھی۔ سائیکو لاسٹ کچھ دیر سوچتا رہا۔

"کیا تم یہ سب کسی لڑکی کی وجہ سے کر رہے ہو؟"

سالار نے گردن ہمو کر حیرانی سے اسے دیکھا۔ "لڑکی کی وجہ سے؟"

"ہاں۔ کوئی ایسی لڑکی جو تمہیں اچھی لگتی ہو جس سے تم شادی کرنا چاہتے ہو؟" اس نے بے اختیار

تہجد لگایا اور پھر دوبارہ پوچھا۔

"نہی گاؤ! آپ کا مطلب ہے کہ کسی لڑکی کی محبت کی وجہ سے میں خود کشی۔" وہ ایک بار پھر

بات اور صوری چھوڑ کر بٹنے لگا۔ "لڑکی کی محبت..... اور خود کشی..... کیا مذاق ہے۔" وہ اب اپنی ہنسی پر

توجہ دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

سائیکو لاسٹ نے اس طرح کے کئی سیشن اس کے ساتھ کیے تھے اور ہر بار نتیجہ واحد کہ

وہی تھا ناپاٹ رہا۔

"آپ اس کو تعلیم کے لئے ہر دن ملک بھجوانے کے بجائے سکھ رہے ہیں اور اس پر بہت زیادہ توجہ

دی۔ ہو سکتا ہے یہ توجہ حاصل کرنے کے لئے یہ سب کر رہا ہو۔"

اس نے کئی بار کے بعد سالار کے ہاں باپ کو مشورہ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے باہر بھجوانے کے

بجائے اسلام آباد کے ایک ادارے میں ایڈمیشن دیا گیا۔ سکندر عثمان کو یہ اطمینان تھا کہ وہ اسے اپنے

پاس رکھیں گے تو شاید وہ دوبارہ ایسی حرکت نہ کرے۔ سالار نے ان کے اس فیصلے پر کسی رد عمل کا اظہار

نہیں کیا بالکل اسی طرح جس طرح اس نے ان کے اس فیصلے پر کسی خوشی کا اظہار نہیں کیا تھا کہ اسے

ہر دن ملک تعلیم کے لئے بھجوا دیا جائے گا۔

سائیکو لاسٹ کے ساتھ آخری سیشن کے بعد سکندر عثمان اسے گھر لے آئے اور انہوں نے طیبہ

کے ساتھ مل کر اس سے ایک لمبی چوڑی میٹنگ کی۔ وہ دونوں اپنے بیڈ روم میں بٹھا کر اسے ان تمام

آراء و رائے کے بارے میں بتاتے رہے جو وہ پچھلے کئی سالوں میں اسے فراہم کرتے رہے تھے۔ انہوں

نے اسے ان حقائق کے بارے میں بھی بتایا جو وہ اس سے دیکھتے تھے۔ اسے ان محبت بھرے جذبات

سے بھی آگاہ کیا گیا جو وہ اس کے لئے محسوس کرتے تھے۔ وہ بے تاثر پھر اس کے ساتھ جھگڑا چلا باپ کی

بے چینی اور اس کے آنسو دیکھا رہا۔ منگھو کے آخر میں سکندر عثمان نے تقریباً لگ کر اس سے کہا۔

"تمہیں کس چیز کی کمی ہے؟ کیا ہے جو تمہارے پاس نہیں ہے یا جو تمہیں چاہئے۔ مجھے تاؤ۔" سالار

سوالیہ میں پڑ گیا۔

"اسپریشنس کار۔" اگلے ہی لمحے اس نے کہا۔

"نیک ہے۔ میں تمہیں اسپریشنس کار باہر سے منگوا دیتا ہوں مگر دوبارہ ایسی کوئی حرکت مت کرنا

جو تم نے کی ہے، ورنہ؟" سکندر عثمان کو کچھ اطمینان ہوا۔

سالار نے سر ہلا دیا۔ طیبہ سکندر نے نشو و نما اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے جیسے سکون کا سانس لیا۔

وہ کمرے سے چلا گیا تو سکندر عثمان نے سحر سلاٹے ہوئے ان سے کہا۔

"طیبہ! تمہیں اس پر بہت توجہ دینی پڑے گی۔ اپنی activities کچھ کم کرنا اور کوشش کرو کہ اس

کے ساتھ روزانہ کچھ وقت گزار سکو۔" طیبہ نے سر ہلا دیا۔

☆.....☆.....☆

دسم نے امامہ کو دور سے ہی لائن میں بیٹھے دیکھ لیا۔ وہ کانوں پر بیڈ فون لگائے واک مین پر کچھ سن

رہی تھی۔ دسم وہ بے قدموں اس کی پشت کی جانب سے اس کے عقب میں گیا اور اس کے پاس جا کر اس

نے ایک دم امامہ کے کانوں سے بیڈ فون کے تار کھینچ لئے۔ امامہ نے برق رفتاری سے واک مین کا stop

کاٹ دیا تھا۔

"کیا تاجدار ہے یہاں ایکسپریس؟" دسم نے بلند آواز میں کہتے ہوئے بیڈ فون کو اپنے کانوں

میں فونس لیا مگر تب تک امامہ کیسٹ بند کر چکی تھی۔ کرسی سے اٹھ کر کمرے ہو کر اس نے بیڈ فون کو

اپنی طرف کھینچنے ہوئے دسم سے کہا۔

"بد فیئر کی کوئی حد ہوتی ہے دسم ابی بیو، ریلیف۔" اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ دسم

نے بیڈ فون کے سروں کو نہیں چھوڑا، امامہ کے غصے کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

"میں سن رہا ہوں، تم کیا سن رہی تھیں۔ اس میں بد فیئر کی کوئی بات ہے، کیسٹ کو آن کر دو۔"

امامہ نے کچھ جھنجھلائے ہوئے بیڈ فون کو واک مین سے الگ کر دیا۔ "میں تمہارے سننے کے لئے

واک مین لے کر یہاں نہیں جیسی، دفعہ دو بار یہ بیڈ فون لے کر۔"

وہ ایک بار بھرا اپنی کرسی پر بیٹھ گئی، اس نے واک میں کو بڑی مضبوطی کے ساتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا تھا۔

دوسم کو لگا جیسے وہ کچھ گھبراہٹ ہوئی ہے مگر وہ گھبرائے گی کیوں؟ دوسم نے سوچا اور اس خیال کو ذہن سے جھٹکتے ہوئے سانسے والی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔ ہیڈ فون کو اس نے میز پر رکھ دیا۔

"یہ لو، اپنا غصہ ختم کرو۔ واکس کر رہا ہوں میں، تم سنو، جو بھی سن رہی ہو۔" اس نے بوسے صلح جویانہ انداز میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں، اب مجھے نہیں سننا چاہیے، تم ہیڈ فون رکھو اپنے پاس۔" امام نے ہیڈ فون کی طرف ہاتھ نہیں پڑھایا۔

"ویسے تم سن کیا رہی تھیں؟"

"کیا سنا جاسکتا ہے؟" امام نے اسی کے انداز میں کہا۔

"نہیں سن رہی ہو گی؟" دوسم نے خیال ظاہر کیا۔

"تمہیں پتا ہے دوسم اتنم میں بہت ساری عادتیں پڑھنی عورتوں والی ہیں؟"

"مثلاً؟"

"مثلاً بال کی کھال اتارنا۔"

"اور۔"

"اور دوسروں کی جاسوسی کرتے پھرنا اور شرمندہ بھی نہ ہونا۔"

"اور تمہیں یہ پتا ہے کہ تم آہستہ آہستہ کتنی خود غرض ہوتی جا رہی ہو۔" دوسم نے ترکی پر ترکی جواب دیتے ہوئے کہا۔ امام نے اس کی بات پر برا نہیں ملا۔

"اچھا۔۔۔۔۔ تمہیں پتا چل گیا ہے کہ میں خود غرض ہوں۔" اس بار اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"حالانکہ تم جتنے بے وقوف ہو میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ نتیجہ اخذ کرو گے۔"

"تم اگر مجھے شرمندہ کرنے کی کوشش کر رہی ہو تو مت کرو، میں شرمندہ نہیں ہوں گا۔" دوسم نے ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"پھر بھی ایسے کاموں کی کوشش تو ہر ایک پر غرض ہوتی ہے۔"

"آج تمہاری زبان کچھ زیادہ نہیں چل رہی؟" دوسم نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے نہیں، ایسا ہی ہے۔ چلو اچھا ہے، وہ جب شاہ کار و زور تو قرار دیا ہے تم نے جو اسلام آباد

آنے پر تم رکھ لیا ہو۔" امام نے غور سے دوسم کو دیکھا۔

"کون سا چپ شاہ کار و زور؟"

"تم جب سے لاہور گئی ہو خاصی بدل گئی ہو۔"

"مجھ پر اسطرز کا بہت بوجھ ہے۔"

"سب پر ہوتا ہے امام اگر کوئی بھی اسطرز کو اپنا سر پر سوار نہیں کرتا۔" دوسم نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"چھوڑو اس فضول بحث کو یہ بتاؤ تم آج کل کیا کر رہے ہو؟"

"میش۔" وہ اسی طرح کرسی جھلاٹا رہا۔

"یہ تو تم پورا سال ہی کرتے ہو، میں آج کل کی خاص مصروفیت کا پتہ چو رہی ہوں۔"

"آج کل تو بس دوستوں کے ساتھ پھر رہا ہوں۔ تمہیں پتا ہونا چاہیے کہ بچہ ڈکے بعد میری مصروفیات کیا ہوتی ہیں۔ سب کچھ بھرتی جا رہی ہو تم۔" دوسم نے افسوس بھری نظروں سے کہا۔

"میں نے اس امید میں یہ سوال کیا تھا کہ شاید اس سال تم میں کوئی بہتری آجائے مگر نہیں، میں

نے بے کار سوال کیا۔" امام نے اس کے تھمرے کے جواب میں کہا۔

"تمہیں پتا ہونا چاہیے کہ میں تم سے ایک سال بڑا ہوں، تم نہیں، اس لئے اب اپنی ملا جلی تقریر

ختم کرو۔" دوسم نے اسے کچھ جتاتے ہوئے کہا۔

"یہ ساتھ والوں کے لڑکے سے تعلقات کا کیا حال ہے؟" امام کو اچانک یاد آیا۔

"چنچ چنچ سے؟ کچھ عجیب سے ہی تعلقات ہیں۔" دوسم نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ "بڑا

عجیب سا بندہ ہے وہ، موزا اچھا ہے تو دوسرے کو ساتویں آسمان پر اٹھا دے گا، سوڈ خراب ہے تو سیوے حاکم

میں پہنچا دے گا۔"

"تمہارے زیادہ تر دوست اسی طرح کے ہیں۔" امام نے مسکراتے ہوئے کہا "کندہم جس باہم

جس پر واہ۔"

"نہیں، خیر ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ کم از کم میری عادتیں اور حکمتیں چنچ چنچ ہی تو نہیں ہیں۔"

"وہ تو بار بار جاننے والا تھا؟" امام کو اچانک یاد آیا۔

"ہاں جانتا تھا مگر پتا نہیں میرا خیال ہے اس کے بچہ نش نہیں بگوار ہے۔"

"علیہ برا عجیب سا ہوتا ہے اس کا۔ مجھے بعض دفعہ لگتا ہے جیوں کے کسی قیلے سے کسی نہ کسی طرح

اس کا تعلق ہو گا یا آئندہ ہو جائے گا۔"

"تم نے دیکھا ہے اسے؟"

"نکل میں باہر سے آ رہی تھی تو دیکھا تھا۔ وہ بھی اسی وقت باہر نکل رہا تھا، کوئی لڑکی تھی ساتھ۔"

"لڑکی؟ بیٹو وغیرہ پہنچی ہوئی تھی اس نے؟" دسیم نے اچانک دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔"

"مشروم کٹ ہالوں والی..... فیکری؟"

"اور سہ۔" دسیم ہنسی بھری نگاہ سے مسکرایا۔ "اس کی گرل فرینڈ ہے۔"

"بھلی دفعہ تو تم کسی اور کا نام لے رہے تھے۔" امام نے اُسے گھور دیکھا۔

"بھلی دفعہ کب؟" دسیم سوچ میں پڑ گیا۔

"سات آٹھ ماہ پہلے شاید تم سے اس کی گرل فرینڈ کی بات ہوئی تھی۔"

"ہاں جب شیا تھی۔ اب پتا نہیں وہ کہاں ہے۔"

"اس بار تو گاڑی کے پچھلے شیشے پر اس نے اپنے سوباگل کا نمبر بھی پینٹ کر دیا ہوا تھا۔" امام

ایک سوباگل نمبر ڈھارتے ہوئے فرمایا۔

"جس پر پتا ہے؟" دسیم بھی ہنسا۔

"میں نے ریمو کی میں پہلی بار اس کا نمبر سوباگل نمبر نہیں لکھا دیکھا تھا اور وہ بھی ایک گاڑی کے شیشے

پر اس کے نام کے ساتھ یاد تو ہو ہی تھا۔" امام بھر فرمایا۔

"میں تو خود سوچ رہا ہوں اپنی گاڑی کے شیشے پر سوباگل نمبر لکھوانے کا۔" دسیم نے بالوں میں

ہاتھ بھیرتے ہوئے کہا۔

"کون سے سوباگل کا۔ دو جو تم نے ابھی خریدے ابھی نہیں۔" امام نے دسیم کا مذاق اڑایا۔

"میں خرید رہا ہوں اس بار۔"

"بابا کے جوتے کھانے کے لئے تیار رہنا، اگر تم نے سوباگل کے نمبر کو گاڑی کے شیشے پر لکھوایا

سب سے پہلا فون اُن ہی کا آئے گا۔"

"بس اسی لئے ہر بار میں نوک جاتا ہوں۔" دسیم نے ایک غصہ سی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہارے لئے اچھا ہی ہے۔ بابا سے ہڈیاں تو دانے سے بہتر ہے کہ بددعا پہنچے جذبات پر کچھ

قابور رکھے اور تمہارے لئے تو خطرات دیسے بھی زیادہ ہیں۔" مسیحا کو پتا چلتا تھا اس قسم کے کسی سوباگل

فون کا تو..... "دسیم نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تو کیا کرے گی وہ، میں اس سے ڈرتا نہیں ہوں۔"

"میں جانتی ہوں تم اس سے ڈرتے نہیں ہو، مگر مجھے بھائیوں کی اکلوتی بہن سے بھتی کرنے سے

پہلے جیسے تمام لڑکے نقصان پر غور کر لینا چاہئے تھا جن کا سامنا تمہیں کسی ایسی ہی حرکت کے بعد ہو سکتا

ہے۔" امام نے ایک بار پھر اس کی سنگین کراہت دہرائی۔ اس کا مذاق اڑایا۔

"اب کیا کیا جا سکتا ہے۔ بس میرے حقد میں حجاب سب کچھ۔" دسیم نے ایک مصنوعی آہ بھرتے

ہوئے کہا۔

"مجھے کبھی بھی سوباگل فون نہیں خریدنا چاہئے کیونکہ یہ میرے کسی کام نہیں آئے گا۔ کم از کم

جہاں تک گرل فرینڈ کی تلاش کا سوال ہے۔" وہ ایک بار پھر کرسی جھلانے لگا۔

"دیر سے کسی مگر بات تمہاری کچھ میں آئی گئی۔" امام نے ہاتھ بڑھا کر میز سے بیڑ فون اٹھاتے

ہوئے کہا۔

"دیسے تم میں کیا رہی تھیں؟" دسیم کو اسے بیڑ فون اٹھاتے دیکھ کر پھر یاد آیا۔

"دیسے ہی کچھ خاص نہیں تھا۔" امام نے اٹھتے ہوئے اسے جیسے ہلا۔

☆.....☆.....☆

"آپ لاہور جا رہے ہیں تو واپسی پر امام کے ہاسٹل چلے جائیں، یہ کچھ کپڑے ہیں اس کے،

درزی سے لے کر آئی ہوں، آپ اسے دے آئیں۔" سلفی نے ہاشم سے کہا۔

"بھئی۔ میں بڑا مصروف ہوں گا لاہور میں، کہاں آتا جا تا پھر اس کا اس کے ہاسٹل۔" ہاشم کو

قدرے تامل ہوا۔

"آپ ڈرائیور کو ساتھ لے کر جا رہے ہیں، خود نہیں جاسکتے تو اسے بھیج دیجئے گا، وہ دے آئے گا

یہ ٹیکٹ۔" سلفی نے ہاشم سے کہا۔

"اس کا تو پتا نہیں اب کب آئے۔"

سلفی نے لمبی چوڑی وضاحت کی۔

"اچھا ٹھیک ہے، میں لے جاتا ہوں۔" فرصت ملی تو خود دے آؤں گا اور ڈرائیور کے ہاتھ بھرا

دوس گا۔" ہاشم رضامند ہو گئے۔

لاہور میں انہوں نے خاصا مصروف دن گزارا۔ شام پانچ بجے کے قریب انہیں کچھ فرصت ملی اور

جب انہیں اس ٹیکٹ کا بھی خیال آگیا، ڈرائیور کو ٹیکٹ لے جانے کا کہنے کے بجائے وہ خود امام کے

ہاسٹل چلے آئے۔ اس کے ایڈمیشن کے بعد آج کی بار وہ وہاں آئے تھے۔ گیٹ کپڑے کے ہاتھ انہوں

نے امام کے لئے پیغام بھجوایا اور خود انتظار کرنے لگے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ جلد ہی آجائے گی مگر ایسا نہ

ہوا اور دس منٹ، پندرہ منٹ، بیس منٹ..... وہ اب کچھ بیڑا رہنے لگے۔ اس سے پہلے کہ وہ اندر دو بارہ

پیغام بھجواتے انہیں گیٹ کپڑے ایک لڑکی کے ساتھ آتا دکھائی دیا۔ کچھ قریب آئے پر انہوں نے اس

لڑکی کو پہچان لیا، جو یہ تھی امام کی بچپن کی دوست اور اس کا تعلق بھی اسلام آباد سے ہی تھا۔

"السلام علیکم اہل! بھئی یہ نے پاس آکر کہا۔

"وعلیکم السلام بیٹا کبھی ہو تم۔"

"میں ٹھیک ہوں۔"

"میں یہ امامہ کے کچھ کپڑے دینے آیا تھا، لاہور آ رہا تھا تو اس کی امی نے یہ پکٹ دے دیا۔ اب یہاں بیٹھے مجھے کھنڈ ہو گیا ہے مگر انہوں نے اسے مجھ بلایا۔" ہاشم کے لہجے میں شکوہ تھا۔

"انگل امامہ مارکیٹ گئی ہے کچھ دوستوں کے ساتھ، آپ یہ پکٹ مجھے دے دیں، میں خود اسے دے دوں گی۔"

"ٹھیک ہے، تم رکھ لو۔" ہاشم نے وہ پکٹ جویریہ کی طرف بڑھا دیا۔

رہی ایک سلیک کے بعد وہ واپس مڑ گئے۔ جویریہ بھی پکٹ پکڑ کر داخل کی طرف چلی گئی مگر اب اس کے چہرے پر مسرور مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی، کوئی بھی اس وقت اس کے چہرے پر پریشانی کو واضح طور پر بھانپ سکتا تھا۔

داخل کے اندر آتے ہی وارڈن سے اس کا سامنا ہو گیا جو سامنے ہی کھڑی تھیں۔ جویریہ کے چہرے پر ایک بار پھر مسکراہٹ آ گئی۔

"بات ہوئی تمہاری اس کے والد سے؟" وارڈن نے اسے دیکھتے ہی اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں، پریشانی والا کوئی مسئلہ نہیں ہے، وہ اسلام آباد میں اپنے گھر پر ہی ہے، اس کے والد یہ پکٹ لے کر آئے تھے، میرے گھر والوں نے میرے کچھ کپڑے بھجوائے ہیں۔ انگل لاہور آ رہے تھے تو امامہ نے کہا کہ وہ لے جائیں۔ انگل نے لٹکھی سے جہاں آکر میرا نام لینے کے بجائے امامہ کا نام لے دیا۔" جویریہ نے ایک ہی سانس میں کئی جھوٹ روائی سے بولے۔

وارڈن نے سکون کا سانس لیا۔ "خدا کا شکر ہے ورنہ میں تو پریشان ہی ہو گئی تھی کہ مجھے تو وہ ایک ایڈز پر گھر جانے کا کہہ کر گئی ہے۔ تو پھر وہ کہاں ہے۔"

وارڈن نے مڑتے ہوئے کہا۔ جویریہ پکٹ پکڑے اپنے کمرے کی طرف چلی آئی۔ راہو اسے دیکھتے ہی تیری طرح اس کی طرف آئی۔

"کیا ہوا۔۔۔ اسلام آباد میں ہی ہے وہ؟"

"نہیں۔" جویریہ نے ناہوشی سے سر ہلایا۔

"مائی گاڈ۔" راہو نے سبے جتنی سے اپنے دونوں ہاتھ کمراس کے سینے پر رکھے۔ "تو پھر کہاں گئی ہے وہ؟"

"مجھے کیا پتا مجھ سے تو اس نے یہی کہا تھا کہ گھر جا رہی ہے، مگر وہ گھر نہیں گئی، آخر وہ گئی کہاں ہے؟ امامہ ایسی تو نہیں ہے۔" جویریہ نے پکٹ بستر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"وارڈن سے کیا کہا تم نے؟" راہو نے قہقہے میں ہنس کر اس پر چھا۔

"کیا کیا؟ جھوٹ بولا ہے اور کیا کہہ سکتی ہوں۔ یہ بتاتی کہ وہ اسلام آباد میں نہیں ہے تو داخل میں تو ابھی ہنگامہ شروع ہو جاتا، وہ تو پچیس کو پلو الٹیں۔" جویریہ نے ناخن کاٹتے ہوئے کہا۔

"اور انگل کو۔۔۔۔۔ ان کو کیا بتایا ہے؟" راہو نے پوچھا۔

"ان سے بھی جھوٹ بولا ہے، یہی کہا ہے کہ وہ مارکیٹ گئی ہے۔"

"مگر اب ہو گا کیا؟" راہو نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"مجھے تو یہ فکر ہو رہی ہے کہ اگر وہ واپس نہ آئی تو میں تو بری طرح پکڑی جاؤں گی۔ سب یہی سمجھیں گے کہ مجھے اس کے پروگرام کا پتا تھا، اس لئے میں نے وارڈن اور اس کے گھر والوں سے سب کچھ پچھا لیا۔" جویریہ کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔

"نہیں امامہ کو کوئی حادثہ ہی پیش نہ آ گیا ہو؟ ورنہ وہ ایسی لڑکی تو نہیں ہے کہ اس طرح۔۔۔۔۔"

راہو کو اچانک ایک غم نے ستایا۔

"مگر اب ہم کیا کریں۔ ہم تو کسی سے اس سارے معاملے کو ڈاکس بھی نہیں کر سکتے۔" جویریہ نے ناخن کھرتے ہوئے کہا۔

"تغیب سے بات کریں۔" راہو نے کہا۔

"خارجہ ڈائریک راہو ابھی تو صبح سے کام لیا کر، اس سے کیا بات کریں گے ہم۔" جویریہ نے جھنجھلا کر کہا۔

"تو پھر انتظار کرتے ہیں، ہو سکتا ہے وہ آج رات تک داخل تک آجائے اگر آگئی پھر تو کوئی مسئلہ نہیں رہے گا اور اگر نہ آئی تو پھر ہم وارڈن کو سب کچھ سچ بتا دیں گے۔" راہو نے سنجیدگی سے سارے معاملے پر غور کرتے ہوئے ملے کیا۔ جویریہ نے اسے دیکھا مگر اس کے مشورے پر کچھ کہا نہیں۔ پریشانی اس کے چہرے سے چھلک رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

جویریہ اور راہو رات بھر سو نہیں سکیں۔ وہ مکمل طور پر خوف کی گرفتار تھیں۔ اگر وہ نہ آئی تو کیا ہو گا، یہ سوال ان کے سامنے بار بار بھانک نکلیں بدل بدل کر آ رہا تھا۔ انہیں اپنا کیرئیر ڈھونڈنا اور نظر آ رہا تھا۔ انہیں اندازہ تھا کہ ان کے گھر والے ایسے معاملے پر کیا رد عمل ظاہر کریں گے۔ وہ انہیں بری طرح تلامت کرتے، انہیں امامہ کے والد کو سب کچھ صاف صاف نہ بتانے پر تنقید کا نشانہ بناتے اور پھر وارڈن سے سارے معاملے کو چھپانے پر اور بھی ناراض ہوتے۔

انہیں اندازہ نہیں تھا کہ حقیقت سامنے آنے پر خود ہاشم بہین اور ان کی چلی کارو عمل کیا ہو گا۔ وہ

اس سارے معاملے میں ان دونوں کے رول کو کس طرح دیکھیں گے۔ بائبل میں لڑکیاں ان کے بارے میں کس طرح کی باتیں کریں گی اور پھر اگر یہ سارا معاملہ پولیس کیس بن گیا تو پولیس ان کی اس پر دوپٹہ کی کیا سمجھے گی وہ اندازہ کر سکتی تھیں اور اسی لئے بار بار ان کے دھنگلے کھڑے ہو رہے تھے۔

مگر سوال یہ پیدا ہوا تھا کہ وہ بھی کہاں..... اور کیوں..... وہ دونوں اس کے پچھلے رویوں کا تجربہ کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ کس طرح پچھلے ایک سال سے وہ بالکل بدل گئی تھی، اس نے ان کے ساتھ گھومنا پھرنا بند کر دیا تھا، وہ اب بھی ابھی رہنے لگی تھی، چڑھائی میں اس کا انہماک بھی کم ہو گیا تھا اور اس کی کم کوئی۔

"اور وہ جہاں ایک بار وہ ہمارے ٹائپنگ کے لئے جانے پر پیچھے سے غائب تھی، اب بھی جیتا ہوا ہیں مگر وہ جہاں وہ اب بھی ہے اور ہم نے اس طرح کی طرفوں کی طرف اس پر اعتبار کر لیا۔" رابہ کو کھینچ کر باتیں یاد آ رہی تھیں۔

"مگر وہ اب ایسی نہیں تھی، میں تو اسے بھیجیوں سے جانتی ہوں۔ وہ ابھی بالکل بھی نہیں تھی۔" جو یہ یہ کو اب بھی اس پر کوئی شک نہیں ہو رہا تھا۔

"ایسا ہونے میں کوئی دیر نہ ہوئی تھی ہے، میں انسان کا کردار کر رہا ہوتا چاہئے۔" رابہ بدگمانی کی انتہا پر پہنچی ہوئی تھی۔

رابہ اس کی مرضی سے اس کی منگنی ہوئی تھی، وہ اور ابھد ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے پھر وہ اس طرح کی حرکت کیسے کر سکتی ہے۔" جو یہ یہ نے اس کا دفاع کرنے کی کوشش کی۔

"پھر تم بتاؤ کہ وہ کہاں ہے۔" میں نے تو کبھی بتا کر اسے کسی دیر کے ساتھ نہیں چپکا یا ہے، اس کے باپا اس سے ملنے یہاں آئے ہیں اور وہ اپنے گھر سے آئے ہیں، تو ظاہر ہے وہ گھر پر نہیں گئی اور ہم سے وہ یہی کہہ کر گئی تھی کہ وہ گھر جا رہی ہے۔" رابہ نے بے چارگی سے کہا۔

"ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ اسے کوئی حادثہ پیش آ گیا ہو۔" ہو سکتا ہے، وہ اسی لئے گھر نہ پہنچی ہو۔

"وہ ہر بار یہاں سے فون کر کے اسلام آباد اپنے گھر والوں کو اپنے آنے کی اطلاع دے دیتی تھی تاکہ اس کا بھائی اسے کوئٹہ کے اسٹیشن سے پک کر لے۔ اگر اس بار بھی اس نے اسے اطلاع دی تھی تو پھر اس کے وہاں نہ پہنچنے پر وہ لوگ اطمینان سے وہاں نہ بیٹھے ہوتے، وہ یہاں بائبل میں فون کرتے اور اس کے والد کے انداز سے تو ایسا ہی محسوس ہوا ہے جیسے اس کا اس دیک ایجنٹ پر اسلام آباد کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔" رابہ نے اس کے قیاس کو مکمل طور پر رد کر دیا۔

"ہاں۔ وہ ابھی بھی ایک ماہ میں دو بار اسلام آباد نہیں جاتی تھی مگر اس بار تو دوسرے ہی پہنچے

اسلام آباد جا رہی تھی اور اس نے وارڈن سے خاص طور پر یہ کہہ کر اجازت لی تھی۔ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے، لیکن نہ کہیں کہہ نہ کہہ ضرور غلط ہے۔" جو یہ یہ کو پھر خدشات ستانے لگے۔

"اس کے ساتھ ساتھ ہم بھی بری طرح ڈوبیں گے۔ ہم سے بہت بڑی غلطی ہوئی جو ہم نے سب کچھ اس طرح کو روک دیا، ہمیں صاف صاف بات کرنی چاہئے تھی اس کے والد سے کہ وہ یہاں نہیں ہے، پھر وہ جو چاہے کرتے۔ یہ ان کا مسئلہ ہوتا، کم از کم ہم تو اس طرح نہ جھٹکتے جس طرح اب ہمیں لگے ہیں۔" رابہ مسلسل بڑبڑا رہی تھی۔

"خیر۔ اب کیا ہو سکتا ہے، شاید انکار کرتے ہیں اگر وہ کل بھی نہیں آتی تو پھر وہ ان کو سب کچھ بتا دیں گے۔" جو یہ یہ نے کمرے کے پھر لگاتے ہوئے کہا۔

وہ رات ان دونوں نے اسی طرح باتیں کرتے جاتے ہوئے گزری۔ اگلے دن وہ دونوں کانچ نہیں گئیں۔ اس حالت میں کانچ جانے کا کوئی تاہم بھی نہیں ہوتا۔

امارہ دیک ایجنٹ پر ہفتہ کو دوبارہ پوچھنے کے قریب آچکا کرتی تھی مگر اس دن وہ نہیں آئی، ان کے اعصاب جواب دینے لگے۔ اچانک بیچ کے قریب وہ فتنہ رحمت اور کانچے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ اپنے کمرے سے وارڈن کے کمرے میں جانے کے لئے نکل آئیں، ان کے ذہن میں وہ پہلے گردش کر رہے تھے، جو انہیں وارڈن سے کہنے تھے۔

وہ وارڈن کے کمرے سے ابھی کچھ دور ہی تھیں جب انہوں نے امارہ کو بڑے اطمینان کے ساتھ اندر آتے دیکھا۔ اس کا بیچ اس کے کانچے پر تھا اور فوٹو ہاتھوں میں، وہ جیتا سیدھی کانچے سے آ رہی تھی۔ جو یہ یہ اور رابہ کو بچوں لگا جیسے ان کے جیروں کے بیچ سے نکلتی ہوئی زمین یک دم قسم گئی تھی۔ ان کی درکی ہوئی سانس ایک بار پھر چلنے لگی تھی۔ کل کے اخبارات میں منوج وہ پہلے لائیکز جو بہت سن کر ان کے گرد ناچ رہی تھیں یک دم غائب ہو گئیں اور ان کی جگہ اس نئے اور اشتعال نے لی تھی جو انہیں امارہ کی ہل دیکھ کر آیا تھا۔

وہ انہیں دیکھ چکی تھی اور اب ان کی طرف بڑھ رہی تھی، اس کے چہرے پر بڑی خوشگوار سی مسکراہٹ تھی۔

"تم دونوں آج کانچ کیوں نہیں آئیں؟" سلام دعا کے بعد اس نے ان سے پوچھا۔

"تمہاری مصیبتوں سے بچھڑا لے گا تو ہم کہیں آئے جانے کا سوچ سکیں گے۔" رابہ نے تھوڑے لمحے میں اس سے کہا۔

امارہ کے چہرے کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

"ایسا ہوا رابہ! اس طرح مجھے میں کیوں ہو؟" امارہ نے قدرے تشویش سے پوچھا۔

"تم ذرا اندر کرے میں آؤ پھر تمہیں بتاتی ہوں کہ میں غصے میں کیوں ہوں۔" راجہ نے اسے بازو سے پکڑ لیا اور تقریباً کھینچے ہوئے کمرے میں لے آئی۔ جویریہ کچھ کہے بغیر ان دونوں کے پیچھے آگئی۔ امام بکا کا تھی دور راجہ اور جویریہ کے رویے کو کچھ نہیں پارہی تھی۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی راجہ نے دروازہ بند کر لیا۔

"کہاں سے آ رہی ہو تم؟" راجہ نے مڑ کر اچھائی تلخ اور دہشت لہجے میں اس سے پوچھا۔

"اسلام آباد سے اور کہاں سے۔" امام نے اپنا ایک نیچے زمین پر دیکھ دیا اس کے جواب نے راجہ کو کچھ اور مشتعل کیا۔

"شرم کرو امام۔۔۔۔۔ اس طرح ہمیں دھوکا دے کر ہماری آنکھوں میں دھول جھونک کر آخر تم کیا ثابت کرنا چاہتی ہو۔ یہ کہ ہم ذفر ہیں۔ ایسے ہیں۔ پاگل ہیں۔ بھٹی ہم ہیں۔ ہم مانتے ہیں۔۔۔۔۔ نہ ہوتے تو یوں تم پر اندھا حصار نہ کیا ہو تا تم سے اتنا بدادھو کا نہ کیا ہوتا۔" راجہ نے کہا۔

"مجھے تمہاری کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی۔ کون سا دھوکا۔۔۔۔۔ کیسا دھوکا، کیا یہ بہتر نہیں کہ تم آرام سے مجھے اپنی بات سمجھاؤ۔" امام نے بے چارگی سے کہا۔

"تم دیکھ اپنے کہاں گزار کر آئی ہو؟" جویریہ نے نیکی بار گفتگو میں مداخلت کی۔

"تمہیں بتا چکی ہوں اسلام آباد میں، وہاں سے آج سیدھا کالج آئی ہوں اور اب کالج سے۔۔۔۔۔" راجہ نے اسے بات مکمل نہیں کرنے دی۔

"کیوں بند کرو۔۔۔۔۔ یہ جھوٹ اب نہیں چل سکتا، تم اسلام آباد نہیں گئی تھیں۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟" اس بار امام نے بھی قدرے بلند آواز میں کہا۔

"کیونکہ تمہارے غادر یہاں آئے تھے کل؟" امام کا رنگ ڈھنگ۔ وہ کچھ بول نہیں سکی۔

"اب کیوں منہ بند ہو گیا ہے۔ اب بھی کہو کہ تم اسلام آباد سے آ رہی ہو۔" راجہ نے ہنسنے لگے۔

میں کہا۔

"بابا یہاں۔ آئے تھے؟" امام نے اٹکتے ہوئے کہا۔

"ہاں آئے تھے، تمہارے کچھ پڑے دینے کے لئے۔" جویریہ نے کہا۔

"انھیں یہ بتا چل گیا کہ میں بائبل میں نہیں ہوں۔"

"میں نے جھوٹ بول دیا کہ تم بائبل سے کسی کام کے لئے باہر گئی ہو، وہ پڑے دے کر چلے گئے۔" جویریہ نے کہا۔ امام نے بے اختیار اطمینان کا سانس لیا۔

"یعنی انھیں کچھ پتا نہیں چلا؟" اس نے بستر پر بیٹھ کر اپنے جوتے کے اسٹرپس کھولنے ہوئے کہا۔

"نہیں انھیں کچھ پتا نہیں چلا۔۔۔۔۔ تم منہ اٹھا کر اگلے بیٹے پھر کہیں روانہ ہو جاؤ۔" امام نے امام اس میں

اب وارڈن سے اس سلیس میں بات کرنے والی ہوں۔ ہم تمہاری وجہ سے خاموشی پر مٹانی اٹھا چکے ہیں، مزید اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ بہتر ہے تمہارے غرض کو تمہاری ان حرکتوں کے بارے میں پتا چل جائے۔" راجہ نے دونوں انداز میں اس سے کہا۔ امام نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کون سی حرکتوں کے بارے میں۔۔۔۔۔ میں نے کیا کیا ہے؟"

"کیا کیا ہے۔۔۔۔۔؟ بائبل سے اس طرح دونوں کے لئے گھر کا کہہ کر غائب ہو جانا تمہارے نزدیک

کوئی بڑی بات نہیں ہے۔"

امام جواب دینے کے بجائے دوسرے جوتے کے بھی اسٹرپس کھولنے لگی۔

"مجھے وارڈن کے پاس چلے ہی جانا چاہئے۔"

راجہ نے غصے کے عالم میں دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

جویریہ نے آگے بڑھ کر اسے روکا۔ "وارڈن سے بات کر لیں گے، پہلے اس سے جوابات کر لیں۔

تم جلد بازی مت کرو۔"

"مگر تم اس وصیت کا اطمینان دیکھو۔۔۔۔۔ بحال ہے ذرا براہ شرمندگی بھی اس کے چہرے پر جھلک

رہی ہو۔" راجہ نے غصے میں امام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں تم دونوں کو سب کچھ بتاؤں گی۔ اتنا غصے میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے کوئی غلط

کام نہیں کیا نہ ہی کسی غلط جگہ پر گئی ہوں اور یہاں بھائی بھی نہیں ہوں۔" امام نے جو قوس کی قید سے اپنے

جوتوں کو آزاد کرتے ہوئے قدرے دھیمے لہجے میں کہا۔

"پھر تم کہاں گئی تھیں؟" اس بار جویریہ نے پوچھا۔

"اپنی ایک دوست کے پاس۔"

"کون سی دوست؟"

"بے ایک۔"

"اس طرح جھوٹ بول کر کیوں؟"

"میں تم لوگوں کے سوالوں سے بچنا چاہتی تھی اور گھر والوں کو بتانی یا ان سے اجازت لینے کی

کوشش کرتی تو وہ بھی اجازت نہ دیتے۔"

"کس کے پاس گئی تھیں؟ اور کس لئے؟" جویریہ نے اس بار قدرے تجسس آمیز انداز میں پوچھا۔

"میں نے کہا، میں بتا دوں گی۔ کچھ وقت دو مجھے۔" امام نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

"کوئی وقت نہیں دے سکتے تھیں۔۔۔۔۔ تمہیں وقت دیں تاکہ تم ایک بار پھر غائب ہو جاؤ اور اس

بار واپس ہی نہ آؤ۔" راجہ نے اس بار بھی ناراضی سے کہا مگر پہلے کی نسبت اس بار اس کا لہجہ دھیمہ تھا۔

"تمہیں تو اس بات کا بھی احساس نہیں ہوا کہ تم نے ہماری پوزیشن کتنی آگورڈ بنا دی تھی، اگر تمہارے اس طرح غائب ہونے کا پتہ چل جاتا تو ہماری کتنی بے عزتی ہوتی۔ اس کا احساس تھا تمہیں؟" رابعہ نے اسی انداز میں کہا۔

"مجھے یہ توقع ہی نہیں تھی کہ بابا یہاں اس طرح اچانک آجائیں گے۔ اس لئے میں یہ بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ تم لوگوں کو کسی ہڈک صورت حال کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے ورنہ میں اس طرح کبھی نہ کرتی۔" امامہ نے معذرت فرما کر انداز میں کہا۔

"تم کم از کم ہم پر اعتبار کر کے، ہمیں ہتھکڑیاں لگا کر رکھو۔" جویریہ نے کہا۔

"میں آئندہ ایسا کبھی نہیں کروں گی۔" امامہ نے کہا۔

"تم کم از کم میں تمہارے کسی وعدے، کسی بات پر اعتبار نہیں کر سکتی۔" رابعہ نے دو ٹوک انداز

میں کہا۔

"مجھے اپنی پوزیشن بحال کرنے اور رابعہ! تم مجھے لٹا رکھ رہی ہو۔" امامہ نے اس بار قدرے کمزور انداز میں کہا۔

"تم کو احساس ہے کہ تمہاری وجہ سے ہمارا کیرئیر اور ہماری زندگی کس طرح داؤ پر لگ گئی تھی۔ یہ دوستی ہوتی ہے؟ اسے دوستی کہتے ہیں؟"

"ٹھیک ہے۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ مجھے معاف کر دو۔" امامہ نے جیسے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔
"جب تک تم یہ نہیں بتاؤ گی کہ تم کہاں غائب ہو گئی تھیں، میں تمہاری کوئی معذرت قبول نہیں کروں گی۔" رابعہ نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

امامہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

"میں میسج کے گھر چلی گئی تھی۔" جویریہ اور رابعہ نے خیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"کون.....؟" ان دونوں نے تقریباً ایک وقت پوچھا۔

"تم لوگ جانتی ہو اسے۔" امامہ نے کہا۔

"وہ فوراً میری میسج؟" جویریہ نے بے اختیار پوچھا۔

امامہ نے سر ہلایا۔ "مگر اس کے گھر کس لئے گئی تھیں تم؟"

"دوستی ہے اس سے میری۔" امامہ نے کہا۔

"دوستی.....؟ کبھی دوستی.....؟ چاروں کی سلام دعا ہے تمہارے ساتھ اس کی اور میرا خیال ہے تم تو اسے ابھی طرح جانتی تھیں پھر اس کے گھر رہنے کے لئے کیوں چل پڑیں؟" جویریہ نے اعتراض کرتے ہوئے کہا۔

"وہ بھی اس طرح جھوٹ بول کر..... کم از کم اس کے گھر جا کر رہنے کے لئے تمہیں ہم سے یا اپنے گھر والوں سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں تھی۔" رابعہ نے اسی لہجے میں کہا۔

"تم اسے کال کر کے پوچھ لو کہ میں اس کے گھر پر تھی یا نہیں۔" امامہ نے کہا۔

"چلو یہ بات لیا کہ تم اس کے گھر پر تھیں مگر کیوں تھیں.....؟" جویریہ نے پوچھا۔

امامہ خاموش رہی پھر کچھ دیر بعد اس نے کہا "مجھے اس کی مدد کی ضرورت تھی۔"

ان دونوں نے حیران ہو کر دیکھا "کس مسئلے میں؟"

امامہ نے سر اٹھایا اور ہلکی ہلکی باتیں کرتی رہی۔ جویریہ نے کچھ بے چینی محسوس کی۔ "کس مسئلے میں؟"

"تم ابھی طرح جانتی ہو۔" امامہ نے قدرے مدغم انداز میں کہا۔

"میں.....؟" جویریہ نے کچھ گڑبڑا کر رابعہ کو دیکھا جواب بڑی سنجیدگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ہاں، تم تو ابھی طرح جانتی ہو۔"

"تم پہیلیاں منت بھجواؤ۔ سیدھی لادو صاف بات کرو۔" جویریہ نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔

امامہ سر اٹھا کر خاموشی سے اسے دیکھنے لگی پھر کچھ دیر بعد ہلکتے خود روایت انداز میں اس نے سر جھکا دیا۔

☆.....☆.....☆

"بتاؤ۔ آخر تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟" اس دن کاٹج میں امامہ نے جویریہ سے اسرار کیا۔

جویریہ کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ "میری خواہش ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔"

امامہ کو جیسے ایک کرنٹ سا لگا۔ اس نے شاک اور بے چینی کے عالم میں جویریہ کو دیکھا۔ وہ مجھے

لہجے میں کہتی جا رہی تھی۔

"تم میری اپنی ابھی اور میری دوست ہو کہ مجھے یہ سوچ کر تکلیف ہوتی ہے کہ تم گمراہی کے راستے

پر چل رہی ہو اور تمہیں اس کا احساس تک نہیں ہے..... نہ صرف تم بلکہ تمہاری پوری فیملی..... میری

خواہش ہے کہ نیک اعمال پر اگر اللہ مجھے جنت میں بھیجے تو تم میرے ساتھ ہو لیکن اس کے لئے مسلمان

ہونا ضروری ہے۔"

امامہ کے چہرے پر ایک کے بعد ایک رنگ آ رہا تھا۔ بہت دیر بعد وہ کچھ بولنے کے قابل ہو گئی۔

"میں توقع نہیں کر سکتی تھی جویریہ کہ تم مجھ سے قریب بھیجی ہو گی۔ تمہیں تو میں اپنا دوست

کہتی تھی مگر تم بھی....." جویریہ نے رزی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"قریب تم سے تب جو کچھ کہا تھا، ٹھیک کہا تھا۔" امامہ ہلکی ہلکی باتیں کرتی رہی اسے

جو یہ یہ کی باتوں سے بہت تکلیف ہو رہی تھی۔

"اور صرف آج ہی نہیں، میں اس وقت بھی قریم کو صحیح سمجھتی تھی مگر میری تہوار سے ساتھ دوستی تھی اور میں چاہنے کے باوجود تم سے یہ نہیں کہہ سکتی کہ میں قریم کو حق بجانب سمجھتی ہوں۔ اگر وہ یہ کہتی تھی کہ تم مسلمان نہیں ہو تو یہ ٹھیک تھا۔ تم مسلمان نہیں ہو۔"

امامہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ کچھ بھی کہے بغیر وہ ایک صدمے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ جو یہ یہ بھی اس کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ امامہ نے کچھ بھی کہے بغیر وہاں سے جانے کی کوشش کی مگر جو یہ نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"تم میرا بازو چھوڑ دو۔ مجھے جانے دو، آئندہ کبھی تم مجھ سے بات تک نہ کرنا۔" امامہ نے ہڑتے ہوئے لہجے میں اس سے اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"امامہ! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں....."

امامہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم نے کتنا ہرٹ کیا ہے مجھے۔ جو یہ یہ مجھے کم از کم تم سے یہ امید نہیں تھی۔"

"میں تمہیں ہرٹ نہیں کر رہی ہوں۔ حقیقت بتا رہی ہوں۔ روئے پا جذبات میں آنے کے بجائے تم غصے سے دل و دماغ سے میری بات پر سوچو..... میں آخر تم کو بے کار کئی بات پر ہرٹ کیوں کر دی گئی۔" جو یہ نے اس کا بازو نہیں چھوڑا۔

"یہ تو تمہیں بتا رہا تھا کہ تم مجھے ہرٹ کیوں کر رہی ہو، مگر مجھے آج یہ اندازہ ضرور ہو گیا ہے کہ تم میں اور قریم میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ تم نے تو مجھے اس سے بھی زیادہ تکلیف پہنچائی ہے۔ اس سے میری دوستی اتنی برفانی نہیں تھی جتنی تمہارے ساتھ ہے۔" امامہ کے گالوں پر آنسو بہ رہے تھے اور وہ مسلسل اپنا بازو جو یہ کی گرفت سے آزاد کروانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"یہ تمہارا امرار تھا کہ میں تمہیں اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش بتاؤں۔ میں اسی لئے تمہیں نہیں بتا رہی تھی اور میں نے تمہیں پہلے ہی تنبیہ کر دیا تھا کہ تم میری بات پر بہت ناراض ہو گی مگر تم نے مجھے یقین دلایا تھا کہ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔" جو یہ نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

"مجھے اگر یہ پتا ہو کہ تم میرے ساتھ اس طرح کی بات کر دو گی تو میں کبھی تم سے تمہاری زندگی کی سب سے بڑی خواہش جاننے پر امرار نہ کرتی۔" امامہ نے اس بار قدرے غصے سے کہا۔

"اچھا میں دوبارہ اس معاملے پر تم سے بات نہیں کر دوں گی۔" جو یہ نے قدرے مدافعتانہ انداز میں کہا۔

"اس سے کیا ہو گا۔ مجھے یہ تو پتا چل گیا ہے کہ تم درحقیقت میرے بارے میں کیا سوچتی ہو....."

تمہاری دوستی اب کبھی بھی پہلے جیسی نہیں ہو سکتی۔ آج تک میں نے کبھی تم پر اس طرح کی تنبیہ نہیں کی مگر تم مجھے اسلام کا ایک فرقہ سمجھنے کے بجائے غیر مسلم بتا رہی ہو۔" امامہ نے کہا۔

"میں اگر ایسا کر رہی ہوں تو لگتا نہیں کر رہی۔ اسلام کے تمام فرقے کم از کم یہ ایمان ضرور رکھتے ہیں کہ حضور ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں اور ان کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔" اس بار جو یہ یہ کو بھی غصہ آگیا۔

"مانڈیو لینگو کج۔" امامہ بھی عجز کا اظہار کیا۔

"میں تمہیں حقیقت بتا رہی ہوں امامہ..... اور میں ہی نہیں یہ بات سب لوگ جانتے ہیں کہ تمہاری ٹیلی نے روپے کے حصول کے لئے مذہب بدلا ہے۔"

"امامہ! میری باتوں پر اتنا ناراض ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ غصے سے دل و دماغ ہے۔"

امامہ نے جو یہ کی بات کاٹ دی۔ "مجھے ضرورت نہیں ہے تمہاری کئی بھی بات پر غصے سے دل و دماغ سے خود کرنے کی۔ میں جانتی ہوں حقیقت کیا ہے اور کیا نہیں....."

"تم نہیں جانتیں اور کئی افسوس ناک بات ہے۔" جو یہ نے کہا۔ امامہ نے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے اس بار بہت زور کے صدمے سے اپنا بازو چھڑا اور تیز قدموں کے ساتھ وہاں سے چل پڑی۔ اس بار جو یہ نے اس کے پیچھے جانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ کچھ افسوس اور پریشانی سے اسے دور جاتے دیکھتی رہی۔ امامہ اس طرح ناراض نہیں ہوتی تھی جس طرح وہ آج ہو گئی تھی اور یہی بات جو یہ یہ کو پریشان کر رہی تھی۔

باب ۲

پچھلے سب کچھ اسکول میں ہونے والے ایک واقعے سے شروع ہوا تھا۔ امام اس وقت میزک کی اسٹوڈنٹ تھی اور تحریم اس کی اچھی دوستوں میں سے ایک تھی۔ وہ لوگ کئی سال سے اکٹھے تھے اور نہ صرف ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے بلکہ ان کی فیملیز بھی ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح جانتی تھیں۔ اپنی فرینڈز میں سے امام کی سب سے زیادہ دوستی تحریم اور جوہر سے تھی مگر اسے حیرت ہوتی تھی کہ انہی گہری دوستی ہونے کے باوجود بھی جوہر یہ اور تحریم اس کے گھر آنے سے کتراتے تھیں۔ امام ہر سال اپنی سہ ماہی پر انہیں انوائس کرتی اور اکثر اپنے گھر ہونے والی دوسری تقریبات میں بھی انہیں مدعو کرتی، وہ گھر سے اجازت نہ ملنے کا بہانہ بنا دیتیں۔ چند بار امام نے خود ان دونوں کے والدین سے اجازت لینے کے لئے بات کی، لیکن اس کے بے تحاشا اصرار کے باوجود ان دونوں کے والدین انہیں اس کے گھر آنے کی اجازت نہ دیتے۔ ان کے اس رویے پر کچھ شکی ہو کر اس نے اپنے والدین سے شکایت کی۔

”تمہاری یہ دونوں فرینڈز سہید ہیں۔ یہ لوگ عام طور پر ہمارے فرقہ کو پسند نہیں کرتے۔ اسی لئے ان دونوں کے والدین انہیں ہمارے گھر آنے نہیں دیتے۔“ ایک بار اس کی امی نے اس کی شکایت پر کہا۔

”یہ کیا بات ہوئی۔۔۔ ہمارے فرقے کو کیوں پسند نہیں کرتے۔۔۔ امام کو ان کی بات پر قہر ہوا۔“

”اب یہ تو وہی لوگ بنا سکتے ہیں کہ وہ ہمارے فرقے کو کیوں پسند نہیں کرتے۔۔۔ یہ تو ہمیں غیر مسلم بھی کہتے ہیں۔“ اس کی امی نے کہا۔

”کیوں غیر مسلم کہتے ہیں۔ ہم تو غیر مسلم نہیں ہیں۔“ امام نے کچھ الجھ کر کہا۔

”ہاں بالکل۔ ہم مسلمان ہیں۔ مگر یہ لوگ ہمارے نبی پر یقین نہیں رکھتے۔“ اس کی امی نے کہا۔

”کیوں۔۔۔؟“

”اب اس کیوں کا میں کیا جواب دے سکتی ہوں۔ بس یہ لوگ یقین نہیں رکھتے۔ کمر ہیں بڑے، یہ تو انہیں قیامت کے دن ہی پتا چلے گا کہ کون سیدھے رستے پر تھا۔ ہم باب۔۔۔“

”مگر امی! مجھ سے تو انہوں نے کبھی مذہب پر بات نہیں کی۔ پھر مذہب مسئلہ کیسے بن گیا۔۔۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے پھر دوسرے کے گھر آنے جانے سے کیا ہوتا ہے؟“ امام ابھی بھی الجھی ہوئی تھی۔

”یہ بات انہیں کون سمجھائے۔ یہ لوگ ہمیں جھوٹا کہتے ہیں، حالانکہ خود انہیں ہمارے بارے میں کچھ پتا نہیں۔ بس مولویوں کے کہنے میں آکر ہم پر جڑھ دوڑتے ہیں۔ انہیں ہمارے بارے میں اور ہمارے نبی کی تعلیمات کے بارے میں کچھ پتا ہو تو یہ لوگ اس طرح نہ کریں۔ شاید پھر انہیں کچھ شعور آ جائے۔ اور یہ لوگ بھی ہماری طرح راہ ہدایت پر آجائیں۔ تمہاری فرینڈز اگر تمہارے گھر نہیں آتیں تو انہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم بھی ان کے گھر مت جایا کرو۔“

”مگر امی! ان کی غلط فہمیاں تو دور ہو نا چاہئیں میرے بارے میں۔“ امام نے ایک بار پھر کہا۔

”یہ کام تم نہیں کر سکتیں۔ ان لوگوں کے ماں باپ مسلسل اپنے بچوں کی ہمارے خلاف بریں و دشمنی کرتے رہتے ہیں۔ ان کے دلوں میں ہمارے خلاف ذہر بھر رہے ہیں۔“

”نہیں امی! وہ میری بیٹے فرینڈز ہیں۔ ان کو میرے بارے میں اس طرح نہیں سوچنا چاہئے۔ میں ان لوگوں کو اپنی کتابیں پڑھنے کے لئے دوں گی، تاکہ ان کے دل سے میرے بارے میں یہ غلط فہمیاں دور ہو سکیں، پھر یہ سمجھا ہے یہ ہمارے نبی کو بھی مان جائیں۔“ امام نے کہا۔ اس کی امی کچھ سوچ میں پڑ گئیں۔

”آپ کو میری جو پڑہنا چاہیے؟“

”ایسا نہیں ہے۔۔۔ تم ضرور انہیں اپنی کتابیں دو۔۔۔ مگر اس طریقے سے نہیں کہ انہیں یہ لگے کہ

تم اپنے فرقہ کی ترویج کے لئے انھیں یہ کتابیں دے رہی ہو۔ تم انہیں یہ کہہ کر کتابیں دینا کہ تم چاہتی ہو وہ جہاد کے بارے میں جانیں۔ ہم کو زیادہ بہتر طریقے سے سمجھ سکیں اور ان سے یہ بھی کہنا کہ ان کتابوں کا ذکر وہ اپنے گھروالوں سے نہ کریں۔ ورنہ وہ لوگ زیادہ ناراض ہو جائیں گے۔" امام نے ان کی بات پر سر ہلادیا۔

☆.....☆.....☆

اس کے چند دنوں بعد امام اسکول میں کچھ کتابیں لے گئی تھیں۔ بریک کے دور ان وہ جب گراؤٹھ میں آکر بیٹھیں تو امام اپنے ساتھ وہ کتابیں بھی لے آئی۔

"میں تمہارے اور جو یہ کے لئے کچھ لے کر آئی ہوں۔"

"کیا لائی جو دکھاؤ؟" امام نے شاید سے وہ کتابیں نکال لیں اور انہیں دو حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے ان دونوں کی طرف بڑھا دیا۔ وہ دونوں ان کتابوں پر ایک فکر ڈالنے ہی کچھ چپ سی ہو گئیں۔ جو یہ نے امام سے کچھ نہیں کہا مگر قریم یک دم کچھ اکھڑ گئی۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے سر دھڑکی سے پوچھا۔

"یہ کتابیں میں تمہارے لئے لائی ہوں۔" امام نے کہا۔

"کیوں.....؟"

"تاکہ تم لوگوں کی غلط فہمیاں دور ہو سکیں۔"

"کس طرح کی غلط فہمیاں؟"

"وہی غلط فہمیاں جو تمہارے دل میں، ہمارے مذہب کے بارے میں ہیں۔" امام نے کہا۔

"تم سے کس نے کہا کہ ہمیں تمہارے مذہب یا تمہارے نبی کے بارے میں کچھ غلط فہمیاں ہیں؟"

قریم نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

"میں خود اندازہ کر سکتی ہوں۔ صرف اسی وجہ سے تو تم لوگ ہمارے گھر نہیں آتے۔ تم لوگ شاید یہ سمجھتے ہو کہ ہم لوگ مسلمان نہیں ہیں یا ہم لوگ قرآن نہیں پڑھتے یا ہم لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر نہیں مانتے حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم لوگ ان سب چیزوں پر یقین رکھتے ہیں۔ ہم تو صرف یہ کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہمارا بھی ایک نبی ہے اور وہ بھی اسی طرح قابل احترام ہے جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔" امام نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

قریم نے اپنے ہاتھ میں بکڑی ہوئی کتابیں اسے واپس چھادیں۔ "ہمیں تمہارے اور تمہارے مذہب کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہے۔ ہم تمہارے مذہب کے بارے میں ضرورت سے زیادہ

جانتے ہیں۔ اس لئے تم کو کوئی وضاحت پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے ہلے روکنے لپے میں امام سے کہا۔ "اور جہاں تک ان کتابوں کا تعلق ہے تو میرے اور جو یہ کے پاس انتخاب کا وقت نہیں ہے کہ ان اساتذہ و مولوں، خوش فہمیوں اور گمراہی کے اس پلندے پر متابع کریں جسے تم اپنی کتابیں کہہ رہی ہو۔" قریم نے ایک جھٹکے کے ساتھ رابع کے ہاتھ میں بکڑی ہوئی کتابیں بٹھائی کچھ نہیں بھی امام کے ہاتھ میں چھادیں۔ امام کا چہرہ غصت اور شرمندگی سے سرخ پڑ گیا۔ اسے قریم سے اس طرح کے تبصرے کی توقع نہیں تھی اگر ہوئی تو وہ کبھی اسے وہ کتابیں دینے کی طاقت ہی نہ کرتی۔

"اور جہاں تک اس احرام کا تعلق ہے تو اس نبی میں جس پر نبوت کا نزول ہوتا ہے اور اس نبی میں جو خود بخود نبی ہونے کی خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے زمین اور آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ تم لوگوں کو اگر قرآن پر واقعی یقین ہو تا تو تمہیں اس کے ایک ایک حرف پر یقین ہوتا۔ نبی ہونے میں اور نبی بننے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔"

"قریم اتم میری اور میرے فرقہ کی بے عزتی کر رہی ہو۔" امام نے آنکھوں میں اندازے سے آنسوؤں کے ساتھ کہا۔

"میں کسی کی بے عزتی نہیں کر رہی۔ میں صرف حقیقت بیان کر رہی ہوں اور اگر تمہیں بے عزتی لگتی ہے تو میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کر سکتی۔" قریم نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"روزہ رکھنے میں اور بھوکے رہنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ قرآن پڑھنے اور اس پر ایمان لانے میں بھی بڑا فرق ہوتا ہے۔ بہت سارے عیسائی اور ہندو بھی اسلام کے بارے میں جانتے کے لئے پاک پڑھتے ہیں تو کیا انہیں مسلمان مان لیا جاتا ہے اور بہت سے مسلمان بھی دوسرے مذہب کے بارے میں جانتے کے لئے دوسری الہامی کتابیں پڑھتے ہیں تو کیا وہ غیر مسلم ہو جاتے ہیں اور تم لوگ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغمبر مانتے ہو تو کوئی احسان نہیں کرتے۔ تم ان کی نبوت کو جھٹاؤ گے تو اور کیا کیا جھٹاؤ گے، پھر تو انہیں کو بھی جھٹانا پڑے گا، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی خوش خبری دی گئی ہے، پھر تو تو جیت کو بھی جھٹا چکے گا جس میں ان کی نبوت کی بات کی گئی ہے، پھر قرآن پاک کو بھی جھٹا پڑے گا جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی قرار دیتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر تمہارا نبی، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو جھٹلاتا تو وہ ان مناظروں کی کیا وجہ پیش کرتا جو وہ نبوت کا دعویٰ کرنے سے پہلے کئی سال عیسائی باوریں سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور اسلام کے آخری دین ہونے پر کرتا رہا تھا۔ اس لئے امام ہاشم اتم ان چیزوں کے بارے میں بحث کرنے کی کوشش مت کرنا جن کے بارے میں تمہیں سرے سے کچھ پتا ہی نہیں ہے۔ تمہیں نہ اس مذہب کے بارے میں پتا ہے جس پر تم چل رہی ہو اور نہ اس کے بارے میں جس پر تم بات کر رہی ہو۔"

تحریم نے دونوں کا انداز میں کہا۔

”اور میں ایک چیز بتا دوں تمہیں۔۔۔ دین میں کوئی جبر نہیں ہوتا۔۔۔ تم لوگ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے حتمی ہونے کا انکار کرتے ہو تو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔“

”مگر ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر یقین رکھتے ہیں۔“ امام نے اس بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”تو پھر ہم بھی انجیل پر یقین رکھتے ہیں، اسے الہامی کتاب مانتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر یقین رکھتے ہیں تو کیا ہم کرچن ہیں؟ اور ہم تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کی نبوت پر بھی یقین رکھتے ہیں تو کیا پھر ہم یہودی ہیں؟“ تحریم نے کچھ مسخرے کہا ”لیکن ہمارا دین اسلام ہے، کیونکہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکار ہیں اور ہم ان پیغمبروں پر یقین رکھتے ہیں جو باوجود عیسائیت کا حصہ ہیں نہ یہودیت کا، بالکل اسی طرح تم لوگوں کا نبی ہے کیونکہ تم اس کے پیروکار ہو۔ ویسے تم لوگ تو ہمیں بھی مسلمان نہیں سمجھتے۔ ابھی تم اصرار کر رہی ہو کہ تم اسلام کا ایک فرق ہو۔۔۔ جب کہ تمہارے نبی اور اس کے بعد آنے والے تمہاری جماعت کے تمام لیڈرز کا دعویٰ ہے کہ جو مرزائی نبوت پر یقین نہیں رکھتا وہ مسلمان ہی نہیں ہے۔ تو اسلام سے تو تم لوگ تمام مسلمانوں کو پہلے ہی خارج کر چکے ہو۔۔۔“

”ایسا کیا بھی نہیں ہے۔۔۔ میں نے ایسا کب کہا ہے؟“ امام نے قدرے لاکھڑائے ہونے لگے

میں کہا۔

”تو پھر تم اپنے والد صاحب سے ذرا اس معاملے کو ڈسکس کرنا۔۔۔ وہ تمہیں خاصی اپ ٹو ڈیٹ انفارمیشن دیں گے اس بارے میں۔ تمہارے مذہب کے خاصے سرکردہ رہنما ہیں وہ۔۔۔“ تحریم نے کہا ”اور یہ جو کتابیں تم ہمیں پیش کر رہی ہو۔۔۔ انہیں خود پڑھا ہے تم نے۔۔۔ لیکن پڑھا ہو گا۔۔۔ ورنہ تمہیں پتا ہوتا ان سرکردہ رہنماؤں کے بارے میں۔“

جو یہ تحریم کی اس ساری گفتگو کے دوران خاموش رہی تھی، وہ صرف کن انکھوں سے امام کو دیکھتی رہی تھی۔ ”اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے آخری نبی ہیں اور میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر گواہی دیتے ہیں کہ وہ اللہ کے آخری نبی ہیں اور میری کتاب مجھ تک یہ دونوں باتیں بہت صاف واضح اور دونوں کا انداز میں پہنچا رہی ہے تو پھر مجھے کبھی اور شخص کے نبوت اور اعلان کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ سمجھیں۔“

تحریم نے اپنے ایک ایک الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”بہتر ہے تم اپنے مذہب کو یا میرے مذہب کو زبردستی لٹانے کی کوشش نہ کرو۔ اسٹے ممالوں سے

دوستی چل رہی ہے، چلنے دو۔۔۔“

”جہاں تک تمہارے گھر نہ آنے کا تعلق ہے تو ہاں یہ بالکل ٹھیک ہے کہ میرے والدین کو تمہارے گھر آنا پسند نہیں ہے۔ یہاں اسکول میں تم سے دوستی اور بات ہے۔ بہت سے لوگوں سے دوستی ہوتی ہے ہماری اور دوستی میں عام طور پر مذہب آڑے نہیں آتا لیکن گھر میں آنا جانا۔۔۔ کچھ مختلف چیز ہے۔۔۔ انہیں شاید میری کسی عیسائی یا یہودی یا ہندو دوست کے گھر جانے پر اعتراض نہ ہو لیکن تمہارے گھر جانے پر ہے۔۔۔ کیونکہ وہ لوگ اپنے مذہب کو مانتے ہیں وہ اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہتے جس مذہب سے تعلق ہوتا ہے وہی بتاتے ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جتنا تم لوگوں کو ناپسند کیا جاتا ہے اتنا ان لوگوں کو نہیں کیا جاتا کیونکہ تم لوگ صرف پیسے کے حصول اور اچھے مستقبل کے لئے یہ ناپسندیدہ اختیار کر کے ہمارے دین میں گھسنے کی کوشش کر رہے ہو۔ مگر کرچن، ہندو یا یہودی ایسا نہیں کرتے۔“

امام نے بے اختیار اسے ٹوکا۔ ”کس پیسے کی بات کر رہی ہو تم۔۔۔؟ تم ہماری فیملی کو جانتی ہو۔۔۔“

ہم لوگ شروع سے ہی بہت امیر ہیں۔ ہمیں کون سا روپیہ مل رہا ہے اس مذہب پر رہنے کے لئے۔“

”ہاں تم لوگ اب بڑے خوشحال ہو، مگر شروع سے تو ایسے نہیں تھے۔ تمہارے دادا مسلمان مگر غریب آدمی تھے۔ وہ کاشت کاری کیا کرتے تھے اور ایک چھوٹے سے کاشت کار تھے۔ رویہ سے کچھ فاصلے پر ان کی تھوڑی بہت زمین تھی پھر تمہارے تایا نے اپنے کسی دوست کے توسط سے وہاں جانا شروع کر دیا اور یہ مذہب اختیار کر لیا اور بے تحاشا امیر ہو گئے کیونکہ انہیں وہاں سے بہت زیادہ پیسہ ملا پھر آہستہ آہستہ تمہارے والد اور تمہارے چچا نے بھی اپنا مذہب بدل لیا پھر تم لوگوں کا خاندان اس ملک کے حصول ترین خاندانوں میں شمار ہونے لگا اور یہ کام کرنے والے تم لوگ واحد نہیں ہو زیادہ تر اسی طریقے سے لوگوں کو اس مذہب کا بچہ دیا جا رہا ہے۔“

امام نے کچھ ہنسنے لگے اس کی بات کو کاٹا ”تم جھوٹ بولی رہی ہو۔“

”تمہیں یقین نہیں آ رہا تو تم اپنے گھر والوں سے پوچھ لیا کہ اس قدر دولت کس طرح آئی ان کے پاس۔۔۔ اور ابھی بھی کس طرح آ رہی ہے۔ تمہارے والد اس مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں۔ ہر سال لاکھوں ڈالر لاتے ہیں، انہیں غیر ملکی مشین اور این جی او سے۔۔۔“ تحریم نے کچھ حقیر آمیز انداز میں کہا۔

”یہ جھوٹ ہے، سفید جھوٹ۔“ امام نے بے اختیار کہا۔ ”میرے بابا کسی سے کوئی چیز نہیں لیتے۔ وہ اگر اس فرقہ کے لئے کام کرتے ہیں، تو غلط کیا ہے۔ کیا دوسرے فرقوں کے لئے کام نہیں کیا جاتا۔ دوسرے فرقوں کے بھی تو علماء ہوتے ہیں یا ایسے لوگ جو انہیں سبوتاژ کرتے ہیں۔“

”دوسرے فرقوں کو یا رہی مشین سے روپیہ نہیں ملتا۔“

”میرے بابا کو کہیں سے کچھ نہیں ملتا۔“ امام نے ایک بار پھر کہا۔ تحریم نے اس کی بات کے

لانے کی کوشش میں معروف ہیں۔ ہاشم حسین نے بڑی تفصیل کے ساتھ بتایا۔

”مگر تم لوگوں سے اس معاملے پر بات مت کیا کرو۔ اس بحث مباحثے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ابھی ہم لوگ اقلیت میں ہیں جب اکثریت میں ہو جائیں گے تو پھر اس طرح کے لوگ اتنی بے غوفی کے ساتھ اس طرح بڑھ بڑھ کر بات نہیں کر سکیں گے پھر وہ اس طرح ہٹ داری توکیل کرتے ہوئے اوروں کے مگر فی الحال ایسے لوگوں کے متنبہ نہیں لگنا چاہئے۔“

”بابا! آئین میں ہمیں اقلیت اور غیر مسلم کیوں قرار دیا گیا ہے۔ جب ہم اسلام کا ایک فرقہ ہیں تو پھر انہوں نے ہمیں غیر مسلم کیوں سمجھ لیا ہے؟“ امام کو تحریم کی کئی ہوائی ایک اور بات یاد آئی۔

”یہ سب مولویوں کی کارستانی تھی۔ اپنے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے وہ سب چارے خلاف اٹھتے ہو گئے تھے۔ ہماری تعداد ابھی زیادہ ہو جائے گی تو ہم بھی اپنی مرضی کے قوانین بنوائیں گے اور اس طرح کی تمام تر سیاست کو آئین میں سے بنادیں گے۔“ ہاشم حسین نے ہر جوش انداز میں کہا۔ ”اور ہمیں اس طرح بے وقوفی کی طرح کمرے میں بند ہو کر رونے کی ضرورت نہیں ہے۔“

ہاشم حسین نے اس کے پاس سے اٹھتے ہوئے کہا، امام انہیں وہاں سے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

تحریم کے ساتھ وہ اس کی دوستی کا آخری دن تھا اور اس میں تحریم سے لڑنا، خود اس کا رویہ وہ تھا۔ وہ تحریم کی باتوں سے اس حد تک دل برداشتہ ہوئی تھی کہ اب تحریم کے ساتھ دوبارہ پہلے سے تعلقات قائم رکھنا اس کے لئے مشکل ہو گیا تھا۔ خود تحریم نے بھی اس کی اس خاموشی کو پھلانگتے یا توڑنے کی کوشش نہیں کی۔

ہاشم حسین احمد احمدی جماعت کے سرکردہ رہنماؤں میں سے ایک تھے۔ ان کے بڑے بھائی اعظم حسین احمد بھی جماعت کے اہم رہنماؤں میں سے ایک تھے۔ ان کے پورے خاندان میں سے چند ایک کو چھوڑ کر باقی تمام افراد بہت سال پہلے اس وقت قادیانیت اختیار کر گئے تھے جب اعظم حسین احمد نے اس کام کا آغاز کیا تھا جن لوگوں نے قادیانیت اختیار نہیں کی تھی وہ باقی لوگوں سے قطع تعلقی کر چکے تھے۔

اپنے بڑے بھائی اعظم حسین کے انش قدم پر چلتے ہوئے ہاشم حسین نے بھی یہ مذہب اختیار کر لیا۔ اعظم حسین ہی کی طرح انہوں نے اپنے مذہب کے فروغ اور تبلیغ کے لئے کام کرنا بھی شروع کر دیا۔ اس چھوڑے سالوں میں وہ دونوں بھائی اس تحریک کے سرکردہ رہنماؤں میں شمار ہونے لگے۔ اس کی وجہ سے انہوں نے بے تحاشا پیر سکایا اور اس پیسے سے انہوں نے سرمایہ کاری بھی کی مگر ان کی آمدنی کا بڑا زریعہ تحریک کی تبلیغ کے لئے میسر ہونے والے فنڈ ہی تھے۔ ان کا شمار اسلام آباد کی ایلٹ کلاس میں ہوتا تھا۔ بے تحاشہ دولت ہونے کے باوجود ہاشم اور اعظم حسین کے گھر کا ماحول روایتی تھا۔ ان کی خواتین باقاعدہ پردہ کیا کرتی تھیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ان خواتین پر ناروا پابندیاں یا کسی قسم کا چھروا رکھا گیا

تھا۔ اس مذہب کی خواتین میں تعلیم کا تقابلاً پاکستان میں کسی بھی مذہب کے مقابلے میں ہمیشہ ہی زیادہ رہا ہے۔ ان لوگوں نے اعلیٰ تعلیم بھی معروف اور اوروں سے حاصل کی۔

امام بھی اسی قسم کے ماحول میں پائی بڑھی تھی۔ وہ یقیناً ان لوگوں میں سے تھی جو مدر میں سونے کا بچہ لے کر پیدا ہوئے ہیں اور اس نے ہاشم حسین کو کبھی کبھی قسم کے مالی مسائل سے گزرتے نہیں دیکھا۔ کبھی وجہ تھی کہ اس کے لئے خرچہ کی یہ بات ناقابل یقین تھی کہ اس کے خاندان نے پیسہ حاصل کرنے کے لئے یہ مذہب اختیار کیا۔ غیر ملکی مشنز اور چروان ملک سے ملے والے فنڈز کا الزام بھی اس کے لئے ناقابل قبول تھا۔ وہ یہ بات ابھی طرح جانتی تھی کہ وہ ایک ایسی کلاس سے تعلق رکھتی ہے جس کا لیا چڑھا کاروبار تھا اور اگرچہ وہ یہ بات بھی جانتی تھی کہ ہاشم حسین اس مذہب کی تبلیغ اور ترویج کرتے ہیں اور تحریک کے سرکردہ رہنماؤں میں سے ایک ہیں مگر یہ کوئی خلاف معمول بات نہیں تھی۔ وہ شروع سے ہی اس سلسلے میں اپنے تایا اور والد کی سرگرمیوں کو دیکھتی آ رہی تھی۔ اس کے نزدیک یہ ایک ایسا کام تھا جو وہ ”اسلام“ کی تبلیغ و ترویج کے لئے کر رہے تھے۔

اپنے گھر والوں کے ساتھ وہ کئی بار مذہبی اجتماع میں بھی جا چکی تھی اور سرکردہ رہنماؤں کے لندن سے سیٹلائٹ کے ذریعے ہونے والے خطبات کو بھی باقاعدگی سے سنی اور دیکھتی آ رہی تھی۔ تحریم کے ساتھ ہونے والے جھگڑے سے پہلے بھی اس نے اپنے مذہب کے بارے میں خود کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کے لئے انہوں نے ایسا ہی تھا جیسے اسلام کا کوئی دوسرا فرقہ۔ اس کی برہنہ و آشوب بھی اسی طرح کی گئی تھی کہ وہ سمجھتی تھی کہ صرف وہی سیدھے راستے پر تھے بلکہ وہی سنت میں جائیں گے۔

اگرچہ گھر میں بہت شروع میں ہی اسے پائی بہن بھائیوں کے ساتھ یہ نصیحت کر دی گئی تھی کہ وہ بلاوجہ لوگوں کو یہ نہ بتائیں کہ وہ راصل کیا ہیں۔ اسکول میں تعلیم کے دوران ہی وہ یہ بھی جان گئی تھی کہ ۱۹۷۴ء میں انہیں پارلیمنٹ نے ایک غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا تھا وہ سمجھتی تھی کہ یہ مذہبی افراد میں آکر کیا جانے والا ایک سیاسی فیصلہ ہے مگر تحریم کے ساتھ ہونے والے جھگڑے نے اسے اپنے مذہب کے بارے میں خود کرنے اور سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

تحریم سے ہونے والے جھگڑے کے بعد ایک جدیدی جو اس میں آئی وہ اپنے مذہب کا مطالعہ تھا۔ تبلیغی مواد کے علاوہ اور ان کتابوں کے علاوہ جنہیں اس مذہب کے ماننے والے مقدس سمجھتے تھے اس نے اور بھی بہت سی کتابوں کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا اور بنیادی طور پر اسی زمانے میں اس کی آنجنوں کا آغاز ہوا مگر کچھ عرصہ مطالعہ کے بعد اس نے ایک بار پھر ان آنجنوں اور اضطراب کو اپنے ذہن سے جھٹک دیا۔ میٹرک کے فوراً بعد اس نے اس کی منگنی ہو گئی وہ اعظم حسین کا بیٹا تھا۔ یہ اگرچہ کوئی محبت کی منگنی نہیں تھی مگر اس کے باوجود امام اور اسجد کی پسند اس رشتہ کا باعث بنی تھی۔ نسبت ملے ہونے کے بعد

اسجد کے لئے امامہ کے دل میں خاص جگہ بن گئی تھی۔

اپنی پسند کے شخص سے نسبت کے بعد اس کا دوسرا نام گت میڈیکل میں ایڈمیشن تھا اور اسے اس کے بارے میں زیادہ فکر نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے باپ کی تنگدستی ہے کہ اگر وہ میرٹ پر نہ بھی ہوئی تب بھی وہ اسے میڈیکل کالج میں داخل کروا سکتے تھے اور اگر یہ ممکن نہ ہوتا تو بھی وہ پیر دن ملک جا کر میڈیکل کی تعلیم حاصل کر سکتی تھی۔

☆ ☆ ☆

”تم پچھلے کچھ دنوں سے بہت پریشان ہو، کوئی پرالم ہے؟“ وسیم نے اس رات امامہ سے پوچھا۔
وہ پچھلے کچھ دن سے بہت زیادہ خاموش اور ابھمی ابھمی نظر آ رہی تھی۔

”نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ تمہارا دھم ہے۔“ امامہ نے مسکراتے کی کوشش کی۔
”خیر، دھم تو نہیں، کوئی نہ کوئی بات ہے ضرور۔ تم بتانا نہیں چاہتیں تو اور بات ہے۔“ وسیم نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔ وہ امامہ کے ڈیڑھ بیڈ پر اس سے کچھ فاصلے پر لیٹا ہوا تھا اور وہ اپنی فائل میں رکے نوٹس لائٹ پلٹ رہی تھی۔ وسیم کچھ دیر اس کے جواب کا انتظار کرتا رہا پھر اس نے ایک بار پھر اسے مخاطب کیا۔
”میں نے ٹھیک کہا، تم بتانا نہیں چاہتیں؟“

”ہاں، میں فی الحال بتانا نہیں چاہتی۔“ امامہ نے ایک گھر اسٹش لے کر اعتراف کیا۔
”بتاؤ وہ ہو سکتا ہے میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں؟“ وسیم نے اسے تسلیا۔

”وسیم! میں خود تمہیں بتاؤں گی مگر فی الحال نہیں اور اگر مجھے مدد کی ضرورت ہوگی تو میں خود تم سے کہوں گی۔“ اس نے اپنی فائل بند کرتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی، میں تو صرف تمہاری مدد کرنا چاہتا تھا۔“ وہ بیڈ سے اٹھ گیا۔
وسیم کا اندازہ بالکل ٹھیک تھا۔ وہ واقعی جویریہ کے ساتھ اس دن دن والے جھگڑے کے بعد سے پریشان تھی۔ اگرچہ جویریہ نے اسے دن اس سے معذرت کر لی تھی مگر اس کی آنکھیں اور اضطراب میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ جویریہ کی باتوں نے اسے بہت پریشان کر دیا تھا۔ ایک ڈیڑھ سال پہلے تحریم کے ساتھ ہونے والا جھگڑا اسے ایک بار پھر یاد آنے لگا تھا اور اس کے ساتھ ہی اپنے مذہب کے بارے میں ابھرنے والے سوالات اور ابھنیں بھی جو اس نے اپنے مذہب کا تفصیلی مطالعہ کرنے کے بعد اپنے ذہن میں محسوس کی تھیں۔ جویریہ نے کہا تھا ”میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ کاش تم مسلمان ہو جی۔“

”مسلمان ہوتی؟“ وہ عجیب سی بے یقینی میں جتنا ہو گئی تھی۔ ”کیا میں مسلمان نہیں ہوں؟ کیا میری بہترین دوست بھی مجھے مسلمان نہیں مانتی؟ کیا یہ سب کچھ صرف اس پر دیکھنے کی وجہ سے ہے جو ہمارے

بارے میں کیا جاتا ہے؟ آخر ہمارے ہی بارے میں یہ سب کچھ کیوں کہا جاتا ہے؟ کیا ہم لوگ واقعی کوئی غلط کام کر رہے ہیں؟ کسی غلط عقیدے کو اختیار کر بیٹھے ہیں؟ مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آخر میرے گھر والے ایسا کیوں کریں گے اور پھر ہماری ساری گنجوئی ایسا کیوں کرے گی؟ اور شاید یہ ان سوالوں سے نجات پانے کی ایک کوشش تھی کہ ایک بیٹے کے بعد اس نے ایک بہت بڑے عالم دین کی قرآن پاک کی تفسیر خریدی۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ ان کے بارے میں دوسرے فرق کا موقف کیا تھا۔ قرآن پاک کا ترجمہ وہ اس سے پہلے بھی پڑھتی رہی تھی مگر وہ خرافہ شدہ حالت میں تھا۔ اسے اس سے پہلے اس بات کا یقین نہیں تھا کہ قرآن میں جو باتیں ہیں اس میں کچھ جگہوں پر کچھ تبدیلیاں کی گئی ہیں مگر اس مشہور عالم دین کی تفسیر پڑھنے کے دور ان اسے ان تبدیلیوں کے بارے میں معلوم ہو گیا جو ان کے اپنے قرآن میں موجود تھیں۔ اس نے یکے بعد دیگرے مختلف فرقوں کے اداروں سے شائع ہونے والے قرآن پاک کے نسخوں کو دیکھا۔ ان میں سے کسی میں بھی وہ تبدیلیاں نہیں تھیں جو خود ان کے قرآن میں موجود تھیں جبکہ مختلف فرقوں کی کتابوں میں بہت زیادہ فرق تھا جو ان کے اپنے مذہب اور اسلام کا اعلیٰ مطالعہ کر رہی تھی اس کی پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ہر تفسیر میں آخری ہی جگہ پر اسلام کا ذکر کوئی غمیرایا کیا تھا۔ کبھی بھی کسی غلط یا غلطی کی ناکامی کوئی ذکر یا اشارہ بھی موجود نہیں تھا۔ کچھ معمول کی حقیقت بھی اس کے سامنے آ گئی تھی۔ اپنے مذہبی رہنما کی گنجوئی میں ان کی حقیقت میں ہونے والے واقعات کا قصہ اسے اور بھی زیادہ چبھنے لگا تھا۔ اس کے مذہبی رہنما نے نبوت کا دعویٰ کرنے سے پہلے جن غمیر کے بارے میں سب سے زیادہ غمیر مذہب زبان استعمال کی تھی وہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی تھے اور بعد میں نبوت کا دعویٰ کر کے ان کے لئے سے پہلے یہ بھی کہا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کا حلول اس کے اندر ہو گیا ہے اور اگر اس دعوے کی سچائی کو مان بھی لیا جاتا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے دوبارہ نزول کے بعد چالیس سال تک زندہ رہتے اور پھر جب ان کا انتقال ہو تو اسلام پوری دنیا پر لایا جاتا تھا مگر ان رہنما کی وفات کے وقت دنیا میں اسلام کا غلبہ تو ایک طرف، خود ہندوستان میں مسلمان آزادی جیسی نوبت کے لئے ترس رہے تھے۔ امامہ کو اپنے مذہبی رہنما کے گفتگو کے اس انداز پر بھی تعجب ہوتا جو اس نے اپنی مختلف کتابوں میں اپنے مخالفین یا دوسرے انبیاء کے کرام کے لئے اختیار کیا تھا۔ کیا کوئی بھی اس طرح کی زبان استعمال کر سکتا تھا جس طرح کی اس نبوت کے دعویٰ کرنے والے نے کی تھی۔

بہت غیر محسوس انداز میں اس کا دل اپنے مذہبی لٹریچر اور مقدس کتابوں سے اجاڑ ہونے لگا تھا۔ پہلے جیسا اعتقاد اور یقین تو ایک طرف اسے سرے سے ان کی صداقت پر شبہ ہونے لگا تھا۔ اس نے جویریہ سے یہ ذکر نہیں کیا تھا کہ وہ اب اپنے مذہب سے ہٹ کر دوسری کتابوں کو پڑھنے لگی تھی۔ اس کے گھر میں بھی کسی کو یہ اندازہ نہیں ہو کہ وہ کس قسم کی کتابیں گھرا کر پڑھ رہی تھی۔ اس نے انہیں اپنے

کمرے میں بہت حفاظت سے چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ صرف ایک دن ایسا ہوا کہ وسیم دس کے کمرے میں آکر اس کی کتابوں میں سے کوئی کتاب ڈسٹوٹے لگا۔ وسیم کے ہاتھ سب سے پہلے قرآن پاک کی وہی تصویر لگی تھی اور وہ جیسے دم بخود رہ گیا تھا۔

"یہ کیا ہے امام؟" اس نے سڑکرتے ہوئے پوچھا۔ امام نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور دھجک سے رہ گئی۔

"یہ... یہ... یہ قرآن پاک کی تصویر ہے۔" اس نے یک دم اپنی زبان میں ہونے والی فزکڑاہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"میں جانتا ہوں مگر یہ یہاں کیا کر رہی ہے۔ کیا تم اسے خرید کر لاؤ گی؟" وسیم نے بڑی عجیبی گی کے ساتھ پوچھا۔

"ہاں، میں اسے خرید کر لاؤ گی، مگر تم اتنا پریشان کیوں ہو رہے ہو؟"

"بابا کو پتہ چلے گا تو وہ کتنا غصہ کریں گے، تمہیں اندازہ ہے؟"

"ہاں، مجھے اندازہ ہے، مگر مجھے یہ کوئی اتنی قابل اعتراض بات نظر نہیں آتی۔"

"آخر تمہیں اس کتاب کی ضرورت کیوں پڑی؟" وسیم نے کتاب کو دیکھ کر پوچھا۔

"کیونکہ میں جانتا چاہتی ہوں کہ دوسرے عقائد کے لوگ آخر قرآن پاک کی کیا تصویر کر رہے ہیں۔ ہمارے بارے میں، قرآن کے حوالے سے ان کا نقطہ نظر کیا ہے۔" امام نے سنجیدگی سے کہا۔

وسیم جھلکیں چمکائے بغیر اسے دیکھتا رہا۔

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟"

"میرا دماغ بالکل ٹھیک ہے۔" امام نے پرسکون انداز میں کہا۔ "کیا برائی ہے، اگر میں دوسرے

فہم کے بارے میں جانوں اور ان کے قرآن پاک کی تصویر دیکھوں۔"

"میں اس کی ضرورت نہیں ہے۔" وسیم نے ناراضی سے کہا۔

"تمہیں ضرورت نہیں ہوگی، مجھے ضرورت ہے۔" امام نے دو فوک انداز میں کہا۔ "میں آنکھیں بند کر کے کسی بھی چیز پر یقین کی کائنات نہیں ہوں۔" اس نے واضح الفاظ میں کہا۔

"تو یہ تصویر کسے کہہ رہے ہیں؟" امام نے طویہ لگے میں پوچھا۔

امام نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "پہلے مجھے اپنے اعتقاد کے بارے میں شبہ نہیں تھا اب ہے۔"

وسیم اس کی بات پر ہلکے آواز سے دیکھا۔ اس طرح کی کتابیں پڑھنے سے بھی ہو جاتی ہے۔ میں اسی لئے تم سے کہہ رہا ہوں کہ تمہیں اس طرح کی کتابیں پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے لئے ہماری اپنی کتابیں کافی ہیں۔"

"میں نے اتنی تفاسیر دیکھی ہیں، قرآن پاک کے اتنے ترجمے دیکھے ہیں، جبرانی کی بات ہے وسیم! کہیں بھی ہمارے نبی کا ذکر نہیں ہے، ہر تفسیر میں احمد سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہی لیا جاتا ہے، ہمارے نبی کو نہیں اور اگر نہیں ہمارے نبی کا ذکر ہے بھی تو نبوت کے ایک مہم جوئے دعوے دار کے طور پر۔" امام نے اچھے ہوئے انداز میں کہا۔

"یہ لوگ ہمارے بارے میں ایسا باتیں نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا۔ ہمارے نبی کی نبوت کو مان لیں گے تو ہمارا اور ان کا تو اختلاف ہی ختم ہو جائے گا۔ یہ بھی اتنی تفاسیر میں سچ نہیں شائع کریں گے۔" وسیم نے سختی سے کہا۔

"اور جو ہماری تفسیر ہے، کیا ہم نے سچ لکھا ہے اس میں۔"

"کیا مطلب؟" وسیم نے پوچھا۔

"ہمارے نبی دو سرے تفسیروں کے بارے میں ملال زبان کیوں استعمال کرتے ہیں؟"

"وہ ان لوگوں کے بارے میں اپنی بات کرتے ہیں جو ان پر ایمان نہیں لاتے۔" وسیم نے کہا۔

"جو ایمان نہ لاتے کیا اسے کیا اسے گالیاں دینی چاہئیں؟"

"ہاں، غصہ کا اظہار تو کسی نہ کسی صورت میں ہوتا ہے۔" وسیم نے کندھے جھٹکے ہوئے کہا۔

"بھٹے کا اظہار بابے نبی کا؟" امام کے ہاتھ پر وہ بخود سے دیکھنے لگا۔

"جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر لوگ ایمان نہیں لاتے تو انہوں نے لوگوں کو گالیاں تو نہیں دیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لوگ ایمان نہیں لاتے تھے تو انہوں نے بھی کبھی کوئی گالیاں نہیں دیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو ان لوگوں کے لئے بھی دعا کی جنہوں نے انہیں پتھر مارے، جو وہی قرآن پاک کی صورت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی ہے اس میں کوئی گالی نہیں ملتی اور جس مجھوٹے کو ہمارے نبی اپنے اوپر نازل شدہ صحیفہ سمجھتے ہیں وہ گالیوں سے بھرا ہوا ہے۔"

"امام! ہر انسان کا مزاج دوسرے سے مختلف ہوتا ہے، ہر انسان الگ طرح سے ری ایکٹ کرتا ہے۔" وسیم نے تیزی سے کہا۔ امام نے قائل نہ ہونے والے انداز میں سر ہلایا۔

"میں ہر انسان کی بات نہیں کر رہی ہوں۔ میں نبی کی بات کر رہی ہوں جو شخص اپنے غصے پر قابو نہیں رکھ سکا تو نبوت کا دعویٰ کیسے کر سکا ہے۔ جس شخص کی زبان سے گالیاں نکلتی ہوں اس کی زبان سے حق و صداقت کی بات نکل سکتی ہے؟ وسیم! مجھے اپنے مذہب اور عقیدے کے بارے میں آنکھیں سی ہے۔" وہ ایک لمحے کے لئے رکی۔ "میں نے اتنی تفاسیر میں اگر کسی اتنی نبی کا ذکر پایا ہے تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور میں نہیں سمجھتی کہ ہمارے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا مسیح موعود ہیں۔

نہیں۔ یہ وہ نہیں ہیں، جن کے آنے کے بارے میں قرآن پاک میں ذکر ہے۔" اس بار اس

نے اپنے الفاظ کی خود ہی پر زور تردید کی۔

"تم اب اپنی بجواس بند کر لو تو بہتر ہے۔" وسم نے فرش لچے میں کہا۔ "کافی فضول باتیں کر رہی ہو تم۔"

"فضول باتیں؟" امام نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "تم کہہ رہے ہو میں فضول باتیں کر رہی ہوں۔ مسجد اقصیٰ اگر ہمارے شہر میں ہے تو پھر جو اتنے سینکڑوں سالوں سے فلسطین میں مسجد اقصیٰ ہے وہ کیا ہے۔ ایک نام کی دو مقدس جگہیں دنیا میں باکر خدا تو مسلمانوں کو کنفیوژ نہیں کر سکتا۔ مسلمانوں کو چھوڑو، یہودی، عیسائی ساری دنیا اسی مسجد کو قبلہ ازل تسلیم کرتی ہے۔ اگر کوئی نہیں کرتا تو ہم نہیں کرتے یہ عجیب بات نہیں؟"

"امام! اس ان معاملات پر تم سے بحث نہیں کر سکتا۔ بہتر ہے تم اس مسئلے کو باہر سے دسکس کرو۔" وسم نے اکتا کر کہا۔ "ویسے تم غلطی کر رہی ہو، اس طرح کی فضول بحث شروع کر کے۔ میں بابا کو تیار کر رہی ہوں۔ ساری باتیں بتا دوں گا اور یہ بھی کہ تم آج کل کیا پڑھ رہی ہو؟" وسم نے جاتے جاتے دھمکانے والے انداز میں کہا۔ وہ کچھ سوچ کر اٹھ کھڑے ہوئے انداز میں اپنے ہونٹ کاٹنے لگی۔ وسم کچھ دیر ناراضی کا اظہار کر کے کمرے سے باہر چلا گیا۔ وہ اٹھ کر کمرے میں بیٹھنے لگی۔ وہ ہاشم مبین سے ذرا تکی اور جانتی تھی کہ وسم ان سے اس بات کا ذکر ضرور کرے گا۔ وہ ان کے دو گھنٹے سے غور و فکر میں تھی۔

وسم نے ہاشم مبین کو امام کے ساتھ ہونے والی بحث کے بارے میں بتا دیا تھا مگر اس نے بہت سی ایسی باتوں کو سن کر گویا تھا جس پر ہاشم مبین کے بھڑک اٹھنے کا امکان تھا۔ اس کے باوجود ہاشم مبین دم بخود رہ گئے تھے، ایسا جیسے انہیں ساپ سونچا گیا ہو۔

یہ سب تم سے امام نے کہا؟" ایک لمبی خاموشی کے بعد انہوں نے وسم سے پوچھا۔ اس نے اذیت میں سر ہلا دیا۔

"اے بابا! لاؤ۔" وسم کچھ جھپٹتے ہوئے ان کے کمرے سے نکل گیا۔ امام کو خود بلا کر لانے کے بجائے اس نے ملازم کے ہاتھ پیغام بھجوایا اور خود اپنے کمرے میں چلا گیا۔ وہ امام اور ہاشم مبین کی گفتگو کے دور ان موجود رہتا نہیں چاہتا تھا۔

ہاشم مبین کے کمرے کے دروازے پر دستک دے کر وہ اندر داخل ہوئی تو اس وقت ہاشم اور ان کی دیکھ بالکل خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ ہاشم مبین نے اسے جن نظروں سے دیکھا تھا اس نے اس کے جسم کی لرزش میں کچھ اور اضافہ کر دیا۔

"بابا۔۔۔ آپ نے۔۔۔ مجھے۔۔۔ بتا دیا تھا۔" کوشش کے باوجود وہ دافنی سے بات نہیں کہہ سکی۔

"ہاں، میں نے بتا دیا تھا۔ وسم سے کیا کہو اس کی ہے تم نے؟" ہاشم مبین نے بلا تشہید بلند آواز میں اس سے پوچھا۔ وہ اپنے ہونٹوں پر زبان بچھ کر رہ گئی۔ "کیا پوچھ رہا ہوں تم سے؟" وہ ایک بار پھر دھاڑے۔ "شرم سے ڈوب مرنا چاہئے تمہیں، خود گناہ کرتی ہو اور اپنے ساتھ کسی بھی گناہگار بناتی ہو۔" امام کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ "تمہیں اپنی اولاد کہتے ہوئے مجھے شرم آرہی ہے۔ کون سی کتابیں لائی ہو تم؟" وہ مشتعل ہو گئے تھے۔ "جیسا سے یہ کتابیں لے کر آئی ہو، کل تک وہیں رہے آؤ، ورنہ میں انہیں اٹھا کر پیچک دوں گا باہر۔"

"جی بابا!" اس نے اپنے آنسو پونچھے ہوئے صرف اتنا ہی کہا۔ "اور آج کے بعد اگر تم نے جو یہیہ کے ساتھ میل جول رکھا تو میں تمہارا کانچ چٹا ہی بند کر دوں گا۔" بابا۔۔۔ جو یہ یہ نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ اس کو تو کچھ پتا ہی نہیں ہے۔" اس بار امام نے قدرے مضبوط آواز میں احتجاج کیا۔

"تو پھر اور کون ہے جو تمہارے دماغ میں یہ غناس بھر رہا ہے؟" وہ بری طرح چلائے۔ "میں۔۔۔ خود۔۔۔ جی۔۔۔" امام نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

"ہو کیا تم، اپنی عمر دیکھو اور چلی ہو تم عقیدے جانچنے، اپنے جی کی نبوت کو پرکھتے۔" ہاشم مبین کا بارہ پھر ہائی ہو گیا۔ "اپنے باپ کی شکل دیکھو جس نے ساری عمر تبلیغ میں گزار دی۔ کیا میں عقل کا اعادہ ہوں یا پھر تم مجھ سے زیادہ عقل رکھتی ہو۔ بعد جمعہ چار دن ہوئے ہیں تمہیں پیدائش کے اور تم چل پڑی ہو اپنے جی کی نبوت کو ثابت کرنے۔" ہاشم مبین اب اٹھ کر کمرے ہو گئے۔ "تم منہ میں سونے کا بیج لے کر اسی گھا کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو، جس کی نبوت کو آج تم جانچنے بیٹھ گئی ہو۔ وہ ہوتا تو سڑک چھوٹ چکے کھار ہا ہو چھار سار اطفال ان اور تم اس قدر احسان فراموش اور بے خمیر ہو چکی ہو کہ جس تعالیٰ میں کھائی ہو اسی میں چھید کر رہی ہو۔"

ہاشم مبین کی آواز پھٹ رہی تھی۔ امام کی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کی رفتار میں اور اضافہ ہو گیا۔

"بند کر دو یہ لکھتے پڑھنا اور مگر منہجو تم اپنی تعلیم حاصل کر رہی ہو جو تمہیں مگر ان کی طرف لے جا رہی ہے۔"

ان کے اگلے جھپٹے پر امام کی سٹی گم ہو گئی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اسے گھر لگانے کی بات کریں گے۔

"بابا۔۔۔ آئی ایم سوری۔" ان کے ایک جھپٹے نے اسے تھکے جھکے پر مجبور کر دیا تھا۔ "مجھے تمہارے کسی ایک سکینور کی ضرورت نہیں ہے۔ بس کہہ دیا ہے کہ مگر بیٹھو، تو مگر بیٹھو۔"

"بابا..... میں..... میرا..... میرا یہ مطلب تو نہیں تھا۔ پتا نہیں وہیم..... اس نے آپ سے کس طرح بات کی ہے۔" اس کے آنسو اور تیزی سے بہنے لگے۔ "پھر بھی میں آپ سے کہہ رہی ہوں کہ میں آجیدوایا کچھ نہیں پڑھوں گی، نہ ہی ایسی کوئی بات کروں گی۔ پلیز بابا!" اس نے صحت کی۔

ان معذور تلوں کا سلسلہ وہیں ختم نہیں ہوا تھا، اگلے کئی دن تک وہ ہاشم مبین سے معافی مانگتی رہی اور پھر تقریباً ایک ہفتے کے بعد وہ نرم پڑ گئے تھے اور انہوں نے اسے کانچ جانے کی اجازت دے دی تھی مگر اس ایک ہفتے میں وہ اپنے چورے گھر کی لعنت ملامت کا شکار رہی تھی۔ ہاشم مبین نے اسے سخت قسم کی سبوتاژ کے بعد کانچ جانے کی اجازت دی تھی مگر اس ایک ہفتے کے دوران ان لوگوں کے رویے نے اسے اپنے عقیدے سے مزید ہٹا کر دیا تھا۔ اس نے اپنی کتابوں کو پڑھنے کا سلسلہ روکا تھا۔ بس فرق یہ تھا کہ پہلے وہ انہیں گھر لے آتی تھی اور اب وہ انہیں کانچ کی لائبریری میں ہی پڑا لیا کرتی تھی۔

ایف ایس سی میں حیرت سست پر آنے کے بعد اس نے میڈیکل کانچ میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔ جویریہ کو بھی اسی میڈیکل کانچ میں ایڈمیشن مل گیا تھا، ان کی دوستی میں اب پہلے سے زیادہ مضبوطی آگئی تھی اور اس کی بنیادی وجہ امام کے ذہن میں آنے والی تبدیلی تھی۔

☆.....☆.....☆

صبیحہ سے امام کی پہلی ملاقات اتفاقاً ہوئی تھی۔ جویریہ کی ایک کزن صبیحہ کی کا اس فیلو تھی اور اسی کے توسط سے امام کی اس سے شناسائی ہوئی۔ وہ ایک مذہبی جماعت کے اسٹوڈنٹ تھیں جس سے منسلک تھی اور ملتے میں ایک بار وہ کلاس روم میں اسلام سے متعلق کسی نہ کسی ایک موضوع پر بحث کر رہی تھی۔ چالیس پچاس کے لگ بھگ لڑکیاں اس بحث کو اینڈ کیا کرتی تھیں۔

صبیحہ نے اس دن ان سے متعارف ہونے کے بعد انہیں بھی اس بحث کے لئے انوائٹ کیا تھا۔ وہ چاروں ہی وہاں موجود تھیں۔

"میں تو ضرور آؤں گی، کم از کم میری شرکت کے بارے میں آپ تسلی رکھیں۔" جویریہ نے صبیحہ کی دعوت کے جواب میں کہا۔

"میں کوشش کروں گی، وعدہ نہیں کر سکتی۔" راہبہ نے کچھ چپٹی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "میرا آثار مشکل ہے کیونکہ میں اس دن کچھ مصروف رہوں گی۔" تو شب نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

صبیحہ مسکراتے ہوئے امام کو دیکھنے لگی جو اب تک خاموش تھی۔ امام کا رنگ کچھ فنی ہو گیا۔ "اور آپ؟ آپ آئیں گی؟" امام کی نظر جویریہ سے ملی جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"جیسے اس بار کس موضوع پر بات کریں گی آپ؟" اس سے پہلے کہ امام کچھ کہتی، جویریہ نے

صبیحہ کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لی۔ شاید ایسا اس نے دانش طور پر کیا تھا۔

"اس بار اسراف کے بارے میں بات ہوگی۔ اس ایک عادت کی وجہ سے ہمارا معاشرہ کتنی تیزی سے زوال پذیر ہو رہا ہے اور اس کے سدباب کے لئے کیا کیا جاسکتا ہے۔ اسی موضوع پر گفتگو ہوگی۔" صبیحہ نے جویریہ کو تفصیل سے بتایا۔

"آپ نے بتا دیا نہیں امام! آپ آرہی ہیں؟" جویریہ سے بات کرتے کرتے صبیحہ ایک بار پھر امام کی طرف متوجہ ہو گئی۔ امام کا لگ ایک بار پھر بدل گیا۔ "میں..... میں..... دیکھوں گی۔" اس نے جھپٹکے ہوئے کہا۔

"مجھے بہت خوشی ہوگی اگر جویریہ کے ساتھ آپ تینوں بھی آئیں۔" اپنے ذہن کی بنیادی تعلیمات کے بارے میں ہمیں روز نہیں تو کبھی کبھار کچھ علم حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ صرف میں ہی سمجھ نہیں رہی ہوں ہم جتنے لوگ بھی اکٹھے ہوتے ہیں ان میں سے کوئی بھی اس موضوع پر گفتگو کرنے کے لئے آزاد ہوتا ہے جسے ہم نے منتخب کیا ہوتا ہے اور اگر آپ میں سے بھی کوئی کسی خاص موضوع کے حوالے سے بات کرنا چاہتا ہے تو ہم لوگ اسے بھی اور سنا کر سکتے ہیں۔" صبیحہ بڑی سہولت سے بات کر رہی تھی پھر کچھ دیر بعد جویریہ اور اس کی کزن کے ہمراہ ان کے کمرے سے باہر چلی گئی۔

کوہیلہ اور میں صبیحہ نے جویریہ سے کہا: "آپ کم از کم امام کو تو ساتھ لے آئیں۔" مجھے لگتا ہے کہ وہ آج چاہ رہی ہیں۔

"اس کا عقیدہ بالکل الگ ہے، وہ کبھی بھی ایسی محفلوں میں شرکت نہیں کرے گی۔" جویریہ نے جمیدگی سے اسے بتایا۔ صبیحہ کچھ حیران ہوئی۔

"آپ کو چاہئے کہ آپ انہیں اسلام کا مطالعہ کرنے کی دعوت دیں۔ ہو سکتا ہے اس طرح وہ صحیح اور غلط کا فرق کر سکیں۔" صبیحہ نے چلتے ہوئے کہا۔

"میں ایک بار ایسی کوشش کر چکی ہوں۔ وہ بہت ناراض ہو گئی تھی اور میں نہیں چاہتی کہ ہم دونوں اپنی اپنی بیوی دوستی اس طرح ختم ہو۔" جویریہ نے کہا۔

"ابھیہ دو دست دی ہوئے ہیں جو ایک دوسرے کو گمراہی سے بچائیں اور آپ پر بھی فرض ہے کہ آپ ایسا ہی کریں۔" صبیحہ نے کہا۔

"وہ لچک ہے مگر کوئی بات سننے پر بھی تیار نہ ہو تو؟"

"تب بھی صحیح بات کہتے ہیں فرض ہے۔ ہو سکتا ہے کبھی وہ سناں آپ کی بات پر غور کرنے پر مجبور ہو جائے۔" صبیحہ اپنی جگہ درست تھی۔ اس لئے وہ صرف مسکرا کر رہی گئی۔

☆.....☆.....☆

اسے اندازہ نہیں تھا کہ کسی مرد کی آواز اتنی خوب صورت ہو سکتی ہے۔ اس قدر خوب صورت کہ چربی دلی دنیا اس آواز کی قید میں لگے۔ امام نے اپنا سانس روک لیا یا شاید وہ سانس لینا بھول گئی۔

لوگ کہتے ہیں کہ سایہ تیرے بیکر کا نہ تھا

میں کہتا ہوں جہاں مجھ پہ ہے سایہ حیرا

انسان کی زندگی میں کچھ ساتھیوں سے ملتی ہیں۔ شب قدر کی رات میں آنے والی اس سحر سماعت کی طرح جسے بہت سے لوگ گزر جانے دیتے ہیں، مگر کچھ اس سماعت کے انتظار میں ہاتھ اٹھاتے اور جموں پھیلاتے بیٹھے ہوتے ہیں۔ اس سماعت کے انتظار میں جو چلتے پاتے لوگ دے اور دے ہوئے پانی گورواں کر دے، جنوں سے نکلے دلی دعا گو کیوں تک آنے سے پہلے مقدر بنادے۔

امام ہاشم کی زندگی میں وہ سحر سماعت شب قدر کی کسی رات کو نہیں آئی تھی۔ نہ اس نے اس سحر سماعت کے لئے ہاتھ اٹھائے تھے نہ جموں پھیلائی تھی۔ مگر بھی اس نے زمین و آسمان کی گردش کو کچھ دیر کے لئے جھٹکے دیکھا تھا۔ پوری کائنات کو ایک گنبد جیسے درمیان بدلتے دیکھا تھا جس کے اندر میں ایک ہی آواز گونج رہی تھی۔

دست گیری میری بھائی کی تو نے ہی تو کی

میں تو سر جاتا اگر ساتھ نہ ہوتا حیرا

وہ اندھروں سے بھی دڑا نہ گزر جاتے ہیں

جن کے ماتھے پہ چمکا ہے ستارا حیرا

آواز بہت صاف اور واضح تھی۔ امام بت کی طرح سیدہ سیدہ ہاتھ میں لئے بیٹھی رہی۔

”بیوہ امام! دوسری طرف زینب کی آواز گونجی اور وہ آواز گم ہو گئی۔ چہلوں کے لئے زمین کی لڑکی ہوئی گردش وہ بارہ بھال ہو گئی۔

”بیوہ امام! آواز سن رہی ہو میری؟“ وہ ایک جھٹکے سے ہوش کی دنیا میں واپس آئی۔

”ہاں، میں سن رہی ہوں۔“

”میں نے سوچا لاشیں کٹ گئی۔“ دوسری طرف سے زینب نے کچھ مطمئن ہوتے ہوئے کہا۔ امام اگلے چند منٹ اس سے بات کرتی رہی مگر اس کا دل وہاں نہیں تھا۔

ہو..... ہو..... ہو.....

جلال العصر زینب کا بڑا بھائی تھا اور امام کا نائب طور پر اس سے واقف تھی۔ زینب اس کی کلاس فیلو تھی اور اس سے امام کا تعارف وہیں میڈیکل کالج میں ہوا تھا۔ چند ماہ میں ہی یہ تعارف انجلی خاصی دوستی میں بدل گیا۔ اس تعارف میں اسے یہ پتا چلا کہ دو لوگ چار بھائی بہن تھے۔ جلال سب سے بڑا تھا اور

باد اس جانب کر رہا تھا۔ زینب کے والد واپس آئیں انجیتر تھے اور ان کا گھر ایک خاصانہ دنیا تھا۔

اسلام آباد سے واپسی پر اس نے زینب سے نصرت پڑھنے والے اس شخص کے بارے میں پوچھا تھا۔

”زینب! اس رات میں نے تجھیں فون کیا تو کوئی نصرت پڑھ رہا تھا، وہ کون تھا؟“ اس نے اپنے لیے

کوئی ایسا مکان نازل رکھتے ہوئے کہا۔

”وہ..... وہ..... جلال بھائی تھے۔ ایک مقابلہ میں حصہ لینے کے لئے دو نصرت پڑھ رہے تھے۔

فون کو پڑو میں ہے اور ان کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اس لئے آواز تم تک پہنچ گئی۔“ زینب نے

تفصیل سے بتایا۔

”بہت اچھی آواز ہے ان کی۔“

”ہاں، آواز تو بہت اچھی ہے ان کی۔ قرأت تو نصرت سے بھی زیادہ خوب صورت کرتے ہیں۔

بہت سے مقابلوں میں انعام بھی لے چکے ہیں۔ انجلی بھی کالج میں ایک مقابلہ ہونے والا ہے تم اس میں

انہیں مشاہدہ۔“

زینب جب یہ نہیں جانتی تھی کہ امام کس غریب کی تھی، وہ جس طرح پودے کا خیال رکھتی تھی

زینب کا خیال تھا کہ وہ کسی مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ خود زینب بھی خاصے مذہبی گھرانے سے

تعلق رکھتی تھی اور چادر اوڑھ کر کرتی تھی۔

دو تین دن کے بعد امام، جلال العصر کی نصرت سننے کے لئے اپنی فریڈ کو بتائے بغیر کلاسز تک

کمرے نکلنے کے اس مقابلے میں جلی گئی تھی۔

جلال العصر کو اس دن پہلی بار اس نے دیکھا تھا۔ کہیں نے جلال العصر کا نام پکارا اور امام نے سحر

ہوئی ہوئی دھڑکنوں کے ساتھ زینب سے مشابہت رکھنے والے عام سی حلق و صورت اور ڈاڑھی والے

ایک چہرے کیس سالہ لڑکے کو اس کی پڑھنے دیکھا۔ اس کی پڑھنے صاف چہرے سے لے کر دوسرے

پہچے آکر کمرے سے ہوئے تک امام نے ایک بار بھی اپنی نظر جلال العصر کے چہرے سے نہیں ہٹائی۔ اس

نے اسے پہنے پر ہاتھ باندھے اور آنکھیں بند کرتے دیکھا۔

کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا حیرا

اس کی دولت ہے فقط عشق کتب پا حیرا

امام کو اپنے پورے وجود میں ایک لہری اور ذہنی محسوس ہوئی۔ ہال میں مکمل خاموشی تھی اور صرف

اس کی خوب صورت آواز گونج رہی تھی۔ وہ کسی سحر زدہ معمول کی طرح بیٹھی اسے سنتی رہی۔ اس نے

کب نصرت ختم کی، کب وہ اس کی آواز کو راجس ہوا، مقابلے کا نتیجہ کیا نکلا، اس کے بعد کس کس نے نصرت

پڑھی، کس وقت سارے اسٹوڈنٹ وہاں سے گئے اور کس وقت ہال خالی ہو گیا، امام کو پتا نہیں چلا۔

”تم جاؤ گی اس کا پتہ سنئے؟“ مصیبت کے ٹکٹے کے بعد زینب نے رابعہ سے پوچھا۔
 ”نہیں، میرا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میں آپسے لپکھ رہی ہوں۔“ رابعہ نے اپنی سزا میں افسانے
 ہوئے لاپرواہی سے کہا۔ امامہ و زینب اور جوہرہ کے برعکس وہ قدرے آزاد خیال تھی اور زیادہ مذہبی
 روحان بھی نہیں رکھتی تھی۔

”وہیے میں نے مسیحہ کی خاصی تعریف سنی ہے۔“ زینب نے رابعہ کی بات کے جواب میں کہا۔
 ”ضرور سنی ہوگی، بولتی تو واقعی اچھا ہے اور میں نے تو یہ بھی سنا ہے کہ اس کے والد بھی کسی مذہبی
 جماعت سے منسلک ہیں۔ ظاہر ہے پھر اثر تو ہو گا۔“ رابعہ نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔
 امامہ ان سے کچھ دور ایک کونے میں اپنی کتابیں لئے بیٹھی بظاہر ان کا مطالعہ کرنے میں مصروف
 تھی مگر ان دونوں کی گفتگو بھی ان تک پہنچ رہی تھی۔ اس نے شکر کیا تھا کہ ان دونوں نے اسے اس گفتگو
 میں کھینچنے کی کوشش نہیں کی۔

نہیں ان کے بعد امامہ مقررہ وقت پر ان لوگوں سے کوئی پھانہ بنا کر مسیحہ کا لپکھ اٹینڈ کرنے چلی گئی
 تھی۔ رابعہ، جوہرہ اور زینب تینوں ہی اس لپکھ میں نہیں تھیں پھر اس کا ارادہ بدل گیا۔ امامہ نے ان
 لوگوں کو یہ نہیں بتایا کہ وہ مسیحہ کا لپکھ اٹینڈ کرنے جا رہی تھی۔
 مسیحہ، امامہ کو دیکھ کر کچھ حیران ہوئی تھی۔

”مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے آپ کو یہاں دیکھ کر۔ مجھے آپ کے آنے کی توقع نہیں تھی۔“ مسیحہ
 نے اس سے گرم جوشی سے ملتے ہوئے کہا۔

یہ پہلا قدم تھا اسلام کی جانب جو امامہ نے اٹھایا تھا۔ اس سارے عرصے میں اسلام کے بارے میں
 اتنی کتابیں شایع اور تراجم چھپ چکی تھی کہ کم از کم وہ کسی بھی چیز سے ناواقف اور انہماں نہیں تھی۔ اسراف
 کے بارے میں اسلامی اور قرآنی تعلیمات اور احکامات سے بھی وہ اچھی طرح واقف تھی مگر اس کے باوجود
 مسیحہ کی دعوت کو رد کرنے کے بجائے قبول کر لینے میں اس کے پیش نظر صرف ایک ہی چیز تھی۔ وہ اپنے
 مذہب سے اسلام تک کا وہ فاصلہ طے کرنا چاہتی تھی، جو اسے بہت مشکل لگتا تھا۔

اور پھر وہ صرف پہلا اور آخری لپکھ نہیں تھا۔ یکے بعد دیگرے وہ اس کا ہر لپکھ اٹینڈ کرتی رہی۔
 وہی چیزیں جنہیں وہ کتابوں میں پڑھتی رہی تھی اس کے منہ سے سن کر براثر ہو جاتی تھیں۔ اس کی مسیحہ
 سے عقیدت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ مسیحہ نے اسے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ اس کے عقیدے کے بارے
 میں جانتی تھی مگر امامہ کو اس کے پاس آنے ہوئے دو ماہ ہوئے تھے جب مسیحہ نے قسم نبوت پر ایک لپکھ دیا۔
 ”قرآن پاک وہ کتاب ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی۔“ مسیحہ نے اپنے
 لپکھ کا آغاز کیا۔ ”اور قرآن پاک میں ہی اللہ نبوت کا سلسلہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم کر

دیتے ہیں۔ وہ کسی دوسرے نبی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رکھتے۔ اگر کسی نبی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام
 کے دوبارہ نزول کا ذکر ہے بھی تو وہ بھی ایک نئے نبی کی شکل میں نہیں ہے بلکہ ایک ایسے نبی کا دوبارہ نزول
 ہے جن پر نبوت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت پہلے نازل کر دی گئی تھی اور جن کا دوبارہ
 نزول ان کی اپنی امت کے لئے نہیں بلکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لئے ہی ہو گا اور
 آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی رہیں گے۔ کسی بھی آنے والے دور میں یا کسی بھی گزر
 جانے والے دور میں یہ رتبہ اور فضیلت کسی اور کو نہیں دی گئی تھی۔ ممکن ہے کہ اللہ ایک پیغمبر کو یہ رتبہ
 اور درجہ عطا کرے اور پھر اسے اس سے چھین کر کسی دوسرے شخص کو دے دیتا۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”بات میں اللہ سے بڑھ کر سچا کون ہے۔“

”تو کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اپنی بات کو خود ہی رد کر دیتا اور پھر اگر اللہ کی اس بات کی گواہی حضرت
 محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود دیتے ہیں کہ ہاں وہ اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور
 ان کے بعد دوبارہ کوئی نبی نہیں آئے گا تو پھر کیا ہمارے لئے کسی بھی طور پر یہ جائز اور مناسب ہے کہ ہم
 کسی دوسرے شخص کے نبوت کے دعوے پر غور تک کریں؟ انسان اللہ کی مخلوقات میں سے وہ واحد
 مخلوق ہے جسے عقل جیسی نعمت سے نوازا گیا اور یہ ایسی مخلوق ہے جو اسی عقل کو استعمال کر کے سوچنے پر
 آئے تو خود اللہ کے وجود کے لئے ثبوت کی تلاش شروع کر دیتی ہے پھر اس سلسلے کو ہمیں پر محمد دو نہیں
 رکھتی، بلکہ اسے پیغمبروں کی ذات تک ورازا کر دیتی ہے۔ پہلے سے موجود پیغمبروں کی نبوت کے بارے
 میں سوال کرتی ہے پھر انہیں پیغمبر مان لیتی ہے اور ان کے بعد قرآن کے واضح احکامات کے باوجود زمین
 پر مزید پیغمبروں کی تلاش شروع کر دیتی ہے اور اس تلاش میں یہ بات فراموش کر دیتی ہے کہ نبی بننا
 نہیں تھا، بنایا جاتا تھا، اسے مبعوث کیا جاتا تھا اور ہم انسانی evolution کی ان آخری رہائیوں میں کھڑے
 ہیں جہاں مزید نبیوں کی آمد کا سلسلہ اس لئے ختم کر دیا گیا کہ انسان کے لئے ایک دین اور ایک نبی کا
 انتخاب کر لیا گیا۔

اب کسی نئے عقیدے کی ضرورت نہیں بلکہ صرف تقلید کی ہے، صرف تقلید یعنی پر پکھن۔ اس
 ایک، آخری اور مکمل دین کی جسے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم کر دیا گیا۔
 اب ہر وہ شخص خسارے میں رہے گا، جو دین کی روشنی کو مضبوطی سے تھامنے کے بجائے تفرقے کی راہ
 اختیار کرے گا۔ اگر ہماری اعلیٰ تعلیم اور ہمارا شعور ہمیں دین کے بارے میں صحیح اور غلط کی تیز بین نہیں
 دے سکتے تو پھر ہم میں اور اس جانور میں کوئی فرق نہیں، جو سبز چڑھ گھاس کے ایک گھٹے کے پیچھے کہیں
 بھی جاسکتا ہے۔ اس بات کی پروا کئے بغیر کہ اس کا رویہ کہاں ہے۔“

چالیس منٹ کے اس پیچھے میں صبیحہ نے کسی اور غلط عقیدے یا فرقے کا ذکر بھی نہیں کیا تھا۔ اس لئے جو کچھ کہا تھا بالواسطہ کہا تھا۔ صرف ایک چیز بالواسطہ کہی تھی اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کا اقرار تھا۔ "اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے جنہوں نے چودہ سو سال پہلے مدینہ میں وفات پائی۔ چودہ سو سال سے پہلے مسلمان ایک امت کے طور پر اسی ایک شخص کے سامنے میں کھڑے ہیں۔ چودہ سو سال بعد بھی ہمارے لئے وہ ایک آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جن کے بعد کوئی دوسرا نبی بھیجا جائے گا اور ہر وہ شخص جو کسی دوسرے شخص میں کسی دوسرے نبی کا عکس تلاش کرنے کی کوشش کرے اسے ایک بار اپنے ایمان کا از سر نو جائزہ لینا چاہئے۔ شاید یہ کوشش اسے اس عذاب سے بچا دے جس میں وہ اپنے آپ کو مبتلا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

ابامہ ہر پیچھے کے بعد صبیحہ سے مل کر چلا کرتی تھی۔ اس پیچھے کے بعد وہ صبیحہ سے نہیں ملی۔ ایک لمحہ بھی وہاں زکے پتھر وہاں سے چلی آئی۔ عجیب سے ذہنی اختصار میں جتنا ہو کر وہ کانچ سے باہر نکل کر بیڈل چلتی رہی۔ کتنی دیر لٹ پاتھ پر چلتی رہی اور اس نے کتنی سڑکیں عبور کیں، اسے اندازہ نہیں ہوا۔ کسی معمول کی طرح چلتے ہوئے وہ فٹ پاتھ سے نیچے نہر کے کنارے بی بی ہوئی ایک بچہ پر جا کر بیٹھ گئی۔ سورج غروب ہونے والا تھا اور اوپر سڑک پر گاڑیوں کے شور میں اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ چپ چاپ نہر کے کنارے بیٹھ ہوئے پانی کو دیکھتی رہی۔

ایک لمبی خاموشی کے بعد اس نے بدبوائے ہوئے خود سے پوچھا۔

"آخر میں کر کیا رہی ہوں اپنے ساتھ۔ کیوں اپنے آپ کو الٹا رہی ہوں، آخر میں یقین کی کمون میں سرگرداں ہوں اور کیوں؟ میں اس سب کے لئے تو یہاں لاہور نہیں آئی۔ میں تو یہاں ڈاکٹر بننے آئی ہوں۔ مجھے آئی ایچ ڈی ملنا ہے۔ پیغمبر..... پیغمبر..... پیغمبر..... میرے لئے ہر چیز وہاں کیوں قائم ہو جاتی ہے۔"

اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔

"مجھے اس سب سے نجات حاصل کرنی ہے، میں اس طرح اپنی اسٹریٹ پر کبھی توجہ نہیں دے سکتی۔ غریب اور عقیدہ میرا مسئلہ نہیں ہونا چاہئے۔ سچ یا غلط جو میرے بڑوں نے دیا وہی ٹھیک ہے۔ میں اب صبیحہ کے پاس نہیں جاؤں گی۔ میں غریب یا پیغمبر کے بارے میں کبھی سوچوں گی بھی نہیں۔" وہاں بیٹھے بیٹھے اس نے طے کیا تھا۔

رات کو آٹھ بجے وہ واپس آئی تو جویریہ اور ابو کحہ فخر مند سی تھیں۔

"بس ایسے ہی مارکیٹ چلی گئی تھی۔" اس نے سوتے ہوئے چہرے کے ساتھ انہیں بتایا۔

☆.....☆.....☆

"میرے امام اہم تو بہت عرصے بعد آئی ہو، آخر آئیوں چھوڑ دیا تم نے۔" بہت دنوں کے بعد

ایک بار صبح صبیحہ کے پاس پہنچی تھی۔ صبیحہ کا پیچھے شروع ہونے ہی والا تھا۔ "مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں، آپ اپنا پیچھے ختم کر لیں، میں باہر بیٹھ کر آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔" امام نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے اس سے کہا۔

ٹھیک پچیسالیس منٹ کے بعد جب صبیحہ اپنا پیچھے ختم کر کے باہر لگی تو اس نے امام کو باہر کوریلر میں بیٹھنے ہوئے پایا۔ وہ صبیحہ کے ساتھ دوبارہ ای کمرے میں آنے لگی جو اب خالی تھا۔ صبیحہ خاموشی سے اس کی طرف سے بات شروع کرنے کا انتظار کرتی رہی۔

امام چند لمبے لمبے سوچ میں ڈوبی رہی پھر اس نے صبیحہ سے کہا۔

"آپ کو بتا رہے ہیں کس مذہب سے ہوں؟"

"ہاں، میں جانتی ہوں۔ جویریہ نے مجھے بتایا تھا۔" صبیحہ نے پرسکون انداز میں کہا۔

"میں آپ کو بتا نہیں سکتی کہ میں کس حد تک فرسٹریڈ ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے میں دنیا چھوڑ کر کہیں بھاگ جاؤں۔" اس نے کچھ دیر کے بعد صبیحہ سے کہنا شروع کیا۔ "میں..... میں....." اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر پکڑ لیا۔ "مجھے پتا ہے کہ....." اس نے ایک بار پھر اپنی بات اور صریح چھوڑ دی پھر خاموشی۔ "مگر میں اپنا مذہب نہیں چھوڑ سکتی۔ میں تیار ہو جاؤں گی، میرے ماں باپ مجھے مار ڈالیں گے۔ میرا کیریئر، میرے خواب، اب کچھ ختم ہو جائے گا۔ میں نے تو میرے سے عہد کرنا تھا چھوڑ دی ہے مگر پھر بھی پتا نہیں کیوں مجھے سکون نہیں مل رہا ہے۔ آپ میری صورت حال کو سمجھیں۔ مجھے لگ رہا ہے یہ سب کچھ غلط ہے اور صحیح کیا ہے، مجھے نہیں معلوم۔"

"امام! اہم اسلام قبول کر لو۔" صبیحہ نے اس کی بات کے جواب میں صرف ایک جملہ کہا۔

"یہ میں نہیں کر سکتی، میں آپ کو بتا رہی ہوں، میں کتنے مسائل کا شکار ہو جاؤں گی۔"

"تو پھر تم میرے پاس کس لئے آئی ہو؟" صبیحہ نے اسی پرسکون انداز میں کہا۔ وہ اس کا منہ دیکھنے لگی پھر اس نے بے بسی سے کہا۔

"پتا نہیں میں آپ کے پاس کس لئے آئی ہوں؟"

"تم صرف یہی ایک جملہ سننے کے لئے آئی ہو جو میں نے تم سے کہا ہے۔ میں تمہیں کوئی دلیل نہیں دے رہی، کیونکہ تمہیں کئی سوالات کے جواب کی تلاش نہیں ہے۔ ہر سوال کا جواب تمہارے اندر موجود ہے۔ تم سب جانتی ہو، بس تمہیں اقرار کرنا ہے۔ ایسا ہی ہے نا۔"

امامہ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ "مجھے لگ رہا ہے میرے پاؤں زمین سے اٹھ چکے ہیں۔"

میں جیسے غلامیں سفر کر رہی ہوں۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

صبیحہ نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ بسم اللہ پڑھ رہی تھی۔ امامہ میلی آنکھوں کے ساتھ

اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"نہیں کچھ بھی نظر نہیں آتا سمیڑا کچھ بھی نہیں۔" اس نے اپنے ہاتھوں کی پشت سے اپنے آنسوؤں کو صاف کیا۔

"لا الہ الا اللہ۔" سمیڑہ کے لب آہستہ آہستہ ہلنے لگے۔ امام دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور دھڑکتے ہوئے سمیڑہ کے پیچھے کٹے کے الفاظ ڈھیرا رہی تھی۔ "محمد رسول اللہ۔" امام نے اگلے الفاظ ڈھیرائے۔ اس کی آواز بھڑائی۔

امام کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اسے اتار دنا کیوں آ رہا تھا۔ اسے کوئی پچھتاوا کوئی افسوس نہیں تھا مگر پھر بھی اسے اپنے آنسوؤں پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ بہت دیر تک روتے رہنے کے بعد اس نے جب سر اٹھایا تھا تو سمیڑہ اس کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ امام کیلے چہرے کے ساتھ اسے دیکھ کر مسکرا دی۔

☆.....☆.....☆

راجہ اور جویریہ ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہی تھیں اور امام اپنے پاؤں کے انگوٹھے کے ساتھ فرش کو رگڑتے ہوئے کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"تمہیں یہ سب کچھ ہمیں پہلے ہی بتا دینا چاہئے تھا۔" جویریہ نے ایک طویل وقفے کے بعد اس خاموشی کو توڑا۔ امام نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور پرسکون انداز میں کہا۔

"اس سے کیا ہوگا؟"

"کم از کم ہم تمہارے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوتے اور تمہاری مدد کر سکتے تھے ہم دونوں۔"

امام سر جھٹکتے ہوئے عجیب سے انداز میں مسکرائی۔ "اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔"

"مجھے تو بہت خوشی ہے امام! تم نے ایک صحیح راستے کا انتخاب کیا ہے۔ دوسرے سبکی مگر تم غلط راستے سے ہٹ گئی ہو۔" جویریہ نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ "تم اندازہ نہیں کر سکتیں کہ میں اس وقت تمہارے لئے اپنے دل میں کیا محسوس کر رہی ہوں۔" امام چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔ "تمہیں مگر ہم دونوں کی طرف سے کسی بھی مدد کی ضرورت ہو تو اچھاپا تانت۔ تمہاری مدد کر کے ہمیں غمی ہوگی۔"

"مجھے واقعی تم لوگوں کی مدد کی بہت ضرورت ہے۔ بہت زیادہ ضرورت ہے۔" امام نے کہا۔

"میری وجہ سے اگر تم نے اپنے مذہب کی اصلیت جانچ کر اسے چھوڑ دیا ہے تو....." جویریہ کہہ رہی تھی۔

امام اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ "تمہاری وجہ سے؟" اس نے جویریہ کا چہرہ دیکھتے ہوئے سوچا۔ اس

کا ذکر اس سے کہیں اور لے جا رہا تھا۔

نہایت میں اب ایک اور چہرہ ابھڑ رہا تھا۔ وہ اسے دیکھتی رہی، وہ چہرہ آہستہ آہستہ واضح ہو رہا تھا۔ زیر آب ابھرنے والے کسی نقش کی طرح۔ چہرہ اب واضح ہو گیا تھا۔ امام مسکرائی، وہ اس چہرے کو پہچان سکتی تھی۔ اس نے اس چہرے کے ہونٹوں کو ہلچلے دیکھا۔ آہستہ آہستہ وہ آواز سن سکتی تھی۔ وہ آواز سن رہی تھی۔

قطرہ ہانگے جو تو اُسے دریا قے دے

مجھ کو کچھ اور نہ دے اپنی تمنا دے دے

"میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ تم لوگ کسی کو کچھ نہ بتاؤ، زینب کو بھی نہیں۔" اپنے سر کو جھٹکتے ہوئے اس نے جویریہ اور راجہ سے کہا تھا۔ ان دونوں نے اثبات میں سر ہلادیا۔

کچھ نہیں مانگنا شاہوں سے یہ شیدا حیرا

اس کی دولت ہے فقط نقش کعبہ پا حیرا

پورے قد سے میں کھڑا ہوں تو یہ حیرا ہے گرم

مجھ کو جھٹکے نہیں دیتا ہے سہارا حیرا

لوگ کہتے ہیں کہ سایہ حیرے دیکھ کر کاٹا تھا

میں تو کہتا ہوں جہاں بھر پہ ہے سایہ حیرا

وہ اس آواز کو پہچانتی تھی۔ یہ جلال انصاری کی آواز تھی۔

☆.....☆.....☆

امام کو میڈیکل کالج میں چند روز ہوئے تھے جب ایک ویک اینڈ پر اسلام آباد آنے کے بعد اس نے رات کو زینب کے گھر لاہور فون کیا۔

"بیٹا! میں زینب کو بلاتی ہوں، تم ہو لڈ رکھو۔" زینب کی امی فون دیکھ کر چلی گئیں۔ دور سیور کان سے لگائے انتظار کرنے لگی۔

کچھ نہیں مانگنا شاہوں سے یہ شیدا حیرا

اس کی دولت ہے فقط نقش کعبہ پا حیرا

مردانہ آواز میں فون پر سنائی دینے والی وہ نعت امام نے پہلے ہی سنی تھی مگر اس وقت جو کوئی بھی اسے پڑھ رہا تھا وہ کمال جذب سے اسے پڑھ رہا تھا۔

پورے قد سے کھڑا ہوں تو یہ حیرا ہے گرم

مجھ کو جھٹکے نہیں دیتا ہے سہارا حیرا

بہت دیر کے بعد اسے ایک دم ہوش آیا تھا۔ اس وقت اپنے اندر گود دیکھنے پر اسے احساس ہوا کہ وہ بال میں اکیلی بیٹھی تھی۔

"میں نے کل تمہارے بھائی کو نصیحت پڑھتے سنا۔" امام نے اگلے دن زینب کو بتایا۔

"اچھا..... انہیں پہلا انعام ملا ہے۔" زینب نے اس کی بات پر مسکرا کر اسے دیکھا۔

"بہت خوب صورت نصیحت پڑھی تھی انہوں نے۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد امام نے پھر اس موضوع پر آگئی۔

"ہاں! وہ بچپن سے تعین پڑھتے آرہے ہیں۔ اسنے قرأت اور نصیحت کے مقابلے جیت چکے ہیں کہ اب تو انہیں خود بھی ان کی تعداد یاد نہیں ہوگی۔" زینب نے غافرخ سے کہا۔

"ان کی آواز بہت خوب صورت ہے۔" امام نے پھر کہا۔ "ہاں خوب صورت تو ہے مگر ساری بات اس محبت اور عقیدت کی ہے، جس کے ساتھ وہ نصیحت پڑھتے ہیں۔ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق ہے۔ اتنی محبت کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ قرأت اور نصیحت کے علاوہ انہوں نے کبھی کوئی اور چیز نہیں پڑھی، حالانکہ اسکول اور کالج میں انہیں بہت مجبور کیا جاتا رہا مگر ان کا ایک ہی جواب ہوتا ہے کہ میں جس زبان سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قصیدہ پڑھتا ہوں اس زبان سے کسی اور شخص کا قصیدہ نہیں پڑھ سکتا۔ محبت تو ہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کرتے ہیں مگر جیسی محبت بھائی کرتے ہیں وہی محبت تو ہم میں سے کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ پچھلے دس سالوں میں ایک بار بھی انہوں نے نماز قضا نہیں کی۔ ہر ماہ ایک قرآن پاک پڑھتے ہیں۔ تم تو نصیحت کی تعریف کر رہی ہو مگر ان سے سلامت سن لو تو....."

وہ بڑے غور سے بتا رہی تھی۔ امام چپ چاپ اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے زینب سے اس کے بعد کچھ نہیں پوچھا۔

اگلے دن وہ صبح کالج جانے کے لئے تیار ہونے کے بجائے اپنے بستر میں تھکی رہی۔ جویریہ نے خاموشی دیر کے بعد بھی اسے بستر سے برآمد ہونے دیکھ کر ہجموڑا۔

"اٹھ جاؤ امام! کالج نہیں جانا کیا۔ دیر ہو رہی ہے۔"

"نہیں۔" آج مجھے کالج نہیں جانا۔" امام نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔

"کیوں؟" جویریہ کچھ حیران ہوئی۔

"میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" امام نے کہا۔

"آنکھیں تو بہت سرخ ہو رہی ہیں تمہاری، کیا رات کو سوئیں نہیں تم؟"

"نہیں، نیند نہیں آئی اور پھر اب مجھے سونے دو۔" امام نے اس کے کسی اور سوال سے بچنے کے

لئے کہا۔ جویریہ کچھ دیر اسے دیکھتے رہنے کے بعد اپنا بیگ اور فونڈر اٹھا کر باہر نکل گئی۔

اس کے جانے کے بعد امام نے آنکھیں کھول دیں۔ یہ بات ٹھیک تھی کہ وہ ساری رات سو نہیں سکی تھی اور اس کی وجہ حال انصر کی آواز تھی۔ وہ اپنے ذہن کو اس آواز کے علاوہ کچھ نہیں بھی ٹوکس نہیں کر پاتی تھی۔

"جلال انصرا" اس نے زیر لب اس کا نام دہرایا۔ "آخر اس کی آواز کیوں مجھے اس قدر اچھی لگ رہی ہے کہ میں..... میں اسے اپنے ذہن سے نکال نہیں پا رہی؟" اس نے اٹھتے ہوئے ذہن کے ساتھ بستر سے نکلے ہوئے سوچا۔ وہ اپنے کمرے کی کھلی ہوئی کھڑکی میں آنکھ کھڑی ہو گئی۔

"میرے بھائی کی آواز میں ساری تاثیر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق کی وجہ سے ہے۔" اس کے کانوں میں زینب کی آواز گونجی۔

"آواز میں تاثیر..... اور عشق؟" اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ "سوز، گداز، لوج، مٹھاس..... آخر تھا کیا اس آواز میں؟" وہ اٹھ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ "تو نبی عشق اللہ سے شروع ہوتی ہے اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہو جاتی ہے۔" اسے ایک اور جملہ یاد آیا۔

"عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم؟" اس نے حیرانی سے سوچا۔ "عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا عشق محمد صلی اللہ علیہ وسلم؟" کچھ دیر اسے اپنے اندر ایک عجیب سا ساٹا اترتا محسوس ہوا۔ اس نے اس سانسے اور چار کی کوکھ جتا شروع کیا، اپنے ہاتھ سترھی و سترھی اترتا شروع کیا۔ اسے کہیں کوئی روشنی نظر نہیں آئی۔ "آخر وہ کیا چیز ہوتی ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سننے پر لوگوں کی آنکھوں میں آنسو اور لبوں پر دودھ لے آتی ہے۔ عقیدت، عشق، محبت..... ان میں سے کیا ہے؟ مجھے کچھ کیوں محسوس نہیں ہوتا۔ میری آنکھوں میں آنسو کیوں نہیں آتے؟ میرے ہونٹوں پر دودھ کیوں نہیں آتا؟ میری آواز میں تاثیر....." وہ لمحہ بھر کے لئے رکی، اس نے زیر لب پوچھا۔

کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا شیرا

اس کی دولت ہے فقط عشق کتب پائیرا

اسے اپنی آواز بھرنی ہوتی تھی۔ "شاید ابھی جاگی ہوں، اس لئے آواز اٹھتا ہے۔" اس نے اپنا کھانا

صاف کرتے ہوئے سوچا۔ اس نے ایک بار پھر پڑھنا شروع کیا۔

"کچھ نہیں مانگتا....." وہ ایک بار پھر رک گئی۔ "ابن بار اس کی آواز میں لرزش تھی۔ اس نے دوبارہ

پڑھنا شروع کیا۔ "کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا شیرا" کھڑکی سے باہر نظریں مرکوز رکھتے ہوئے اس

نے لرزتی، بھرنی آواز اور کایاتے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ پہلا مصرع پڑھا پھر دوسرا مصرع پڑھنا شروع کیا اور

رک گئی۔ کھڑکی سے باہر خلا میں گھومتے ہوئے وہ ایک بار پھر جلال انصر کی آواز اپنے کانوں میں اترتی

محسوس کر رہی تھی۔

بلند صاف، واضح اور صاف کی طرح دل میں اتر جانے والی مقدس آواز..... اسے اپنے گالوں پر نمی محسوس ہوئی۔

ایک دم وہ اپنے ہوش و حواس میں آئی اور پتا چلا کہ وہ دروغی تھی۔ کچھ دیر بیٹھے بے چینی کے عالم میں وہ اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں دونوں آنکھوں پر رکھے دم بخود کمزوری رہی۔ اس نے اپنے آپ کو بے بسی کی انتہا پہنچایا۔ آنکھوں پر ہاتھ رکھے وہ آہستہ آہستہ آنکھوں کے تلے وہیں زمین پر بیٹھ گئی اور اس نے پھوٹ پھوٹ کر دردناک شریعہ کر دیا۔

انسان کے لئے سب سے مشکل مرحلہ وہ ہوتا ہے جب اس کا دل کسی چیز کی گواہی دے رہا ہو مگر اس کی زبان خاموش ہو جب اس کا اندام چلا کر کسی چیز کی صداقت کا اقرار کر رہا ہو مگر اس کے ہونٹ سہکتے ہوں۔ امام ہاشم کی بھی اپنی زندگی اسی سرے پر آن پہنچی تھی، جو فیصلہ وہ پچھلے دو تین سالوں سے نہیں کر پا رہی تھی وہ فیصلہ ایک آواز نے چند دلوں میں کروا دیا تھا۔ یہ جانتے یہ کھڑے، یہ پرکھے بغیر کہ آخر لوگ کیوں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی عقیدت رکھتے ہیں۔ آخر کیوں عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کی جاتی ہے۔ اس نے اسے سال اپنے نبی کے تصدیق سے سنے تھے، اس پر کبھی رقت طاری نہیں ہوئی تھی، کبھی اس کا وجود موم بن کر نہیں بگھلا تھا، کبھی اسے کسی پر شک نہیں آیا تھا مگر ہر بار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام پڑھتے دیکھتے اور سنتے ہوئے وہ عجب کی کیفیات کا شکار ہوتی تھی۔ ہر بار ہر دفعہ اس کا دل اس نام کی طرف کھینچ چلا جاتا تھا اور مصیبت کے پاس نہ جانے کے اس کے سادے اوادے بھاپ بن کر اڑ گئے تھے۔ جلال انصاری کی آواز تاریکی میں نظر آنے والے جگنو کی طرح تھی جس کے آفتاب میں وہ غاسو سچے کچھے چل پڑی تھی۔

میں تجھے عالم اشیا میں بھی پا لیتا ہوں

لوگ کہتے ہیں کہ ہے عالم بلا تیرا

☆.....☆.....☆

امام کے لئے وہ ایک نئے سفر کا آغاز تھا۔ وہ پہلے کی طرح باقاعدگی سے مسجد کے پاس جاتے گی۔ ان اجتماعات میں شرکت نے اسے اگر ایک طرف اپنے فیصلے پر استقامت بخشی تو دوسری طرف اس کے باقی ماندہ شبہات کو بھی دور کر دیا۔

مذہب تبدیل کرنے کا فیصلہ امام کے لئے کوئی چھوٹا سا معمولی فیصلہ نہیں تھا، اس ایک فیصلے نے اس کی زندگی کے ہر معاملے کو متاثر کیا تھا۔ وہ اب احمد سے شادی نہیں کر سکتی تھی کیونکہ وہ غیر مسلم تھا۔ اسے جلد باہر اپنے گھر والوں سے علیحدگی بھی اختیار کرنی تھی کیونکہ وہ اب ایسے کسی ماحول میں رہنا نہیں چاہتی

تھی جہاں اسلامی شعائر اور عقائد میں اسے دھڑلے سے تحریکات کی جاتی تھیں۔ وہ اس پیچے کے بارے میں بھی شکوک کا شکار ہوئے تھی تھی جو اسے اپنی تعلیم اور دوسرے اخراجات کے لئے ہاشم بنی کی طرف سے ملتے تھے۔ چند سال پہلے تک ہریوں کی کہانی نظر آنے والی زندگی یک دم ہی ایک ڈرناؤنے خواب میں تبدیل ہو گئی تھی اور زندگی کے اس مشکل راستے کا انتخاب اس نے خود کیا تھا۔ اسے بعض دفعہ حیرت ہوتی کہ اس نے اتنا بڑا فیصلہ کس طرح کر لیا۔ اس نے اللہ سے استقامت ہی مانگی تھی اور اسے استقامت سے نوازا گیا تھا مگر وہ بھی اتنی کم عمر تھی کہ خدشات اور اندیشوں سے مکمل طور پر بیچھا چھڑا لے کر اس کے لئے ممکن نہیں تھا۔

"امام! تم فی الحال اپنے والدین کو مذہب کی تبدیلی کے بارے میں نہ بتاؤ۔ اپنے پیروں پر کھڑی ہو جاؤ۔ اس وقت نہ صرف تم آسانی سے احمد سے شادی سے انکار کر سکتی ہو بلکہ تم انہیں اپنے مذہب کی تبدیلی کے بارے میں بھی بتا سکتی ہو۔"

صبیحہ نے ایک بار اس کے خدشات سننے کے بعد اسے مشورہ دیا تھا۔

"میں اس پیچے کو اپنے اوپر خرچ کرنا نہیں چاہتی جو میرے باپ مجھے دیتے ہیں، اب جبکہ میں چاہتی ہوں کہ میرے والد ایک میرے لئے مذہب کی تبلیغ کر رہے ہیں یہ جائز تو نہیں ہے کہ میں ایسے شخص سے اپنے اخراجات کے لئے رقم لوں؟"

"تم ٹھیک کہتی ہو مگر تمہارے پاس فی الحال کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ بہتر ہے تم اپنی تعلیم مکمل کر لو اس کے بعد تمہیں اپنے والد سے کچھ بھی نہیں لینا پڑے گا۔" صبیحہ نے اسے سمجھایا۔ صبیحہ اگر اسے یہ راہ نہ دکھاتی تب بھی امام اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اس میں فی الحال اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اپنا زندگی کی سب سے بڑی خواہش چھوڑ دیتا۔

☆.....☆.....☆

اس وقت رات کے دس بجے تھے جب وہ سہما سے باہر نکل آیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں اب بھی پاپ کارن کا پنکٹ تھا اور وہ کچھ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا پاپ کارن کھاتے ہوئے سڑک پر چل رہا تھا۔

آدھ گھنٹہ تک سڑک میں اپنے اپنے رہنے کے بعد اس نے ایک بہت بڑے پنگلے کی گھنٹی بجائی تھی۔

"صاحب کھانا لگاؤں؟" لاڈلی میں داخل ہوئے پر ملازم نے اسے دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے لمبی لمبی سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"دو دو؟"

"نہیں۔" دو دو کے بغیر وہاں سے گزر چلا گیا۔ اپنے گھرے میں داخل ہو کر اس نے دروازہ بند کر لیا۔ کمرے کی لائٹ آگن کر کے وہ کچھ دیر بے مقصد ادھر ادھر دیکھا پھر ہاتھ دھو کر اس کی طرف بڑھ

گیا۔ شیونگ کٹ نکال کر اس کے اندر سے ایک ریزر بلینڈ نکال لیا اور اسے لے کر بیڈ روم میں آگیا۔ اپنے بیڈ پر بیٹھ کر اس نے سائڈ ٹیبل پر پڑا ہوا لیسپ جلا لیا اور بیڈ روم کی ٹیوب لائٹ بند کر دی۔ ریزر بلینڈ کے اوپر موجود چھ کوئٹار کروہ کچھ دیر لیسپ کی روشنی میں اس کی تیز رفتار کو دیکھتا رہا پھر اس نے بلینڈ کے ساتھ اپنے دائیں ہاتھ کی کلائی کی رگ کو ایک تیز جھٹکے سے کاٹ دیا۔ اس کے منہ سے ایک سسکی سی نکلی اور پھر اس نے جوشٹ بھیج لے۔ وہ اپنی آنکھوں کو کھلا رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی کلائی بیڈ سے نیچے لٹک رہی تھی اور خون کی وہار اب سیدھا کارپٹ پر گر کر اس میں جذب ہو رہی تھی۔

اس کا ذہن جیسے کسی گہری کھائی میں جا رہا تھا پھر اس نے کچھ دھماکے سنتے۔ تاریکی میں چاہو آواز کن ایک بار بھر بھماکے کے ساتھ روشنی میں آگیا۔ شراب اور بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ فوری طور پر شور کی وجہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ اس نے ایک بار پھر اپنی آنکھیں کھول دیں مگر وہ کسی چیز کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ سو رہی تھی جب بڑا کر اٹھ بیٹھی۔ کوئی اس کا دروازہ کھولا نہ تھا۔

"امامہ! امامہ!" وہ کم دروازہ کھاتے ہوئے بلند آواز میں اس کا نام پکار رہا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟ کیوں چار بجے ہو؟" دروازہ کھولتے ہی اس نے کچھ حواس پاشی کے عالم میں دیکھ کر پوچھا جس کا رنگ انڈا ہوا تھا۔

"فرسٹ ایڈ کیا ہے تمہارے پاس؟" وہ دیکھتے ہی نور اپو پھرا۔

"ہاں، کیوں؟" وہ مزید پریشان ہوئی۔

"میں اسے لے کر میرے ساتھ آ جاؤ۔" وہم نے کمرے کے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"کیا ہوا؟" اس کے پیروں کے نیچے سے جیسے زمین ٹھکے لگی۔

"جو چہ چاہو خود بخود کوشش کی ہے۔ اپنی کلائی کاٹ لی ہے اس لیے۔ ملازم آیا ہوا ہے نیچے اس کا تم میرے ساتھ چلو۔" امامہ نے بے اختیار ایک اطمینان بھرا سانس لیا۔

"تمہارے اس دوست کو ہسپتال ہاسٹل میں بونا چاہئے جس طرح کی حرکتیں یہ کر رہا پھرتا ہے۔"

امامہ نے ناگواری سے اپنے بیڈ پر پڑا ہوا دہندہ اوڑھتے ہوئے کہا۔

"میں تو اسے دیکھتے ہی بھاگ آیا ہوں، ابھی وہ ہوش میں تھا۔" اس نے سڑک امامہ کو بتایا۔ دودھ لوں اب آ کے پیچھے سڑکیاں اُتر رہے تھے۔

"تم اسے ہاسٹل لے جاتے۔" امامہ نے آخری میزمری پر پہنچ کر کہا۔

"وہ ابھی لے جاؤ گا، پہلے تم اس کی کلائی وغیرہ تو باندھو، خون تو بند ہوتا ہے۔"

"وہم! میں اسے کوئی بہت اچھی قسم کی فرسٹ ایڈ نہیں دے سکتی۔ چاہیں اس نے کسی چیز سے کلائی

کلائی ہے اور زخم کتنا گہرا ہے۔ اس کے اپنے گہرو لے کہاں ہیں؟" بات کرتے کرتے امامہ کو خیال آیا۔ "اس کے گہر میں کوئی بھی نہیں ہے، صرف ملازم ہیں۔ وہ تو کوئی خون کال آئی تھی جس پر ملازم اسے بلانے کے لئے گیا اور جب اندر سے کوئی جواب نہیں آیا تو پریشان ہو کر دوسرے ملازموں کے ساتھ مل کر اس نے دروازہ توڑ دیا۔" وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اب اپنے گہر سے باہر نکلتے آئے تھے۔

"تمہارا یہ دوست جو ہے نا....." امامہ نے کچھ تاریکی کے عالم میں وہم کے ساتھ چلتے ہوئے سالار کے بارے میں کچھ کہنا چاہا مگر وہم نے غصے میں پلٹ کر اس کو جھڑک دیا۔

"فار گاڈ سیک۔ اپنی اعانت ملامت بند نہیں کر سکتیں تم۔ اس کی حالت سیریس ہے اور تم اس کی برائیوں میں مصروف ہو۔"

"میں یہی حرکتیں کرنے والوں کے لئے میرے پاس کوئی بھر پور دلی نہیں ہے۔" وہ دونوں اب سالار کے لابی میں پہنچ چکے تھے۔

چند قدم چلتے کے بعد وہم ایک موڑ مڑا اور کمرے کے اندر داخل ہو گیا۔ امامہ اس کے پیچھے ہی تھی مگر پھر جیسے کرنٹ لگا کر رک گئی۔ کمرے کے دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی سامنے قد آدم کوہیوں پر کچھ ملازم اور ایکٹریٹری بڑی بڑی عریاں تصویریں اس طرح لگائی گئی تھیں کہ ایک لمبے کے لئے امامہ کو یوں لگا جیسے وہ تمام لڑکیاں جتنی طور پر اس کمرے میں موجود ہوں۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

ایک طرف بیڈ پر پڑے ہوئے دھم کے بارے میں اس کی رائے کچھ اور خراب ہو گئی۔ وہ تصویریں اس کے کردار کی پہنچی کا ایک اور ثبوت تھیں اور کمرے میں تین چار لوگوں کی موجودگی میں اس کے لئے وہ

تصویریں خاصی محنت اور شرمندگی کا باعث بن رہی تھیں۔ ان تصویروں سے نظریں جھاتے ہوئے وہ تیز رفتاری سے دہلیز کی طرف آگئی جہاں سالار سکندر لیٹا ہوا تھا۔ وہم اس کے پاس بیڈ پر بیٹھا فرسٹ

ایڈ باکس کھول رہا تھا جبکہ امامہ کا بڑا بھائی سالار کی اس کلائی کو بیڈ ٹیبل کے ایک ٹکے ہوئے کونے کے ساتھ دبا کر خون روکنے کی کوشش کر رہا تھا جبکہ خود سالار ٹیبل میں ڈوبے ہوئے کسی انسان کی طرح اپنا

ہاتھ چھڑوانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہم وہاں موجود ملازموں سے کچھ کہہ بھی رہا تھا۔ امامہ کے آگے بڑھتے ہی اس کے بڑے بھائی نے اس کی کمری کو چھوڑ دیا جس پر وہ پیٹنے ہوئے تھے۔

"اس کے زخم کو دیکھو، میں نے چادر سے خون روکنے کی کوشش کی ہے مگر میں کامیاب نہیں ہوا۔" انہوں نے اس کی کلائی امامہ کو حصار دے کر کہا۔ امامہ نے کمری پر بیٹھے ہی اس کی کلائی کے گرد لپٹا ہوا

چادر کا کونہ ہٹایا۔ زخم بہت گہرا اور لمبا تھا۔ ایک نظر ڈالتے ہی اسے ایذا ہو گیا تھا۔ سالار نے پھر ایک جھٹکے کے ساتھ اپنا ہاتھ پیچھے کی کوشش کی مگر امامہ مضبوطی سے کلائی کے کچھ

نیچے سے اس کا بازو پکڑے رہی۔

"وسم! اس بیڑی کا مال وہ یہ دھم بہت گہرا ہے۔ یہاں کچھ نہیں ہو سکتا۔ بیڑی جگ کرنے سے خون رک جائے گا پھر تم لوگ اسے ہاتھ ملے جاؤ۔" اس نے ایک نظریے کا پٹ پر جذب ہوئے خون پر ڈال دیا۔ وسم تیزی سے فرسٹ ایڈ باکس میں سے بیڑی نکالنے لگا۔

سالار نے بیڈ پر لیٹے لیٹے اپنے سر کو جھکایا اور آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اب دھندلاہٹ سی تھی مگر اس کے باوجود اس نے اپنے بیڈ سے کچھ فاصلے پر بیٹھی ہوئی اس لڑکی اور اس کے ہاتھ میں موجود اپنے بازو کو دیکھا تھا۔

کچھ مشتعل ہو کر اس نے ایک اور جھٹکے کے ساتھ اپنا ہاتھ اس لڑکی کے ہاتھ سے آزاد کرانے کی کوشش کی۔ ہاتھ آزاد نہیں ہوا مگر وہ لڑکی ایک جھڑپ کرنے پر مجبور کیا تھا۔ اسے چند لمحوں کے لئے یہ ہی محسوس ہوا تھا جیسے اس کی جان نکل گئی مگر اگلے ہی لمحے وہ ایک بار پھر ہاتھ چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم لوگ دفع ہو۔۔۔۔۔ جاؤ۔۔۔۔۔ کہاں سے۔۔۔۔۔ آگئے۔۔۔۔۔ ہو؟" اس نے کچھ مشتعل ہو کر لڑکھائے لیجے میں کہا۔ "پیرا۔۔۔۔۔ کرو۔۔۔۔۔ ہے۔۔۔۔۔ تم۔۔۔۔۔ لوگوں۔۔۔۔۔ کو اندر۔۔۔۔۔ آنے کی جرأت کیسے۔۔۔۔۔ ہوئی۔۔۔۔۔ تم۔۔۔۔۔ وسم۔۔۔۔۔ تم۔۔۔۔۔ دفع۔۔۔۔۔ ہو جاؤ۔۔۔۔۔ گیت لاسٹ۔۔۔۔۔ جسٹ۔۔۔۔۔ گیت لاسٹ۔۔۔۔۔ ہڈی ہاشرو۔"

اس نے بلند آواز میں مگر لڑکھاتی زبان سے کہا۔ امام نے اس کے منہ سے نکلنے والی گالی کو سنا۔ ایک لمحہ کے لئے اس کے چہرے کا رنگ بدلا مگر وہ پھر اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑے بیٹھی رہی۔ اس نے وسم سے کاٹھن لے کر کہا ہے ہوئے سالار کی کھائی کے دھم پر رکھ دی جو ہاتھ کو کھینچنے اور ہلانے سے باز نہیں آ رہا تھا۔ وسم کے ہاتھ سے بیڑی نکالنے کے لیے لپٹنا شروع کر دیا۔ سالار نے دھندلائی آنکھوں کے ساتھ اپنی کھائی کے گرد کچھ چیز کی نرمی کو محسوس کیا۔

کچھ بے بسی اور جھنجھلاہٹ کے عالم میں سالار نے اپنے ہاتھ اس کے زور سے اپنے دائیں ہاتھ کو چھڑانے کی کوشش کی تھی۔ دھندلائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اس کا آگے بڑھنے والا ہاتھ لڑکی کے سر سے مگر ایسا تھا۔ اس کے سر سے نہ صرف وہ چڑا تھا بلکہ اس کے ہاتھ بھی نکل گئے تھے۔

امام نے جڑ بڑا کر اسے دیکھا جو ایک بار پھر اپنا ہاتھ آگے اڑا رہا تھا۔ امام نے اپنے ہاتھ ہاتھ سے اس کی کھائی کو پکڑے رکھا جبکہ دائیں ہاتھ میں پکڑی ہوئی بیڑی چھوڑ کر اپنی پوری قوت سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں گال پر دے مارا۔ چھڑا ہونے والے دار تھا کہ ایک لمحہ کے لئے سالار کی آنکھوں کے سامنے چھائی ہوئی دھندلاہٹ گئی۔ کچھ منہ اندر آنکھوں کے ساتھ دم بخود اس نے اس لڑکی کو دیکھا تھا جو سرخ چہرے کے ساتھ بلند آواز میں اس سے کہہ رہی تھی۔

"اب اگر تم نے تو میں قہقہہ ادا و سراپا کچھ بھی کاٹ دوں گی۔ سلام تم۔"

سالار نے اس لڑکی کے عقب میں وسم کو بلند آواز میں کچھ کہتے سنا مگر وہ کچھ سمجھ نہیں پایا۔ اس کا ذہن مکمل طور پر تاریکی میں ڈوب رہا تھا مگر اس نے پھر ایک آواز سنی تھی، رسوائی آواز۔ "اس کا بلند پریشر چیک کرو۔۔۔۔۔" سالار کو بے اختیار چند لمحے پہلے اپنے کال پر پڑنے والا ٹھنڈا یاد آیا۔ وہ جاننے کے باوجود آنکھیں نہیں کھول سکا۔ وہی رسوائی آواز ایک بار پھر گونجی تھی مگر اس بار وہ اس آواز کو کوئی مطلب نہیں دیتا تھا۔ اس کا ذہن مکمل طور تاریکی میں ڈوب گیا تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اچھی بار جب اسے یوش آیا تو وہ ایک پرائیویٹ کلینک میں موجود تھا۔ آنکھیں کھول کر اس نے ایک بار اپنے ارد گرد دیکھنے کی کوشش کی۔ کمرے میں اس وقت ایک نرس موجود تھی جو اس کے پاس کمر کی ڈوب کو جھج کرنے میں مصروف تھی۔ سالار نے اسے مسکراتے دیکھا تھا وہ اس سے کچھ کہتا تھا اور ہاتھ مگر اس کا ذہن ایک بار پھر تاریکی میں ڈوب گیا۔

دوسری بار اسے کب یوش آیا تو اسے اندازہ نہیں ہوا مگر دوسری بار آنکھیں کھولنے پر اس نے اس کمرے میں کچھ شاسا پیرے دیکھے تھے۔ اسے آنکھیں کھولنے دیکھ کر مری اس کی طرف بڑھ آئیں۔

"کیسا محسوس کر رہے ہو؟" انہوں نے اس پر جھٹکتے ہوئے بے پائی سے کہا۔

"جسٹ فائن۔" سالار نے دہرے کمرے سکندر عثمان کو دیکھتے ہوئے دیکھے لیجے میں کہا۔ اس سے پہلے کہ اس کی مٹی کچھ اور کھینچ کرے میں موجود ایک ڈاکٹر آگے آیا تھا۔ وہ اس کی نالی چیک کرنے لگا تھا۔

ڈاکٹر نے آنکھیں لگانے کے بعد ایک بار پھر اسے ڈوب لگائی۔ سالار نے کچھ جیڑاری کے ساتھ یہ کارروائیاں دیکھیں۔ ڈوب لگانے کے بعد وہ سکندر عثمان اور ان کی بیوی سے ہاتھ کرنے لگا۔ سالار اس گفتگو کے دوران جھست کو محسوس ہوا تھا کہ وہ بے بعد ڈاکٹر کرے سے نکل گیا۔

کمرے میں اب بالکل خاموشی تھی۔ سکندر عثمان اور ان کی بیوی اپنا سر جڑے بیٹھے تھے۔ ان کی تمام کوششوں اور احتیاط کے باوجود یہ سالار سکندر کی خودکشی کی چوٹی کی کوشش تھی اور اس بار وہ واقعی مرتے مرتے بچا تھا۔ ڈاکٹر کے مطابق اگر چند منٹوں کی تاخیر ہو جاتی تو وہ اسے نہیں بچا سکتے تھے۔

سکندر راولدر ان کی بیوی کو راست کے دو بیچے ملازم نے سالار کی خودکشی کی اس کوشش کے بارے میں بتایا تھا اور وہ دونوں سماں بیوی پر ری راست میں نہیں تھے۔ سکندر عثمان نے سب لڑائی لے کر تقریباً چار سو سو گز پھوٹ ڈالے تھے۔ مگر اس کے باوجود ان کی بے چینی اور اضطراب میں کمی نہیں ہو پارہی تھی۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا ہے آخر اس طرح کی حرکتیں کیوں کرتا ہے، آخر اس پر ہماری نصیحتوں اور

ہمارے کھانے کا اثر کیوں نہیں ہوا؟ سکندر جنہوں نے دوران سفر کہا: "میرا تو دماغ پیٹنے لگتا ہے جب میں اس کے بارے میں سوچتا ہوں نہ کیا نہیں کیا میں نے اس کے لئے بر سبب لیا، بہترین تعلیم حتیٰ کہ بڑے سے بڑے سائیکالوسٹ تک کو دکھا چکا ہوں مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات..... میری تو کچھ میں نہیں آتا کہ مجھ سے کیا غلطی ہو گئی ہے، جو مجھے یہ سزا مل رہی ہے۔ جاننے والوں کے درمیان مذاق میں کیا ہوں میں اس کی وجہ سے۔" سکندر جنہوں بہت پریشان تھے۔ "ہر وقت میرا دم طلق میں اٹکا رہتا ہے کہ یا نہیں وہ کس وقت کیا کر گزرے۔ اتنی احتیاط برتنے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ایک بار دم غائل ہوئے اور وہ پھر وہی حرکت کر گزرا ہے۔" طبیب نے اپنی آنکھوں میں اُمّتے ہوئے آنسوؤں کو نشو کے ساتھ صاف کیا۔ وہ دونوں اسی طرح کی باتیں کرتے ہوئے کراچی سے اسلام آباد آئے تھے مگر سالار کے سامنے آکر دونوں کو چپ لگ گئی تھی۔ ان دونوں ہی کی کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس حالت میں اس سے کیا کہیں۔

سالار کو ان کی دلی فوراً ہی کیفیات کا اچھی طرح اندازہ تھا اور ان کی خاموشی کو وہ غصہ سمجھتا تھا۔ انہوں نے اس دن اس سے کچھ نہیں کہا تھا۔ اگلے دن بھی وہ دونوں خاموش ہی رہے تھے۔ مگر تیسرے دن ان دونوں نے اپنی خاموشی توڑ دی تھی۔

"مجھے صرف یہ بتاؤ کہ آخر تم یہ سب کیوں کر رہے ہو؟" سکندر نے اس رات بڑی جمل حرازی سے اس کے ساتھ گفتگو کا آغاز کیا تھا۔ "آخر تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟ تم نے وعدہ کیا تھا کہ تم ایسی کوئی حرکت نہیں کرو گے۔ میں نے اسی وعدہ میں اسپورٹس کار بھی لے کر دی۔ ہر بات مان رہے ہیں ہم لوگ تمہاری، پھر بھی تمہیں قطعاً احساس نہیں ہے ہم لوگوں کا نہ خانہ ان کی عزت کا۔" سالار اسی طرح چپ بیٹھا رہا۔

"کسی اور کا نہیں تو تم ہم دونوں کا ہی خیال کرو، تمہاری وجہ سے ہماری راتوں کی نیڈیں اڑ گئی ہیں۔" طبیب نے کہا۔ "نہیں کوئی پریشانی، کوئی پرالم ہے تو ہم سے ڈیکس کرو، ہم سے کہو..... مگر اس طرح مرنے کی کوشش کرنا..... تم نے کبھی سوچا ہے کہ اگر تم ان کوششوں میں کامیاب ہو جاتے تو ہمارا کیا ہوتا۔" سالار خاموشی سے ان کی باتیں سنتا رہا۔ ان کی باتوں میں کچھ بھی نیا نہیں تھا۔ خود کشی کی ہر کوشش کے بعد وہ ان سے اسی طرح کی باتیں سنتا تھا۔

"کچھ بولو، چپ کیوں ہو؟ کچھ کچھ میں آ رہا ہے تمہیں؟" طبیب نے جھنجھلا کر کہا۔ وہ انہیں دیکھنے لگا۔ "ماں باپ کو اس طرح قتل کر کے بڑی غرضی ملتی ہے تمہیں؟"

"اس قدر شائد اس وقت تک ہے تمہارا اور تم اپنی اہمیتانہ حرکتوں سے اپنی زندگی ختم کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ لوگ ترستے ہیں اس طرح کے ایکڑک دیکار کے لئے۔" سکندر جنہوں نے اسے اس کا ایکڑک

دیکار زیادہ لانے کی کوشش کی۔ سالار نے بے اختیار ایک جھانکی لی۔ وہ جاننا تھا اب وہ اس کے بچپن سے لے کر اس کی اب تک کی کامیابیوں کو ذرا متاثر کر دیں گے۔ ایسا ہی ہوا تھا۔ اگلے چند روز منت اس موشور پر بولنے کے بعد انہوں نے تھک کر پوچھا۔

"آخر تم کچھ بول کیوں نہیں رہے، بولو؟"

"میں کیا بولوں، سب کچھ تو آپ دونوں نے کہہ دیا ہے۔" سالار نے کچھ آگے بڑھنے پر اجازت میں کہا۔ "میری زندگی میرا پرسنل معاملہ ہے، پھر بھی میں نے آپ کو بتایا ہے کہ دراصل میں مرنے کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔" سکندر نے اس کی بات کاٹی۔

"تم جو بھی کر رہے ہو، وہ جیت کر دو، ہم پر کچھ رحم کھاؤ۔" سالار نے ناراضی سے باپ کو دیکھا۔ "تم آخر یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ تم آئندہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرو گے۔ فضول میں بحث کیوں کرتے جا رہے ہو؟" اس بار طبیب نے اس سے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے، نہیں کروں گا، ایسی کوئی بھی حرکت۔" سالار نے بے زاری سے جیسے ان دونوں سے جان چمڑانے کے لئے کہا۔ سکندر نے ایک گہری سانس لیا۔ وہ اس کے وعدے پر مطمئن نہیں ہوئے تھے۔ نہ ان کی بھڑی..... مگر ایسے وعدے لینے کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ وہ بچپن سے اپنے اس بیٹے پر فکر کرتے آ رہے تھے، مگر پچھلے کچھ سالوں سے ان کا وہ فخر ختم ہو گیا تھا۔ جتنا پریشان انہیں سالار نے کیا تھا اتنا ان کے بانی بچوں نے مل کر بھی نہیں کیا تھا۔

☆.....☆.....☆

"اب کیا ہے تمہارا دوست؟" گئے تھے تم اس کی خبریت دریافت کرنے؟" ابامہ وسم کے ساتھ مارکیٹ جا رہی تھی کہ اچانک اسے سالار کا خیال آیا۔

"پہلے سے تو حالت کافی بہتر ہے اس کی۔ شاید کل پر صوں تک ڈسچارج ہو جائے۔" وسم نے اسے سالار کے بارے میں تفصیلات سے آگاہ کیا۔ "تم چلو گی اب بھی پر اس کو دیکھنے؟" وسم کو اچانک خیال آیا۔ "میں؟" ابامہ حیران ہو گئی۔ "میں کیا کروں گی جا کر....."

"خبریت دریافت کرنا اور کیا کرنا ہے تمہیں۔" وسم نے سنجیدگی سے کہا۔

"اچھا۔" ابامہ نے کچھ چائل سے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے، چلیں گے۔ حالانکہ اس طرح کے مریض کی عیادت کرنا فضول ہے۔" اس نے لا پر والی سے کندھے سے اچکاتے ہوئے کہا۔

"وہی مجھے توقع تھی کہ اس کے ہیٹس ہمارے گھر آئیں گے، شکر یہ وغیرہ یاد کرنے کے ہم نے ان کے بیٹے کی جان چھائی۔ کس قدر بد وقت مدد کی تھی ہم نے، مگر انہوں نے تو بھولے سے ہمارے گھر

کا رخ نہیں کیا۔" امام نے جھڑپ کیا۔

"تم ان بے چاروں کی کنڈھیں کا اندازہ ہی نہیں کر سکتیں۔ کس منہ سے وہ جھڑپہ ادا کرنے آئیں اور پھر اگر کوئی یہ پوچھ بیٹھے کہ آپ کسے بیٹے نے ایسی حرکت کیوں کی ہے تو وہ دونوں کیا جواب دیں گے۔ کیا یہ نہیں گے کہ شوق کے ہاتھوں.... وہ بے چارے عجیب مشکل میں پھنسے ہوئے ہیں۔"

وسیم نے قد سے انہیں کرنے والے انداز میں کہا۔ "ویسے اس کے بدن میں نے میرا بہت جھگڑا ادا کیا ہے اور اسی اور کیا جب پر سوں ہاسٹل میں اس کی غیرت سے دریافت کرنے گئے تھے تو انہوں نے وہاں بھی ان دونوں کا بہت شکریہ ادا کیا ہے۔ یہ تو اسی اور بپائی کیجئے واری تھی کہ انہوں نے ان سے کوئی سوال نہیں کیا سالار کے بارے میں۔ ورنہ تو وہ عمر میں خاصی نفرت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔" وسیم نے گاڑی موڑتے ہوئے کہا۔

"مگر آخر تمہارے اس دوست کا سکہ کیا ہے، کیوں بیٹھے بھائے اس طرح کی احمقانہ حرکتیں کرنے لگا ہے؟" امام نے پوچھا۔

"تم مجھے اس طرح پوچھ رہی ہو جیسے وہ مجھے سب کچھ بتا کر یہ سب کرنا ہو گا۔ مجھے کیا پتا وہ کس کے لیے سب کرتا ہے یا کیوں کرتا ہے۔"

"تمہارا اٹا گرا دوست ہے، تم پوچھتے کیوں نہیں اس سے؟"

"اٹا گرا دوست بھی نہیں ہے کہ ایسی باتوں کے بارے میں بھی مجھے بتانے لگے اور ویسے بھی میں کیوں اٹا کر رہوں، وہ تو گاؤں کی مسئلہ اس کا۔"

"تو پھر ہنر نہیں ہے کہ تم ایسے دوستوں سے کچھ فاصلہ پر رہو، ایسے لوگوں سے دوستی ابھی نہیں ہوتی۔ اگر کل کو تم نے ایسی ہی طرح کی حرکتیں شروع کر دیں تو...."

"ویسے تم نے اس دن جو حرکت کی تھی وہ اگر اسے یاد رہا تو ہماری دوستی میں خودی غاسا فرق آ جائے گا۔" وسیم نے کچھ جھانکنے والے انداز میں کہا۔

"میں نہیں سمجھتی کہ اسے وہ سمجھنا یاد ہو گا۔ وہ کچھ شور پر ہوش میں تو نہیں تھا۔ تم سے ذکر کیا اس نے اس بارے میں؟" امام نے پوچھا۔

"نہیں، مجھ سے کہا تو نہیں مگر ہو سکتا ہے کہ اسے یاد ہو۔ تم نے اچھا نہیں کیا تھا۔"

"اس نے حرکت ہی ایسی کی تھی۔ ایک تو اپنا ہاتھ سمجھ رہا تھا دوسرے گاکیاں دے رہا تھا اور دوسرے سے میرا روپ بھی سمجھ لیا۔"

"اس نے وہ روپ نہیں سمجھا تھا، اس کا ہاتھ لگا تھا۔" وسیم نے سالار کا دفاع کرتے ہوئے کہا۔

"جو بھی تھا اس وقت تو مجھے بہت غصہ آیا تھا مگر بعد میں مجھے بھی انہیں ہوا تھا اور میں نے تو انہ

کا بہت شکریہ ادا کیا کہ وہ سچ کیا۔ اگر انہیں دوسرا جاتا تو مجھے تو بہت ہی بچھتا ہوتا ہے اس تھپڑ کا۔" امام نے قد سے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"چلو تم آج جا رہی ہو تو معذرت کر لیا۔" وسیم نے مشورہ دیا۔

"نہیں، ایک کچھ ذکر دے، جو ملتا ہے اسے کچھ یاد دلاؤ، جو پھر میں خود خواہ گڑے مرے لکھاؤں۔

اسے یاد دلاؤں گی میں نے اس کے ساتھ ایسا کیا تھا۔" امام نے فوراً کہا۔

"اور فرض کرو اسے سب کچھ یاد ہو تو...."

"تو.... تو کیا ہو گا۔ وہ کون سا مارا رہتا ہے وہ ہے کہ اس سے تعلقات خراب ہو جائیں گے یا میل جول میں غرق پڑے گا۔" امام نے لاپرواہی سے کہا۔

شاپنگ کرنے کے بعد وسیم اسے کھینک لے آیا جہاں سالار کو مہمان تھا۔

وہ دونوں جس وقت اس کے کمرے میں داخل ہوئے اس وقت وہ سوپ پینے میں مصروف تھا۔

سالار نے وسیم کے ساتھ آنے والی لڑکی کو دیکھا اور فوراً پہچان لیا تھا۔ اگرچہ اس رات اس حالت میں وہ اسے شہادت نہیں کر سکا تھا مگر اس وقت اسے دیکھتے ہی وہ اسے پہچان گیا تھا۔ اپنی مٹی سے یہ

ہات وہ پہلے ہی جان چکا تھا کہ وسیم کی سکن نے اسے فرسٹ ایڈوی تھی مگر اسے وہ فرسٹ ایڈی یاد نہیں تھی،

اسی روز نالے دار تھپڑا تھا اس وقت اسے پڑا تھا، اس نے امام کو دیکھتے ہی وہ سوپ پینے پیتے دکھ گیا۔

اس کی جھپٹی ہوئی نظروں نے امام کو اندازہ ہو گیا کہ اسے یقیناً اس رات بھونے والے واقعات کسی نہ کسی حد تک یاد تھے۔

دیکھ دیکھ دیکھ کے بعد اس کی مٹی امام کا شکر یہ ادا کرنے لگیں، جبکہ سالار نے سوپ پیتے ہوئے

مکھری نغروں سے اسے دیکھا۔ وسیم سے اس کی دوستی کو کئی سال گزر چکے تھے اور اس نے وسیم کے مکھریں

امام کو بھی کئی بار دیکھا تھا مگر اس نے پہلے بھی توجہ نہیں دی تھی۔ اس دن پہلی بار وہ اس پر قدرے تنیدی

انداز میں غور کر رہا تھا۔ اس کے دل میں امام کے لئے تشکر یا احسان غصہ کی کوئی جذبات نہیں تھے۔

اس کی وجہ سے اس کے سارے پان کا بڑا فرق ہو گیا تھا۔

امام اس کی مٹی سے تشکر میں مصروف تھی مگر وہ قاتاق تھا اپنے اوپر پڑنے والی اس کی نظروں سے

بھی واقف تھی۔ زندگی میں پہلی بار اسے کسی کی نظریں اتنی بری لگی تھیں۔

ایک لمحے کے لئے اس کا دل چاہا تھا۔ وہ اٹھ کر وہاں سے بھاگ جائے۔ سالار کے بارے میں اس

کی رائے اور بھی خراب ہو گئی تھی۔ وہ اپنے اس تھپڑ کے لئے معذرت کے ارادے کے ساتھ وہاں آتی

تھی مگر اس وقت اس کا دل چاہا تھا اسے روکا اور تھپڑ لگا دے۔

تھوڑی دیر وہاں بیٹھنے کے بعد فوراً ہی وہ واپس جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی اور واپس جاتے

ہوئے اس نے سالار کے ساتھ ٹیک سلیک کا ٹھٹھکا بھی نہیں کیا تھا۔ وہ صرف اس کی کمی کے ساتھ سلام دعا کے بعد سالار کی طرف دیکھے بغیر باہر نکل آئی تھی اور باہر آکر اس نے سکون کا سانس لیا تھا۔
"اس طرح کے دوست جانتے ہوئے ہیں تم نے؟" اس نے باہر نکلنے کی دھم سے کہا جس نے کچھ حیرانی سے اسے دیکھا۔

"کیوں، اب کیا ہوا ہے؟"

"اسے دیکھنے تک کی غیر نہیں ہے۔ اس بات کا احساس تک نہیں ہے کہ میں اس کے دوست کی بہن ہوں اور اس کے دوست کے ساتھ اس کے کمرے میں موجود ہوں۔"

وہ سم اس کی بات پر کچھ حریف سا ہو گیا۔

"یہ آدمی اس قابل نہیں ہے کہ اس کی عیادت کے لئے جایا جائے اور تمہیں کے ساتھ میل جول بند کرو۔"

"اچھا ٹھیک ہے، میں بیکار ہوں گا۔ اب غم باہر اس بات کو نہ دہراؤ۔" وہ سم نے موضوع مٹھکو بدلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ امام دانستہ طور پر خاموش ہو گئی مگر سالار کے اس ناپسندیدہ افراد کی حسرت میں شامل ہو چکا تھا۔

یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ وہاں دونوں کچھ چھٹیاں گزارنے اسلام آباد آئی ہوئی تھی وہ شاید سالار سے اس کا اتفاقاً قریبی اور اتنا پسندیدہ تعارف اور تعلق بھی پیدا نہ ہوتا۔

☆ — ☆ — ☆

اسلام قبول کرنے کے بعد اس نے پہلی بار جلال انصر کو حب قریب سے دیکھا جب ایک دن وہ چاروں کاٹا کے لان میں بیٹھی مٹھکو میں مصروف تھیں، وہاں کسی کام سے آیا تھا۔ رمی کی ایک سیٹنگ کے بعد وہ درخت کے ساتھ چند قدم دور جا کر اہوا تھا۔ امام اس کے چہرے سے نظریں نہیں ہٹا سکی۔ ایک عجیب سی مسرت اور سرخوشی کا احساس اسے گھر سے ملنے لگا تھا۔

وہ چند منٹ زینب سے بات کرنے کے بعد وہیں سے چلا گیا۔ امام اس کی پشت پر نظریں جمائے اس وقت تک اسے دیکھتی رہی جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گیا۔ اس کے ارد گرد بیٹھی اس کی فریاد کیا باتیں کر رہی تھیں اسے اس وقت اس کا کوئی احساس نہیں تھا جب وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہوا تو یکدم جیسے دوبارہ اپنے ماحول میں داخل ہو گئی۔

جلال انصر سے اس کی دوسری ملاقات زینب کے گھر ہوئی تھی۔ اس دن وہ کالج سے واپسی پر زینب کے ساتھ اس کے گھر آئی تھی۔ زینب کچھ دنوں سے ان سب کو اپنے پاس آنے کے لئے کہہ رہی تھی۔ باقی سب نے کوئی نہ کوئی بہانہ بنا دیا تھا، مگر امام اس دن اس کے ساتھ اس کے گھر پہنچی آئی تھی۔

اس نے گھر آکر اسے عجیب سے محسوس کا احساس ہوا تھا۔ شاید اس احساس کی وجہ جلال انصر کی اس گھر سے بہت تھی۔

وہ درختوں کے درمیان بیٹھی ہوئی تھی اور زینب چائے پینے کے لئے کچن میں گئی تھی۔ جب جلال درخت کے درمیان داخل ہوا امام کو وہاں دیکھ کر کچھ چونک گیا۔ شاید اسے امام کو وہاں دیکھنے کی توقع نہیں تھی۔

"السلام علیکم۔ کیا حال ہے آپ کا؟" جلال نے شاید اس طرح بے وعشک انداز داخل ہونے پر اپنی بیوی بھائی کے لئے کہا۔ امام نے رنگ بدلے چہرے کے ساتھ اس کا جواب دیا۔

"اب کے ساتھ آئی ہیں آپ؟" اس نے پوچھا۔

"جی۔"

"زینب کہاں ہے، میں دراصل اس کو ماحول دے ہوئے یہاں آیا تھا۔ مجھے پتا نہیں تھا کہ اس کی لڑکی دوست بنائیں موجود ہے۔" کچھ محسوسات غور سے امام نے کہا۔

"آپ بہت اچھی نصیحت دے رہے ہیں۔" امام نے بے ساختہ کہا۔ وہ ٹھٹھکا۔

"شکریہ۔" وہ کچھ حیران نظر آئی۔ "آپ نے کہاں سے ہے؟"

"ایک دن میں نے زینب کو فون کیا تھا جب تک فون ہوا تو دیکھتے آپ کی آواز آئی وہاں۔ پھر زینب نے آپ کے بارے میں پوچھا۔ میں اسے نتیجہ دیتے ہیں کہ میں بھی گئی تھی جہاں آپ نے وہ نصیحت دے دی تھی۔"

وہ بے اختیار کہتی چلی گئی۔ جلال انصر کی کچھ میں نہیں آیا وہ حیران ہو یا خوش۔

"بہت اچھی تو نہیں۔ بس چند لکھا ہوں۔ اللہ کا کرم ہے۔" اس نے حیرت کے اس جھٹکے سے منہ ہٹاتے ہوئے سیدھا وہیں پہنچی اس دن پہلی بار کمرے کی کمر کی سیاہ آنکھیں کوئی بہت عجیب سا تاثر ملے ہوئے تھیں۔ اپنی آواز کی تعریف وہ بہت سوں سے سن چکا تھا مگر اس وقت اس لڑکی کی تعریف اس کے لئے قدرے غیر معمولی تھی اور جس انداز میں اس نے یہ کہا تھا اس سے بھی زیادہ عجیب۔ وہ پلٹ کر درخت کے درمیان سے باہر نکل گیا۔ وہ ویسے بھی لڑکیوں کے مٹھکو میں بہت تھیں نہ کہ کھانا اور پھر ایک ایسی لڑکی سے مٹھکو جس سے وہ صرف چہرے کی حد تک واقف تھا۔

امام ایک عجیب سی مسرت کے عالم میں وہاں بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس نے جلال انصر سے بات کی تھی۔ اپنے سامنے۔ خود سے اپنے قریب۔ وہ درخت کے درمیان سے وہاں سے کچھ آگے جا چلا ہے اس جگہ کو دیکھتی رہی جہاں وہ کچھ دیر پہلے کھڑا تھا۔ تصویر کی آنکھ سے وہ اسے ابھی بھی دیکھ رہی تھی۔

☆ — ☆ — ☆

ان کی دھکی دھکی طاقت باطل میں ہوئی۔ گھٹیلے وقفہ اگر امام و ائمہ حضور پر زہب کے گھر کی تھی تو اس بار یہ ایک اتفاق تھا۔ امام و راہب کے ساتھ وہاں آئی تھی جسے وہاں اپنی کسی دست سے ملنا تھا۔ باطل کے ایک کوریڈور میں غافل ایئر کے اسٹوڈنٹس کے ایک گروپ میں اس نے جلال اصر کو دیکھا۔ اس کی ایک ہارٹ بیٹ مس ہوئی۔ کوریڈور میں انتشار تھا کہ وہ اس کے پاس نہیں جاسکتی تھی اور اس وقت پہلی بار امام کو احساس ہوا کہ اسے سامنے دیکھ کر اس کے لئے رک جانا کتنا مشکل کام تھا۔ راہب کی دوست کے ساتھ بیٹھے ہوئے بھی اس کا حیران مکمل طور پر باہر ہی تھا۔

ایک ڈیڑھ گھنٹے کے بعد وہ راہب کے ساتھ اس کی دوست کے کمرے سے باہر آئی تھی۔ اب وہاں غافل ایئر کے اسٹوڈنٹس کا وہ گروپ نہیں تھا۔ امام کو بے اختیار پائی ہوئی راہب اس کے ساتھ ہائیں کرتے ہوئے باہر نکل رہی تھی۔ جب پیر میں وہاں دونوں کا سامنا جلال سے ہو گیا۔ امام کے جسم سے جیسے ایک کرنٹ سا گزر گیا تھا۔

"اسلام شکم۔ جلال بھائی اکیسے ہیں آپ؟ راہب نے پائل کی تھی۔

"اللہ کا شکر ہے۔"

اس نے سلام کا جو اب دینے ہوئے کہا۔

"آپ لوگ یہاں کیسے آگئے؟" اس بار جلال نے امام کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں اپنی ایک فریڈ سے ملنے آئی تھی اور امام میرے ساتھ آئی تھی۔ راہب سگراتے ہوئے بتا رہی تھی جبکہ امام خاموشی سے اس کے پیچھے پر نظر میں جمائے ہوئے تھی۔

دھجھری میری تنہائی کی تو نے ہی تو کی
میں تو مرجاتا اگر ساتھ نہ ہوتا میرا

اس کی آواز سننے ہوئے وہ ایک بار پھر کسی ٹرانس میں آ رہی تھی۔ اس نے بہت کم لوگوں کو اسے شہت کچے میں اردو پڑھتے ہوئے سنا تھا۔ جس لمحے میں وہ بات کر رہا تھا۔ پانچویں ہر بار اس کی آواز سننے ہی اس کے کانوں میں اس کی پڑھی ہوئی وہ نعت کو گونجنے لگتی تھی۔ اسے عجیب سا دلچسپ آ رہا تھا اسے دیکھتے ہوئے۔

جلال نے راہب سے بات کرتے ہوئے شاید اس کی محویت کو محسوس کیا تھا۔ اسی لئے بات کرتے کرتے اس نے امام کی طرف دیکھ اور مسکرایا۔ امام نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹالیں۔ بے اختیار اس کا دل چاہتا تھا وہ اس شخص کے اور قریب چلی جائے۔ جلال سے نظریں ہٹا کر گرد گزرتے لوگوں کو دیکھتے ہوئے اس نے تین بار لا حول پڑی۔ "شاید اس وقت شیطان میرے دل میں آکر بیٹھے اس کی طرف راغب کر رہا ہے۔" اس نے سوچا مگر لا حول پڑھنے کے بعد بھی اس کے اندر کوئی تبدیلی نہیں

آئی۔ وہ اب بھی جلال کے لئے وہی ہی کشش محسوس کر رہی تھی۔

امجد سے اسنے سالوں کی معافی کے بعد بھی کبھی اس نے اپنے آپ کو اس کے لئے اس طرح بے اختیار ہونے نہیں دیکھا تھا جس طرح وہ اس وقت ہو رہی تھی۔ وہاں کھڑے اسے پہلی بار جلال سے بہت زیادہ غافل آیا۔ میں کیا کروں گی اگر میرا دل اس آدمی کو دیکھ کر اسی طرح بے اختیار ہوتا رہا، آخر اسے دیکھ کر مجھے۔ اس نے جیسے بے بسی کے عالم میں سوچا۔ میں اچھی کمزور تو بھی نہیں تھی کہ اس جیسے آدمی کو دیکھ کر اس طرح۔ اس نے اپنے وجود کو سوچ لیا۔

☆.....☆.....☆

"بھائی! آپ فارغ ہیں۔" اس رات زہب دروازے پر دستک دے کر جلال کے کمرے میں داخل ہوئی۔

"ہاں، آچھا۔" اس نے اسٹیڈی نچل پر بیٹھے بیٹھے گردن موڑ کر زہب کو دیکھا۔

"آپ نے ایک کام ہے۔" زہب اس کے پاس آتے ہوئے بولی۔

"کیا کام ہے؟"

"آپ ایک کیسٹ میں اپنی آواز میں کچھ غرضیں ریکارڈ کرویں۔" زہب نے کہا۔ جلال نے حیرت سے اس کی فرمائش سنی۔

"کس لئے؟"

"وہ میری دوست ہے امام اس کو آپ کی آواز بہت پسند ہے۔ اس لئے۔" اس نے مجھ سے فرمائش کی اور میں نے ای مہرئی۔ "زہب نے تفصیل بتائی۔

جلال اس فرمائش پر مسکرایا۔ امام سے کچھ دن پہلے ہونے والی طاقت اسے یاد آگئی۔

"یہ وہی لڑکی ہے جو اس دن یہاں آئی تھی؟" جلال نے سرسری انداز میں پوچھا۔

"ہاں، وہی لڑکی ہے۔" اسلام آباد سے یہاں آئی ہے۔"

"اسلام آباد سے آجائیں میں رو رہی ہے؟" جلال نے کچھ دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں میں رو رہی ہے۔ کافی اچھا خاندان ہے اس کا۔ بہت بڑے انڈسٹریل ہیں اس کے خاں۔ مگر امام سے مل کر دراصل محسوس نہیں ہوتا۔" زہب نے بے اختیار امام کی تعریف کی۔

"کافی پڑھتی لگتی ہے۔ میں نے اسے ایک دو بار تھپارے ساتھ کالج میں بھی دیکھا ہے۔ کالج میں بھی چادر اوڑھی ہوئی ہے اس نے۔ یہاں کالج کی "آپ وہو" کا بھی ٹک ڈر نہیں ہو اس پر۔" جلال نے کہا۔

"بھائی! اس کی چمکی بھی خاص نہیں ہے کیونکہ وہ جب سے یہاں آئی ہے اسی طرح ہی ہے۔ میرا

خیال ہے کہ خاتمہ کثرت و یگانہ گوشت، لیکن یہ ضرور ہے کہ اس کی فکری خاموشی تعلیم یافتہ ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ کتبیں بھی۔ یہ گھر میں سب سے چھوٹی ہے۔ "نائب نے تحصیل بنائے ہوئے کہا۔ "تو پھر آپ صاحب دیکھ کر کے دیں گے؟" نائب نے پوچھا۔

"تم کل لے لیند میں دیکھ کر دوں گا۔" جلال نے کہا۔ وہ ہر ملاتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔ جلال کچھ دیر تک سوچ میں ڈوبا رہا پھر وہ دروازے کی طرف متوجہ ہو گیا جسے وہ پہلے چھ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

ان کی اگلی ملاقات لاہور ہی میں ہوئی تھی۔ اس بار امام اسے وہاں موجود رکھ کر بے اختیار اس کی طرف چلی گئی۔ دینی ملک سلیک کے بعد امام نے کہا۔

"میں آپ کا شکر یہ ادا کرنا چاہتی تھی۔"

جلال نے خیرانی سے اسے دیکھا۔ "کس لئے؟"

"اُس کیسٹ کے لئے جو آپ نے دیکھ کر رکھنے بھجوائی تھی۔" جلال مسکرایا۔

"نہیں، اس کی ضرورت نہیں۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ کبھی کوئی مجھ سے ایسی فرمائش کر سکا ہے۔"

"آپ بہت خوش قسمت ہیں۔" امام نے دم آواز میں اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں۔۔۔ کس حوالے سے؟" جلال نے ایک بار پھر خیران ہوئے ہوئے پوچھا۔

"ہر حوالے سے۔ آپ کے پاس سب کچھ ہے۔"

"آپ کے پاس بھی تو بہت کچھ ہے۔"

وہ جلال کی بات پر حیرت سے انداز میں مسکرائی۔ جلال کو شبہ ہوا کہ اس کی آنکھوں میں کچھ نئی

نمودار ہوئی تھی مگر وہ یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ وہ اب گھر پر بھٹکائے ہوئے تھی۔

"پہلے کچھ بھی نہیں تھا اب واقعی سب کچھ ہے۔" جلال نے دم آواز میں اسے کہتے عداوت سمجھتے والے انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

"آپ اتنی محبت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لیتے ہیں تو میں سوچتی ہوں کہ۔۔۔"

اس نے اپنی بات ادھور ہی چھوڑ دی۔ جلال خاموشی سے اس کی بات مکمل ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

"مجھے آپ پر رشک آتا ہے۔" چند لمحے بعد وہ آہستہ سے بولی۔

"سب لوگوں کو تو اس طرح کی محبت نہیں ہوتی جیسی محبت آپ کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے ہے۔ یہ بھی جانے تو ہر کوئی اس طرح اس محبت کا اظہار نہیں کر سکتا کہ دوسرے بھی رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں گرفتار ہونے لگیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی آپ سے بڑی

محبت ہوگی۔" اس نے نظریں اٹھائیں۔ اس کی آنکھوں میں کوئی کمی نہیں تھی۔

"شاید مجھے وہم ہوا تھا۔" جلال نے اسے دیکھتے ہوئے سوچا۔

"یہ میں نہیں جانتا، اگر ایسا ہو تو میں واقعی بہت خوش قسمت انسان ہوں۔ میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ مجھے واقعی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑی محبت ہے۔ مجھ جیسے لوگوں کے لئے اتنی کافور ہے۔ ہر ایک کو اللہ اس محبت سے نہیں نوازتا۔"

وہ بڑی رساتیت سے کہہ رہا تھا۔ امام اس کے چہرے سے نظریں نہیں ہٹا سکی۔ اسے کبھی کبھی شخص کے سامنے اس طرح کا احساس کثرتی نہیں ہوا تھا۔ جس طرح کا احساس کثرتی وہ جلال نصر کے سامنے محسوس کرتی تھی۔

"شاید میں بھی نعمت چھ لوگوں۔ شاید میں بھی بہت اچھی طرح اسے چھ لوگوں گھر میں۔۔۔ میں جلال نصر بھی نہیں جانتا، کبھی میں ہی نہیں سکتی، کبھی میری آواز سن کر کسی کا وہ حال نہیں ہو سکتا جو جلال نصر کی آواز سن کر ہوتا ہے۔" وہ لاہور کی سڑکوں سے گزرتے ہوئے مسلسل دوسری تھی۔

☆ ☆ ☆

جلال نصر کے ساتھ ہونے والی چند ملاقاتوں کے بعد امام نے پوری کوشش کی تھی کہ وہ دوبارہ کبھی اس کا سامنا نہ کرے۔ وہ اس کے بارے میں سوچے نہ رہا۔ نائب کے گھر جانے کی کہ اس نے نائب کے ساتھ اپنے تعلقات کو بھی اپنی طرف سے بہت محدود کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کی ہر حفاظتی تدبیر بڑے طریقے سے ناکام ہوتی گئی۔

ہر گزرتے دن کے ساتھ امام کی بے بسی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور پھر اس نے مجھے دیکھ دے تھے۔

"اس آوی میں کوئی چیز ایسا ہے۔ جس کے سامنے میری ہر محنت دم توڑ جاتی ہے۔" وہ جلال اس کا یہ اعتراف ہی تھا جس نے اسے ایک بار پھر جلال کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔ پہلے اس کے لئے اس کی بے اختیار لا شعوری تھی پھر اس نے شعوری طور پر جلال کو اس کی جگہ دے دی۔

"آخر کیا برائی ہے اگر میں اس شخص کا ساتھ چاہوں جس کی آواز مجھے بار بار اپنے حضور صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی طرف کھینچنے پر مجبور کرتی رہی۔ میں کیوں اس شخص کے حصول کی خواہش نہ کروں جو

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مجھ سے بھی زیادہ محبت رکھتا ہے۔ کیا مضائقہ ہے اگر میں اس

شخص کو اپنا مقدر بنانے کی دعا کروں جس کے لئے میں اُس کی رحمت ہوں اور جس کے کردار سے میں

ماقت ہوں۔ کیا برا ہے اگر میں یہ چاہوں کہ میں جلال نصر کے نام سے شناخت پاؤں۔ اس واسطے آوی

کے نام سے جتنے سنتے، جیسے دیکھتے مجھے اس پر رشک آتا ہے۔" اس کے پاس ہر دلیل، ہر توجیہ موجود تھی۔

بہت غیر محسوس طور پر وہ ہر اس جگہ جانے لگی جہاں جلال کے پائے جانے کا امکان ہوتا اور وہ اکثر

ہاں پایا جائے وہ زیب کو اس وقت فون کرتی، جب جلال گھر پر ہوتا کیونکہ گھر موجود ہوتے ہوئے فون ہمیشہ وی ریسیور کا تھا۔ دونوں کے درمیان چھوٹی سوتی شکوہ فز رفت طویل ہونے لگی پھر وہ ملے گئے۔ جو بی بی، رابعہ یا نہیب بیویوں کو امام اور جلال کے درمیان بڑھتے ہوئے ان تعلقات کے بارے میں پتا نہیں تھا۔ جلال اب باؤس جاب کر رہا تھا اور امام اکثر اس کے ہاسٹل جاتے تھے۔ باقاعدہ انکوائری نہ کرنے کے باوجود دونوں اپنے لئے ایک دوسرے کے جذبات سے واقف تھے۔ جلال جانتا تھا کہ امام اسے پسند کرتی تھی اور یہ پسند کی عام نوعیت کی نہیں تھی۔ خود امام بھی یہ جان چکی تھی کہ جلال اس کے لئے کچھ خاص قسم کے جذبات محسوس کرتے لگے۔

جلال اس قدر ذہنی تھا کہ اس نے کبھی اس بات کا تصور بھی نہیں کیا تھا کہ وہ کسی لڑکی کی محبت میں گرفتار ہو جائے گا نہ صرف یہ کہ وہ محبت کرے گا بلکہ اس طرح اس سے ملا کرے گا۔ مگر یہ سب کچھ بہت غیر محسوس انداز میں ہوتا گیا تھا۔ اس نے نہیب سے کبھی اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ اس کے اور امام کے درمیان کبھی خاص نوعیت کا تعلق تھا۔ اگر وہ یہ انکشاف کر دیتا تو نہیب اسے یقیناً امام کی مسجد کے ساتھ ملے شدہ نسبت سے آگاہ کر دیتا۔ بہت شروع میں ہی وہ امام کی لگی کسی نسبت کے بارے میں جان لیتا تو وہ امام کے بابے میں بہت حفاط ہو جاتا پھر کم از کم امام کے لئے اس حد تک احوال دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جس حد تک وہ چکا تھا۔

ان کے درمیان ہونے والی ایسی ہی ایک ملاقات میں امام نے اسے پوچھ لیا تھا۔ "اسے امام کی جرأت پر کچھ حیرانی ہوئی تھی کیونکہ کم از کم وہ خود بہت چاہنے کے باوجود ابھی یہ بات نہیں کہہ سکتا تھا۔" "آپ کا باؤس جاب کچھ عرصے میں مکمل ہو جائے گا، اس کے بعد آپ کیا کریں گے؟" امام نے اس دن اس سے پوچھا تھا۔

"اس کے بعد میں اسٹوڈنٹیشن کے لئے باہر جاؤں گا۔" جلال نے بڑی سہولت سے کہا۔

"اس کے بعد؟"

"اس کے بعد اب اس آؤں گا اور اپنا ہاسٹل ملاؤں گا۔"

"آپ نے اپنی شادی کے بارے میں سوچا ہے؟" اس نے ابھی سوال کیا تھا جلال نے حیران شکوہ انت کے ساتھ اسے دیکھا۔

"امام! شادی کے بارے میں ہر ایک ہی سوچتا ہے۔"

"آپ کس سے کریں گے؟"

"یہ طے کرنا ابھی باقی ہے۔"

امام چند لمبے خاموش رہی۔ "مجھ سے شادی کریں گے؟"

جلال دم بخود اسے دیکھنے لگا۔ اسے امام سے اس سوال کی توقع نہیں تھی۔ "آپ کو میری بات بری لگی ہے؟"

جلال دم بخود اسے دیکھنے لگا۔ اسے امام سے اس سوال کی توقع نہیں تھی۔ "آپ کو میری بات بری لگی ہے؟"

امام نے اسے گم سم و کچ کر پوچھا۔ وہ ایک دم جیسے ہوش میں آ گیا۔

"نہیں دایا نہیں ہے۔" اس نے بے اختیار کہا۔ "یہ سوال مجھے تم سے کرنا چاہئے تھا۔ تم مجھ سے شادی کرو گی؟"

"ہاں۔" امام نے بڑی سہولت سے کہا۔

"اور آپ؟"

"میں..... میں..... ہاں، آف کورس۔ تمہارے علاوہ میں اور کس سے شادی کر سکتا ہوں۔" اس نے اپنے جھلے پر امام کے چہرے پر ایک چمک آتے دیکھی۔

"میں باؤس جاب فتم ہونے کے بعد اپنے والدین کو تمہارے ہاں بھجواؤں گا۔"

وہ اس بار جواب میں کچھ کہنے کے بجائے چپ سی ہو گئی۔ "جلال! کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ میں آپ سے اپنے گھر والوں کی مرضی کے بغیر شادی کر لوں؟"

جلال اس کی بات پر ہکا بکا رہ گیا۔ "کیا مطلب؟"

"جو سکتا ہے میرے پیڑھس اس شادی پر چارہ ہوں۔"

"کیا تم نے اپنے پیڑھس سے بات کی ہے؟"

"جی نہیں۔"

"تو پھر تم یہ بات کیسے کہہ سکتی ہو؟"

"بچوں میں اپنے پیڑھس کو اچھی طرح جانتی ہوں۔" اس نے رندایت سے کہا۔

جلال یک دم کچھ پریشان نظر آنے لگا۔ "امام! میں نے کبھی یہ سوچا ہی نہیں کہ تمہارے پیڑھس کو ہم دونوں کی شادی پر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ ایسا نہیں ہو گا۔"

"مگر ایسا ہو سکتا ہے۔ آپ مجھے صرف یہ بتائیں کہ کیا آپ اس صورت میں مجھ سے شادی کر لیں گے؟"

جلال کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔ امام اضطراب کے عالم میں اسے دیکھتی رہی۔ کچھ دیر بعد جلال نے اپنی خاموشی کو توڑا۔

"ہاں، میں تب بھی تم ہی سے شادی کر دوں گا۔ میرے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ میں اب کسی دوسری

بڑی سے شادی کر سکوں۔ میں کوشش کروں گا کہ تمہارے جیٹس اس شادی پر رضامند ہو جائیں لیکن اگر وہ نہیں ہوتے تو پھر ہمیں ان کی مرضی کے بغیر شادی کرنی ہوگی۔"

"کیا آپ کے جیٹس اس بات پر رضامند ہو جائیں گے؟"

"ہاں، میں انہیں منالوں گا۔ وہ میری بات نہیں لاتے۔" جلال نے فخریہ انداز سے کہا۔

☆.....☆.....☆

وہ چلو کی آواز پر بٹھا۔ اس سے چند قدم کے فاصلے پر سالار کھڑا تھا۔ وہ اپنے اسی بے ڈھنگے طبع میں تھوڑی شرت کے سارے جن بکھلے ہوئے تھے اور وہ خود بخود کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑے تھا۔ ایک لمحہ کے لئے امام کی آنکھ میں نہیں آیا کہ وہ کس طرح کے رویے کا اظہار کر رہا ہے۔

سالار کے ساتھ جیور بھی تھا۔

"آؤ، اس لڑکی سے ملنا ہوں تمہیں۔" سالار نے امام کو کتابوں کی دکان پر دیکھا تو قریب چلا آیا۔

جیور نے گروہی موڈ کر دیا اور جہرائی سے کہا۔ "اس جادو والی سے؟"

"ہاں۔" سالار نے قدم بڑھائے۔

"یہ کون ہے؟" جیور نے پوچھا۔

"یہ وہیم کی بہن ہے۔" سالار نے کہا۔

"وہیم کی؟ مگر تم اس سے کیوں مل رہے ہو؟ وہیم اور اس کی فیملی تو خاصی گھڑ روڑ ہے۔ اس سے مل کر کیا کرو گے؟" جیور نے امام پر دودھ سے ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"جہلی باؤ نہیں مل رہا ہوں، پہلے بھی مل چکا ہوں، بات کرنے میں کیا حرج ہے؟" سالار نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔

امام نے میگزین ہاتھ میں پکڑے پکڑے ایک نظر سالار اور ایک نظر اس کے ساتھ کھڑے لڑکے کو دیکھا جو تقریباً سالار جیسے ہی چلے میں تھا۔

"ہاؤ آریو؟" سالار نے اسے اپنی طرف متوجہ دیکھ کر کہا۔

"فائن۔" امام نے میگزین بند کرتے ہوئے اسے دیکھا۔

"یہ جیور ہے وہ ہم سے اس کی بھی خاصی دوستی ہے۔" سالار نے تعارف کر لیا۔

امام نے ایک نظر جیور کو دیکھا پھر ہاتھ کے اشارے سے شاہنگ سینٹر کے ایک حصے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہیم وہاں ہے۔"

سالار نے گردن موڑ کر اس طرف دیکھا جس طرف اس نے اشارہ کیا تھا اور پھر کہا۔

"وہیم وہیم سے ملنے تو نہیں آئے۔"

"تو؟" امام نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ سے بات کرنے آئے ہیں۔"

"مگر میں تو آپ کو نہیں جانتی پھر آپ مجھ سے کیا بات کرنے آئے ہیں؟"

امام نے سرد مہری سے کہا۔ اسے سالار کی آنکھوں سے وحشت ہونے لگی تھی۔ کاش یہ کبھی سے نظر ہٹا کر بات کرنا سیکھ لیتا، خاص طور پر کسی لڑکی سے۔ اس نے میگزین دوبارہ کھول لیا۔

"آپ مجھے نہیں جانتیں؟" سالار مذاق اڑانے والے انداز میں ہنسا۔ "آپ کے گھر کے ساتھ

ہی میرا گھر ہے۔"

"یقیناً ہے مگر میں آپ کو "باقی" طور پر نہیں جانتی۔" اس نے اسی دیکھائی کے ساتھ میگزین پر

نظریں جمائے ہوئے کہا۔

"چند ماہ پہلے آپ نے ایک رات میری جان چھائی تھی۔" سالار نے مذاق اڑانے والے انداز میں

اسے یاد دلایا۔

"میں نیکل کے اسٹوڈنٹ ہونے کی حیثیت سے یہ میرا فرض تھا۔ میرے سامنے کوئی بھی سر دیا

ہوتا، میں نہیں کرتی۔ اب مجھے ایکسچو ڈکریں میں کچھ مصروف ہوں۔"

سالار اس کے کہنے کے باوجود اس سے مس نہیں ہوا۔ جیور نے اس کے بازو کو ہولے سے پکڑ کر

اسے چلنے کا اشارہ کیا۔ اسے شاید وہیم کے حوالے سے امام کا لٹلا ہوا گھر سالار کے لیے ہارڈ چھڑا لیا۔

"میں اس رات آپ کی مدد کے لئے آپ کا شکر یہ لیا کرتا چاہتا تھا، حالانکہ آپ نے مجھے

بہ فیشنل طریقے سے فریڈنٹ نہیں دیا تھا۔"

اس بار سالار نے سنجیدگی سے کہا۔ امام نے اس کی بات پر میگزین سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا۔

"آپ کا اشارہ اگر اس تھپڑ کی طرف ہے تو ہاں وہ بالکل بہ فیشنل نہیں تھا اور میں اس کے لئے

معذرت کرتی ہوں۔"

"میں نے اسے مارنا نہیں کیا، میرا اشارہ اس طرف نہیں تھا۔" سالار نے لاپرواہی سے کہا۔

"مجھے تو یقین تھی کہ آپ تھپڑ کو مارنا ہی نہیں کریں گے۔" (کیونکہ اسی کے سچے تھے اور ایک نہیں

اس کا اس نے جھٹکا آدھا صدمہ منبھ کر لیا۔

"دیکھئے آپ کا اشارہ کس طرف تھا؟"

"بے حد بھر پور اس طریقے سے بیڑنگائی تھی آپ نے میری اور آپ کو ہر دو طریقے سے بلڈ پریشر

تک چیک کرنا نہیں آجئے؟ سالار نے لاپرواہی سے کہتے ہوئے خود کی ایک اسٹک اپنے منہ میں ڈال لی۔

امام کے کان کی ٹوئیں سرخ ہو گئیں۔ وہ ٹپکس جھپکائے بغیر اسے دیکھتی رہیں۔

"اٹھوس ناک بات ہے کہ ایک ڈاکٹر کو ایسے معمولی کام نہ آتے ہوں جو کسی بھی عام آدمی کو آتے ہیں۔"

اس بار اس کا انداز پھر نہ بن اڑانے والا تھا۔

"میں ڈاکٹر نہیں ہوں، میڈیکل کے ابتدائی سالوں میں ہوں، پہلی بات اور جہاں تک unprofessional ہونے کا تعلق ہے تو ابھی اس طرح کی کئی کوششیں کرتی ہیں۔ میں آہستہ آہستہ آپ پر پریکٹس کر کے اپنا اٹھ صاف کروں گی۔"

ایک لمحہ کے لئے وہ کچھ نہیں بول سکا پھر اس کے چہرے پر مسکراہٹ ابھری۔ یوں جیسے وہ اس کی بات پر محظوظ ہوا تھا مگر شرمندہ نہیں اور اس نے اس کا اظہار بھی کر دیا۔
"اگر آپ مجھے شرمندہ کرنے کی کوشش....."

"کوشش کر رہی ہیں تو آپ اس میں ناکام ہوں گی۔ میں جانتی ہوں، آپ شرمندہ نہیں ہوتے، یہ صفت صرف انسانوں میں ہوتی ہے۔" امام نے اس کی بات کاٹ دی۔

"آپ کے خیال میں، میں کیا ہوں؟" سالار نے اسی انداز میں کہا۔

"پتا نہیں، ایک ایسا بارے میں آپ کو زیادہ بہتر جاننا پڑے گا۔" وہ اس بار اس کی بات پر ہنسنا۔
"دو چیزوں پر ہنسنے والے چادر کو ہر میڈیکل یا شستری انسان کہتی ہے اور میں دو چیزوں پر چلتا ہوں۔"
"تو بچے سے لے کر کتے تک ہر چار چیزوں والا چادر دو چیزوں پر چل سکتا ہے۔ اگر اسے ضرورت پڑے یا اس کا دل چاہے تو۔"

"مگر میرے چار چیز نہیں ہیں اور میں صرف ضرورت کے وقت نہیں، ہر وقت ہی دو چیزوں پر چلتا ہوں۔" سالار نے عجیب سے انداز میں اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ کی خوش قسمتی ہے کہ آپ کے چار چیز نہیں ہیں، اسی لئے میں نے آپ کو یہ بتا دیا ہے۔ وہ آپ کو آپ کی خصوصیات کے بارے میں صحیح طرح بتا سکے گا۔"
امام نے سر آواز میں کہا، وہ اسے ذبح کر کے میں واقعی کا میاب ہو چکا تھا۔

"وہیسنے چھی اچھی طرح سے آپ چادروں کے بارے میں جانتی ہیں، آپ ایک بہت اچھی اور ثابت ہو سکتی ہیں۔ آپ کے علم سے خاصا متاثر ہوا ہوں میں۔" امام کے چہرے کی سری میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ اگر آپ میری بہن جانی ہیں تو میں آپ کے بتانے ہوئے مشورے کے مطابق آپ ہی کے پاس آیا کروں گا تاکہ آپ میرے بارے میں دیکھ سکیں کہ مجھے بتائیں۔"

سالار نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ وہ اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہہ سکی، صرف اسے دیکھ کر رہ گئی۔ وہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہی متاثر تھا اور ایسے محض کے ساتھ لمبی گفتگو کرنا آہل مجھے بار

کے مزاحیہ تھا اور وہ یہ صاف کر چکی تھی۔

"وہیسنے آپ کیا نہیں چارج کریں گی؟" وہ بڑی سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"یہ دیکھیں آپ کو بتا دے گا۔" امام نے اس بار اسے دھمکانے کی کوشش کی۔

"پلیس ٹھیک ہے، یہ میں دیکھوں گا۔ اس طرح تو خاصی آسانی ہو جائے گی۔"

وہ اس کی جھکی کو سمجھنے کے باوجود مرموب نہیں ہوا اور اس نے امام کو یہ بتا بھی دیا۔ تیمور نے ایک بار پھر اس کا بازو پکڑ لیا۔

"آؤ سالار اچھے ہیں، مجھے ایک ضروری کام یاد آ رہا ہے۔" اس نے کثرت کے عالم میں سالار کو اپنے ساتھ تقریباً گھیننے کی کوشش کی مگر سالار نے توجہ نہیں دی۔

"چلتے ہیں بار اس طرح کچھ تو مت۔" وہ اس سے کہتے ہوئے ایک بار پھر امام کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"بہر حال یہ سب مذاقی تھا۔ میں واقعی آپ کا شکر یہ ادا کرنے آیا تھا۔ آپ نے اور دیکھنے کا کافی مدد کی میری، گڈ بائے۔"

وہ کہتے ہوئے واپس مڑ گیا۔ امام نے بے اختیار ایک سکون کا سانس لیا۔ وہ محض واقعی کر چکا تھا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ دیکھ بھینٹیں کیسے اس آدمی کے ساتھ دوسری دیکھ سکتا ہے۔

وہ ایک بار پھر میگزین کے ورق اٹھنے لگی۔ "سالار آیا تھا تمہارے پاس؟" وہ دیکھنے کے پاس آکر پوچھا۔ دور سے سالار اور تیمور کو دیکھ لیا تھا۔

"ہاں۔" امام نے ایک نظر اسے دیکھا اور ایک بار پھر میگزین دیکھنے لگی۔

"کیا تمہارا تھا؟" وہ دیکھنے کے کچھ جھنجھ سے پوچھا۔

"مجھے حیرت ہوتی ہے کہ تم نے اس جیسے شخص کے ساتھ دوستی کس طرح کر لی ہے۔ میں نے ذہنی میں اس سے زیادہ بے ہودہ اور بد فیئر لڑکا نہیں دیکھا۔" امام نے اگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میرا شکر یہ ادا کروں گا اور ساتھ ساتھ مجھے کہہ رہا تھا کہ مجھے جینا تک ٹھیک طرح سے کرنی نہیں آتی، نہ میں ہلکے پر پیر چیک کر سکتی ہوں۔"

وہ دیکھنے کے چہرے پر مسکراہٹ آئی۔ "اس کو ذبح کر دو، یہ عقل سے پہل ہے۔"

"میرا دل تو چادر ہا تھا کہ میں اسے دو ہاتھ اور لگاؤں، اس کے ہوش لٹکانے آ جائیں۔ ہلکے اٹھا کر اپنے دوست کو ملے کر تلک کیا ہے یہاں۔" بھی اس نے کہا ہے تم سے شکر یہ ادا کرنے کو اور مجھے تو وہ دو سر لڑکا بھی خاصا برا لگا اور وہ کہہ رہا تھا کہ تمہاری اس کے ساتھ بھی دوستی ہے۔" امام کو اچانک یاد آیا۔

"دوستی تو نہیں، میں جان پہچان ہے۔" وہ دیکھنے نے وضاحت پیش کی۔ "تمہیں ایسے لڑکوں کے

ساتھ جان پہچان رکھنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ حلیہ دیکھا تم نے ان دونوں کا۔ نہ انہیں بات کرنے کی تیز فہمی نہ لباس پہننے کا حلیہ اور نہ انہی کا شکریہ ادا کرنے آگئے ہیں۔ بہر حال تم اس سے مکمل طور پر قطع تعلق کر لو، کوئی ضرورت نہیں ہے اس طرح کے ملاکوں سے جان پہچان کی بھی نہیں۔

امام نے میزکون رکھتے ہوئے ایک بار پھر اسے سمجھ کی اور پھر باہر جانے کے لئے قدم بڑھا دیے۔ وہیم بھی اس کے ساتھ چلے گئے۔

مگر میں ایک بات پر حیران ہوں یہ جس حالت میں تھا اسے یہ کیسے یاد ہے کہ میں نے اس کی میزکون ابھی نہیں کی تھی یا بلڈ پریشر لینے میں مجھے وقت ہو رہی تھی۔ امام نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”بہن! یہ سمجھ رہی تھی کہ یہ ایسے ہی ہاتھ پاؤں جھٹک رہا ہے۔ مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ اپنے ارد گرد دوڑنے والی چیزوں کو بھی observe کر رہا ہے۔“

”جیسے میزکون واقعی خراب کی تھی تم نے اور اگر میں تمہاری مدد نہ کرتا تو۔۔۔ بلڈ پریشر کی ریلنگ بھی تمہیں لہا نہیں آتی۔ کم از کم اس بارے میں وہ جو بھی کہہ رہا تھا ٹھیک کہہ رہا تھا۔“ وہیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں مجھے پتا ہے۔“ امام نے اعتراف کرنے والے انداز میں کہا۔ ”مگر میں اس وقت بہت نرس تھی۔ میں پہلی بار اس طرح کی صورت حال کا شکار ہوئی تھی پھر اس کے ہاتھ سے ننگے والا خون مجھے اور خوف زدہ کر رہا تھا اور ادھر سے اس کا رویہ کسی خود کشی کرنے والے انسان کو اس طرح کی حرکتیں کرتے نہیں دیکھا تھا میں نے۔“

”اور تم ڈاکٹر بننے چاہتی ہو، وہ بھی ایک قابل اور نامور ڈاکٹر ناقابل یقین۔“ وہیم نے تبصرہ کیا۔ ”اب کم از کم تم اس طرح کی باتیں مت کرو۔“ امام نے احتجاج کیا۔ ”میں نے اس لئے تمہیں یہ سب نہیں بتایا کہ تم مذاقی اذات وہ لوگ پارکنگ ایریا میں پہنچ گئے تھے۔“

☆ ☆ ☆

کچھ وقتوں سے وہ جلال اور زینب کے رویے میں عجیب سی تبدیلی دیکھ رہی تھی۔ وہ دونوں اس سے بہت اکٹھے رہنے لگے تھے۔ ایک عجیب سا تناؤ تھا، جو وہ اپنے اور ان کے درمیان محسوس کر رہی تھی۔

اس نے ایک دو بار جلال کو ہاسٹل فون کیا، مگر ہر بار اسے یہی جواب ملا کہ وہ مصروف ہے۔ وہ زینب کو اگر کالج سے لینے بھی آتا تو پہلے کی طرح اس سے نہیں ملتا تھا اور اگر ملتا بھی تو صرف وہی سی علیحدگی کے بعد واپس چلا جاتا۔ وہ شروع میں اس تبدیلی کو اپنا وہم سمجھتی رہی مگر پھر زیادہ پریشان ہونے پر وہ ایک دن جلال کے ہاسٹل چلی آئی۔

جلال کا رویہ بے حد سرد تھا۔ امام کو دیکھ کر اس کے چہرے پر مسکراہٹ تک نہیں آئی تھی۔ ”کھانی دن ہو گئے تھے ہمیں ملے ہوئے، اس لئے میں خود چلی آئی۔“ امام نے اپنے سارے اندیشوں کو جھٹکے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”میری فوری ضرورت ہو رہی ہے۔“

امام نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ ”زیادہ بتا رہی تھی کہ اس وقت آپ کی شفٹ ختم ہوتی ہے، لیکن اسی لئے اس وقت آئی ہوں۔“

وہ ایک لمحہ کے لئے خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ ”ہاں سچ ہے مگر آج میری کوئی اور مصروفیت ہے۔“ وہ اس کا منہ دیکھ کر رہ گئی۔ ”جلال! آپ کسی وجہ سے مجھ سے ناراض ہیں؟“ ایک لمحے کے توقف کے بعد اس نے کہا۔

”نہیں، میں کسی سے ناراض نہیں ہوں۔“ جلال نے اسی رکھائی سے کہا۔

”کیا آپ دس منٹ باہر آکر میری بات سن سکتے ہیں؟“

جلال کچھ دیر اسے دیکھا، پھر اس نے اپنا اور آل اپنے باڈی پر ڈال لیا اور کچھ کپے بغیر کمرے سے باہر نکل آیا۔

باہر آتے ہی جلال نے اپنی دست و پاؤں پر ایک نظر دوڑائی۔ یہ شاید اس کے لئے بات شروع کرنے کا اشارہ تھا۔ ”آپ میرے ساتھ اس طرح میں لی جیو کیوں کر رہے ہیں؟“

”کیا مسئلہ ہے؟“ جلال نے اکٹھے انداز میں کہا۔

”آپ بہت لمحوں سے مجھے اگود کر رہے ہیں۔“

”ہاں، کر رہا ہوں۔“

امام کو توقع نہیں تھی کہ وہ اتنی مددائی سے اس بات کا اعتراف کرے گا۔

”کیونکہ میں تم سے ملنا نہیں چاہتا۔“ وہ کچھ لمحوں کے لئے کچھ نہیں بولی تھی۔ ”کیوں؟“

”یہ بتانا ضروری نہیں ہے۔“ اس نے وہی طرح اکٹھے انداز میں کہا۔

”میں جاننا چاہتی ہوں کہ آپ کا رویہ یک دم کیوں تبدیل ہو گیا ہے۔“ کوئی نہ کوئی وجہ تو ہوگی اس کی۔ ”امام نے کہا۔

”ہاں وجہ ہے مگر میں تمہیں بتانا ضروری نہیں سمجھتا۔ بالکل اسی طرح جس طرح تم بہت سی باتیں مجھے بتانا ضروری نہیں سمجھتی۔“

”میں؟“ وہ اس کا منہ دیکھنے لگی۔ ”میں نے کون سی باتیں آپ کو نہیں بتائیں؟“

”یہ کہ تم مسلمان نہیں ہو۔“ جلال نے بڑے سچے لہجے میں کہا۔ امام سانس تک نہیں لے سکی۔

”کیا تم نے یہ بات مجھ سے چھپائی نہیں؟“

”جلال! میں بتانا چاہتی تھی۔“ اما نے بھست خور وہ انداز میں کہا۔

”چاہتی تھیں۔۔۔۔۔ مگر تم نے بتایا تو نہیں۔۔۔۔۔ دھوکا دینے کی کوشش کی تم نے۔“

”جلال! میں نے آپ کو دھوکا دینے کی کوشش نہیں کی۔“ اما نے جیسے احتجاج کیا۔ ”میں آپ کو

کیوں دھوکا دوں گی؟“

”مگر تم نے کیا یہی ہے۔“ جلال نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔

”جلال! میں۔۔۔۔۔“ جلال نے اس کی بات کاٹ دی۔

”تم نے جان بوجھ کر مجھے ٹریپ کیا۔“ اما نے کی آنکھوں میں آنسو آجائے۔

”ٹریپ کیا؟“ اس نے زیر لب جلال کے لفظوں کو دہرایا۔

”تم جانتی تھیں کہ میں اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق کرتا ہوں۔“

وہ کھست خور وہ انداز میں اسے دیکھتی رہی۔

”شادی خود روز کی بات ہے۔ اب جب میں تمہارے بارے میں سب کچھ جان گیا ہوں تو میں تم سے

کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتا۔ تم وہ بارہ مجھ سے لٹنے کی کوشش مت کرنا۔“ جلال نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

”جلال! میں اسلام قبول کر چکی ہوں۔“ اما نے دم آواز میں کہا۔

”اودھم کم آن۔“ جلال نے حقیر آمیز انداز میں اپنا ہاتھ جھٹکا۔ ”یہاں کھڑے کھڑے تم نے میرے

لئے اسلام قبول کر لیا۔“ اس بار وہ مذاق اڑانے والے انداز میں بڑھا۔

”جلال! میں آپ کے لئے مسلم نہیں ہوئی۔ آپ میرے لئے ایک ذریعہ ضرور بنے ہیں، مجھے کئی

ماہ ہو گئے ہیں اسلام قبول کے اور اگر آپ کو میری بات پر یقین نہیں ہے تو میں آپ کو ثبوت دے سکتی

ہوں۔ آپ میرے ساتھ چلیں۔“

اس بار جلال کچھ اچھے ہوئے انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

”میں مانتی ہوں میں نے آپ کی طرف پیش قدمی خود کی۔ آپ کے بقول میں نے آپ کو ٹریپ

کیا۔ میں نے ٹریپ نہیں کیا۔ میں صرف بے بس تھی۔ آپ کے معاملے میں مجھے خود پر قابو نہیں رہتا

تھا۔ آپ کی آواز کی وجہ سے، آپ جانتے ہیں میں نے آپ کو بتایا تھا میں نے پہلی بار آپ کو نصرت پڑھتے

سنا تو میں نے کیا محسوس کیا تھا۔ آپ کو اگر میرے بارے میں پہلے عیاں یہ سب کچھ پتہ چل جاتا تو آپ

میرے ساتھ یہی سلوک کرتے جواب کر رہے ہیں۔ مجھے صرف اس بات کا اندیشہ تھا جس کی وجہ

سے میں نے آپ سے بہت کچھ چھپائے رکھا۔ بعض باتوں میں انسان کو اپنے اوپر اختیار نہیں ہوتا۔ مجھے

بھی آپ کے معاملے میں خود کوئی اختیار نہیں ہوتا۔“

اس نے دیکھ دی تھی۔

”تمہارے گھر والوں کو اس بات کا پتا ہے؟“

”نہیں۔ میں انہیں نہیں بتا سکتی۔ میری منگنی ہو چکی ہے۔ میں نے آپ کو اس بارے میں بھی نہیں

بتایا۔“ وہ ایک لمحہ کے لئے رکی۔ ”مگر میں وہیں شادی نہیں کرنا چاہتی۔ میں آپ سے شادی کرنا چاہتی

ہوں۔ میں صرف اپنی تعلیم مکمل کرنے کا انتظار کر رہی ہوں۔ جب میں اپنے جیروں پر کھڑی ہو جاؤں گی

اور پھر میں آپ سے شادی کروں گی۔“

”چار پانچ سال بعد جب میں ڈاکٹر بن جاؤں گی تو شاید میرے جی نہیں آپ سے میری شادی پر اس

طرح اعتراض نہ کریں جس طرح وہ اب کریں گے۔ اگر مجھے یہ خوف نہ ہو کہ وہ میری تعلیم ختم کروا کر

میری شادی احمد سے کر دیں گے تو شاید میں انہیں ابھی اس بات کے بارے میں بتا دیتی کہ میں اسلام

قبول کر چکی ہوں مگر میں ابھی چاروی طرفوں پر ڈچینڈت ہوں۔ میرے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ آپ

وہ واحد راستہ تھے جو مجھے نظر آیا۔ مجھے واقعی آپ سے محبت ہے پھر میں آپ کو شادی کی پیشکش نہ کرتی تو

اور کیا کرتی آپ اس صورت حال کا اندازہ نہیں کر سکتے جس کا سامنا میں کر رہی ہوں۔۔۔۔۔ میری جگہ پر

ہوتے تو آپ کو اندازہ ہوتا کہ میں جھوٹ بولنے کے لئے کتنی مجبور ہو گئی تھی۔“

جلال کچھ کہے بغیر پاس موجود کھڑکی کے بیچ پر بیٹھ گیا وہ اب پریشان نظر آ رہا تھا۔ اما نے اپنی

آنکھیں پونچھ لیں۔

”کیا آپ کے دل میں میرے لئے کچھ بھی نہیں ہے؟ صرف اس لئے ساتھ اٹھائیں،

کیونکہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں؟“

جلال نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اس سے کہا۔

”اما! اپنے چاہا۔۔۔۔۔ پورا اپنا ذرا پاس مکمل کیا ہے میرے سامنے۔ اگر میں تمہاری صورت حال

کا اندازہ نہیں کر سکتا تو تم بھی میری پریشانی کو نہیں سمجھ سکتیں۔“

اما اس سے کچھ غافلے پر نہ تھی بیچ پر بیٹھ گئی۔

”میرے والدین کبھی غیر مسلم لڑکی سے میری شادی نہیں کریں گے۔ قطع نظر اس کے کہ میں

اس سے محبت کرتا ہوں یا نہیں۔“

”جلال! میں غیر مسلم نہیں ہوں۔“

”تم اب نہیں ہو مگر پہلے تو تھیں اور پھر تمہارا خاندان۔“

”میں ان دونوں چیزوں کے بارے میں کچھ نہیں کر سکتی۔“ اما نے بے بسی سے کہا۔

جلال نے جواب میں کچھ نہیں کیا کچھ دیر دونوں خاموش رہے۔

"کیا آپ اپنے جراثیم کی مرضی کے بغیر مجھ سے شادی نہیں کر سکتے؟" مجھ پر بعد امام نے کہا۔
 "یہ بہت بڑا قدم ہو گا۔" جلال نے لمبی سانس لیتے ہوئے کہا۔ "اور بالآخر میں یہ کام کرنے کا
 سوچ لوں تو بھی نہیں ہو سکتا۔ تمہاری طرف میں بھی اپنے جراثیم پر قبضہ نہ ہوں۔" جلال نے اپنی
 جھوٹی ہانسی۔

"مگر آپ ہاؤس جاب کر رہے ہیں اور چند سالوں میں امتیاز ہو جائیں گے۔" امام نے کہا۔
 "میں ہاؤس جاب کے بعد امتیاز نہیں کے لئے باہر جانا چاہتا ہوں اور یہ میرے جراثیم کی مالی
 مدد کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ امتیاز نہیں کے بعد ہی میں وہاں آکر اپنی پرنسپل امتیاز کر سکتا ہوں اور
 تین چار سال اپنی اسٹیڈیٹم کرنے میں بھی لگ جائیں گے۔"

جلال نے اسے یاد دلایا۔

"پھر؟" امام نے اسے مایوسی سے دیکھا۔

"پھر یہ کہ مجھے سوچنے کا وقت دو۔ شاید میں کوئی دوسرا کمال سکوں، میں جنہیں چھوڑنا نہیں چاہتا
 مگر میں اپنا کیریئر بھی خراب نہیں کر سکتا۔ میرا پر اہم صرف یہ ہے کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے جو کچھ
 ہے ماں باپ کا ہے اور وہ اپنی ساری حق پر غصی مجھ پر خرچ کر رہے ہیں یہ سوچ کر کہ میں کئی کوان کے لئے
 کچھ کروں گا۔"

وہ بات کرتے کرتے رکا۔ "کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تمہارے والدین اپنی مرضی سے تمہاری شادی
 مجھ سے کر دیں۔ اس صورت میں کم از کم میرے والدین کو یہ اعتراض تو نہیں ہو گا کہ تم نے اپنے والدین
 کی مرضی کے خلاف انہیں بتائے بغیر مجھ سے شادی کی ہے؟"

وہ جلال کا چہرہ دیکھنے لگی۔ "میں نہیں جانتی۔۔۔۔۔ ایسا ہو سکتا ہے یا نہیں۔ میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتی۔
 وہ میری بات مانیں گے یا نہیں۔ میں۔۔۔۔۔ امام نے کچھ مایوسی کے عالم میں بات اور عروسی چھوڑ دی۔
 جلال بات مکمل ہونے کا انتظار کر رہا۔

"میری فیملی میں آج تک کسی لڑکی نے اپنی مرضی سے باہر کسی لڑکے سے شادی نہیں کی۔ اس لئے
 میں یہ نہیں بتا سکتی کہ ان کا رد عمل کیا ہو گا مگر میں یہ ضرور بتا سکتی ہوں کہ ان کا رد عمل بہت برا ہو گا۔
 بہت برا۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں لیکن مجھے یہ اجازت نہیں دے سکتے کہ میں اتنا بڑا قدم اٹھاؤں۔
 آپ کو اندازہ ہونا چاہئے کہ میرے باپ کو کتنی شرمندگی اور بے عزتی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ صرف میرے
 لئے تو وہ سب کچھ نہیں بدل دیں گے۔

"مگر مجھے اپنی فیملی سے مدد کی توقع ہوتی تو میں گھر سے باہر سہاروں کی تلاش میں ہوتی۔ یہی
 آپ سے اس طرح عدوانگ دہی ہوئی۔"

مجھے لگے میں اپنی لڑکی لڑکش پر قابو پاتے ہوئے اس نے جلال سے کہا۔
 "امام! میں تمہاری مدد کروں گا۔۔۔۔۔ میرے جراثیم میری بات نہیں مانیں گے۔ سمجھانے میں
 کچھ وقت لگے گا مگر میں تمہاری مدد کروں گا۔ میں انہیں مثالوں کا۔ تم ٹھیک کہتی ہو کہ مجھے تمہاری مدد
 کرنی چاہئے۔"

وہ پر سوچ مگر کچھ اچھے ہوئے انداز میں اس سے کہہ رہا تھا۔ امام کو عجیب سی ڈھارس ہوتی۔ اسے
 جلال سے یہی توقع تھی۔

امام نے سوچا۔ "خیر! انتخاب غلط نہیں ہے۔"

☆.....☆.....☆

باب ۳

"بیرہ اشقائے تجویر اسجد کے علاوہ کسی دوسرے کی جوی نہیں سکتی۔ اسے احساس نہیں ہے کہ ابھی میں پڑھ رہی ہوں۔" امام نے اپنی بھابی سے کہا۔

"نہیں اسجد نے یا اس کے گھر والوں نے ایسا کوئی مطالبہ نہیں کیا بلکہ خود شادی کرنا چاہ رہے ہیں۔" امام کی بھابی نے رساتیت سے جواب دیا۔

"بابا نے کہا ہے؟ مجھے یقین نہیں آ رہا۔ جب میں نے میڈیکل میں ایم ایٹیشن لیا تھا تب ان کا دور دور تک ایسا کوئی خیال نہیں تھا۔ وہ تو انگلی اعظم سے بھی سبکی کہتے تھے کہ وہ میرے ہاؤس چاہ کے بعد ہی میری شادی کریں گے۔ پھر اب اچانک کیا ہوا؟" امام نے بے یقینی سے کہا۔

"کوئی دباؤ تو کچھ مگر مجھے تو ای نے یہی بتایا تھا کہ یہ خود بابا کی خواہش ہے۔" بھابی نے کہا۔

"آپ انہیں بتادیں کہ مجھے ہاؤس چاہ سے پہلے شادی نہیں کرنی۔"

"ٹھیک ہے میں تمہاری بات ان تک پہنچا دوں گی مگر بھڑے تم اس مسئلے میں خود بابا سے بات کرو۔" بھابی نے اسے مشورہ دیا۔

بھابی کے کمرے سے جانے کے بعد بھی وہ کچھ پریشان تھی۔ یہ اطلاع اتنی اچانک اور غیر متوقع تھی کہ اس کے پیروں کے نیچے سے محاورے ناگہان حقیقتاً زمین اگل گئی تھی۔ وہ مطمئن تھی کہ اس کی ہاؤس چاہ تک اس کی شادی کا مسئلہ زیر بحث نہیں آئے گا اور ہاؤس چاہ کرنے کے بعد وہ اس کا قائل ہو جائے گی کہ خود کو سپورٹ کر سکے یا اپنی جلال سے شادی کے بارے میں فیصلہ کر سکے۔ جب تک جلال بھی اپنی ہاؤس چاہ مکمل کر کے بیٹ ہو جاتا اور ان دونوں کے لئے کسی قسم کا کوئی مسئلہ کھڑا نہیں ہو تا مگر اب اچانک اس کے گھر والے اس کی شادی کی بات کر رہے تھے۔ آخر کیوں؟

"نہیں اسجد اور اس کے گھر والوں نے مجھ سے اس طرح کا کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ میں نے خود ان سے بات کی ہے۔"

اس رات وہ ہاشم حسین کے کمرے میں موجود تھی۔ اس کے استفسار پر ہاشم حسین نے بڑے اطمینان کے ساتھ کہا۔

"بات بھی کرتی ہے؟ بابا! آپ مجھ سے پوچھ لیں کسی طرح میری شادی اور چکر سکتے ہیں۔" امام نے بے یقینی سے کہا۔

ہاشم حسین نے کچھ سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ "یہ نسبت تمہاری مرضی سے ہی ملے ہوئی تھی۔ تم سے پوچھا گیا تھا۔" انہوں نے جیسے اسے یاد دہانی کروائی۔

"معتفی کی بات اور تھی۔ شادی کی بات اور ہے..... آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ ہاؤس چاہ سے پہلے آپ میری شادی نہیں کریں گے۔" امام نے انہیں ان کا وعدہ یاد دلایا۔

"تمہیں اس شادی پر اعتراض کیوں ہے۔ کیا تم اسجد کو پسند نہیں کرتیں؟"

"بات پسند یا نا پسند کی نہیں ہے۔ اپنی تعلیم کے دوران میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔ آپ ابھی طرح جانتے ہیں کہ میں آئی ایس سی لٹریٹ بننا چاہتی ہوں۔ اس طرح آپ میری شادی کر دیں گے تو میرے تو سارے خواب ادھورے رہ جائیں گے۔"

"بہت سی لڑکیاں شادی کے بعد تعلیم مکمل کرتی ہیں۔ تم اپنی جگہ میں دیکھو۔" معتفی۔

ہاشم حسین نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

امام نے ان کی بات کاٹ لی۔ "وہ لڑکیاں بہت کم ہیں اور قابل ہوتی ہوں گی۔ میں نہیں ہوں۔ میں ایک وقت میں ایک ہی کام کر سکتی ہوں۔"

"میں اعظم بھابی سے بات کر چکا ہوں وہ تو تیار ہو گئے تھے آئے والے ہیں۔" ہاشم

ان کے دماغ میں جو احساس مل آیا تھا وہ اس کی شادی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اس کی شادی کر دینے سے کم از کم وہ خود امام کی دام و داری سے مکمل طور پر آزاد ہو جائیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اس طرح اچانک اس کی شادی کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"جلال! میرے چرنس امجد سے میری شادی کر دینا چاہتے ہیں۔" لاہور آنے کے بعد امام نے سب سے پہلے جلال سے ملاقات کی تھی۔

"مگر تم تو کہہ رہی تھیں کہ وہ تمہاری پاؤں جاب تک تمہاری شادی نہیں کریں گے۔" جلال نے کہا۔
 "وہ ایسا ہی کہتے تھے مگر اب وہ کہتے ہیں کہ میں اپنی تعلیم شادی کے بعد بھی جاری رکھ سکتی ہوں۔
 امجد لاہور میں گھر لے لے گا تو میں زیادہ آسانی سے اپنی تعلیم مکمل کر سکوں گی۔"

جلال اس کے چہرے سے اس کی پریشانی کا اندازہ کر سکتا تھا۔ جلال بھی ایک دم فکر مند ہو گیا۔
 "جلال! میں امجد سے شادی نہیں کر سکتی۔ میں کسی صورت امجد سے شادی نہیں کر سکتی۔" وہ بوڑھائی۔
 "پھر تم اپنے چرنس کو صاف صاف بتا دو۔" جلال نے ایک دم کسی فیصلے پر پہنچتے ہوئے کہا۔
 "کیا بتاؤں؟"

"یہی کہ تم مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہو۔"
 "آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ وہ کس طرح ری ایکٹ کریں گے..... مجھے انہیں بھر سب کچھ ہی بتانا پڑے گا۔" وہ بات کرتے کرتے ہلکے سو پنے لگی۔

"جلال! آپ اپنے چرنس سے میرے سلسلے میں بات کریں۔ آپ انہیں میرے بارے میں بتائیں۔ اگر میرے چرنس نے مجھ پر اور ہاؤڈالا تو پھر مجھے اپنا گھر چھوڑنا پڑے گا، پھر مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہو گی۔"

"امام! میں اپنے چرنس سے بات کروں گا۔ اور ختم ہو جائیں گے۔ میں جانتا ہوں میں انہیں منا سکتا ہوں۔" جلال نے اسے یقین دلایا پوری گفتگو کے دوران کھلی بار امام کے چہرے پر شکراہٹ ابھری۔
 اگلے چند ہفتے وہ اپنے چرنس کے سلسلے میں مصروف رہی، جلال سے بات نہ ہو سکی۔ آخری بھیجے والے دن امام اسے لینے کے لئے لاہور آ گیا تھا۔ وہ اسے وہاں بول دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"وہم! میں ابھی تو نہیں جاسکتی۔ آج تو میں بھیجے ڈے فارغ ہوئی ہوں مجھے ابھی یہاں کچھ کام ہیں۔"
 "میں کل تک یہیں ہوں۔ اپنے دوست کے ہاں ٹھہر جانا ہوں جب تم تک اپنے کام ختم ہو لو پھر آ سکتے چلیں گے۔" وہم نے اس کے لئے عافیت کا آخری راستہ بھی بند کر دیا۔

"میں چلتی ہوں تمہارے ساتھ۔" امام نے کچھ بے دلی سے فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔ اسے اندازہ تھا کہ وہم اسے ساتھ لے کر ہی جائے گا۔

"تم اپنی چیزیں بیک کر لوں۔ اب تم ساری پھلیاں وہاں گزار کر ہی آنا۔" اسے واپس مڑتے دیکھ کر وہم نے کہا۔

اس نے سر ہلادیا مگر اس کا اپنی تمام چیزیں بیک کرنے یا اسلام آباد میں ساری پھلیاں گزارنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس نے طے کیا تھا کہ وہ چند دن وہاں گزار کر کسی نہ کسی بجائے سے واپس لاہور آ جائے گی اور یہی اس کی غلط فہمی تھی۔

رات کے کھانے پر وہ سب گھر والوں کے ساتھ کھانا کھا رہی تھی اور سب خوش چیموں میں مصروف تھے۔

"بچہ کیسے ہوئے تمہارے؟" ہاشم مبین نے کھانا کھاتے ہوئے اس سے پوچھا۔
 "بہت اچھے ہوئے۔" ہیش کی طرح، اس نے چاول کا پیچ منہ سے ڈالتے ہوئے کہا۔
 "ویری گڈ۔" چلو ازم بھی بڑی ٹینشن ختم ہوئی۔ اب تم کل سے اپنی شاپنگ شروع کر دو۔"
 امام نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔ "شاپنگ؟ کبھی شاپنگ؟"

"فرنیچر کی اور جیولری کے پاس پہلے چلے جانا تم لوگ۔ باقی چیزیں تو آہستہ آہستہ ہوتی رہیں گی۔"
 ہاشم مبین نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اس بار اپنی بیوی سے کہا۔
 "بابا! مگر کس لئے؟" امام نے ایک بار پھر پوچھا۔ "تمہاری امی نے بتایا نہیں تھیں کہ ہم نے تمہاری شادی کی تاریخ طے کر دی ہے۔"

امام کے ہاتھ سے پیچھوٹ کر پیٹ میں جا کر ایک لمحہ میں اس کا رنگ سفید ہو گیا تھا۔
 "میری شادی کی تاریخ؟" اس نے بے یقینی سے باری ہادی سلی اور ہاشم کو دیکھا جو اس کے تاثرات پر حیران نظر آ رہے تھے۔

"ہاں تمہاری شادی کی تاریخ....." ہاشم مبین نے کہا۔
 "یہ آپ کیسے کر سکتے ہیں؟ مجھ سے پوچھئے پھر۔ مجھے بتائے پھر۔" ہوتی چہرے کے ساتھ انہیں دیکھ رہی تھی۔

"تم سے کبھی دھڑ بات ہوئی تھی اس سلسلے میں۔" ہاشم مبین ایک دم سنجیدہ ہو گئے۔
 "اور میں نے انکار کر دیا تھا۔ میں۔"

ہاشم مبین نے اسے بات مکمل نہیں کرنے دی۔ "میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ مجھے تمہارے انکار کی کوئی پروا نہیں ہے۔ میں امجد کے گھر والوں سے بات کر چکا ہوں۔" ہاشم مبین نے حیران آواز میں کہا۔

ڈانٹنگ نیکل پر ایک دم گہری خاموشی چھا گئی تھی کوئی بھی کھانا نہیں کھا رہا تھا۔
 امام یک دم اپنی کرسی سے کھڑی ہو گئی۔ "آئی ایم سوری بابا! مگر میں امجد سے ابھی شادی نہیں کر

تھی۔ آپ نے یہ شادی سٹی کی ہے۔ آپ ان سے بات کر کے اسے ملتوی کر دیں۔ ورنہ میں خود ان سے بات کر لوں گی۔" ہاشم بینک کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"ہاشم! سجدہ سے شادی کر دی اور اسی تاریخ کو جو میں نے سٹی کی ہے۔ تم لے سنا۔" وہ بے اختیار چلائے۔

"Usman fair" امام نے ہمزائی ہوئی آواز میں کہا۔

"تم اب مجھے یہ بتاؤ گی کیا فیصلہ ہے اور کیا نہیں۔ تم بتاؤ گی مجھے؟" ہاشم بینک کو اس کی بات پر اور غصہ آیا۔

"ایسا ادب میں نے آپ سے کیا تھا کہ مجھے ابھی شادی نہیں کرنی تو آپ زبردستی کیوں کر رہے ہیں میرے ساتھ۔" امام بے اختیار رونے لگی۔

"مگر رہا یوں زبردستی پھر میں حق رکھتا ہوں۔" وہ چلائے۔ امام اس بار کچھ کہنے کے بجائے اپنے ہونٹ پیچھے ہوتے سرخ چہرے کے ساتھ تیزی سے ڈانٹک دوس سے گلے لگی۔

"میں اس سے بات کرتی ہوں، آپ پلیز کھانا کھا سکیں تاکہ صدمہ نہ کریں۔" وہ جیذباتی ہے اور سنجیدہ نہیں۔ "سٹلی نے ہاشم بینک سے کہا اور خود وہ اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہو گئیں۔

ان کے کمرے سے نکلے علی و سیم کو دیکھ کر امام بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" نکل جاؤ۔" اس نے تیزی سے و سیم کے پاس جا کر اسے دھکا دینے کی کوشش کی۔ دو پیچھے ہٹ گیا۔

"کیوں؟ میں نے کیا کیا ہے؟"

"جوئے بولی کر اور دھوکا دے کر تم مجھے یہاں لے کر آئے ہو۔ مجھے اگر لاہور میں پتہ چل جاتا کہ تم اس لئے مجھے اسلام آباد لا رہے ہو تو میں بھی یہاں نہ آتی۔" وہ دھماکی سے کہنے لگی۔

"میں نے وہی کیا جو مجھ سے بابا نے کہا تھا میں نہیں کہتاؤں۔" و سیم نے وضاحت پیش کرنے کی کوشش کی۔

"پھر تم یہاں میرے پاس کیوں آئے ہو۔ بابا کے پاس جاؤ۔ ان کے پاس ٹھہرو۔ بس یہاں سے دفع ہو جاؤ۔" و سیم کو ہونٹ پیچھے اسے دیکھتا رہا پھر کچھ کہے جا کرے سے نکل گیا۔

امام اپنے کمرے میں جا کر بند پر بیٹھ گئی۔ اس وقت اس کے جیروں کے نیچے سے صبح سٹوں میں زمین نکل چکی تھی۔ یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کے گھر والے اس کے ساتھ اس طرح کر سکتے ہیں۔ وہ اسے قدرامت پرست یا کٹر نہیں تھے جتنے وہ اس وقت ہو گئے تھے۔ اسے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب اس کے ساتھ ہو رہا تھا۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔ مجھے اس صورت حال کا سامنا کرنا ہے۔ مجھے جستہ نہیں ہارنی۔ مجھے کسی طرح فوری طور پر حالات سے کاٹنا ہے۔ وہ بے اختیار اب تک

اپنے بیڑ میں سے بات کر چکا ہو گا۔ اس سے بات کر کے کوئی نہ کوئی راستہ نکل آئے گا۔

وہ بے چینی سے کمرے میں بیٹھنے لگی۔ سوچتی رہی۔ اس کے کمرے میں دو بارہ کوئی نہیں آیا۔

رات بارہ بجے کے بعد وہ اپنے کمرے سے نکل کر باقی تھی۔ اس وقت تک سب سونے کے لئے جا چکے ہوں گے۔ اس نے حلال کے گھر کا نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا۔ فون کسی نے نہیں اٹھایا۔ اس نے

بکے بعد دیکھ کر کئی بار نمبر دیا۔ آدھ گھنٹہ تک اسی طرح کال کرتے رہے کے بعد اس نے مایوسی سے ساتھ فون رکھ دیا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اب وہ کون فون نہیں کر سکتی تھی۔ وہ وہ فون اس وقت ہاسٹل میں تھیں۔ کچھ

دیر سوچتے رہے کے بعد اس نے سمیٹ کا نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا۔ اس کے والد نے فون اٹھایا تھا۔

"جیٹا! سمیٹ تو پشاور گئی ہے اپنی امی کے ساتھ۔" سمیٹ کے والد نے امام کو بتایا۔

"پشاور؟" امام کے دل کی دھڑکن رک گئی۔

"اس کے کزن کی شادی ہے، دو لوگ ڈرامہ پیلے چلے گئے ہیں۔ میں بھی کئی چلا جاؤں گا۔" اس کے والد نے بتایا۔ "کوئی پیغام ہو تو آپ مجھے دے دیں میں سمیٹ کو پتہ چاؤں گا۔"

"نہیں شکریہ اٹھالیں!" وہ ان کے ساتھ اس سارے معاملے کے بارے میں کیا بات کر سکتی تھی۔

اس نے فون رکھ دیا۔ اس کے ذہن میں اضافہ ہونے لگا تھا۔ اگر سید حلال سے کاٹلیک نہ ہو تو اس کا دل ایک بار پھر ڈوبنے لگا۔

ایک بار پھر اس نے حلال کا نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیا اور تب ہی کسی نے اس کے ہاتھ سے ریسیور لے لیا۔ وہ سن ہو گئی ہاشم بینک اس کے پیچھے کھڑے تھے۔

"کس کو فون کر رہی ہو؟" ان کے لیے میں بے حد غصہ اڑھا۔

"دوست کو کبہ رہی تھی۔" امام نے ان کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ وہ ان سے نظریں ملا کر محبوب نہیں بول سکتی تھی۔

"میں ملا رہا ہوں۔" انہوں نے سرد آواز میں کہتے ہوئے ری ڈائل کا فن دوبارہ ریسیور کان سے لگا لیا۔ امام زور چہرے کے ساتھ انہیں دیکھنے لگی۔ وہ کچھ دیر تک اسی طرح ریسیور کان سے لگا لے کھڑے رہے پھر انہوں نے ریسیور کر لیا۔ وہ دیکھ دیا۔ یقیناً دوسری طرف سے کال رہا بلکہ نہیں کی گئی تھی۔

"کون سی دوست ہے یہ تمہاری جس کو تم اس وقت فون کر رہی ہو۔" انہوں نے درشتہ لیے میں امام سے پوچھا۔

"نائب۔" فون کی اسکرین پر نائب کا نمبر تھا اور وہ نہیں جانتی تھی کہ ہاشم بینک کو نائب پر کسی قسم کا شک ہو اور وہ جانی تک چاہتیں۔ اس لئے اس نے ان کے انتظار پر جلدی سے اس کا نام بتا دیا۔

"کس لئے کر رہی ہو؟"

"میں اس کے ذریعے جو یہ تک ایک پیغام پہنچانا چاہتی ہوں۔" اس نے حق سے کہا۔
 "تم مجھے وہ پیغام دے دو اور میں جو یہ تک پہنچا دوں گا، بلکہ ذاتی طور پر خود لاہور سے کمر آؤں گا۔
 اماں! مجھے صاف صاف بتاؤ کسی اور لڑکے میں اعتراض ہو تم؟" انہوں نے کسی تھپکے کے بغیر
 اپنا تک اس سے پوچھا۔ وہ انہیں کچھ دیر دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔
 "ہاں!"

پاشم تین دن بعد وہ گئے۔ "کسی اور لڑکے میں اعتراض ہو؟" انہوں نے بے یقینی سے اپنا جملہ
 دہرایا۔ اماں نے پھر ان بات میں سر ہلا دیا۔ پاشم تین دن کے بعد اس کے چہرے پر تھپکے بھرے۔
 "مجھے اسی بات کا اندیشہ تھا تم سے، مجھے اسی بات کا اندیشہ تھا۔" وہ غصے میں جھٹکتے گئے۔ اماں
 کم صبر اپنے کال پر ہاتھ رکھے انہیں دیکھ رہی تھی۔ یہ پہلا تھپکے تھا جو پاشم تین دن کے بعد اس کی زندگی میں اسے
 مارا تھا اور اماں کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ تھپکے اسے مارا کیا تھا۔ وہ پاشم تین کی سب سے لاڈلی بیٹی تھی پھر
 بھی انہوں نے۔ اس کے کالوں پر آنسو بہا رہے تھے۔
 "اسجد کے علاوہ میں تمہاری شادی نہیں ہونے دوں گا۔ تم اگر کسی اور لڑکے میں اعتراض
 ہو بھی تو اسے ابھی اور اسی وقت بھول جاؤ میں بھی..... بھی..... کبھی تمہاری نہیں اور شادی نہیں ہونے
 دوں گا۔ اپنے کمرے میں چلی جاؤ اور وہ بارہ اگر میں نے تمہیں فون کے پاس بھی دیکھا تو میں
 تمہاری باتیں توڑ دوں گا۔"

وہ اسی طرح کال پر ہاتھ رکھے دیکھا کی انداز میں چلتے ہوئے اپنے کمرے میں آگئی۔ اپنے کمرے
 میں آکر وہ بچوں کی طرح چوٹ چوٹ کر رونے لگی۔ "کیا بابا مجھے..... مجھے اس طرح ارہکتے ہیں؟"
 اسے یقین نہیں آ رہا تھا بہت دیر تک اسی طرح روتے رہنے کے بعد اس کے آنسو خود بخود ٹپک ہونے
 لگے۔ وہ اندر کر اضطراب کے عالم میں اپنے کمرے کی کھڑکی کی طرف آگئی اور خالی انداز میں کے عالم میں بند
 کھڑکیوں کے پیشروں سے باہر دیکھنے لگی۔

نیچے اس کے گھر کا لان نظر آ رہا تھا جو نیم چار ایک تھا اور پھر لاشعوری طور پر اس کی نظر دوسرے
 کمرے پر پڑی۔ وہ سالار کا گھر تھا اس کا کمرہ چلی منزل پر تھا۔ دور سے کچھ بھی واضح نہیں ہو رہا تھا۔ اس کے
 باوجود وہ اس گھر میں ایک دفعہ جانے کے بعد اس کی اوجھیں اور کمرے میں بھرتے والے کے لیے اور
 جسامت سے اندازہ لگا سکتی تھی کہ وہ سالار کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔

اس کے ذہن میں ایک بھرا ہوا۔
 "ہاں! یہ شخص میری مدد کر سکتا ہے۔ اگر میں اسے ساری صورت حال بتاؤں اور اس سے کہوں کہ
 لاہور جا کر جلال سے رابطہ کرے تو..... تو میرا مسئلہ حل ہو سکتا ہے مگر اس سے رابطہ کیسے.....؟"

اس کے ذہن میں ایک دم اس کی گاڑی کے پچھلے شیشے پر لکھا ہوا اس کا موبائل نمبر اور نام یاد آیا۔
 اس نے ذہن میں موبائل نمبر کو دہرایا، اسے کوئی دقت نہیں ہوئی۔ کاغذ کا ایک ٹکڑا لے کر اس نے احتیاط
 کے طور پر اس نمبر کو لکھ لیا۔ تین بیگے کے قریب وہ آہستہ آہستہ ایک بار پھر لاڈلی بیٹی میں آگئی اور اس نے
 وہ نمبر لاڈلی کرنا شروع کر دیا۔

☆.....☆.....☆

سالار نے نیند میں اپنے موبائل کی صیغہ سنی تھی۔ جب نگاہ موبائل پر پڑا تو اس نے آنکھیں
 کھول دیں اور قدرے ہلکوار کی کے عالم میں بیڈ سائیڈ ٹیبل کو ٹٹولنے ہوئے موبائل اٹھایا۔
 "ہیلو!" اماں نے سالار کی آواز پہچان لی تھی وہ فوری طور پر کچھ نہیں بول سکی۔
 "ہیلو!" اس کی خواہش یہ تھی کہ وہ دوبارہ سلامتی دی۔ "سالار!" اس نے اس کا نام لیا۔
 "بول رہا ہوں۔" اس نے اسی خواہش پر آواز میں کہا۔

"میں اماں بول رہی ہوں۔" وہ کہنے لگا تھا۔ "کون اماں..... میں کسی اماں کو نہیں جانتا۔" مگر اس
 کے دماغ نے گرت کی طرح اسے شکیل دیا تھا اس نے بے اختیار آنکھیں کھول دیں۔ وہ نام کے ساتھ
 اس آواز کو بھی پہچان چکا تھا۔

"میں دسم کی بہن بول رہی ہوں۔" اس کی خاموشی پر اماں نے اپنا شمارف کرایا۔
 "میں پہچان چکا ہوں۔" سالار نے ہاتھ بڑھا کر بیڈ سائیڈ ٹیبل کو آن کر دیا۔ اس کی نیند غائب ہو
 چکی تھی۔ ٹیبل پر پڑی ہوئی اپنی دست دایچ اٹھا کر وقت دیکھا۔ گھڑی تین بج کر دس منٹ چھاپ رہی تھی۔
 اس نے قدرے بے یقینی سے ہونٹ سکڑتے ہوئے گھڑی کو دوبارہ ٹیبل پر رکھ دیا۔ دوسری طرف اب
 خاموشی تھی۔
 "ہیلو!" سالار نے اسے مخاطب کیا۔

"سالار! مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔" سالار کے ہاتھ پر کچھ چل آئے۔ "میں نے ایک بار
 تمہاری زندگی بچائی تھی، اب میں چاہتی ہوں تم میری زندگی بچاؤ۔" وہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اس کی
 بات سمجھا رہا۔ "میں لاہور میں کسی سے رابطہ کرنا چاہتی ہوں مگر کر نہیں پا رہی۔"
 "کیوں؟"

"وہاں سے کوئی فون نہیں آ رہا۔"
 "تم رات کے اسی وقت۔"

اماں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ہیلو! اس وقت صرف میری بات سنو میں دن کے وقت فون
 نہیں کر سکتی اور شاید کل رات کو بھی نہ کر سکوں۔ میرے گھر والے مجھے فون نہیں کرنے دیں گے، میں

چاہتی ہوں کہ تم ایک ایڈریس اور فون نمبر نوٹ کر لو اور اس پر ایک آدمی سے کاغذات کرو۔ اس کا نام جلال انصر ہے، تم اس سے صرف یہ پوچھ کر بتا دو کہ کیا اس نے اپنے بیڑش سے بات کی ہے اور اگر کی ہے تو ان کا کیا ریسائٹس ہے، اسے یہ بھی بتا دو کہ میرے بیڑش نے یہاں میری شادی طے کر دی ہے اور وہ مجھے اب شادی کے بغیر لاہور آنے نہیں دیں گے۔

سالار کو اچانک اس سارے معاملے سے دلچسپی پیدا ہونے لگی۔ کھل کو اپنے گھٹنوں سے اوپر تک کھینچے ہوئے وہ امام کی بات سن رہا تھا۔ وہ ایک ایڈریس اور فون نمبر و برادر ہی تھی۔ سالار نے اس نمبر اور ایڈریس کو نوٹ نہیں کیا۔ اس کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اس نے پوچھا۔

”اور اگر میرے فون کرنے پر بھی کبھی نے فون نہیں اٹھایا تو؟“ جب وہ خاموش ہو گئی تو اس نے پوچھا۔

دوسری طرف لمبی خاموشی رہی پھر امام نے کہا۔ ”تم لاہور جا کر اس آدمی سے مل سکتے ہو۔“

پوچھنے پر میرے لئے بہت ضروری ہے۔۔۔۔۔۔ اس بار امام کی آواز ملتی تھی۔

”اور اگر اس نے پوچھا کہ میں کون ہوں تو؟“

”تم جو چاہے اسے بتا دینا۔۔۔۔۔۔ مجھے اس سے دلچسپی نہیں ہے۔ میں صرف اس مصیبت سے بچنا چاہتا ہوں۔“

”کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تم اس آدمی سے خود بات کرو۔“ سالار نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”میں نہیں جانتی ہوں کہ شاید مجھے دوبارہ فون کا موقع نہ ملے اور فی الحال تو آدمی فون ریسرو نہیں کر رہا۔“

سالار نے اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا اور اس نے مایوسی کے عالم میں مزید کچھ کہے بغیر فون رکھ دیا۔

سالار موبائل بند کرنے کے بعد کچھ دیر اسے ہاتھ میں لے کر بیٹھا رہا۔ جلال انصر۔۔۔۔۔ امام باشم۔۔۔۔۔ رابطہ۔۔۔۔۔ بیڑش سے بات۔۔۔۔۔ لاہور میں کی شادی۔۔۔۔۔ اس نے وہاں ٹیبلٹ پیسے اس جیکسا پزل کے ٹکڑوں کو جوڑنا شروع کر دیا۔ اس نے امام کے جلال کے بارے میں پوچھا نہیں تھا مگر وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ اس سے امام کا تعلق کس طرح کا ہو سکتا تھا۔ وہ اپنی راتنی ٹانگ جلاتے ہوئے ان دونوں کے بارے میں سوچتا رہتا تھا۔ یہ صورت حال خاصی دلچسپ محسوس ہو رہی تھی کہ امام جیسی لڑکی اس طرح کے کسی انجیر میں الون ہو سکتی تھی۔۔۔۔۔ وہ اپنے لئے اس کی ناپسندیدگی سے بھی واقف تھا اور اسے یہ بات بھی حیران کر رہی تھی کہ اس کے باوجود وہ اس سے مدد مانگ رہی تھی۔

”یہ کیا کر رہی ہیں خاتون۔۔۔۔۔۔ مجھے استعمال کرنے کی کوشش۔۔۔۔۔۔ پانچواں کی کوشش۔۔۔۔۔۔؟“

اس نے دلچسپی سے سوچا۔

کھل اپنے سینے تک کھینچنے ہوئے آنکھیں بند کر لیں، مگر نیند اس کی آنکھوں سے کھل ملور پر دور تھی۔

وہ پچھلے کی سالوں سے وسم اور اس کے سارے گھروالوں کو جانتا تھا۔ وہ امام کو بھی سرسری طور پر دیکھ چکا تھا۔ مگر ان علاقوں میں اس نے امام پر کبھی غور نہیں کیا تھا۔ وہ اس کے بارے میں زیادہ

کچھ نہیں جانتا تھا۔ اس کے اپنے گھروالوں کے برعکس وسم کا گھرانہ خاصا روایت پرست تھا اور وہ کبھی کبھی اس طرح کھلے عام ان کے گھر نہیں جاسکا۔ جس طرح وہ اپنے دوستوں کے گھروں میں جاتا تھا۔ مگر اس نے اس بات پر بھی کبھی زیادہ غور و خوض نہیں کیا تھا۔۔۔۔۔۔ اس کا خیال تھا کہ ہر خاندان کا اپنا

ماحول اور روایات ہوتی ہیں، اسی طرح وسم کے خاندان کی بھی اپنی روایات تھیں۔ اسے امام کے موڈ اور لپیراسٹ کا تصور اندازہ تھا۔

مگر اس طرح اچانک امام کی کال وصول کر کے وہ اس حیرت کے جھٹکے سے سنبھل نہیں پارا تھا جو اسے لگا تھا۔

جب وہ کافی دیر تک سونے میں کامیاب نہیں ہوا تو وہ کچھ چھینچا گیا۔

To hell with images and all the rest (بھڑش میں جائے امام اور یہ سارا قصہ) وہ بڑبڑایا اور کر وٹ لے کر اس نے تکیہ اسیچے چہرے کے اوپر رکھ لیا۔

☆.....☆.....☆

امام اپنے کمرے میں آکر بھی اسی طرح بیٹھی رہی، اسے اپنے پیٹ میں گرہیں پڑتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ صرف چند گھنٹوں میں سب کچھ بدل گیا تھا۔ وہ پوری رات سو نہیں سکی۔ صبح وہ ناشتہ کے لئے باہر آئی، اس کی بھوک یک دم جیسے غائب ہو گئی تھی۔

دس ساڑھے ڈھائی بجے کے قریب اس نے پورے میں کچھ گاڑیوں کے اشارات ہولے اور جانے کی آوازیں سنیں۔ وہ جانتی تھی اس وقت ہاشم مین اور اس کے بڑے بھائی آفس چلے جاتے تھے اور اسے ان کے آفس جانے کا انتظار تھا۔ ان کے جانے کے آدھ گھنٹے بعد وہ اپنے کمرے سے باہر آئی۔ لاڈلی

مین اس کی ہی اور بھابھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ خاموشی سے فون کے پاس چلی گئی۔ اس نے فون کا ریسرو اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اسے اپنی ہی کی آواز مل گئی۔

”تمہارے بابا کہہ کر گئے ہیں کہ تم کہیں فون نہیں کر دو گی۔“ اس نے گردن موڑ کر اپنی ہی آواز سنی۔

”میں ابھی کو فون کر رہی ہوں۔“

”میں نے؟“

”میں اس سے بات کرنا چاہتی ہوں۔“

"صاحب بی! آپ نے بلایا ہے؟" اوجڑ عمر ملازم نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔
 "ہاں، میں نے بلایا ہے۔ تم سے ایک کام کمرانا ہے۔" سالار نے بی بی کا جھنڈا ہاتھ سے لے کر کہا۔
 "ناصرہ! تھوڑی بیٹی وہیم کے کمر کام کرتی ہے نا؟" سالار اب دیوٹ رکھ کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔
 "ہاں صاحب کے کمر؟" ناصرہ نے کہا۔

"ہاں، ان ہی کے کمر۔"
 "ہاں، جی کرتی ہے۔" وہ کچھ حیران ہو کر اس کا منہ دیکھنے لگی۔
 "کس وقت جاتی ہے وہ ان کے کمر؟"

"اس وقت ان کے کمر پر ہی ہے۔" کیا ہوا ہے۔ سالار صاحب "ناصرہ اب کچھ پریشان نظر آتے لگی۔

"کچھ نہیں..... میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اس کے پاس جاؤ۔ یہ موبائل اسے دلاؤ اور اس سے کہو کہ یہ امام کو دے دے۔" سالار نے بیٹے لاپرواہ انداز میں اپنا موبائل اٹھا کر اس کی طرف بلا دیا۔

ناصرہ ہکا بکا رہ گئی۔ میں آپ کی بات نہیں سمجھا۔
 "یہ موبائل اپنی بیٹی کو دلاؤ اور اس سے کہو کسی کو بتائے بغیر یہ امام تک پہنچا دے۔"
 "نہ کیوں؟"

"یہ جانتا تھا کہ اسے ضروری نہیں ہے، نہیں جو کہا ہے وہی کرو۔" سالار نے ہانچوادی کے عالم میں اسے جھڑکا۔

"لیکن اگر کسی کو وہاں چنا چل گیا تو۔" ناصرہ کی بات کو اس نے ورتشی سے کاٹ دیا۔
 "کسی کو چنا جب تم اپنا منہ کھولو گی۔ اور تم اپنا منہ کھولو گی تو صرف تمہیں اور تمہاری بیٹی کو نقصان ہو گا اور کسی کو نہیں۔ لیکن اگر تم اپنا منہ بند رکھو گی تو نہ صرف کسی کو چنا نہیں ملے گا بلکہ تمہیں بھی خاصا فائدہ ہو گا۔"

ناصرہ نے اس بار کچھ کہے بغیر خاموشی سے وہ موبائل پکڑ لیا۔ "میں پھر کہہ رہا ہوں۔ کسی کو اس موبائل کے بارے میں چنا نہیں چلنا چاہئے۔" وہ اپنا الٹ نکال رہا تھا۔
 ناصرہ مڑ رہا تھا تو بے جاٹے لگی۔ "ایک منٹ ٹھہرو۔" سالار نے اسے روکا۔ وہ اب اپنے والٹ سے کچھ کرنسی نوٹ نکال رہا تھا۔

"یہ لے لو۔" اس نے انہیں ناصرہ کی طرف بڑھا دیے۔ ناصرہ نے ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ نوٹ پکڑ لئے۔ وہ جن گھروں میں کام کرتی رہی تھی وہاں کے بچوں کے ایسے بہت سے رازوں سے واقف تھی، اسے بھی پیسے کا نئے کا بیوقوف مل گیا تھا۔ اس نے فوری انداز میں لکھا تھا کہ امام اور سالار

کا بچہ چل رہا تھا اور یہ موبائل وہ تحفہ تھا جو اسے امام کو دینا تھا۔ مگر اسے حیرانی اس بات پر ہو رہی تھی کہ اس سب کا اسے پہلے پتا کیوں نہیں چلا۔ اور پھر امام۔ اس کی خوشامی ہو رہی تھی..... پھر وہ کیوں اس طرح کی حرکتیں کر رہی تھی۔
 "اور دیکھو ڈرا مجھے، میں امام بی بی کو کتنا سیدھا سمجھتی رہی۔" ناصرہ کو اب اپنی بے خبری پر غصوں ہو رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

"ابو! میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔" جلال رات کو اپنے والد کے کمرے میں چلا آیا۔
 اس کے والد اس وقت اپنی ایک خانگی دیکھنے میں مصروف تھے۔

"ہاں آؤ، کیا بات ہے۔" انہوں نے جلال کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ ان کے پاس ایک کمری پر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر وہ اسی طرح خاموش بیٹھا رہا، اس کے والد نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا، انہیں یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کچھ پریشان ہے۔ "کیا بات ہے جلال؟" انہیں کچھ دم تشویش ہوئے لگی۔

"ابو! میں شادی کو ناپا چاہتا ہوں۔" جلال نے کسی تہیہ کے بغیر کہا۔
 "کیا؟" ناصرہ جاہد گواں کے منہ سے اس خبر کی توقع نہیں تھی۔ "تم کیا کرنا چاہتے ہو۔"
 "میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"یہ فیصلہ تم نے یک دم کیسے کر لیا؟ کل تک تو تم باہر جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے اور اب آج تم شادی کا ذکر لے بیٹھے ہو۔" ناصرہ جاہد مسکرائے۔
 "ہاں۔۔۔ معاملہ ہی کچھ ایسا ہو گیا ہے کہ مجھے آپ سے بات کرنی پڑ رہی ہے۔"
 ناصرہ جاہد سمجھ رہے ہو گئے۔

"آپ نے نہ آپ کی دوست امام کو دیکھا ہے۔" اس نے چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا۔
 "ہاں! آخر اس میں اظہار غلط ہو۔" ناصرہ جاہد نے فوراً اندازہ لگایا۔
 جلال نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "مگر وہ لوگ تو بہت امیر ہیں..... اس کا باب بڑا صنعت کار ہے اور وہ مسلمان بھی نہیں ہے۔" ناصرہ جاہد کا لہجہ بدل چکا تھا۔
 "ابو! وہ اسلام قبول کر چکی ہے، اس کی فیملی قادیانی ہے۔" جلال نے وضاحت کی۔
 "اس کے گھر والوں کو پتا ہے؟"

"نہیں۔"
 "تمہارا خیال ہے وہ یہ پوچھ کر قبول کر لیں گے؟" ناصرہ جاہد نے جیسے ہوئے لہجہ میں پوچھا۔
 "ابو! اس کی فیملی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ ان لوگوں کی اجازت کے بغیر ہم شادی کرنا

چاہتے ہیں۔

”تہارادماغ ٹھیک ہے؟“ اس بار اصرار ہوئے نے بلند آواز میں کہا۔ ”میں تمہیں کسی حالت میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔“

جلال کا چہرہ ڈر گیا۔ ”ابو! میری اس کے ساتھ گفتگو ہے۔“ اس نے مدھم آواز میں کہا۔

”مجھ سے پوچھ کر گفتگو نہیں کی تھی تم نے۔ اور اس غریب بہت ساری کمشنس ہوتی رہتی

ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ بندہ اپنی زندگی خراب کر لے۔“ مجھے اس کے خاندان کے اثر و رسوخ کا پتا ہے۔ انہیں اپنے پیچھے لگا کر ہم سب پر باد ہو جائیں گے۔“

”ابو! میں خفیہ طور پر شادی کر لیتا ہوں۔ کسی کو بتائیں گے نہیں تو کچھ بھی نہیں ہوگا۔“

”اور اگر یہ چل گیا تو۔۔۔ میں ویسے بھی تہجاری تعلیم کے عمل ہونے تک تہجاری شادی کرنا نہیں

چاہتا۔ ابھی تمہیں بہت کچھ کرنا ہے۔“

ابو! پلیز۔ میں اس کے علاوہ کسی اور سے شادی نہیں کر سکتا۔“ جلال نے مدھم آواز میں اپنی

بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”اچھا۔۔۔ ایسا ہے تو تم اس سے کہو کہ وہ اپنے والدین سے اس مسئلے میں بات کرے۔ اگر اس کے

والدین مان جاتے ہیں تو میں تم دونوں کی شادی کروں گا۔“ انہوں نے نیچر گنگر جی لہجے میں کہا۔ مگر میں تہجاری شادی کسی ایسی لڑکی سے قطعی نہیں کروں گا جو اپنے گھروالوں کی مرضی کے خلاف تم سے

شادی کرنا چاہے۔“

”ابو! آپ اس کا مسئلہ سمجھیں۔ وہ بڑی لڑکی نہیں ہے۔۔۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ بس وہ کسی

مسلمان سے شادی کرنا چاہتی ہے جس پر اس کے گھروالے مداخلتی نہیں ہوں گے۔“ جلال نے دانستہ طور

پر اسجد اور اس کی مقلی کا ذکر کرنا شروع کیا۔

”مجھے کسی دوسرے کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور تمہیں بھی نہیں ہونی چاہئے۔ یہ ارادہ کا

مسئلہ ہے وہ جانے۔ تم اپنے کام سے کام رکھو۔ اپنے مستقبل کے بارے میں سوچو۔“ اصرار ہوا پتے نے

دو ٹوک انداز میں کہا۔

”ابو! پلیز۔۔۔ میری بات سمجھیں۔ اس کو مدد کی ضرورت ہے۔“

”بہت سے لوگوں کو مدد کی ضرورت ہوتی ہے تم کسی کس کی مدد کرو گے۔۔۔ اور ویسے بھی ہمارے

اور ان کے ایلٹنس میں اتنا فرق ہے کہ ان سے کوئی دشمنی یا مخالفت مول لینا ہمارے بس کی بات نہیں۔

”جیسے تم اور پھر میں ایک غیر مسلم لڑکی سے شادی کر کے اپنے خاندان والوں کا سامنا کیسے کروں گا۔“

”ابو! وہ مسلمان ہو چکی ہے۔ میں نے آپ کو بتایا ہے۔“ جلال نے پھنجھکا کر کہا۔

”چار ملاقاتوں میں وہ تم سے اتنی متاثر ہو گئی کہ اس نے اسلام قبول کر لیا۔“

”ابو! اس نے مجھے ملنے سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔“

”تم نے اسلام قبول کرتے دیکھا تھا اے؟“

”میں اس سے مذہب کے بارے میں تفصیلات بات کر جا رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ اسلام قبول

کر چکی ہے۔“

”بالفرض وہ ایک کو بھی بھی ہے۔۔۔ تو پھر اسے اپنے مسائل سے خود نمٹنا چاہئے۔ تمہیں سچ نہیں

میں گھنٹنا چاہئے۔ اپنے والدین سے دو ٹوک بات کرے، انہیں بتائے کہ وہ تم سے شادی کرنا چاہتی

ہے۔ پھر میں اور تہجاری انی دیکھیں گے کہ ہم کیا کر سکتے ہیں۔۔۔ دیکھو جلال! اگر اس کا خاندان ان اپنا

مرضی اور خوشی سے اس کی شادی تہجاری سے ہاتھ کرنے پر تیار ہو جائے تو میں اسے بخوشی قبول کر لوں

گا۔ مگر کسی بے نام و نشان لڑکی سے میں تہجاری شادی نہیں کروں گا۔ مجھے اس معاشرہ میں رہنا

ہے۔۔۔ لوگوں کو مدد دیکھنا ہے۔۔۔ جو کے خاندان کے بارے میں کیا کہوں گا میں کسی سے۔۔۔ یہ کہ وہ

گھر چھوڑ کر آئی ہے اور اس نے اپنا مرضی سے میرے بیٹے سے شادی کر لی ہے۔“

”ابو! یہ ہمارا مذہبی فریضہ ہے کہ ہم اس کی مدد کریں اور۔۔۔ ہم اصرار ہوا پتے نے کسی سے اس کی بات

کارت دی۔

”مذہب کو کچھ میں مت لے لو تو، ہر چیز میں مذہب کی شرکت ضروری نہیں ہوتی۔ صرف تم ہی

یہ کچھ بھی فریضہ ادا کرنے والے رہ گئے ہو یہاں سارے مسلمان مر گئے ہیں۔“

”ابو! اس نے مجھ سے مدد مانگی ہے، میں اس لئے کہہ رہا ہوں۔“

”بیٹا! یہاں بات مدد کی یا مذہب کی نہیں ہے، یہاں صرف مذہبی حفاظت کو دیکھنے کی ضرورت ہے۔

بہت اچھی بات ہے کہ تم میں مدد کا ہند ہے اور یہ حق بھی مذہب نے ہی فرض کیا ہے اور اس حق کے تحت میں

حق اس کے والدین کا بھی ہوتا ہے اور یہ حق بھی مذہب نے ہی فرض کیا ہے اور اس حق کے تحت میں

چاہتا ہوں کہ تم اس کے خاندان کی مرضی کے بغیر اس سے شادی نہ کرو۔ فرض کرو تم اس سے شادی

کر بھی لیتے ہو۔ تو کیا ہوگا۔ تم تو چند ملا میں امریکہ ہو گے۔ اور وہ یہاں کھینچتی ہوگی۔۔۔ میرے

پاس اتنا کچھ نہیں ہے کہ میں تم چاروں کی تعلیم پر بھی خرچ کروں اور اس کی تعلیم پر بھی۔ تم اچھی طرح

باتنے ہو کہ تم پر میرا کتنا بیڑہ خرق ہو رہا ہے۔۔۔ تو وہ اکثر تو نہیں جیتے گی۔۔۔ یہاں گھر میں کتنے مسائل تم

اسے حل کئے ہو۔ اور اگر اس کے خاندان نے تم پر یا ہم پر کس کر دیا تو اس صورت میں تم بھی باہر ہو

کر رہ جاؤ گے اور میں بھی۔۔۔ تم کو اپنی بہن کا احساس ہونا چاہئے۔ تم یہ چاہتے ہو کہ اس غریب میں قلیل

چلا جاؤں۔۔۔ اور شاید تم بھی۔“

جلال کچھ بول نہیں سکا۔

"ان چیزوں کے بارے میں اتنا جذبہ بانی ہو کر نہیں سوچنا چاہئے۔ میں نے چھین راستہ بتا دیا ہے۔ اس سے کیوں اپنے والدین سے بات کر کے انہیں رضامند کرے۔ ہو سکتا ہے وہ رضامند ہو جائیں مگر مجھے کیا اعتراض ہو گا تم دونوں کی شادی پر لیکن اگر وہ یہ نہیں کرتی تو پھر اس سے کہو کہ وہ کسی اور سے شادی کر لے اور تم ختم ہو۔ دل سے سوچو۔ تمہیں خود چاہیے کہ تمہارا فیصلہ کتنا نقصان دہ ہے۔" انصر جاوید نے آخری کینٹھو کی۔

☆.....☆.....☆

"ہائی! میں آپ کا کمرہ صاف کروں؟" ملازمہ نے دروازے پر دستک دیتے ہوئے امار سے پوچھا۔

"نہیں، تم جاؤ۔" امار نے ہاتھ کے اشارے سے اسے جانے کے لئے کہا۔ ملازمہ باہر جانے کے بجائے دروازہ بند کرنے کے اس کے پاس آگئی۔

"میں نے تم سے کہا ہے تاکہ تم۔۔۔" امار نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر پھر اس کی بات حلق میں ہی رہ گئی۔ ملازمہ نے اپنی چادر کے اندر سے ایک موبائل نکالا تھا۔ امار حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"ہائی! یہ میری ماں نے دیا ہے، وہ کہہ رہی تھی کہ ساتھ والے نمبر ۱۰۰ صاحب نے آپ کے لئے دیا ہے۔" اس نے امار کی طرف عجیب کے عالم میں دو موبائل دکھایا۔ امار کچھ تیزی سے موبائل کو جھپٹ لیا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

"دیکھو، تم کسی کو بتانا مت کہ تم نے مجھے کوئی موبائل لا کر دیا ہے۔" امار نے اسے تاکید کی۔

"نہیں ہائی! آپ بے فکر رہیں، میں نہیں بتاؤں گی۔ اگر آپ کو بھی کوئی چیز سالار صاحب کے لئے دینی ہو تو مجھے دے دیجئے۔"

"نہیں، مجھے کچھ نہیں دینا، تم جاؤ۔" اس نے اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

ملازمہ کے کمرے سے نکلنے ہی اس نے کمرے کو لاک کر لیا۔ کانپتے ہاتھوں اور دل کی بے قابو ہوتی ہوئی دھڑکنوں کے ساتھ اس نے دروازے سے موبائل نکالا اور اس پر جلال کا نمبر ڈال کر ناشروٹ کیا۔ وہ اسے تفصیل سے ساری بات بتاتا جاتی تھی۔ فون جلال کی اہی نے اٹھایا۔

"ہیلا جلال تو باہر گیا ہوا ہے، وہ تو رات کو ہی آئے گا۔ تم رُخسب سے بات کر لو۔ اسے بلا دوں؟"

جلال کی اہی نے کہا۔

"نہیں! آئی! مجھے کچھ جلدی ہے، میں رُخسب سے پھر بات کر لوں گی۔ بس میں نے اس سے چھڑا سنا ہوں کہ کہا تھا، مجھے ان ہی کے بارے میں پوچھنا تھا۔ میں دوبارہ فون کر لوں گی۔" امار نے فون بند

کرتے ہوئے کہا۔

امار نے اس دن دوپہر کو بھی کھانا نہیں کھایا۔ وہ صرف رات ہونے کا انتظار کر رہی تھی تاکہ جلال گھر آجائے اور وہ اس سے دوبارہ بات کر سکے۔ شام کے وقت ملازمہ نے اسے اسجد کے فون کی اطلاع دی۔

وہ جس وقت پہنچے آئی اس وقت لاؤنج میں صرف وہیم بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اسے مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے فون کی طرف مائل تھی۔ فون کا ریسیور اٹھاتے ہی دوسری طرف اسجد کی آواز سنائی دی تھی۔ بے اختیار امار کا فون کھولنے لگا۔ یہ جانے کے باوجود کہ اس شادی کو طے کرنے میں اسجد سے زیادہ خود ہاشم مبین کا ہاتھ تھا۔ امار کو اس پر غصہ آ رہا تھا۔

"اسجد! تم نے اس طرح میرے ساتھ دھوکا کیوں کیا ہے؟"

"کیا دھوکا امار؟"

"شادی کی تاریخ طے کرنا۔ تم نے اس سلسلے میں مجھ سے بات کیوں نہیں کی۔" وہ گھونٹے ہوئے بولی۔

"کیا اگلے تم سے بات نہیں کی۔"

"انہوں نے مجھ سے پوچھا تھا اور میں نے ان سے کہا تھا کہ میں ابھی شادی کرنا نہیں چاہتی۔"

"بہر حال اب تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور پھر کیا طریقہ ہے کہ شادی اب ہو یا کچھ سالوں کے بعد۔" اسجد نے قدرے لا پروائی سے کہا۔

"اسجد! چھین فرقہ پڑتا ہوا نہیں، مجھے پڑتا ہے۔ میں اپنی تعلیم مکمل کرنے تک شادی نہیں کرنا چاہتی۔ اور یہ بات تم ابھی طرح جانتے تھے۔"

"ہاں، میں جانتا ہوں مگر اس سارے معاملے میں، میں تو کہیں بھی اداوار نہیں ہوں۔ تمہیں بتا رہا ہوں، شادی اگلے کے اصرار پر ہو رہی ہے۔"

"تم اسے روکو دو۔"

"تم کہیں باتیں کر رہی ہو امار! میں اسے کیسے روک دوں۔" اسجد نے کچھ حیرانی سے کہا۔

"اسجد! پڑھو!"

"امار! میں اب نہیں کر سکتا، تم میری پوزیشن سمجھو۔ اب تو ویسے بھی کارڈ چھپ چکے ہیں، دونوں طرف اس میں تباہیاں ہو رہی ہیں اور۔۔۔"

امار نے اس کی بات سن کر بغیر ریسیور کو ڈھکیا دیا۔ وہیم نے اس پر ہی جھٹکوں میں کوئی مداخلت نہیں کی

تھی۔ وہ خاموشی سے اسجد کے سناجھہ ہونے والی اس کی گھٹکتہ سننا رہا تھا جب امام نے خون بند کر دیا تو دیکھ کر اس سے کہا۔

”تم غراؤ اور ایک فضول بات پر کتاب گناہ کھڑا کر رہی ہو۔ کل بھی تمہیں شادی امام سے ساتھ ہی کرنی ہے پھر اس طرح کر کے تم خود اپنے لئے مساکین پیدا کر رہی ہو۔ باپا تم سے بہت ناراض ہیں۔“

”میں نے تم سے تمہاری رائے نہیں مانگی، تم اپنے کام سے کام لے لو۔ جو کچھ تم میرے ساتھ کر چکے ہو وہ کافی ہے۔“

امام اس پر غرائی اور بھروسہ اپنی اپنے کمرے میں آ گئی۔

☆.....☆

دورات کو بھی اپنے کمرے سے نہیں نکلی تھی مگر ملازم کے کھانا لانے پر اس نے کھانا کھا لیا۔ رات کو گیارہ بجے کے قریب اس نے جلال کو فون کیا۔ فون جلال نے ہی اٹھایا تھا۔ شاید وہ امام کے فون کی توقع کر رہا تھا۔ مختصر سی تمہید کے بعد وہ اصل موضوع کی طرف آ گیا۔

”امام! میں نے اب اسے کچھ دیر پہلے بات کی ہے۔“ اس نے امام سے کہا۔

”پھر؟“ وہ اس کے احتیاط پر چند لمبے خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

”ابو اس شادی پر رضامند نہیں ہیں۔“

امام کا دل ڈوب گیا۔ ”مگر آپ تو کہہ رہے تھے کہ انہیں اس شادی پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔“

”ہاں، میرا بھی خیال تھا کہ انہیں بہت ساری باتوں پر اعتراض ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ تمہارے اور تمہارے گھرانے کے اشتیاق میں بہت فرق ہے۔ اور وہ تمہارے خاندان کے بارے میں بھی جاننے ہیں اور انہیں سب سے بڑا اعتراض اس بات پر ہے کہ تم اپنے گھر والوں کی مرضی کے بغیر مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہو۔ انہیں یہ خوف ہے کہ اس صورت میں تمہارے گھر والے ہمیں تنگ کریں گے۔“

وہ سانس نکلتی ہوئی کہانی سے لگائے اس کی آواز سنتی رہی۔ ”آپ نے انہیں راضی کر دینے کی کوشش نہیں کی۔“ ایک لمبی خاموشی کے بعد اس نے کہا۔

”میں نے بہت کوشش کی۔ انہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ اگر تمہارے گھر والے اس شادی پر تیار ہو جاتے ہیں تو پھر وہ بھی راضی ہو جائیں گے۔ اس بات کی پروا اس کے بغیر کہ تمہارا خاندان کیا ہے لیکن تمہارے گھر والوں کی مرضی کے بغیر وہ جبری اور تمہاری شادی کو تسلیم نہیں کریں گے۔“ جلال نے اس سے کہا۔

”اور آپ... آپ کیا کہتے ہیں؟“

”امام! میری کچھ باتیں نہیں آ رہی۔“ جلال نے کچھ بے بسی کے عالم میں کہا۔

”جلال! میرے چرنس بھی آپ سے میری شادی پر تیار نہیں ہو سکیں گے۔ بعد رات دیکھ تیری پوری کمی دینی ان کا بائیکاٹ کرو گے کی اور وہ یہ بھی برداشت نہیں کر سکتے اور پھر آپ اسجد سے میری تنگی کو کیوں بھول رہے ہیں۔“

”امام! تم پھر بھی اپنے والدین سے بات کر دو، ہو سکتا ہے کوئی راستہ نکل آئے۔“

”میں کل باپ سے تمہیں کھانگلی ہوں۔ صرف یہ بتا کر کہ میں کسی دوسرے میں اعتراض ہوں۔“ امام کی آواز بھڑانے لگی۔ ”اگر انہیں یہ پتا چل گیا کہ میں جسے پسند کرتی ہوں وہ ان کے مذہب کا نہیں ہے تو وہ مجھے مار ڈالیں گے۔ پلیز آپ انکل سے بات کریں۔ آپ انہیں میرا پر اہم بتائیں۔“ اس نے مٹھی باندھ لیے

میں کیا۔

”میں ابو سے کل دو بار بات کر رہا تھا اور امی سے بھی۔ پھر میں جنہیں جلال کا کہ دو کیا کہتے ہیں۔“ جلال پریشان تھا۔

امام نے جس وقت اس سے بات کرنے کے بعد فون بند کیا وہ بے حد دل گرفتہ تھی۔ اس کے دہم دنگان میں بھی یہ نہیں تھا کہ جلال کے والدین کو اس شادی پر اعتراض ہو گا۔

مواہل کا تھوڑا سا لمحہ دیر تک خالی الذہنی کے عالم میں گزری رہی۔

☆.....☆

”تمہارے ابو مجھ سے پہلے ہی اس مسئلے میں بات کر چکے ہیں اور وہ کہہ رہے ہیں وہ بالکل غلط ہے۔ تم کو اس طرح کے فطروں میں کوہ لے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“ جلال کی امی نے قطعی لہجے میں اس سے کہا۔ وہ امام کے کہنے پر اس سے بات کر رہا تھا۔

”مگر امی! اس میں خطرے والی کیا بات ہے۔ کچھ بھی نہیں ہو گا۔ آپ غواغواؤ غول زدہ ہو رہی ہیں۔“ جلال نے کچھ احتجاجی انداز میں کہا۔

”تم حماقت کی حد تک بے وقوف ہو۔“ اس کی امی نے اس کی بات پر اسے بھڑکایا۔ ”امام کے خاندان اور اس کے والد کو تمہارے ابو بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ تم کیا کہتے ہو کہ تمہارے ساتھ شادی ہونے کی صورت میں دو تمہارا اچھا چھوڑ دیں گے یا نہیں کچھ نہیں کہیں گے۔“

”ای اچھ اس شادی کو غصہ نہیں کہیں گے کسی کو بھی نہیں بتائیں گے۔ میں اس وقت انہیں کے لئے باہر ہانسنے کے کچھ عرصہ کے بعد اسے بھی وہاں بلواؤں گا۔ صوب کچھ خفیہ ہی رہے گا کسی کو بھی پتا نہیں چلے گا۔“

”ہم آخر امام کے لئے کیوں اتنا بڑا فطرہ مولیں اور جنہیں ویسے بھی یہ پتا ہو نا چاہئے کہ تمہارے یہاں اپنی پہلی میں ہی شادی ہوتی ہے۔ ہمیں امام یا کسی اور کی ضرورت نہیں ہے۔“ امی نے موصوعہ لے لے ہوئے کہا۔

"مجھے اگر یہ اندازہ ہو تاکہ تم اس طرح اس لڑکی میں دلچسپی لینا شروع کرو گے تو میں اس سے پہلے ہی تمہاری کچیں نسبت لے کر دیتا۔" اس کی امی نے قدرے ناراضی سے کہا۔
"اکی امیں امام کو پسند کرنا ہوں۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم اسے پسند کرتے ہو یا نہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ اس بارے میں میں اور تمہارے ابو کیا سوچتے ہیں۔ اور ہم دونوں کو یہ تو وہ پسند ہے اور نہ ہی اس کا خاتمہ ہے۔" امی نے وہ ٹوک انداز میں کہا۔

"امی! وہ بہت اچھی لڑکی ہے، آپ اسے اچھی طرح جانتی ہیں، وہ یہاں آئی رہی ہے اور جب تو آپ اس کی بہت زیادہ تعریف کرتی تھیں، جلال نے انہیں یاد دلایا۔

"تعریف کرنے کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ میں اسے اپنی بہو بنالوں۔" وہ غلطی سے بولیں۔
"امی! کم از کم آپ تو اب بھی باتیں نہ کریں۔ تھوڑا سا ہمدردی سے سمجھیں۔" اس بار جلال نے لچاوت آمیز انداز میں کہا۔

"جلال! تمہیں احساس ہونا چاہیے کہ تمہاری اس ضد اور فیصلے سے ہمارے پودے خاندان پر کس طرح کے اثرات مرتب ہوں گے۔ ہمارا بھی خواب ہے کہ ہم تمہاری شادی کسی اچھے اور اونچے خاندان میں کریں۔ تمہارے ابو اگر تمہیں اس شادی کی اجازت دے بھی دیں تو بھی میں کبھی نہیں دوں گی۔ نہ ہی میں امام کو اپنی بہو کے طور پر قبول کروں گی۔"

"امی! آپ اس کی صورت حال کو سمجھیں، وہ کتنا بڑا قدم اٹھا رہی ہے۔ اس وقت اسے عدوی ضرورت ہے۔"

"اگر وہ اتنا بڑا قدم اٹھا رہی ہے تو پھر اسے تم از کم دوسرے کے لئے کوئی پریشانی کھڑی نہیں کرنی چاہئے۔ میں اسے برا نہیں سمجھ رہی۔ وہ بہت اچھا فیصلہ کر رہی ہے مگر ہم لوگوں کی اپنی کچھ مجبوریاں ہیں۔ تم کچھ مسئلے سے کام لو۔ تمہیں اس شخص کو پیش کے لئے باہر جانا ہے۔ اپنا بائیں مل جانا ہے۔ اس کی امی نے ہڈیوں سے نرم لہجے میں کہا۔ "بیٹا! اچھے خاندان میں شادی ہو تو انسان کو آگے بڑھنے کے لئے بہت سے مواقع ملتے ہیں اور تمہارے لئے تو پہلے ہی بہت سے خاندانوں کی طرف سے پیغام آرہے ہیں۔ جب اس شخص کو نشان کر لو گے تو کتنے اونچے خاندان میں تمہاری شادی ہو سکتی ہے۔ تمہیں اس کا اندازہ بھی نہیں ہے۔ خود سوچو، صرف امام سے شادی کر کے تمہیں کیا ملے گا۔ خاندان اس کا پیچھا کر چکا ہو گا۔ معاشرے میں جو بدنامی ہوگی، وہ الگ۔ اور تم سے شادی ہو بھی جائے تو کل کو تمہارے بچے تمہارے اور امام کے بارے میں کیا سوچیں گے۔ یہ کوئی ایک دو دن کی بات نہیں ہے ساری عمر کی بات ہے۔" امی اسے سنجیدہ لہجے میں سمجھا رہی تھیں۔ جلال کسی اعتراض یا احتجاج کے بغیر خاموشی سے ان کی باتیں

سن رہا تھا۔

اس کے چہرے سے کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ وہ کاش ہوا ہے یا نہیں۔

.....

امام نے اگلی رات جلال کو بھر فون کیا۔ فون جلال نے ہی اٹھا لیا تھا۔

"امام! میں نے امی سے بھی بات کی ہے۔ وہ اب اسے ٹیپا دنا راض ہوئی ہیں میری بات پر۔"

امام کا دل کو کیا ممکن ڈوب گیا۔

"وہ کہہ رہی ہیں کہ مجھے ایک مشغول معاملے میں خود کو انوکھ لے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

جلال نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔ "میں نے انہیں تمہارے براہم کے بارے میں بھی بتایا ہے مگر ان کا کہنا ہے کہ یہ تمہارا براہم ہے، ہمارا نہیں۔"

امام کو اس کے لفظوں سے شدید تکلیف ہوئی تھی۔

"میں نے انہیں بہت سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ درخشاں نہیں ہیں اور نہ ہی وہ اس کی۔ جلال کی آواز بھی ہوئی تھی۔

"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے جلال! اس نے ذہنی طور کے ساتھ کسی موبہم ہی امید پر کہا۔

"میں جانتا ہوں امام! مگر میں کچھ نہیں کر سکتا۔ میرے والدین اس بچے زل پر درخشاں نہیں ہیں۔"

"کیا تم ان کی مرضی کے بغیر مجھ سے شادی نہیں کر سکتے؟"

"نہیں! یہ میرے لئے ممکن نہیں ہے۔ مجھے ان سے اتنی محبت ہے کہ میں انہیں ناراض کر کے تم سے شادی نہیں کر سکتا۔"

"جلال! امام! وہ گڑبگڑائی۔" تمہارے علاوہ میرے پاس اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔"

"میں اپنے والدین کی بافرمانی نہیں کر سکتا، تم مجھے اس کے لئے مجبور نہ کرو۔"

"میں آپ کو بافرمانی کے لئے نہیں کہہ رہی ہوں۔ میں تو آپ سے اپنی زندگی کی بچک مانگ رہی ہوں۔"

اس کے اعصاب بگڑ رہے تھے۔ اب یہ نہیں تھا کہ اس نے زندگی میں کبھی کسی سے اتنے اچھا یہ

اور منت مجھ سے انداز میں بات کی ہو۔

"آپ مجھ سے صرف نکاح کر لیں، اپنے والدین کو اس کے بارے میں نہ بتائیں۔ بے شک آپ

بعد میں ان کی مرضی سے بھی شادی کر لیں، میں اعتراض نہیں کروں گی۔"

"تم اب بچوں جیسی باتیں کر رہی ہو۔ خود سوچو کہ اگر ایسے کسی نکاح کے بارے میں ابھی میرے

والدین کو پتا چل جاتا ہے تو وہ کیا کریں گے۔ وہ تو مجھے گھر سے نکال دیں گے۔ اور پھر تم اور میں کیا

کر رہی تھی۔

”ہم صحت کر لیں گے، کچھ نہ کچھ کر لیں گے۔“

”تمہارے اس کچھ نہ کچھ سے میں باہر پڑنے جا سکوں گا؟“ اس بار جلال کا لہجہ پھرتا ہوا تھا اور بول نہیں سکی۔

”میں اب اس قدر بڑھے ہوئے غراب اور خواہشات ہیں کہ میں انہیں تمہارے لئے یا کسی کے لئے بھی نہیں چھوڑ سکتا۔ مجھے تم سے محبت ہے اس میں کوئی شک نہیں مگر میں اس جذباتیت کا مظاہرہ نہیں کر سکتا جس کا مظاہرہ تم کر رہی ہو۔ تم وہ بارہ مجھے فون مت کرنا کیونکہ میں اب اس سارے معاملے کو یہیں لٹچ کر دبا رہا ہوں۔ مجھے تم سے وعدہ دیا ہے مگر تم اپنے اس مسئلے کا حل خود نکالو میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا، خدا حافظ۔“

جلال نے فون بند کر دیا۔

رات وہی تھی کہ بچاس مہر پر اسے اپنے ارد گرد کی پوری دنیا و محکم میں چلیں ہوئی نظر آئی کسی چیز کے سبب میں جوتے اور پھر وہ در تک نہیں نہ ہونے کا فرق کوئی امام سے بھڑ نہیں بتا سکتا تھا۔ باؤف ذہن اور شل ہونے والے اعصاب کے ساتھ وہ بہت دیر تک کسی بہت کی طرح اپنے ہڈ پر ناگیں دکھائے بیٹھی رہی۔

مجھے بتا دینا چاہئے اب بابا تو سب کچھ اس کے سوا اب اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ خدا یہ وہ خود ہی مجھے اپنے گھر سے نکال دیں۔ تم از کم مجھے اس گھر سے تو ہٹا لی جائے گی۔

☆ ☆ ☆

”میں اس عہد کے شادی کرنا ہی نہیں چاہتی تو شاید کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“ امیر نے حکیم کے لیے میں امی سے کہا۔

”پہلے تمہیں شادی پر اعتراض تھا اب تمہیں اس عہد سے شادی پر اعتراض ہے۔ آخر تم چاہتی کیا ہو۔“ سلیٹی اس کی بات پر مشتعل ہو گئی۔

”صرف یہ کہ آپ امیر سے میری شادی نہ کریں۔“

”تو پھر کس سے کرنا چاہتی ہو تم۔“ باشم سین نے اچانک کھلے دروازے سے اندر آ گئے تھے۔ بھینا انہوں نے باہر کو دیکھ کر دیکھ کر امام اور سلیٹی کے درمیان ہونے والی گفتگو سنی تھی اور وہ اپنے فہم پر قابو نہیں رہ سکے تھے۔ اب ایک دم چپ ہو گئی۔

”بولو، کس سے کرنا چاہتی ہو۔“ اب منہ بند کیوں ہو گیا ہے، آخر تم امیر سے شادی کیوں نہیں کرنا چاہتی۔ کیا تکلیف ہے تمہیں۔“ انہوں نے بلند آواز میں کہا۔

”بابا! شادی ایک بار ہوئی ہے اور وہ میں اپنی پسند سے کروں گی۔“ تو صحت کر کے بولی۔

”نکل نکال امیر تمہاری پسند تھا۔“ باشم سین نے دانت پیٹتے ہوئے کہا۔

”نکل تھا، اب نہیں ہے۔“

”کیوں، اب کیوں نہیں ہے؟“ امام کہہ کے بغیر ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔

”بولو، اب کیوں پسند نہیں ہے وہ تمہیں۔“ باشم سین نے بلند آواز میں پوچھا۔

”بابا! میں کسی مسلمان سے شادی کروں گی۔“ باشم سین کو لکھ آمان ان کے سر پر گر پڑا تھا۔

”کیا۔“ کیا تم نے۔“ انہوں نے بے یقینی سے کہا۔

”میں کسی غیر مسلم سے شادی نہیں کروں گی کیونکہ میں اسلام قبول کر چکی ہوں۔“

گھر سے میں اگلے کئی منٹ تک مکمل خاموشی رہی۔ سلیٹی کو مجھے جو کیا تھا اور باشم سین

ایک پھر کے مجھے کی طرح استاء دیکھ رہے تھے۔ ان کا منہ کھلا ہوا تھا وہ جیسے سانس لینا بھول گئے تھے۔

ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کبھی انہیں زندگی میں اپنی اولاد اور وہ بھی اپنی سب سے لائق بیٹی

کے سامنے اس طرح کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان کے چالیس سال مکمل طور پر بھنور کی زندگی

میں آگئے تھے۔

”تم کیا کہو اس کر رہی ہو۔“ باشم سین کے اندر اشتعال کی ایک لہر اٹھی تھی۔

”بابا! آپ جانتے ہیں میں کیا کہہ رہی ہوں۔ آپ بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔“

”تم پاکی ہو گئی ہو۔“ انہوں نے آپ سے باہر ہوتے ہوئے کہا۔ امام نے کچھ کہنے کے بجائے

نہی میں گردن ہلائی۔ وہ باشم سین کی ذاتی کیفیت کو سمجھ سکتی تھی۔ ”اس لئے تمہیں یہ کیا۔“ تمہاری

پرورش کی کہ تم۔“ تم۔“ باشم سین کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس سے کیا کہیں۔ ”صرف امیر سے

نیوی نہ کرنے کے لئے تم یہ سب کر رہی ہو، صرف اس لئے کہ تمہاری شادی اس آدمی سے کر دیں

جس سے تم چاہتی ہو۔“

”نہیں، ایسا نہیں ہے۔“

”ایسا ہی ہے۔“ تم بے وقوف سمجھی ہو مجھے۔“ ان کے منہ سے جھانک نکل رہا تھا۔

”آپ میری شادی کسی بھی آدمی سے کریں، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ بس آپ کی کیونٹی سے نہ

ہو۔“ پھر آپ کم از کم یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ میں کسی خاص آدمی کے لئے یہ سب کر رہی ہوں۔“

باشم سین اس کی بات پر دانت پیٹنے لگے۔

”تم جھوٹا آدمی کی بات کر رہے ہو۔“

”میں سب جانتی ہوں بابا! میری عمر تیس سال ہے، میں آپ کی ادنیٰ بکڑ کر چنے والی بیٹی نہیں

ہوں۔ میں جانتی ہوں آپ کے اس مذہب کی وجہ سے ہمارے خاندان پر بدنامی پرکات نازل کی گئی ہیں۔"

وہ بڑے محکم اور ہواور انداز میں کہتی گئی۔ "تم..... تم..... بخشش نہیں ہوگی تمہاری۔ تم....."

ہاشم سین نے اپنے کے عالم میں انگلی اٹھا کر بولے گئے۔ امام کو ان پر ترس آنے لگا۔ اسے دوزخ میں کھڑے ہو کر دوزخ سے ڈرانے والے شخص پر ترس آیا۔ اسے آنکھوں پر پانی پانہ کر پھرنے والے شخص پر ترس آیا۔ اسے ہر شدہ دل والے آدمی پر ترس آیا۔ اسے نفس زدہ آدمی پر ترس آیا۔ اسے گمراہی کی سب سے اوپر والی بیڑی پر کھڑے آدمی پر ترس آیا۔

"تم گمراہی کے رستے پر چل پڑی ہو۔ چند دن نہیں بڑھ کر تم....." امام نے ان کی بات کاٹ دی۔

"آپ اس بارے میں مجھ سے بحث نہیں کر سکیں گے، میں سب کچھ جانتی ہوں، تحقیق کر چکی ہوں، تصدیق کر چکی ہوں۔ آپ مجھے کیا بتائیں گے، کیا سمجھائیں گے۔ آپ نے اپنی مرضی کا راستہ چن لیا ہے میں نے اپنی مرضی کا راستہ چن لیا۔ آپ وہ کر رہے ہیں جو آپ صحیح سمجھتے ہیں میں وہ کر رہی ہوں جو میں صحیح سمجھتی ہوں۔" آپ کا عقیدہ آپ کا ذاتی مسئلہ ہے۔ میرا عقیدہ میرا ذاتی مسئلہ ہے۔ کیا اب یہ بھڑ نہیں ہے کہ آپ میرے اس فیصلے کو قبول کر لیں، جذباتی حماقت کے بجائے بہت سوچ سمجھ کر اٹھایا جانے والا قدم سمجھ کر۔"

اس نے بڑی رسوائیت اور تنبیہ کی کے ساتھ کہا۔ ہاشم سین کی ناراضگی میں اور اضافہ ہوا۔

"میں..... میں اپنی اپنی کو مذہب بدلنے والی تاکہ پوری کیونٹی میرا بیانات کر دے۔ میں فتہ پانچ پر آ جاؤں۔ نہیں امام ایہ نہیں ہو سکتا۔ تمہارا اگر دماغ بھی ٹراپ ہو گیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میرا دماغ بھی ٹراپ ہو جائے۔ کوئی بھی مذہب اختیار کرے مگر تمہاری شادی میں اسے سے نیا کر دوں گا کہ جس میں اسی کے گھر جانا ہو گا..... اس کے گھر چلی جاؤ اور پھر وہاں جا کر ملے کرنا کہ جس میں کیا کرنا ہے کیا نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میں غفلت میں آ جاؤں۔"

وہ غیبت کے عالم میں کمرے سے اٹھ گئے۔

"مجھے چاہتا تھا کہ تمہاری وجہ سے ہمیں اتنی دولت کا سامنا کرنا پڑے گا تو میں بیوا ہونے کا حق تمہارا تھا و باقی۔" ہاشم سین کے چائے پی سٹلٹی نے کھڑے ہوتے ہوئے دانت چس کر کہا۔ "تم نے ہماری عزت خاک میں ملانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

امام کچھ کہنے کے جائے خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی۔ وہ کچھ دیر اسی طرح بولتی رہیں پھر کمرے سے چلی گئیں۔

انہیں اس کے کمرے سے گئے ایک گھنٹہ ہی ہوا تھا جب دروازے پر دھچک دے کر امجد اندر

داخل ہوا۔ امام کو اس کے اس وقت وہاں آنے کی توقع نہیں تھی۔ امجد کے چہرے پر پریشانی بہت نمایاں تھی۔ یقیناً اسے ہاشم سین نے بولا تھا اور وہ اسے سب کچھ بتا چکے تھے۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے امام؟" اس نے اندر داخل ہوتے ہی کہا۔ وہ اپنے بیڑ پر قبضی اسے دیکھتی رہی۔

"تم تم کیوں کر رہی ہو یہ سب کچھ۔"

"اسی وجہ سے کہ میں کیا کر رہی ہوں تو پھر یہ بھی بتا دیا گیا ہو گا کہ میں کیوں کر رہی ہوں۔"

"جس میں اندازہ نہیں ہے کہ تم کیا کر رہی ہو۔" وہ کمری سمجھ کر بیٹھ گیا۔

"مجھے اندازہ ہے۔"

"اس صبح میں جذبات میں آکر انسان بہت سے غلط فیصلے کر لیتا ہے....."

امام نے تڑپ سے اس کی بات کاٹ دی۔ "جذبات میں آکر..... آ کوئی جذبات میں آکر مذہب تبدیل کرتا ہے؟ کبھی نہیں..... میں چار سال سے اسلام کے بارے میں چڑھ رہی ہوں، چار سال کم نہیں ہوتے۔"

"تم لوگوں کی باتوں میں آ گئی ہو۔ تم....."

"نہیں، میں کسی کی باتوں میں نہیں آئی۔ میں نے جس چیز کو غلط سمجھا اسے چھوڑ دیا اور بس۔"

وہ کچھ دیر سہ چار کی کے عالم میں اسے دیکھا باہر سر جھٹکتے ہوئے اس کے کہا۔

"ٹھیک ہے ان سب باتوں کو چھوڑو، شادی پر کیوں اعتراض ہے تمہیں..... تمہارے عقائد میں جو تبدیلی آئی ہے وہ ایک طرف۔ کم از کم شادی تو ہونے دو۔"

"میری اور تمہاری شادی جائز نہیں۔"

وہ اس کی بات پر ہکا بکا رہ گیا۔ "کیا میں غیر مسلم ہوں؟"

"ہاں، تم ہو۔"

"انگل ٹھیک کہہ رہے تھے کسی نے واقعی تمہارا برہنہ واہ کر دیا ہے۔" اس نے اکثرے ہوئے

کچھ میں کہا۔

"پھر تم ایک ایسی لڑکی سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہو۔ پھر ہے تم کسی اور سے شادی کرو۔" اس

نے ترکی بہ ترکی کہا۔

"میں نہیں چاہتا کہ تم اپنی زندگی برباد کر لو۔" وہ اس کی بات پر مجب سے انداز میں بیٹھی۔

"زندگی برباد..... کون سی زندگی۔ یہ زندگی جو میں تم جیسے لوگوں کے ساتھ گزار رہی ہوں۔"

جنہوں نے پیسے کے لئے اپنے مذہب کو چھوڑ دیا....."

"Believe yourself" تم بات کرنے کے قیام سبزو بھول گئی ہو۔ کسی کے بارے میں کیا کہنا چاہتے ہو کیا نہیں، تم نے سرے سے ہی فراموش کر دیا ہے۔ "اسعد اسے ڈانٹنے لگا۔

"میں ایسے کسی شخص کا احترام نہیں کر سکتی جو لوگوں کو گمراہ کر رہا ہو۔" امام نے دونوں ائمہ میں کہا۔

"جس عمر میں تم ہو..... اس عمر میں ہر کوئی اسی طرح کنفیوژ ہو جاتا ہے جس طرح تم کنفیوژ ہو رہی ہو۔ جب تم اس عمر سے لگھو کی تو تمہیں احساس ہو گا کہ ہم لوگ کتنے حق بات کو سمجھنے سے ایک بار پھر اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"اگر تم لوگوں کو یہ لگتا ہے کہ میں غلط ہوں، جب بھی تم لوگ مجھے پھونڈیوں میں دیتے۔ اس طرح مجھے گھر میں قید کر کے کیوں رکھا ہوا ہے اگر تم لوگوں کو اپنے مذہب کی صداقت پر اتنا یقین ہے تو مجھے اس گھر سے چلے جانے دو۔ حقیقت کو جانچو دو....."

"اگر کوئی اپنا اپنے آپ کو نقصان پہنچانے پر عمل جائے تو اسے اکیلا نہیں چھوڑا جاسکتا اور وہ بھی ایک لڑکی کو۔ امام نے اس مسئلے کی نزاکت اور اہمیت کو سمجھوانے کی چلی کا خیال کروا کر تمہاری وجہ سے سب کچھ داؤ پر لگ گیا ہے۔"

"میری وجہ سے کچھ بھی داؤ پر نہیں لگا..... کچھ بھی نہیں..... اور کچھ کچھ داؤ پر لگا بھی ہے تو میں اس کی پروا کیوں کروں۔ میں تم لوگوں کے لئے دوزخ میں کیوں جاؤں، صرف امامان کے نام کی خاطر ایمانداران کیوں گمراہوں۔ نہیں اسعد! میں تم لوگوں کے ساتھ گمراہی کے اس راستے پر نہیں چلی سکتی۔ مجھے وہ کرنے دو جو میں کرنا چاہتی ہوں۔" اس نے قلعی لہجے میں کہا۔

"مجھ سے اگر تم نے زبردستی شادی کر لی تو بھی تمہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ میں تمہاری پیدی نہیں ہوں گی، میں تم سے وفا نہیں کروں گی۔ مجھے جب بھی موقع ملے گا میں بھاگ جاؤں گی۔ تم آخر کتنے سال مجھے اس طرح قید کر کے رکھ سکو گے، کتنے سال مجھ پر چھوڑے بھڑاؤ گے..... مجھے صرف چند لمحے چاہئے ہوں گے تمہارے گھر، تمہاری قید سے بھاگ جانے کے لئے..... اور میں..... میں تمہارے بچوں کو بھی ساتھ لے جاؤں گی۔ تم ساری عمر انہیں دوا دوا کر دیکھ نہیں سکو گے۔"

وہ اسے مستقبل کا نقشہ دکھا کر غرور و کبر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"اگر میں تمہاری جگہ پر ہوتی تو میں بھی امام ہاشم بھی لڑکی سے شادی نہ کروں..... یہ سراسر خدشہ ہے کچھ سوچو گا..... طاقت اور بے وقوفی کی انتہا ہو گی..... تم اب بھی سوچو..... اب بھی پیچھے ہٹ جاؤ..... تمہارے سامنے تمہاری ساری زندگی پڑی ہے..... تم بھی بھی لڑکی کے ساتھ شادی کر کے پرسکون زندگی گزار سکتے ہو..... کسی پریشانی..... کسی بے سکونی کے بغیر گھر میرے ساتھ نہیں..... میں تمہارے لئے بدترین تدبیر ثابت ہوں گی، تم اس سارے معاملے سے الگ ہو جاؤ، شادی سے انکار کرو،

افضل اعظم سے کہہ دو کہ تم مجھ سے شادی کرنا نہیں چاہتے یا کچھ عرصے کے لئے گھر سے غائب ہو جاؤ۔ جب تمام معاملہ ختم ہو جائے تو پھر آ جانا۔"

"تم مجھے اس طرح کے اوقات مشورے مت دو، وہ میں کسی بھی قیمت پر تم سے مشیر واد نہیں ہو سکتا..... کسی بھی قیمت پر..... میں انکار کروں گا، اس معاملے سے الگ ہوں گا، یہی گھر سے نکلیں جاؤں گا..... میں تم سے ہی شادی کروں گا امام! اب یہ ہمارے خاندان کی عزت اور ساکھ کا معاملہ ہے نہ یہ شادی نہ ہونے اور تمہارے گھر سے چلے جانے سے ہمارے پورے خاندان کو جتنا نقصان اٹھانا پڑے گا اس کا نہیں بالکل اندازہ نہیں دے سکتے۔ تم مجھے بھی یہ مشورہ دے رہی ہو..... جہاں تک بری روی ثابت ہوئے یا گھر سے بھاگ جانے کا تعلق ہے..... تو یہ سب بعد کا مسئلہ ہے..... میں تمہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں، تم اس طرح کے سپرمان کی ناک نہیں ہو کہ دوسروں کو بے جا پریشان کرتی رہو..... اور وہ بھی مجھے، جس سے تمہیں محبت ہے۔" اسعد بڑے اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

"تمہیں غلط فہمی ہے، مجھے کبھی بھی تم سے محبت نہیں رہی..... کبھی بھی..... میں واقعی طور پر تمہارے ساتھ اپنے تعلق اور دوستی کو اس وقت سے ذہن سے نکال چکی ہوں جب میں نے اپنا مذہب چھوڑا تھا۔ تم میری زندگی میں اب کبھی نہیں ہو..... نہیں بھی نہیں..... مگر میں اپنے گھر والوں کے لئے مسائل کھڑے کر سکتی ہوں تو کل تمہارے لئے کتنے مسائل کھڑے کروں گی تمہیں اس کا احساس ہونا چاہئے اور اس غلط فہمی سے باہر نکل آنا چاہئے..... ہم دونوں بھی کبھی کبھی نہیں ہو سکتے..... میں تم لوگوں کے خاندان کا حصہ بھی نہیں ہوں گی۔

نہیں اسعد! تمہارے اور میرے درمیان بہت فاصلہ ہے، اختلاف مسئلہ کہ میں تمہیں دیکھ تک نہیں سکتی اور میں اس فاصلے کو کبھی ختم نہیں ہونے دوں گی، میں کبھی بھی تم سے شادی کے لئے تیار نہیں ہوں گی۔"

اسعد بدلتی ہوئی رحمت کے ساتھ اس کا پیرو دیکھتا رہا۔

☆.....☆.....☆

"کیا تم میرا ایک کام کر سکتے ہو؟"

"تمہارا کیا خیال ہے اب تک میں اس کے علاوہ اور کیا کر رہا ہوں۔" سارا نے پوچھا۔

دوسری طرف کچھ دیر خاموشی رہی، پھر اس نے کہا۔ "کیا تم لاہور جا کر جمال سے مل سکتے ہو؟ سارا نے ایک لمحہ کے لئے اپنی آنکھیں بند کیں۔

"مس لگے..... البتہ امام کی آواز بہت بھاری لگ رہی تھی۔ یوں جیسے اسے ٹوٹا ہوا پھر ہانک اس کی دیال آجاکہ دیکھنا دیتی رہی ہوگی۔ یہ اسی کا اثر تھا۔

"تم میری طرف سے اس سے دیکھو کہ وہ مجھ سے شادی کر لے..... ایسے کے لئے نہیں

تو کچھ دھوکے لئے ہی۔۔۔ میں اس گھر سے نکلتا چاہتی ہوں اور میں کسی کی عہد کے بغیر یہاں سے نہیں نکلی سکتی۔ بس وہ مجھ سے نکال کر لے۔“

”تمہارا تو فون پر اس سے رابطہ ہے پھر تم یہ سب خود اس سے فون پر کیوں نہیں کہہ دیجیے۔“

سالار نے جیسے کھاتے ہوئے بڑے اطمینان سے اسے مشورہ دیا۔

”میں کہہ چکی ہوں۔“ اسے امامہ کی آواز پہلے سے زیادہ بھڑائی ہوئی تھی۔

”پھر؟“

”اس نے انکار کر دیا ہے۔“

”دیری سیڈ۔“ سالار نے افسوس کا اظہار کیا۔

”تو یہ دن سائیڈ ڈالو البتہ تھا۔“ اس نے کچھ جھجھکے کے عالم میں پوچھا۔

”نہیں۔“

”تو پھر اس نے انکار کیوں کر دیا؟“

”تم یہ جان کر گیا کرو گے۔“ وہ کچھ چڑ کر بولی۔ سالار نے ایک اور جیس اپنے منہ میں ڈالا۔

”میرے وہاں جا کر اس سے بات کرنے سے کیا ہو گا، بہتر ہے تم ہی وہاں جاؤ اس سے بات کرو۔“

”وہ مجھ سے بات نہیں کر دیا وہ فون نہیں اٹھاتا۔“ جلال میں بھی کوئی اسے فون پر نہیں بلکہ بار بار وہ جان بوجھ کر کتھا رہا ہے۔“ امامہ نے کہا۔

”تو پھر تم اس کے پیچھے کیوں پڑی ہو، جاننے والے۔ وہ تم سے محبت نہیں کرتا۔“

”تم یہ سب کچھ نہیں کہہ سکتے، تم صرف میری بدکردار ایک بار جا کر اسے میری صورت حال کے بارے میں بتاؤ، وہ مجھ سے اس طرح نہیں کر سکتا۔“

”اور اگر اس نے مجھ سے بات کرنے سے انکار کر دیا تو۔“

”پھر بھی تم اس سے بات کرنا شاید۔۔۔ شاید کوئی صورت نکل آئے، میرا مسئلہ حل ہو جائے۔“

سالار کے چہرے پر ایک مسکراہٹ نمودار ہوئی، اسے امامہ کے حال پر فحشی تو ہی تھی۔

فون بند کرنے کے بعد جیسے کھاتے ہوئے بھی وہ اس سارے معاملے کے بارے میں سوچتا رہا۔

برگزدتے دن کے ساتھ وہ اس سارے معاملے میں زیادہ سے زیادہ انوکھ ہو جا رہا تھا۔ بے اسے اپنی

زندگی کا سب سے بڑا ایٹم و بگرمکس ہو رہا تھا۔ پہلے امامہ تک فون پہنچاتا اور اب جلال سے رابطہ۔

امامہ کا بڑے فریڈنک اس نے جیسے کھاتے ہوئے زبردستی دہرایا۔ امامہ نے اسے اس کے بائیل اور

گھر کے تمام کواٹک سے آگاہ کر دیا تھا اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ اسے جلال انصر سے مل کر کیا کہنا ہے۔

☆۔☆۔☆

سالار نے اس شخص کو اوپر سے نیچے تک دیکھا اور وہ خاصا سا بوس ہوا۔ سالار نے کھڑک کا بڑی خاموشی سے دھکیلا اور صوف سے اٹھ کر سالار کے لیے قدم مار کر بصورت جسم نے اسے صاف کھانسی کے لئے کسی حد تک پرکشش بنادیا تھا مگر سالار نے کھڑک اور وہ شخص ان دونوں چیزوں سے محروم تھا۔ وہ مارشل فن و کاسٹ کا مالک تھا۔ اس کے چہرے پر لڑائی نہ ہوتی تو وہ بھر بھی قدرے بہتر نظر آتا۔ سالار سنکر کو جلال انصر سے مل کر بڑی ہوئی تھی۔ امامہ اب اسے پہلے سے زیادہ بے وقوف لگتی۔

”میں جلال انصر ہوں، آپ ملنا چاہتے ہیں مجھ سے؟“

”میرا نام سالار سنکر ہے۔“ سالار نے لپٹا ہوا تھا اس کی طرف بڑھ گیا۔

”معاف کیجئے گا مگر میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔“

”خیر ہے آپ پہچان بھی کیسے سکتے ہیں۔ میں پہلی بار آپ سے مل رہا ہوں۔“

سالار اس وقت جلال کے ہاسٹیل میں اسے ڈھونڈتے ہوئے آیا۔ چند لوگوں سے اس کے بارے میں دریافت کر لے، پھر وہ اس کے پاس پہنچا کیا تھا۔ اس وقت وہ زبانی رد و دم کے باہر کھڑے تھے۔

”نہیں، چند کربات کر سکتے ہیں؟“ جلال اب کچھ حیران نظر آیا۔

”چند کربات۔۔۔ مگر کس مسئلے میں۔“

”امامہ کے مسئلے میں۔“

جلال کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ ”آپ کون ہیں؟“

”میں اس کا دوست ہوں۔“ جلال کے چہرے کا رنگ ایک بار بھر بدل گیا۔ وہ چپ چاپ ایک طرف چلے آگیا۔ سالار اس کے ساتھ تھا۔

”پارکنگ میں میری گاڑی کھڑی ہے، وہاں چلتے ہیں۔“ سالار نے کہا۔

گاڑی تک پہنچتے تو اس کے اندر بیٹھے تک دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔

”میں اسلام آباد سے آیا ہوں۔“ سالار نے کہنا شروع کیا۔

”امامہ چاہتی تھی کہ میں آپ سے بات کروں۔“

”امامہ نے بھی مجھ سے آپ کا ذکر نہیں کیا۔“ جلال نے کچھ عجیب سے انداز میں کہا۔

”آپ امامہ کو تب سے جانتے ہیں؟“

”تقریباً چھ ماہ سے۔۔۔ ہم دونوں کے گھر ساتھ ساتھ ہیں۔ بڑی گہری دوستی ہے ہماری۔“

سالار نہیں جانتا اس نے آخری جملہ کیوں کہا۔ شاید یہ جلال کے چہرے کے بدلنے ہوئے رنگ نے

جس نے وہ کچھ اور محسوس ہونا چاہتا تھا۔ وہ جلال کے چہرے پر نمودار ہونے والی ناپسندیدگی کو دیکھ چکا تھا۔

”امامہ سے میری بہت سی بات ہو چکی ہے، اچھی بات کے بعد اور کیا بات ہو سکتی ہے۔“

جلال نے سہلہ کے لئے کہا۔

"امام جانتی ہے کہ آپ اس سے شادی کریں۔" سالار نے جیسے نہ دیکھیں پڑھتے ہوئے کہا۔

"میں ان کا جواب اسے بناؤں گا۔"

"وہ جانتی ہے آپ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں۔"

"یہ ممکن نہیں ہے۔"

"وہ اس گھر میں اپنے والدین اور گھر والوں کی قید میں ہے۔ وہ جانتی ہے آپ اگر بیٹھ کے لئے نہیں تو واقعی طور پر اس سے نکاح کس اور پھر ایات کی مدد سے اسے چھڑائیں۔"

"یہ ممکن ہی نہیں ہے، وہاں کی قید میں ہے تو نکاح ہو ہی کیسے سکتا ہے۔"

"نہیں۔"

"نہیں میں اتنا بڑا رسک نہیں لے سکتا۔ میں ایسے معاملات میں انوالو ہوتا ہی نہیں چاہتا۔" جلال نے کہا۔ "میرے والدین مجھے اس شادی کی اجازت نہیں دیں گے اور پھر وہ امام کو بولی کرنے پر تیار بھی نہیں ہیں۔"

جلال کی نظریں اب سالار کے بالوں کی چوٹی پر جمی ہوئی تھیں، یقیناً سالار کی طرح اس نے بھی اسے تاپہ بند قرار دیا ہو گا۔

"اس نے کہا کہ آپ واقعی طور پر اس سے سرف نکاح کر لیں چاکر وہ اپنے گھر سے نکل سکے، بعد میں آپ چاہیں تو اسے طلاق دے دیں۔"

"میں نے کہا تھا میں اس کی مدد نہیں کر سکتا اور پھر اس طرح کے معاملات..... آپ خود اس سے شادی کیوں نہیں کر لیتے۔ اگر واقعی شادی کی بات ہے تو آپ کر لیں۔ آخر آپ اس کے دوست ہیں۔"

جلال نے کچھ چپستے ہوئے انداز میں سالار سے کہا۔ "آپ اسلام آباد سے لاہور اس کی مدد کے لئے آ سکتے ہیں تو پھر یہ کام بھی کر سکتے ہیں۔"

"اس نے مجھ سے شادی کا نہیں کہا، اس لئے میں نے اس بارے میں نہیں سوچا۔" سالار نے منہ سے جھٹکتے ہوئے بے تاثر لہجہ میں کہا۔ "وہی ہے وہ آپ سے محبت کرتی ہے، مجھ سے نہیں۔"

"مگر عارضی شادی یا نکاح میں تو محبت کا ہونا ضروری نہیں۔ بعد میں آپ بھی اسے طلاق دے دیں۔" جلال نے سہلہ کا عمل نکال لیا تھا۔

"آپ کا مشورہ میں اسے پہنچا دوں گا۔" سالار نے سنجیدگی سے کہا۔

"اور اگر یہ ممکن نہیں ہے تو پھر امام سے کہیں کہ وہ کوئی اور طریقہ اپنائے..... بلکہ آپ کسی نزدیکی کے افسس میں پہلے جائیں اور انہیں امام کے بارے میں بتائیں کہ کس طرح اس کے خاندان نے

اسے زبردستی قید کر رکھا ہے۔ جب میں یا اس معاملے کو ہائی لائٹ کرے گا تو خود ہی وہ امام کو چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں گے یا پھر آپ پولیس کو اس معاملے کی اطلاع دیں۔"

سالار کو حیرانی ہوئی۔ جلال کی تجویز بڑی نہیں تھی۔ وہ واقعی امام اس بارے میں کیوں نہیں سوچ رہی تھی۔ یہ راستہ زیادہ محفوظ تھا۔

"میں آپ کا یہ مشورہ بھی اسے پہنچا دوں گا۔"

"آپ دوبارہ میرے پاس نہ آئیں بلکہ امام سے بھی یہ کہہ دیں کہ وہ مجھ سے کسی بھی طریقے یا ذریعے سے وہ بار بار رابطہ نہ کرے۔ میرے والدین ایسے بھی میری صفائی کرنے والے ہیں۔" جلال نے جیسے انکشاف کیا۔

"ٹھیک ہے، میں یہ ساری باتیں ان تک پہنچا دوں گا۔" سالار نے لاپرواہی سے کہا۔ جلال حریف ہاتھ کے بغیر گاڑی سے اتر گیا۔

اگر ایمان کو یہ توقع تھی کہ سالار جلال کو اس سے شادی کرنے کے لئے قائل کرے گا تو وہ اس کی سب سے بڑی بھولی تھی۔ وہ امام سے کوئی بددعا دینی دیکھتا تھا نہ ہی کسی خوف خدا کے تحت اس سادے معاملے میں کودا تھا۔ اس کے لئے یہ سب کچھ ایک ایذا و تحقار کا پتہ تھا اور پھر میں یقیناً جلال سے امام کی شادی شامل نہیں تھی۔ اگر جلال اس سے اس کی شادی کے لئے دلائل دیتے بھی جاتے تو وہ کیا جاتا۔ اس کے پاس صرف ایک دلیل کے علاوہ اور کوئی دلیل نہیں تھی کہ جلال اور امام ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور یہ وہ دلیل تھی جسے جلال پہلے ہی روک چکا تھا۔ وہ نہ ہی بااخلاق حوالوں سے جلال کو قائل نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ خود ان دونوں چیزوں سے تامل تھا۔ مذہب اور اخلاقیات سے اس کا دور دورہ ہے بھی کوئی واسطہ نہیں تھا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ آخر وہ امام کے لئے ایک دوسرے آدمی سے اتنی لمبی بحث کرتا کیوں۔ وہ بھی ایسا آدمی جسے دیکھتے ہی اس نے تپہ بند کر دیا تھا۔

اور یہ تمام وہ باتیں تھیں جو وہ اسلام آباد سے لاہور آتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ وہ آیا اس لئے تھا کیونکہ وہ جلال سے ملنا چاہتا تھا اور دیکھنا چاہتا تھا کہ امام کے پیغام پر اس کا رد عمل کیا رہتا تھا۔ اس نے امام کا پیغام اسی کے لفظوں میں کسی امتحان یا ترمیم کے بغیر پہنچا دیا تھا اور اب وہ جلال کا جواب لے کر واپس جا رہا تھا اور خاصا محکوم ہو رہا تھا۔ آخر اس پیغام کے جواب میں وہ کیا کرے گی، کہے گی، اسے سے شادی تو وہ نہیں کرے گی، جلال اس سے شادی کرنے پر تیار نہیں، گھر سے وہ نکل نہیں سکتی، کوئی اور ایسا آدمی نہیں جو اس کی مدد کے لئے آئے پھر آخر وہ اب آئے گی کیا کرے گی، عام طور پر لڑکیاں ان حالات میں خود بخود کٹی کرتی ہیں، اور میں..... وہ یقیناً اب مجھ سے زہر یا زہر پھانسی کی خواہش کرے گی۔

سالار متوجہ صورت حال کے بارے میں سوچ کر پریشان اور باہوا "خودکشی" اور بی ادبیا منتک۔

آج میرا اس کے علاوہ دواور کر بھی کیا سکتی ہے؟

☆ — ☆ — ☆

”تم مجھ سے شادی کرو گے؟“ سالار کو جیسے شاک لگا۔ ”فون پر نکلیں؟“ وہ ہنسنے کے لئے بول نہیں سکا۔

لاہور سے واپس آنے کے بعد اس نے اہامہ کو جلال کا جواب بالکل اسی طرح سے پیش کیا تھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ وہ اب رونا و سنا شروع کرے گی اور پھر اس سے کسی ہتھیار کی فرمائش کرے گی۔ مگر وہ کچھ دیر کے لئے خاموش رہی پھر اس نے سالار سے جو کہا تھا اس نے چند ثانیوں کے لئے سالار کے پیش قدمی کر دینے تھے۔

”مجھے صرف کچھ دیر کے لئے تمہارا ساتھ چاہئے تاکہ میرے والدین احمد کے ساتھ میری شادی نہ کر سکیں اور پھر تم ہیئت کے ذریعے مجھے یہاں سے نکال لو۔ اس کے بعد مجھے تمہاری ضرورت نہیں رہے گی اور میں کبھی انکی اپنے والدین کو تمہارا نام نہیں بتاؤں گی۔“ وہ اب کہہ رہی تھی۔

”اوہ کے کر لیتا ہوں۔“ مگر یہ ہیئت والی کام توڑا مشکل ہے۔ اس میں بہت سی legalities ہوتی ہیں۔ وکیل کو ہار کرنا۔ ہاں۔۔۔۔۔ اہامہ نے دوسری طرف سے اس کی بات کاٹ دی۔ ”تم اپنے فریڈر سے اس سلیٹ میں مدد لے سکتے ہو۔ تمہارے فریڈر تو اس طرح کے کاموں میں ماہر ہوں گے۔“

”اسی طرح کے کاموں میں۔“

”تم کیسے جانتی ہو۔“

”دسم نے مجھے بتایا تھا کہ تمہاری کینٹی بھی نہیں ہے۔“

اہامہ کے منہ سے بے اختیار نکلا اور پھر وہ خاموش ہو گئی۔ یہ جملہ مناسب نہیں تھا۔

”میری کینٹی بہت اچھی ہے۔ دسم انکم جلال انصر کی کینٹی سے بہتر ہے۔“ سالار نے جیسے ہوئے لہجے میں کہا۔ وہ اس بار بھی خاموش رہی۔

”پھر حال میں دیکھتے ہوں۔ میں اس سلیٹ میں کیا کر سکتا ہوں۔“ سالار ہنسنے پر انکی کے جواب کا انتظار کرنے کے بعد بولا۔ ”مگر تمہیں یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہئے کہ یہ کام بہت دسکی ہے۔“

”میں جانتی ہوں مگر سو سکتا ہے میرے والدین صرف یہ بتا دینے پر قنہ مجھے گھر سے نکال دیں کہ میں شادی کر چکی ہوں اور مجھے ہیئت کی مدد لینا نہ پڑے یا ہو سکتا ہے وہ میری شادی کو قبول کر لیں اور پھر میں تم سے طلاق لے کر جلال سے شادی کر سکوں۔“

سالار نے سر کو قدرے افسوس کے عالم میں ہٹلایا۔ ”اس نے دنیا میں ایسی طرح کا احمق پہلے کبھی

نہیں دیکھا۔ وہ احمقوں کی جنت کی ملکہ تھی یا شاید ہونے والی تھی۔

”چلو دیکھتا ہوں، کیا ہو تا ہے۔“ سالار نے فون بند کرتے ہوئے کہا۔

☆ — ☆ — ☆

”میں ایک لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔“ حسن نے سالار کے چہرے کو غور سے دیکھا اور پھر بے اختیار ہنسا۔

”یہ اس سال کا نیا لہجہ و چہرہ ہے یا آخری ایڈ وچر۔“

”آخری ایڈ وچر۔“ سالار نے بڑی سلیپ کی کے ساتھ ہنسنے لگا۔ ”یعنی تم شادی کر رہے ہو۔“

حسن نے ہرگز کھاتے ہوئے کہا۔

”شادی کا کون کہہ رہا ہے۔“ سالار نے اسے دیکھا۔

”تو پھر؟“

”میں ایک لڑکی سے نکاح کرنا چاہ رہا ہوں۔ اس کو مدد کی ضرورت ہے۔ میں اس کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔“ حسن اس کا چہرہ دیکھتے لگا۔

”آج تم مذاق کیے ہو میں ہوں؟“

”نہیں، بالکل سچی باتیں۔“ میں نے تمہیں یہاں مذاق کرنے کے لئے تو نہیں بلوایا۔“

”پھر کیا فضول باتیں کر رہے ہو۔۔۔۔۔ نکاح۔۔۔۔۔ لڑکی کی مدد۔۔۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔“ اس بار حسن نے

قدرے ناگواری سے کہا۔ ”محبت وغیرہ وہ گئی ہے تمہیں کسی سے؟“

”نائی فٹ۔۔۔۔۔ میرا دل خراب ہے کہ میں کسی سے محبت کروں گا اور وہ بھی اس عمر میں۔“ سالار

نے تحقیر آمیز انداز میں کہا۔

”کیسی تو۔۔۔۔۔ میں بھی یہی کہہ رہا ہوں کہ پھر تم کیا کر رہے ہو۔“

سالار نے اس بار اسے تفصیلی سے اہامہ اور اس کے مسئلے کے بارے میں بتایا۔ اس نے حسن کو

صرف یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ لڑکی دسم کی بہن ہے کیونکہ حسن دسم سے بہت اچھی طرح واقف تھا لیکن اس

سے حقیقت سننے کے بعد حسن نے پہلا سوال ہی یہ کیا تھا۔

”وہ لڑکی کون ہے؟“ سالار نے بے اختیار دیکھ کر اسٹائپ لیا۔

”دسم کی بہن۔“

”واضح۔“ حسن بے اختیار اچھلا۔ ”دسم کی بہن۔۔۔۔۔ وہ جو میڈیکل کالج میں پڑھتی ہے۔“

”ہاں۔“

”تمہارا دل خراب ہو گیا، تم کیوں خواہ مخواہ اس طرح کی حماقت کر رہے ہو۔ دسم کو بتا دو اس

سارے معاملے کے بارے میں۔

"میں تم سے دماغ لگنے آیا ہوں، مگر وہ مانگتے نہیں۔" سالار نے ناگواری سے کہا۔

"میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔" حسن نے کچھ اٹھے ہوئے انداز میں کہا۔

"تم نکاح خواہ اور کچھ گواہوں کا انتظام کرو، تاکہ میں اس سے فون پر نکاح کر سکوں۔" سالار نے فوراً ہی کام کی بات کی۔

"مگر تمہیں یہ نکاح کرنے کا کدو کیا ہو گا۔"

"کچھ بھی نہیں، مگر میں کسی قاعدے کے بارے میں سوچ بھی کب کر ہا ہوں۔"

"ابھی کہہ سالار اس سب کو۔" تم کیوں کسی دوسرے کے معاملے میں مداخلت کر رہے ہو اور وہ بھی دھمکی دینے کے معاملے میں بہتر۔"

سالار نے اس بار روشنی سے اس کی بات کالی۔ "تم مجھے صرف یہ بتاؤ کہ میری مدد کرو گے یا نہیں۔ باقی چیزوں کے بارے میں پریشان ہونا تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔"

"نہیک ہے، میں تمہاری مدد کروں گا۔ میں مدد کرنے سے انکار نہیں کر رہا ہوں، مگر تم یہ سوچو لو کہ یہ سب بہت خطرناک ہے۔" حسن نے ہتھیار ڈالنے والے انداز میں کہا۔

"میں سوچ چکا ہوں، تم مجھے تحفظات بتاؤ۔" سالار نے اس بار فریخ فوایز کھاتے ہوئے کچھ بے بسی انداز میں کہا۔

"میں ایک بات۔ اگر انکل اور آئی کو پتا چل گیا تو کیا ہو گا۔"

"انہیں پتا نہیں چلے گا، وہ جہاں نہیں ہیں، اگر اپنی گتے ہوئے ہیں اور ابھی کچھ دن وہاں نہیں رہیں گے۔ وہ یہاں ہوتے ہمارے لئے یہ سب کچھ کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔" سالار نے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ وہ اپنا بڑا گھر تقریباً ختم کر چکا تھا۔ حسن لب اپنا کر کھاتے ہوئے کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا انکل آ رہا تھا مگر سالار اس کے اشارات کی طرف دھیان نہیں دے رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ حسن اس وقت اپنا لالچ مکمل کرنے میں مصروف ہے۔ اسے حسن سے کسی قسم کا کوئی خوف یا جھلہ نہیں تھا۔ وہ اس کا بھروسہ دوست تھا۔

☆ ☆ ☆

حسن نے نکاح کے انتظامات بہت آسانی سے کر لئے تھے۔ سالار نے اسے کچھ رقم دی تھی جس سے اس نے تم کو گواہوں کا انتظام کر دیا تھا۔ وہ تھے گواہ کے طور پر خود بخود موجود تھا۔ نکاح خواہ کو اندازہ تھا کہ اس نکاح میں کوئی غیر معمولی کہانی تھی۔ مگر اسے ہماری رقم کے سمجھوتہ کی دھمکیاں بھی دے دی گئی تھیں کہ وہ خاموش ہو گیا۔

حسن سر پیر کے دشت اس نکاح خواہ اور تینوں گواہوں کو لے آیا تھا۔ وہ سب سالار کے کمرے میں چلے گئے تھے۔ وہیں بیٹھ کر نکاح خواہ نے پھر اپنا قصہ سالار امام کو پہلے ہی اس بارے میں افکارم کر چکا تھا۔ مقررہ وقت پر فون پر نکاح خواہ نے ان دونوں کا نکاح چاہا۔ یا تھا۔ سالار نے ملازمہ کے ذریعے امام کو بچہ زچہ آواز دے دیے تھے۔ امام نے بچہ زچے ہی برقی رفتار سے ان پر سائی کر کے ملازمہ کو واپس دے دیے تھے۔ ملازمہ ان بچہ زچہ کو واپس سالار کے پاس لے آئی تھی، مگر وہ بری طرح خجش کا دکھا رہی تھی۔ آخر وہ لوگ کوئی تھے جو سالار کے کمرے میں تھے اور یہ بچہ زچے تھے جن پر امام نے سائی کیا تھا۔ اس کا ہاتھ لگ رہا تھا اور اسے شبہ ہو رہا تھا کہ ہونہ ہو اور دونوں آپس میں شادی کر رہے تھے۔ سالار کو بھی زواہیں دیتے ہوئے وہ پوچھتے بغیر وہ نہیں نکلی تھی۔

"نہیں جج کے کاغذ ہیں سالار صاحب؟" اس نے بظاہر بڑی سادگی اور مضمونیت سے پوچھا۔ "تمہیں اس سے کیا۔ جیسے بھی بچہ زچہ ہوں۔ تم اپنے کام سے کام رکھو۔" سالار نے اسے دھمکی سے اسے بھڑکایا۔

"اور ایک بات تم کان کھولو کہ سن لو، اس سارے معاملے کے بارے میں اگر تم کو پتا نہ چلے تو یہ تمہارے لئے بہتر ہو گا بلکہ بہت بہتر ہو گا۔"

"مجھے کیا ضرورت ہے جی جی سے بھی اس بارے میں بات کرنے کی۔ میں نے تو ویسے ہی پوچھ لیا۔ آپ اطمینان رکھیں صاحب جی انہیں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔"

ملازمہ خود آگھر آئی تھی۔ سالار دیکھے بھی اتنا اکثر مزاح تھا کہ اسے اس سے بات کرتے ہوئے خوف آیا کرتا تھا۔ سالار نے کچھ غور سے پوچھا کہ اسے اس بات کا کوئی خوف نہیں تھا کہ ملازمہ یہ سب کچھ کو بتا سکتی تھی۔ اگر بتا بھی دیتی تو اسے کوئی فرق نہیں پڑنے والا تھا۔

☆ ☆ ☆

"تم ایک بار پھر جلال سے ملو، ایک بار پھر جلال۔" وہ اس دن فون پر اس سے کہہ رہی تھی۔ سالار اس کی بات پر پڑ گیا۔ وہ تم سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ سچی بات کہہ چکا ہے۔ آخر تم کبھی کیوں نہیں ہو کہ وہ بارہا بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس نے بتایا تھا کہ اس کے ماں باپ اس کی کوئی مٹکلی وغیرہ کرنا چاہ رہے ہیں۔

"وہ جھوٹ بول رہا ہے۔" امام نے بے اختیار اس کی بات کاٹ دی۔ "صرف اس لئے کہ میں اس سے دوبارہ نکاح کر دوں، ورنہ اس کے جیسے جس جلدی اس کی مٹکلی کر ہی نہیں سکتے۔"

"تو جب وہ نکاح چاہتا ہے تو شادی کرنا اور کاتیکٹ کرنا۔" تو تم کیوں غور ہو رہی ہو اس کے بچنے۔"

”کیونکہ میری قسمت میں خوار کیا ہے۔“ اس نے دوسری طرف سے زنجیر کاٹی ہوئی آواز میں کہا۔

”اس کا کیا مطلب ہے؟“ وہ اُلجھتا۔

”کوئی مطلب نہیں ہے۔ نہ تم سمجھ سکتے ہو۔۔۔ تم پس اس سے جا کر کہو کہ میری مدد کرے وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اتنی محبت کرتا ہے۔ اس سے کہو کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہی جھگڑے کرے۔“ وہ بات کرتے کرتے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”یہ کیا بات ہوئی؟“ اس کے آنسوؤں سے محاش ہو گئے گھبراہٹ سے۔ ”کیا یہ بات کہنے سے وہ تم سے شادی کر لے گا۔“

ماموں نے جواب نہیں دیا۔ وہ سوچیں گی کہ یہ تو میری بیٹی ہے۔ وہ بیٹا ہو گیا۔

”تم یہ تو رونا لڑو۔۔۔ یہ پھر مجھ سے بات کر لو۔“

دوسری طرف سے فوٹا بند کر دیا گیا۔ سالار نے فوراً کال کی۔ کال ریسیو نہیں کی گئی۔

پندرہ بجیں منٹ کے بعد امام نے اسے دوبارہ کال کیا۔ ”اگر تم یہ وعدہ کرتی ہو کہ تم روڈ کی نہیں تو مجھ سے بات کرو اور نہ فون پر کہو۔“ ”ملا لارے اس کی آواز سننے ہی کہا۔“

پھر تم لاہور جاؤ گے۔ جو اس کے سوال کا جواب دے کے چلائے اس نے اس سے پوچھا۔

سمالار کو اس کی مستقل حراستی پر حریفی ہوئی۔ وہ واقعی ڈھنٹ تھی۔ وہ اب بھی اپنی ہی بات پر اٹکی ہوئی تھی۔

”اچھا، میرا چلا جائے گا۔ تم نے اپنے گھر والوں کو شادی کے بارے میں بتایا ہے۔“ سارا نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

نہیں، ابھی نہیں بتایا۔“ وہ اب خود پر قابو پا چکی تھی۔

کب تاؤ گی؟" سارا کو جیسے ڈرامے کے اگلے سین کا انتظار تھا۔

چا نہیں۔ ”اگرچہ اچھی۔“ تم کب لاؤ اور جاؤ گے؟“

لیکن جلد ہی چلا ہواؤں کا۔۔۔ یہی یہاں مجھے کچھ کام ہے ورنہ فوراً ہی چلا جاتا۔“

ساتھ بار سالانہ سنے جھوٹ بولا تھا۔ نہ تو اسے کوئی کام تھا اور نہ علی دوم اس بار لاہور چلے گئے تھے۔

”اب تم بھٹ کے ذریعے اپنے گھر سے نکل آؤ گی تو اس کے بعد تم کیا کرو گی۔“ جی جی میں انہاں
 کی آواز کی آواز سن کر ایک بار پھر اسے اس موضوع سے ہٹاتے ہوئے گھبراہٹ سے کہنے لگا۔ ”اس صورت میں جب جلا
 علی تمہاری مدد کرنے پر تیار نہ ہو تو۔۔۔“

”میں ابھی ایسا کچھ فرمایا نہیں کر رہی، دو ضرور میری مدد کرے گا۔“ ایما نے اس کی بات کاٹتے دے پر زور انداز میں کہہ سکا اور نے کندھے اچکائے۔

”تم کچھ بھی غرض کرنے پر چلو تمہیں ہو، اور نہ میں تم سے ضرور کہتا کہ شاید وہ نہ ہو جو تم چاہتی ہو۔ مجھ غم کیا کرو گی..... تمہیں دوبارہ اپنے جوش کی مدد کی ضرورت ہے نہ گی..... تو زیادہ بہتر نہیں ہے کہ تم جی یہاں سے نہ جانے کا سوچو..... نہ ہی پاپ اور گورٹ کی مددوں بعد میں کبھی تو تمہیں یہاں ہی آنا پڑے گا۔“

”ہیں دو بارہا کبھی یہاں نہیں آؤں گی۔ کسی صورت سے نہیں۔“

”یہ چھ دیا تھیں مجھے“ ”سہارا دے“ ”چھوڑ دیا“۔

”تم ان چیزوں کو نہیں سمجھ سکتے۔“ امام نے ہمیشہ کی طرح اپنا مخصوص جملہ دہرایا۔ سالار کچھ

1923

۳۱۔ کہہ کر وہ چکر ماریا جی ہوئے۔ اس نے لاپرواہی سے کہہ کر فون بند کر دیا۔

☆ ☆ ☆

”کل شام کو ہم لوگ مسجد کے ساتھ تہوار کا اہتمام کر رہے ہیں۔ تمہاری مصحفی بھی ساتھ ہی کر رہی ہے۔“

باشم مہین نے رات کو اس کے کمرے میں آکر اکھڑے ہوئے دلچسپی میں کہا۔

”جیسا! میں اچھا کروں گی۔۔۔ آپ کے لئے بہتر ہے آپ اس طرح خود کو برقی میٹھی بنا دیں۔ کر رہیں۔“

”تم انکار کرو گی تو میں تمہیں اسی وقت شوٹے کر دوں گا، یہ بات تم یاد رکھنا۔“ دوسرا اٹھائے اٹکیں
بھٹکی رہی۔

”یابا! میں شادی کر چکی ہوں۔“ ہاشم تبیین کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ ”میں اسی لئے اس شادی سے

انکار کر رہا تھا۔

”تم جھوٹ بول رہی ہو۔“

”نہیں، میں تھوڑے لمبے بول رہی ہوں۔ میں چھ ماہ پہلے شادی کر چکی ہوں۔“

”کس کے ساتھ؟“

”میں نے آپ کو نہیں بتا سکتا۔“

باقم مبین کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس اولاد کے ہاتھوں اپنے خوار ہوں گے۔ ایک بلور ہو کر وہ اجاہ
پر کچکے اور انہوں نے کچکے بعد دیکھ کر اس کے چہرے پر تعجب مارنے شروع کر دیے۔ وہ چچے سے
ساتھ دونوں ہاتھ کرتے ہوئے خود کو بچانے کی کوشش کرنے لگی تھر وہ اس میں بری طرح ناکام رہا۔
کمرے میں ہونے والا شور سن کر وہ سب سے پہلے وہاں آیا تھا اور اس نے باقم مبین کو گلا کر زبردستی
اجاہ سے دور کیا۔ وہ بلور کے ہاتھ پٹتے لگا کر روٹی رہی۔

آواز میں کہا۔ "آپ مجھے اس گھر سے ہٹے جانے دیں، مجھے آزاد کرویں۔"

"اس گھر سے نکل جاؤ گی تو دنیا میں بہت ٹھوکریں مارے گی۔" تمہیں کوئی مزہ ہی نہیں ہے کہ باہر کی دنیا میں کیسے ٹھوکرے نہیں بڑپ کر کے گئے بیٹے ہیں۔ جس ٹوکے سے شادی کر کے تم نے ایسے دیکھ لیا ہے وہ تمہیں بہت غور کرے گا۔ ہمارے خاندان کو دیکھ کر اس نے تمہارے ساتھ اس طرح چوری پیچھے رکھنے جوڑا ہے۔ جب ہم تمہیں اپنے خاندان سے نکال دیں گے اور تم اپنی پائی کی حفاظت نہ جاؤ گی تو وہ بھی تمہیں چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔ تمہیں کہیں پناہ نہیں ملے گی، کوئی لکھنا نہیں ملے گا۔" سلیٹی اب اسے ڈرا رہی تھیں۔ "ابھی بھی وقت ہے امارہ تمہارے پاس ابھی بھی وقت ہے۔"

"نہیں امی! میرے پاس کوئی وقت نہیں ہے، میں سب کچھ ملے کر لیتی ہوں۔ میں اپنا فیصلہ آپ کو بتا چکی ہوں۔ مجھے یہ سب قبول نہیں۔ آپ مجھے جانے دیں، اپنے خاندان سے الگ کرنا چاہتے ہیں، کر دیں۔ چاہیہ اسے خروم کرنا چاہتے ہیں، کر دیکھ۔ میں کوئی اعتراض نہیں کروں گی مگر میں کروں گی وہی جو میں آپ کو بتا رہی ہوں۔ میں اپنی زندگی کے راستے کا انتخاب کر چکی ہوں۔ آپ یا کوئی بھی اسے بدل نہیں سکتا۔"

"اگلی بات ہے تو تم اس گھر سے نکل کر دکھاؤ۔ میں تمہیں یہاں سے مار دوں گا لیکن اس گھر سے تمہیں جانے نہیں دیں گا۔ اور اس دیکھ کو تو میں ابھی طرح دیکھ لوں گا۔ تمہیں اگر یہ خوش نہیں ہے کہ کوئی کورٹ باجوا لیت تمہیں میری تحویل سے نکال سکتی ہے تو یہ تمہاری بھول ہے، میں تمہیں کبھی بھی نہیں بھیجے گا۔ میں یہاں کے آئے سے پہلے اس گھر سے کہیں اور منتقل کر دوں گا پھر میں دیکھوں گا کہ تم کس طرح اپنے فیصلے کو تبدیل نہیں کرتی اور مجھے اگر وہ لڑکا نہ ملے گا جس سے تم نے شادی کی ہے تو پھر میں اس بات کی پروا کئے بغیر کہ تمہارا نکاح ہو چکا ہے اس گھر سے تمہاری شادی کر دوں گا۔ میں اس شادی کو سرنے سے مانتا ہوں۔ تمہاری شادی صرف وہ ہوگی جو میری مرضی سے ہوگی، اس کے علاوہ نہیں۔" وہ مشتعل انداز میں کہتے ہوئے سلیٹی کے ساتھ باہر اٹھ گئے۔ وہ ہیں دیا ر کے ساتھ کھڑی خود اور پریشان نظروں سے وہ دازے کو دیکھتی رہی۔ اس نے جس مقصد کے لئے شادی کی تھی ابھی کا کوئی خاکہ نہ ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ باشم تین احمد اپنی بات پر چونک کر کی طرح اڑے ہوئے تھے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

"بے چاری اماد بی بی!" ناصرو نے سالار کے کمرے کی صفائی کرتے ہوئے اچانک جھڈ آواز میں انہوں کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ سالار نے سڑک سے دیکھا۔ وہ اپنی اٹلی ٹیبل پر پڑی ہوئی کتابوں کو سیٹ دھکا دے ناصرو سے منسوب دیکھ کر حیرت سے ہوئی۔

"بڑی مار چڑی ہے جی کل بات کو۔"

"بس کو مار پڑی ہے؟" سالار نے کتابیں ایک طرف کرتے ہوئے کہا۔

"اماد بی بی کوئی اور کسے۔" وہ کتابیں ایک طرف کرتے کرتے ڈک گیا اور ناصرو کو دیکھا جو کمرے میں موجود ایک شیف کی جھانپ چھ کر رہی تھی۔

"باشم تمہیں نے کل بہت مارا ہے۔"

سالار نے حد محفوظ ہوا۔ "واقعی؟"

"ہاں جی، بہت زیادہ پٹائی کی ہے، میری بیٹی چار ہی تھی۔" ناصرو نے کہا۔

"ابھی؟ کس۔" سالار نے بے اختیار تبصرہ کیا۔

"جی۔۔۔۔۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" ناصرو نے اس سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ مارا کس لئے؟" سالار نے پوچھا۔

اس کے ہونٹوں پر موجود مسکراہٹ ناصرو کو عجیب لگی۔ اسے قطع نہیں تھی کہ وہ اس خبر پر مسکرائے گا۔ اس کے ذاتی "قانون" اور "اندازوں" کے مطابق ان دونوں کے درمیان جیسے تعلقات تھے اس پر سالار کو بہت زیادہ اصرار نہ ہونا چاہئے تھا مگر یہاں صورت حال بالکل برعکس تھی۔

"بے چاری اماد بی بی کو پتا چل جائے کہ سالار صاحب اس خبر پر مسکرا رہے تھے تو وہ تو صدمے سے ہی مر جائیں۔" ناصرو نے دل میں سوچا۔

"کس بات پر مارا ہے جی!" ناصرو نے وہ اسجد صاحب سے شادی پر تیار نہیں ہیں کسی اور "ٹوکے" سے شادی کرنا چاہتی ہیں۔" ناصرو نے ٹوکے پر زور دیتے ہوئے سلیٹی خیر انداز میں سالار کو دیکھا۔

"بس اس بات پر۔" سالار نے لاپرواہی سے کہا۔

"یہ کوئی چھوٹی بات تھوڑی ہے جی، ان کے پورے گھر میں طوفان مچا ہوا ہے۔ شادی کی تاریخ

ملے ہو چکی ہے، گاڑا آچکے ہیں اور اب اماد بی بی اطمینان ہیں کہ وہ اسجد صاحب سے شادی نہیں کریں گی۔ بس اسی بات پر باشم صاحب نے ان کی پٹائی کی۔"

"یہ تو کوئی بڑی بات نہیں ہے کہ اس پر کسی کو مارا جائے۔" وہ اپنی کتابوں میں مصروف تھا۔

"یہ تو آپ کہہ رہے ہیں۔۔۔۔۔ ان لوگوں کے لئے تو یہ بہت بڑی بات ہے۔" ناصرو نے اسی

طرح صفائی کرتے ہوئے تبصرہ کیا۔ "میں تو بڑی ذہنی ہوں اماد بی بی کے لئے۔ بڑی اچھی ہیں، اب لانا دانی۔ اور اب دیکھیں۔۔۔ کیا قیامت ٹوٹ پڑی ہے ان پر۔ باشم صاحب نے گھر سے نکلنے پر

پابندی لگا دی ہے۔ میری بیٹی روزانہ کا کمرہ صاف کر لیتی ہے۔ اور وہ بتاتی ہے کہ ان کا تو چہرہ ہی آٹن کر رہ گیا ہے۔"

ناصر وہی طرح بول رہی تھی۔ شاید وہ شعوری طور پر یہ کوشش کر رہی تھی کہ سالار اسے اچھا اور

ان کھڑکیوں کو بھار ہاتھ مگر بہت آہستہ آہستہ۔ یا پھر شاید کوئی ان کھڑکیوں کو ٹوٹے ہوئے کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سالار کے ذہن میں پہلا خیال ہی چور کا آیا تھا، وہ سلائیڈنگ وڈرز تھیں اور یہ قسمی سے وہاں کوئی گرل نہیں تھی۔ اس کی ضرورت اس لئے محسوس نہیں کی گئی تھی کہ وہ ایسورنگ گلاس کی بنی ہوئی تھیں جنہیں آہسانی سے توڑا جاسکتا تھا اور انہیں صرف اندر سے کھولا جاسکتا تھا۔ گھر کے چاروں طرف موجود لان میں ویسے بھی رات کو کتے کھلے ہوتے تھے اور ان کے ساتھ تین گارڈز بھی ہوتے تھے۔ مگر ان تمام حفاظتی اقدامات کے باوجود اس وقت اس کھڑکی کے دوسری طرف موجود چھوٹے سے پردے میں کوئی موجود تھا جو اس کھڑکی کو کھولنے کی کوشش میں مصروف تھا۔

اپنے بیڈ سے بے قدموں اٹھ کر وہ تادم کی میں ہی کھڑکی کی طرف آیا جس طرف سے آواز آ رہی تھی۔ وہ اس کے بائیں طائف سے گیا اور بہت احتیاط کے ساتھ اس نے پردے کے ایک سرے کو تھوڑا سا اٹھاتے ہوئے کھڑکی سے باہر بھاٹکا۔ لان میں کئی روشنیوں میں اس نے اپنی کھڑکی کے سامنے جسے کھڑا دیکھا تھا اس نے اسے ہکا بکا کر دیا تھا۔

”یہ پاگل ہے۔“ بے اختیار اس کے منہ سے نکلا اس وقت اگر لان میں بھرتے چار غیر ملکی نسل کے کتے اسے دیکھ لیتے تو سالار یا کسی بھی دوسرے کے تھکنے سے پہلے وہ اسے جی بھاڑ چکے ہوتے اور اگر کہیں گارڈز میں سے کسی نے اسے وہاں دیکھا ہوتا تو بھی وہ تحقیق یا تحقیق پر اسے متعلق کرنے سے پہلے اسے شوت کر چکے ہوتے مگر وہ اس وقت بالکل بے خبر نہ رہا کھڑکی تھی اور یقیناً اپنے گھر کی دیوار بھاٹک کر یہاں آئی تھی۔

ہوٹ ٹیچنگ اس نے کمرے کی لائٹ آن کی۔ لائٹ آن ہوتے ہی دھچک کی آواز ٹک گئی۔ کتے کے بھونکنے کی آواز آ رہی تھی۔ پردے کھینچتے ہی اس نے سلائیڈنگ وڈرز کو بتا دیا۔

”اندرو آؤ جلدی۔“ سالار نے تیزی سے امار سے کہا۔ وہ کچھ فزوس ہو کر کھڑکی سے اندر آئی۔

اس کے ہاتھ میں ایک بیک بھی تھا۔ پردے پر اندر کرتے ہی سالار نے مڑ کر اس سے کہا۔

”گارڈز ایک امار آ رہا ہے۔“ امار نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ اپنا بیک اپنے پیروں میں رکھ رہی تھی۔

”تم دیوار کہاں کر کے آئی ہو؟“

”ہاں۔“

”جس گارڈز یا توں میں سے کوئی دیکھ لیتا تو..... اس وقت باہر تھوڑی لاش پڑی ہوتی۔“

”میں نے جس میں بہت دھند دھک کیا تھا ہمارا موبائل آف تھا، کوئی دوسرا اسے نہیں تھا میرے پاس۔“

سالار نے پہلی بار اس کا چہرہ غور سے دیکھا۔ اس کی آنکھیں سوتی ہوئی اور چہرہ سنا ہوا تھا۔ وہ بڑی سی سفید چادر پہیلے ہوئے تھی مگر اس چادر اور اس کے پٹروں پر جگہ جگہ مٹی کے دانے تھے۔

”تم مجھے لاہور چھوڑ کر آ سکتے ہو؟“ وہ کمرے کے وسط میں کھڑکی اس سے پوچھ رہی تھی۔

”اس وقت؟“ اس نے حیرانی سے کہا۔

”ہاں، ابھی اسی وقت۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔“

سالار نے تعجب کے عالم میں وال کھاک پر ایک نظر ڈالی۔ ”دیکھ! نے تھوڑے گھر فون کیا تھا۔“

تھوڑا سا مکالمہ نہیں ہوا۔

”ہمارے ٹیلی میں سر بلایا۔“ نہیں، وہ لوگ مجھے سچ کہیں بھوار ہے ہیں۔ میں تمہیں اسی لئے سارا دن فون کرتی رہی مگر تم نے موبائل آن نہیں کیا۔ میں چاہتی تھی تم دیکھ لو کہ وہ ہالٹ کے ساتھ آ کر مجھے وہاں سے تھوڑا کراؤں گے مگر تم سے کالیکٹ نہیں ہو اور کل اگر تم سے کالیکٹ ہو تا بھی تو کچھ نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ وہ لوگ اس سے پہلے ہی مجھے کہیں شفٹ کر دیتے اور یہ ضروری تو نہیں کہ مجھے چھپنا ہو ج کہ وہ مجھے کہاں شفٹ کر رہے ہیں۔“

سالار نے براہی لی۔ اسے چند آرہی تھی۔ ”تم بیٹھ جاؤ۔“ اس نے امار سے کہا۔ وہ ابھی تک کھڑی تھی۔

”تم اگر مجھے لاہور نہیں پہنچا سکتے تو کم از کم بس اسٹیڈنگ پہنچا دو، میں وہاں سے خود لاہور چلی جاؤں گی۔“ اس نے سالار کو ہینڈ میں دیکھ کر کہا۔ ”میرا اندازہ ہے کہ اس وقت تو کوئی گاڑی لاہور نہیں جا رہی ہوگی۔“

”میں نہیں سمجھ..... امار نے اس کی بات کاٹ دی۔

”نہیں، سمجھ نہیں میں سچ تک یہاں سے گلے جانا چاہتی ہوں۔ اگر لاہور کی گاڑی نہیں لی تو میں کسی اور شہر کی گاڑی میں بیٹھ جاؤں گی پھر وہاں سے لاہور چلی جاؤں گی۔“

”تم بھڑو تو سہی۔“ سالار نے اس سے ایک بار پھر کہا۔ وہ ایک لمحے کے لئے چٹکی پائی پھر صوف پر جا کر بیٹھ گئی۔ سالار خود بھی اسے بیٹھنے کی پانچھی پر بیٹھ گیا۔

”لاہور تم کہاں جاؤ گی؟“ اس نے پوچھا۔

”جلال کے پاس۔“

”مگر وہ تو تم سے شادی سے انکار کر چکا ہے۔“

”میں پھر بھی اس کے پاس جاؤں گی، اسے مجھ سے محبت ہے۔ وہ مجھ کو اس طرح بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتا۔ میں اس سے اور اس کے گھر والوں سے رشتہ بست کر لوں گی۔ میں جانتی ہوں وہ میری

بات مان لیں گے، وہ میری صورت حال کو سمجھ لیں گے۔"

"مگر تم تو مجھ سے شادی کر چکی ہو۔" امامہ چونک کر سالار کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"بھئی میری ہے وہ..... میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں مجبوراً نکاح کر رہی ہوں، شادی تو نہیں ہے یہ۔"

وہ اسے چپکے چپکے بغیر کبریٰ نظروں سے دیکھتا رہا۔ "تم جانتی ہو، میں آج لاہور گیا تھا جلال

کے پاس۔"

امامہ کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا۔ "تم نے اسے میری پریشانی اور صورت حال کے

بارے میں بتایا؟"

"نہیں۔" سالار نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیوں؟"

"جلال نے شادی کر لی ہے۔" سالار نے لاپرواہی سے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔ وہ سانس لینا

بھول گئی۔ چپکے چپکے ہنسنے لگی۔ وہ کسی بہت سی طرح اسے دیکھنے لگی۔

"تین دن ہو گئے ہیں اس کی شادی کو۔ کل پرسوں تک وہ میرا تفریح کے لئے ناہارن ایریڈی

طرف جا رہا ہے۔ اس نے میری کوئی بات سننے سے پہلے ہی مجھے یہ سب کچھ بتانا شروع کر دیا تھا۔ شاید وہ

چاہتا تھا کہ میں اب تمہارے بارے میں بات نہ کروں۔ اس کی بیوی بھی ڈاکٹر ہے۔" سالار بات کرتے

کرتے رنگ گیا۔ "میرا خیال ہے کہ اس کے گھر والوں نے تمہارے مسئلے کی وجہ سے ہی اس کی اس طرح

اچانک شادی کی ہے۔" وہ کچھ بعد دیگرے جھوٹ پر جھوٹ بولتا جا رہا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آتا۔" بھیسے کسی ملا سے آواز آئی تھی۔

"ہاں، مجھے بھی یقین نہیں آیا تھا اور مجھے توقع تھی کہ تمہیں بھی یقین نہیں آئے گا مگر یہ سچ ہے۔ تم

فون کر کے اس سے بات کر سکتی ہو وہی بارے میں۔" سالار نے کندھے جھٹکتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔

امامہ کو لگا وہ پہلی بار سچے معنوں میں ٹھپ اندھیرے میں آکھڑی ہوئی ہے۔ روشنی کی دو کرن جس کے

تقابل میں وہ اتنا عرصہ چلتی آئی ہے، ایک دم گل ہو گئی ہے۔ راست تو ایک طرف، وہ اپنے وجود کو بھی

نہیں دیکھ پارہی تھی۔

"اب تم خود سوچ لو کہ لاہور جا کر تم کیا کرو گی۔ وہ تو اب تم سے شادی کر سکتا ہے، وہ اس کے گھر

والے تمہیں پناہ دے سکتے ہیں۔" بڑھتے ہوئے تم واپس چلی جاؤ، ابھی تمہارے گھر والوں کو چاہئیں چلا ہو گا۔"

امامہ نے کہیں بہت دور سے سالار کی آواز آئی تھی۔ وہ کچھ نہ سمجھے والے انداز میں اس کا چہرہ

دیکھتی رہی۔

"مجھے لاہور چھوڑ آؤ۔" وہ بڑبڑاتی۔

"جلال کے پاس جاؤ گی؟"

"نہیں۔ اس کے پاس نہیں جاؤں گی مگر میں اپنے گھر نہیں رہ سکتی۔"

وہ یک دم صوفے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ سالار نے ایک سانس لے کر ابھین بھری نظروں سے

اسے دیکھا۔

"ایا مجھے محبت تک چھوڑ آؤ، میں خود چلی جاتی ہوں۔ تم چوکیدار سے کہو، وہ مجھے باہر جانے

دے۔" اس نے بیک اٹھا لیا۔

"تمہیں اندازہ ہے کہ یہاں سے بس اسٹینڈ کتنی دور ہے۔ اچھی دھند اور سردی میں تم پیدل وہاں

تک جا سکو گی۔"

"جب اور کچھ نہیں رہا میرے پاس تو دھند اور سردی سے مجھے کیا ہو گا۔" سالار نے اسے میلی

آنکھوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ اپنے ہاتھ کی پشت سے اپنی آنکھوں کو دھڑکی تھی۔

سالار اس کے ساتھ کہیں جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ لاہور تو بہت دور کی بات تھی، اسے ابھی بھی

خینہ آ رہی تھی اور وہ سامنے کھڑی لڑکی کو ناپسند کرتا تھا۔

"نہیں، میں چلتا ہوں تمہارے ساتھ۔" وہ نہیں جانتا اس کی زبان سے یہ ہلہ کیوں اور کیسے نکلا۔

امامہ نے اسے ڈرائنگ روم کی طرف جاتے دیکھا۔ وہ کچھ دیر بعد باہر نکلا تو شب خرابی کے لباس

کے بجائے ایک جینز اور سویٹر میں لپوس تھا۔ اپنے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے اس نے کی جینز اور گھڑی کے

ساتھ ساتھ اپنا ولٹ بھی اٹھا لیا۔ امامہ کے قریب آ کر اس نے بیک لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

"نہیں، میں خود اٹھائوں گی۔"

"اٹھ لیتا ہوں۔" اس نے بیک سے کرکند سے پر ڈال لیا۔ وہ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے پورے

میں آگئے۔ سالار نے اس کے لئے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا تھا اور بیک کو پچھلی سیٹ پر رکھ دیا۔

گازی میٹ کی طرف آتے دیکھ کر چوکیدار نے خود ہی میٹ کھولی دیا تھا مگر اس کے قریب سے

گزرتے ہوئے سالار نے اس کی آنکھوں میں اس حیرت کو دیکھ لیا تھا جو اس کی نظروں میں رات کے اس

وقت فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ہوئی امامہ کو دیکھ کر آئی تھی۔ جیسا وہ حیران ہو ا ہو گا کہ وہ لڑکی اس وقت اس گھر

میں کہاں سے آئی تھی۔

"تم مجھے بس اسٹینڈ پر چھوڑ دو گے؟" مین روڈ پر آتے ہی امامہ نے اس سے پوچھا۔ سالار نے ایک

نظر گردن موز کر اسے دیکھا۔

"نہیں، میں تمہیں لاہور لے جا رہا ہوں۔" اس کی نظریں سڑک پر جم کر رہ گئیں۔

گاڑی اس بڑی سڑک پر دوڑ رہی تھی جو تقریباً سسنان تھی۔ ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھا۔ اسٹیزنگ پر دایاں ہاتھ رکھے اس نے پائیں ہاتھ کو منہ کے سامنے رکھ کر بجلی روکی اور نیند کے غلبے کو جھٹکانے کی کوشش کی۔ اس کے برابر کی سیٹ پر چٹھی ہوئی امام ہے آواز دور ہی تھی اور سالار اس بات سے باخبر تھا۔ وہ دکانوں کا اپنے ہاتھ میں پکڑے روہاں سے اپنی آنکھیں پر چٹھی اور ناک پر گزلیٹی اور پھر سامنے واپس آکر اس سے باہر سڑک پر نظر میں ہوتا کر دنا شروع کر دیتی۔

سالار دنگے دنگے سے اس پر اپنی نظر ڈالتا رہا۔ اس نے امام کو کوئی تسلا دینے یا چپ کروانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ خود ہی کچھ دیر آنسو بھا کر خاموش ہو جائے گی، مگر جب آدھ گھنٹہ گزر جانے کے بعد بھی وہی رونا سے روٹی رہی تو وہ کچھ اٹھانے لگا۔

"اگر تمہیں گھر سے اس طرح ہٹا کر آنے پر اتنا چھتا ہوں تو پھر تمہیں گھر سے بھاگنا ہی نہیں چاہئے تھا۔"

سالار نے خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔ امام نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

"ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا، ابھی تو شاید تمہارے گھر میں کسی کو تمہاری غیر موجودگی کا پتا بھی نہیں چلا ہو گا۔" اس نے کچھ دیر اس کے جواب کا انتظار کرنے کے بعد اسے منکوحہ دیا۔

"مجھے کوئی بچھتا دنا نہیں ہے۔" اس بار اس نے چند لمبے خاموش رہنے کے بعد قدرے ہمزائی ہوئی جھجھکے تو آواز میں کہا۔

"تو پھر تم رو کیوں رہی ہو؟" سالار نے غور پر پوچھا۔

"تمہیں بتانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔" وہ ایک بار پھر آنکھیں پر پچھتے ہوئے بولی۔ سالار نے گردن موڑ کر اسے غور سے دیکھا اور پھر گردن سیدھی کر لی۔

"لاہور میں کس کس کے پاس جاؤ گی؟"

"پتا نہیں۔" امام کے جواب پر سالار نے قدرے جراتی سے آتے دیکھا۔

"کیا مطلب..... تمہیں پتا نہیں ہے کہ تم کہاں جا رہی ہو؟"

"فی الحال تو نہیں۔"

"تو پھر تم آخر لاہور جا ہی کیوں رہی ہو؟"

"تو پھر آؤ کہاں جاؤ گی؟"

"تم اسلام آباد میں ہی رہ سکتی تھیں۔"

"کس کے پاس؟"

"لاہور میں بھی تو کوئی نہیں ہے جس کے پاس تم رہ سکو..... اور وہ بھی مشغول۔" جلال کے

علاوہ۔" سالار نے آخری تینوں لفظوں پر زور دیتے ہوئے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"اس کے پاس جا رہی ہو تم۔" کچھ دیر بعد اس نے قدرے جیسے ہوئے انداز میں کہا۔

"نہیں، جلال میری زندگی سے نکل چکا ہے۔" سالار اندازہ نہیں کر سکا کہ اس کی آواز میں مایوسی زیادہ تھی یا شردگی۔

"اس کے پاس کیسے جا سکتی ہوں میں۔"

"تو پھر آؤ کہاں جاؤ گی؟" سالار نے ایک بار پھر انہیں کے عالم میں پوچھا۔

"یہ تو میں لاہور جانے پر ہی طے کروں گی کہ مجھے کہاں جانا ہے، کس کے پاس جانا ہے۔" امام نے کہا۔

سالار نے کچھ بے چینی کے عالم میں اسے دیکھا۔ کیا واقعی وہ نہیں جانتی تھی کہ اسے کہاں جانا تھا یا پھر وہ اسے پتا نہیں چلتی تھی۔ گاڑی میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

"تمہارا فی لسی..... کیا نام ہے اس کا..... ہاں اسجد..... کافی اچھا، چلے تم آؤ گی ہے۔" ایک بار پھر سالار نے ہی اس خاموشی کو توڑا۔

"اور یہ جو دوسرا آدمی تھا..... جلال..... اس کے مقابلے میں تو کچھ بھی نہیں ہے..... کچھ زیادتی نہیں کرو گی تم نے اسجد کے ساتھ؟"

امام نے اس کے سوال کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ صرف سامنے سڑک کو دیکھتی رہی۔ سالار کچھ دیر گردن موڑ کر اس کے جواب کے انتظار میں اس کا پیرہہ دیکھتا رہا مگر پھر اسے احساس ہو گیا کہ وہ جواب دینا نہیں چاہتی۔

"میں تمہیں سمجھ نہیں پایا..... جو کچھ تم کر رہی ہو اسے بھی نہیں..... تمہیں حرکتیں بہت عجیب ہیں..... اور تم اپنی حرکتوں سے زیادہ عجیب ہو۔" سالار نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔

اس بار امام نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"کیا تمہاری حرکتوں سے زیادہ عجیب ہیں میری حرکتیں..... اور کیا میں تم سے زیادہ عجیب ہوں....."

بڑے دھمے مکر مستحکم لہجے میں پوچھ گئے اس سوال نے چند لمحوں کے لئے سالار کو لا جواب کر دیا تھا۔

"میری کون سی حرکتیں عجیب ہیں..... اور میں کس طرح عجیب ہوں؟" چند لمبے خاموش رہنے کے بعد سالار نے کہا۔

"تم جانتے ہو، تمہاری کون سی حرکتیں عجیب ہیں۔" امام نے واپس واپس اس کی طرف گردن موڑتے ہوئے کہا۔

"یقیناً میری خود کشی کی ہی بات کر رہی ہو تم۔" سالار نے خود ہی اپنے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"حالانکہ میں خود کشی نہیں کرتا چاہتا، نہ ہی میں خود کشی کی کوشش کر رہا ہوں۔ میں تو صرف ایک تجربہ کرنا چاہتا تھا۔"

"کیا تجربہ۔"

"میں ہمیشہ لوگوں سے ایک سوال پوچھتا ہوں، مگر کوئی بھی مجھے اس کا تسلی بخش جواب نہیں دے سکا، میں نے اس سوال کا جواب خود وضع کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" وہ بولتا رہا۔
"کیا پوچھتے ہو تم لوگوں سے؟"

"بہت آسان سوال ہے مگر ہر ایک کو مشکل لگتا ہے۔" "What is next to ecstasy?" اس

نے گردن موڑ کر امام سے پوچھا۔

وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر اس نے مدغم آواز میں کہا۔ "Pain"

"And what is next to pain?" سالار نے باوجود خوف ایک اور سوال کیا۔

"Nothingness"

"What is next to nothingness?" سالار نے اسی انداز میں ایک اور سوال کیا۔

"Hell" امام نے کہا۔

"And what is next to hell?" اس بار امام خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"What is next to hell?" سالار نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

"تمہیں خوف نہیں آتا۔" سالار نے امام کو قدرے عجیب سے انداز میں پوچھتے ہوئے۔

"کس چیز سے۔" سالار تیزان بولا۔

"Hell" سے..... اس جگہ سے جس کے آگے اور کچھ بھی نہیں ہوتا..... سب کچھ اس کے پیچھے ہی

ردو جاتا ہے۔۔۔۔۔ معذرت اور مغضوب ہو جانے کے بعد باقی بچتا کیا ہے جسے جانے کا تمہیں شہس ہے۔"
امام نے قدرے افسوس سے کہا۔

"میں تمہاری بات سمجھ نہیں سکا۔۔۔۔۔ سب کچھ میرے سر کے اوپر سے گزرا ہے۔" سالار نے

جیسے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔

"تھر مت کرو..... آجائے گی، ایک وقت آئے گا۔ جب تمہیں ہر چیز کی سمجھ آجائے گی

پھر تمہاری فہمی ختم ہو جائے گی۔۔۔۔۔ جب تمہیں خوف آئے گا۔ موت سے بھی اور دوزخ سے بھی..... اللہ تمہیں سب کچھ دکھائے گا۔۔۔۔۔ پھر تم کسی سے یہ کبھی نہیں پوچھا کرو گے۔

"What is next to ecstasy?" امام نے بہت دسمانیت سے کہا۔

"یہ تمہاری فہم کوئی ہے؟" سالار نے اس کی بات کے جواب میں کچھ چپتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"نہیں۔" امام نے اسی انداز میں کہا۔

"تجربہ؟" سالار نے گردن ہلکے ہی کر لی۔

"ہاں، یہ تمہارا تجربہ ہی ہو سکتا ہے۔ کی تو تم نے بھی خود کبھی ہی ہے۔ میرا مطلب ہے تمہارے کوشش کی ہے۔ میں نے اپنے طریقے سے یہ کوشش کی تھی۔۔۔ تم نے اپنے طریقے سے کی ہے۔" سالار نے سر ہلکے سے کہا۔

امام کی آنکھوں میں ایک ہلکا سا ہنسنے آئے۔ گردن موڑ کر اس نے سالار کو دیکھا۔

"میں نے کوئی خود کبھی نہیں کی ہے۔"

"کسی لڑکے کے لئے گھر سے بھاگنا ایک لڑکی کے لئے خود کبھی ہی ہوتی ہے۔ وہ بھی اس

صورت میں جب وہ لڑکا شادی پر تیار ہی ہو..... دیکھو، میں خود ایک لڑکا ہوں..... بہت پرانا کھڑا اور

بول ہوں اور میں بالکل برا نہیں سمجھتا اگر ایک لڑکی گھر سے بھاگ کر کسی لڑکے کے ساتھ کورٹ میرج

یا شادی کر لے..... مگر وہ لڑکا اس کا ساتھ تو ہے، ایک ایسے لڑکے کے لئے گھر سے بھاگ جانا جو شادی

کر چکا ہو..... چیخو۔۔۔۔۔ میری کچھ میں نہیں آتا اور پھر تمہاری عمر میں بھاگنا..... بالکل حماقت ہے۔

"میں کسی لڑکے کے لئے نہیں بھاگی ہوں۔"

"جال الفرو!" سالار نے اس کی بات کاٹ کر اسے یاد دلایا۔

"میں اس کے لئے نہیں بھاگی ہوں۔" وہ بے اختیار بلند آواز میں چلائی۔ سالار کا پاؤں بے اختیار

بریک پر چلا۔ اس نے حیرانی سے امام کو دیکھا۔

"تو مجھ پر کیوں چلا رہی ہو، تجھ پر چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔" سالار نے ناراضی سے کہا۔ وہ

کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

"یہ جو تمہاری مذہب والی قیودی یا فکاسنی یا پراکٹ یا جو بھی ہے I don't get it کیا فرق پڑتا ہے۔

اگر کوئی کسی اور نظریہ کو ماننا شروع ہو گیا ہے۔ زندگی ان فصول انٹوں کے علاوہ بھی کچھ ہے۔"

مذہب، عقیدے یا فرقے پر لڑنا۔ "What rubbish!"

امام نے گردن موڑ کر ناراضی کے عالم میں اسے دیکھا۔ "جو چیزیں تمہارے لئے فصول ہیں،

ضروری نہیں وہ ہر ایک کے لئے فصول ہوں۔ میں اپنے مذہب پر قائم رہنا نہیں چاہتی اور نہ ہی اس

مذہب کے کسی شخص سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ تو یہ میرا حق ہے کہ میں ایسا کروں، میں تم سے ایسی

چیزوں کے بارے میں بحث نہیں کرنا چاہتی جسے تم نہیں سمجھتے۔ اسی لئے تم ان معاملات کے بارے

میں اس طرح کے تبصرے مت کرو۔"

"مجھے حق ہے کہ میں جو چاہے کہوں Freedom of expression (اختیار کی آزادی)" سالار

نے کدھے اچکاتے ہوئے کہا۔ امام نے جواب دینے کے بجائے خاموشی اختیار کی۔ وہ کھڑکی سے باہر

دیکھنے لگی۔ سالار بھی خاموشی سے گہری ذرا توجہ کرنے لگا۔

”یہ جلال انصر۔ میں اس کی بات کر رہا تھا۔“ وہ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد ایک بار بھر اپنے اسی موضوع کی طرف آگیا۔

”اس میں کیا خاص بات ہے؟“ اس نے گردن موڑ کر امامہ کو دیکھا۔ وہ اب دغا سکرین سے باہر سڑک کو دیکھ رہی تھی۔

”جلال انصر اور تمہارا کوئی جوڑ نہیں ہے۔۔۔۔۔ وہ بالکل بھی پیٹھ سم نہیں ہے۔ تم ایک خوب صورت لڑکی ہو، میں حیران ہوں تم اس میں کیسے دلچسپی لیتے تھیں۔ کیا وہ بہت زیادہ intelligent ہے؟“ اس نے امامہ سے پوچھا۔

امامہ نے تیرائی سے اسے دیکھا۔ ”intelligent۔۔۔ کیا مطلب؟“
 ”دیکھو یا تو کسی کی شکل اچھی لگتی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ جلال کی شکل اچھی لگی ہو گی یا پھر کسی کا فٹیل ایک گراؤنڈ۔۔۔۔۔ پیسہ وغیرہ کسی میں دلچسپی کا باعث بنتا ہے۔ اب جلال کا فٹیل ایک گراؤنڈ یا مالی حالت کے بارے میں، میں نہیں جانتا مگر خود تمہارا فٹیل ایک گراؤنڈ جتنا ساؤنڈ ہے، یہ بھی تمہارے لئے اس میں دلچسپی کا باعث کیوں بن سکتا۔۔۔۔۔ واضح فرم جانے والی وجہ اس کی ذہانت، قابلیت وغیرہ ہے۔ اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ کیا وہ بہت intelligent ہے۔ کیا بہت آڈٹ الیگزٹک اور brilliant ہے؟“

”نہیں۔“ امامہ نے مدھم آواز میں کہا۔
 سالار کو مایوسی ہوئی۔ ”تو پھر۔۔۔۔۔ تم اس کی طرف متوجہ کیسے ہو تیں امامہ دغا سکرین سے باہر بیڈ لائنس کی روشنی میں فکر آنے والی سڑک دیکھتی رہی۔ سالار نے اپنا سوال دوبارہ نہیں دہرایا۔ صرف کندھے اچکاتے ہوئے وہ دوبارہ ڈرائیونگ پر توجہ دے لگا۔ گاڑی میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔
 ”وہ نعمت بہت اچھی پڑتا ہے۔“ تقریباً پانچ منٹ بعد خاموشی ٹوٹی تھی۔ دغا سکرین سے باہر دیکھتے ہوئے مدھم آواز میں امامہ یوں بڑبڑاتی تھی جیسے خود کلائی کر رہی ہو۔ سالار نے اس کا جملہ سن لیا تھا مگر اسے وہنا قابل یقین لگا۔

”کیا؟“ اس نے جیسے تصدیق چاہی۔
 ”جلال نعمت بہت اچھی پڑتا ہے۔“ اسی طرح دغا سکرین سے باہر جھانکتے ہوئے کہا مگر اس بار اس کی آواز کچھ بلند تھی۔

”میں آواز کی وجہ سے۔۔۔۔۔ شکر ہے؟“ سالار نے تہنور کیا۔
 امامہ نے فحشی میں سر ہلایا۔
 ”پھر؟“

”میں وہ نعمت ہی پڑتا ہے۔۔۔۔۔ اور بہت خوب صورت پڑتا ہے۔“

سالار جبکہ۔۔۔۔۔ تم صرف اس کے نعمت پڑنے کی وجہ سے اس کی صحبت میں گرفتار ہو گئیں۔ میں کم از کم اس پر یقین نہیں کر سکتا۔“

امامہ نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ ”نعمت کرو۔۔۔۔۔ تمہارے یقین کی کس کو ضرورت ہے۔“ اس کی آواز میں سرد مہری تھی۔ گاڑی میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

”فرض کرو یہ مان لیا جائے کہ تم واقعی اس کے نعمت پڑنے سے کچھ متاثر ہو کر آتا آگے بڑھ گئیں۔۔۔۔۔ تو یہ تو کوئی زیادہ پرنیکل بات نہیں ہے۔ بار بار اکاؤنٹ لینڈ کے ناؤ اور لار وائس ہی ہو گیا ہے تو۔۔۔۔۔ اور تم ایک میڈیکل کی اسٹوڈنٹ ہو کر اتنا پیچیدہ بن رکھی ہو۔“ سالار نے بے رحمی سے تہنور کیا۔

امامہ نے ایک بار پھر گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ ”میں بہت پیچیدہ ہوں۔۔۔۔۔ بہت زیادہ۔۔۔۔۔ پچھلے دو چار سالوں میں مجھ سے زیادہ پرنیکل ہو کر کسی نے چیزوں کو نہیں دیکھا ہو گا۔“

”بھری رائے مٹھو نا ہے۔۔۔۔۔ ہو سکتا ہے تمہارا پرنیکل ہو نا میرے پرنیکل ہونے سے مختلف ہو۔ اچھا اے میں جلال کی بات کر رہا تھا۔۔۔۔۔ وہ جو تم نعمت وغیرہ کا ذکر کر رہی تھیں اس کی بات۔“

”بعض چیزوں پر اپنا اختیار نہیں ہوتا۔۔۔۔۔ میرا بھی نہیں ہے۔“ اس بار امامہ کی آواز میں غصہ تھا۔
 ”میں پھر تم سے اتفاق نہیں کرتا۔ ہر چیز اپنے اختیار میں ہوتی ہے۔۔۔۔۔ کم از کم اپنی لپٹکو، اپنے رخصت اور ایکشن پر انسان کو کنٹرول ہوتا ہے۔۔۔۔۔ نہیں پتا ہوتا ہے کہ ہم کس شخص کے لئے کس طرح کی فیلنگو ڈویپ کر رہے ہیں۔ کیوں کر رہے ہیں، اس کا بھی پتا ہوتا ہے۔۔۔۔۔ اور جب تک ہم باقاعدہ ہوش و حواس میں رہتے ہوئے ان لپٹکو کو ڈویپ نہیں ہونے دیتے۔۔۔۔۔ وہ نہیں اوتھیں۔ اس لئے یہ نہیں مان سکتا کہ ایسی چیزوں پر اپنا کنٹرول ہی کر رہے۔“

اس نے بات کرتے ہوئے دوسری بار امامہ کو دیکھا اور اسے احساس ہوا کہ وہ اس کی بات نہیں سن رہی تھی۔ وہ ٹپکس جھپکاتے بغیر دغا سکرین کو دیکھ رہی تھی یا شاید دغا سکرین سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں ستورم تھیں اور اس وقت بھی ان میں نئی فکر آ رہی تھی۔۔۔۔۔ وہ واقعی طور پر کہیں دور تھی۔

کہاں یہ وہ نہیں جان سکتا تھا۔ اسے وہ ایک بار پھر اصرار مل گئی۔
 بہت دیر تک خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتے رہنے کے بعد سالار نے قدرے آہٹا کر ایک بار پھر اسے مخاطب کیا۔

”نعمت پڑنے کے علاوہ اس میں اور کون سی کوائلی ہے؟“ اس کی آواز بلند تھی۔ امامہ نے اختیار چھوٹ گئی۔

”نعمت پڑنے کے علاوہ اس میں اور کیا کوائلی ہے؟“ سالار نے اپنے سوال کو دہرایا۔
 ”برہہ کوائلی جو ایک اچھے انسان۔۔۔۔۔ اچھے مسلمان میں ہوتی ہے۔“ امامہ نے کہا۔

"شمار" سالار نے بھونپ اچکاتے ہوئے کہا۔

"اور اگر نہ بھی ہوتیں تو بھی وہ شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اتنی محبت کرتا ہے کہ اس سے اسی ایک کوالٹی کی خاطر کسی بھی دوسرے شخص پر ترجیح دیتی ہے۔"

سالار عجیب سے انداز میں مسکرایا۔ "what a logic" ایسی باتوں کو میں واقعی ہی نہیں سمجھ سکتا۔

اس نے گردن کو ہٹائی میں ہلاتے ہوئے کہا۔

"تم اپنی پسند سے شادی کرو گے یا اپنے جیڑ جس کی پسند سے؟" امام نے اچانک اس سے پوچھا۔ اور جیر ان ہوا۔

"آف کورس اپنی پسند سے۔۔۔۔۔ جیڑ جس کی پسند سے شادی والا زمانہ تو نہیں ہے یہ۔" اس نے کہہ کر اچکاتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔

"تم بھی تو کسی کوالٹی کی وجہ سے ہی کوئی لڑکی پسند کرو گے۔۔۔۔۔ شکل و صورت کی وجہ سے۔۔۔۔۔ پھر جس سے تہاڑی انڈر اسٹینڈنگ ہو جائے گی اس سے۔۔۔۔۔ ایسا ہی ہو گا۔" وہ بوجھ رہی تھی۔

"یقیناً۔" سالار نے کہا۔

"میں بھی تو یہی کر رہی ہوں۔ اپنی اپنی ترجیحات کی بات ہوتی ہے۔ تم ان چیزوں کی بنا پر کسی سے شادی کرو گے، میں بھی ایسی ہی ایک بوجھ کی بنا پر شادی کرنا چاہتی تھی جلال انصر سے۔۔۔۔۔ وہ لڑکی۔" میری خواہش ہے، میری شادی اس سے ہو جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مجھ سے زیادہ محبت رکھتا ہو۔ جلال انصر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مجھ سے زیادہ محبت کرتا تھا۔۔۔۔۔ مجھے یاد مجھے اسی شخص سے شادی کوئی چاہئے۔۔۔۔۔ میں نے تم سے کہا بعض چیزوں پر اختیار نہیں ہوتا۔ بعض خواہشات۔۔۔۔۔ بس ان سے بچنا کہ ایسا ممکن نہیں ہوتا۔" اس نے انصر کی سے سر کو جھٹکتے ہوئے کہا۔

"اور اب جب وہ شادی کر چکا ہے تو اب تم کیا کرو گی؟"

"چاہ نہیں۔"

"تم ایسا کرو۔ کہ تم کسی اور نعمت چاہنے والے کو ڈھونڈ لو کہ تمہارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔" وہ مذاق اڑانے والے انداز میں ہنسنا۔

امام پلٹیں چھپکائے بغیر اسے دیکھتی رہی۔ وہ سفاکی کی حد تک بے حس تھا۔ "اس طرح کی باتیں نہ کر رہی ہو تم۔۔۔۔۔ میں مذاق کر رہا ہوں۔" وہ اب اپنی ہنسی پر کھڑکایا چکا تھا۔ امام نے کچھ کہنے کے بجائے گردن موڑ لی۔

"جہیں تمہارے قاور نے ہارا ہے۔" سالار نے پہلے کی طرح کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولنے کا معمول جاری رکھا۔

"جہیں کس نے بنایا۔" امام نے اسے دیکھے بغیر کہا۔

"مازہ نہ لے۔" سالار نے اطمینان سے جواب دیا۔ "بے چارہ ہی یہ سمجھ رہی ہے کہ تم جو شادی سے انکار کر رہی ہو وہ میری وجہ سے کر رہی ہو۔ اس لئے اس نے مجھ تک تمہاری "حالت زار" بننے اور ہانک انداز میں پہنچائی تھی۔۔۔۔۔ مارا ہے تمہارے قاور نے؟"

"ہاں۔" اس نے بے تاثر انداز میں کہا۔

"کیوں؟"

"میں نے پوچھا نہیں۔۔۔۔۔ شاید وہ ناراض تھے اس لئے۔"

"تم نے کیوں مارنے دیا۔"

امام نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ "وہ میرے بابا ہیں، انہیں حق ہے، وہ مار سکتے ہیں مجھے۔" سالار نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ "ان کی جگہ کوئی بھی ہوتا، وہ اس صورت حال میں یہی کرتا۔۔۔۔۔ مجھے یہ قابل اعتراض نہیں لگتا۔" وہ بڑے ہموار لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"اگر مارنے کا حق ہے انہیں تو پھر تمہاری شادی کرنے کا بھی حق ہے۔ اس پر اعتراض کرنے کی کھڑا کر رہی ہو تم۔" سالار نے چپٹے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کسی مسلمان سے کرتے۔۔۔۔۔ اور چاہے جہاں مرضی کر دیجے۔۔۔۔۔ میں کر دیتی۔"

"چاہے وہ جلال انصر نہ ہوتا۔" استہزائیہ انداز میں کہا۔

"ہاں۔۔۔۔۔ اب بھی آخر کون سا ہو گئی ہے اس سے۔" اس کی آنکھوں میں ایک بار پھر نمی جھلک رہی تھی۔

"تو تم ان سے یہ کہہ دیتیں۔"

"کہا تھا۔ تم سمجھتے ہو میں نے نہیں کہا ہو گا۔"

"مجھے ایک بات پر محبت جہانی ہے۔" سالار نے چند لمحوں کے بعد کہا۔ "آخر تم نے مجھ سے مدد لینے کا فیصلہ کیوں کیا۔۔۔۔۔ بلکہ کیسے کر لیا، تم مجھے خاصا نا پسند کرتی تھیں۔" اس نے امام کے جواب کا انتظار کئے بغیر بات جاری رکھی۔

"میرے پاس تمہارے علاوہ دوسرا کوئی آپشن تھا ہی نہیں۔" امام نے مدھم آواز میں کہا۔ "میری اپنی کوئی فریڈم اس طرح میری مدد کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی جس طرح کوئی لڑکا کر سکتا تھا۔ احمد کے علاوہ میں صرف جلال اور تم سے واقف تھی۔۔۔۔۔ اور سب سے قریب ترین تم تھے جس سے میں فوری رابطہ کر سکتی تھی اس لئے میں نے تم سے رابطہ کیا۔" وہ مدھم آواز میں ڈک ڈک کر بولتی رہی۔

"جہیں یقین تھا کہ میں تمہاری مدد کروں گا؟"

نہیں۔ میں نے صرف ایک رنگ لیا تھا۔ یقین کیسے ہو سکتا تھا مجھے کہ تم میری مدد کرو گے۔ میں نے تمہیں بتایا ہے! میرے پاس تمہارے علاوہ اور کوئی آپشن تھا ہی نہیں۔"

"یعنی تم نے ضرورت کے وقت گھر سے کو باپ مانا ہے۔" اس کے بے حد عجیب لہجے میں کئے گئے تبصرے نے امام کو یک دم خاموش ہو جانے پر مجبور کر دیا۔ وہ بات منہ پر مارنے میں ماہر تھا مگر اس نے غلط بھی نہیں کیا تھا۔

"دیر ہی انٹرسلنگ۔" اس نے امام کے جواب کا انکار کئے بغیر کہا وہ جیسے اپنے تبصرے پر خود ہی مطمئن ہوا تھا۔

☆.....☆

"میں گاڑی کچھ دیر کے لئے یہاں دوکنا چادر باہوں۔ سالار نے سڑک کے کنارے بنے ہوئے ایک سے قسم کے ہوٹل اور سروس اسٹیشن کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں ڈرائنگ چیک کروانا چادر باہوں۔" مجازی میں دوسرا ٹائر نہیں ہے، رہتے ہیں اگر کہیں ٹائر فلیٹ ہو گیا تو بہت مسئلہ ہو گا۔"

امام نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ دو گاڑی موڑ کر اندر لے گیا۔ اس وقت دور کہیں بھڑکی الاوان ہو رہی تھی۔ ہوٹل میں کام کرنے والے دو چادر لوگوں کے علاوہ وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ اسے گاڑی اندر لائے دیکھ کر ایک آدمی باہر نکل آیا۔ شاید وہ گاڑی کی آواز سن کر آیا تھا۔ سالار گاڑی کا دروازہ کھول کر بیچے گاڑ گیا۔

وہ کچھ دیر سیٹ کی پشت سے سر نکالے آنکھیں بند کئے غلطی رہی۔ اذان کی آواز کچھ زیادہ بلند ہو گئی تھی۔ امام نے آنکھیں کھول دیں۔ کار کا دروازہ کھول کر وہ باہر نکل آئی۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر سالار نے گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔

"یہاں کئی دیر ڈکنا ہے۔" وہ سالار سے پوچھ رہی تھی۔

"دس چارہ منٹ۔ میں انجین بھی ایک وقفہ چیک کروانا چاہتا ہوں۔"

"میں نماز پڑھنا چاہتی ہوں۔ مجھے دیکھو کرنا ہے۔" اس نے سالار سے کہا۔ اسی سے پہلے کہ سالار کچھ کہتا۔

اس آدمی نے بلند آواز میں اسے پکارتے ہوئے کہا۔

"بابی! وضو کرنا ہے تو اس روم سے پانی لے لیں۔"

"اور وہ نماز کہاں پڑھے گی؟" سالار نے اس آدمی سے پوچھا۔

"یہ سامنے والے کمرے میں۔ میں جائے نماز دے دیتا ہوں۔" وہ اب پاپ آئنا رہا تھا۔

"پہلے جائے نماز دے دوں پھر انجین آکر چیک کرتا ہوں۔" اس آدمی نے اس کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

سالار نے دور سے امام کو اس روم کے پاس کچھ تذبذب کی حالت میں کھڑے دیکھا۔ وہ لا شعوری طور پر آگے چلا آیا۔ وہ تار کول کا ایک بہت بڑا خال روم تھا جسے ایک ڈھکن سے گور کیا گیا تھا۔

"اس میں سے پانی کیسے لوں؟" امام نے قدموں کی چاب پر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ سالار نے اوپر اور نظر دوڑائی۔ کچھ غلطی پر ایک بالٹی پڑی ہوئی تھی۔ وہ اس بالٹی کو اٹھا لیا۔

"میرا خیال ہے یہ بالٹی کو پانی نکالنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔" اس نے امام سے کہتے ہوئے روم کا ڈھکن اٹھا لیا اور اس میں سے پانی بالٹی میں بھر لیا۔

"میں کروانا چاہوں وضو۔" سالار کو اس کے چہرے پر تذبذب نظر آیا مگر پھر کچھ کہنے کے بجائے وہ اپنے سوئیٹر کی آستین اوپر کرنے لگی۔ اپنی گھڑی ہاتھ کر اس نے سالار کی طرف بڑھادی اور ہاتھوں کے مٹی زمین پر پھینکی۔ سالار نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھوں پر کچھ پانی الا۔ امام کو سب اہتمام جیسے کرنا تھا۔ اس نے ایک روم اپنے ہاتھ پیچھے کر لئے۔

"کیا ہوا؟" سالار نے کچھ حیرانی سے کہا۔

"کچھ نہیں، بالٹی بہت ٹھنڈی ہے۔ تم پانی ڈالو۔" وہ ایک بار پھر ہاتھ پھیلا رہی تھی۔

سالار نے پانی ڈالنا شروع کر دیا۔ وہ وضو کرنے لگی۔ پہلی بار سالار نے اس کے ہاتھوں کو کنبوں تک دیکھا۔ کچھ دیر کے لئے وہ اس کی کلاںوں سے نظر نہیں ہٹا سکا۔ پھر اس کی نظر اس کی کلاںوں سے اس کے چہرے پر چلی گئی۔ وہ اپنی چادر کو ہٹائے بغیر بڑی احتیاط کے ساتھ سر، کانوں اور گردن کا مسح کر رہی تھی اور سالار کی نظریں اس کے ہاتھوں کی حرکت کے ساتھ ساتھ مس کر رہی تھیں۔ اس کی گردن میں موجود سونے کی چین اور اس میں لٹکتے والے موتی کو بھی اس نے پہلی بار دریافت کیا تھا۔ سالار نے اسے بغلی پار دیکھا تھا اسی طرح کی چادر میں دیکھا تھا۔ چادر کا رنگ شگفتہ ہو کر وہ بیٹھ اسے ایک ہی انداز میں لپٹے ہوئی۔ وہ اس کی اس کے قدموں پر غور نہیں کر سکا۔

"پاؤں پر پانی میں خود ڈال رہی ہوں۔" اس نے کھڑے ہوتے ہوئے سالار کے ہاتھ سے اس بالٹی کو چڑھ لیا جو اب تقریباً خالی ہونے والی تھی۔ سالار چند قدم پیچھے ہٹ کر حویلی سے دیکھنے لگا۔

وہ وضو کر چکی تو سالار کی گورت لقمہ ہوئی۔ اس نے گھڑی اس کی طرف بڑھادی۔

آگے پیچھے چلتے ہوئے وہ اس کمرے تک آئے جہاں وہ آدمی گیا تھا۔ وہ آدمی تب تک کمرے میں ایک طرف بیٹھ بیچ چکا تھا۔ امام خاموشی سے جائے نماز کی طرف بڑھ گئی۔

کمرے میں چند کرسیاں اور ایک چھوٹی سی چابی بھی پڑی ہوئی تھی۔ سالار غوری طور پر اس کمرے

باب ۴

لاہور کی حدود میں داخل ہوتے ہی امامہ نے اس سے کہا۔ ”اب تم مجھے کسی بھی اسٹاپ پر اتار دو..... میں چلی جاؤں گی۔“

”تم جہاں جانا چاہتی ہو، میں تمہیں وہاں چھوڑ دیتا ہوں۔ اتنی دھند میں کسی ٹرانسپورٹ کا انتظار کرتے تمہیں بہت وقت لگے گا۔“ سڑکیں اس وقت تقریباً ویران تھیں، حالانکہ صبح ہو چکی تھی مگر دھند نے ہر چیز کو لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

”مجھے نہیں پتا، مجھے کہاں جانا ہے پھر تمہیں میں کس جگہ کا پتا بتاؤں۔ ابھی تو شاید میں ہاسٹل جاؤں اور پھر وہاں.....“ سالار نے اس کی بات کاٹ دی۔

”تو پھر میں تمہیں ہاسٹل چھوڑ دیتا ہوں۔“ کچھ فاصلہ اسی طرح خاموشی سے طے ہوا پھر ہاسٹل سے کچھ فاصلے پر امامہ نے اس سے کہا۔

"بس تم یہیں گاڑی روک دو، میں یہاں سے خود چلی جاؤں گی۔۔۔ میں تمہارے ساتھ بائبل لے کر جانا چاہتی۔" سالار نے سڑک کے کنارے گاڑی روک دی۔

"مجھے کچھ عقلمندی میں تم نے میری بہت لڑائی ہے، میں اس کے لئے تمہارا شکریہ ادا کرتا چاہتی ہوں۔ تم میری مدد کرتے تو آج میں یہاں نہ ہوتی۔" وہ ایک لمحے کے لئے زکی۔ "تمہارا سواہش ابھی میرے پاس ہے، مگر مجھے ابھی اس کی ضرورت ہے، میں کچھ غصہ بعد اسے واپس لے جاؤں گی۔"

"اس کی ضرورت نہیں، تم اسے رکھ سکتی ہو۔"

"میں کچھ دنوں بعد تم سے دوبارہ رابطہ کروں گی پھر تم مجھے ملائی گئے پھر زبجو آؤ۔" وہ زکی۔ "میں امید کرتی ہوں کہ تم میرے پڑھنے کو کچھ نہیں بتاؤ گے۔"

"یہ کہنے کی ضرورت تھی؟" سالار نے جھٹکیں اٹھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے کچھ بتانا پڑتا تو میں بہت پہلے بتا چکا ہوتا۔" سالار نے قدرے سرد مہری سے کہا۔ "تم مجھے بہت برا لڑکا سمجھتی تھیں، کیا ابھی بھی تمہاری میرے بارے میں وہی رائے ہے یا تم نے اپنی رائے میں کچھ تبدیلی کی ہے۔" سالار نے اچانک جھنجھکی مکر اس کے ساتھ اس سے پوچھا۔

"تمہیں نہیں لگا کہ میں واصل بہت اچھا لڑکا ہوں۔"

"ہو سکتا ہے۔" امام نے مدہم آواز میں کہا۔ سالار کو اس کی بات پر بھیجے شاک لگا۔

"ہو سکتا ہے۔" وہ بے یقینی سے مسکرایا۔ "ابھی بھی ہو سکتا ہے۔ تم بہت ناشگرمی ہو امام، میں نے تمہارے لئے اچھا کیا ہے جو اس زمانے میں کوئی لڑکا نہیں کرے گا اور تم بھر بھی مجھے اچھا سمجھتے ہو۔"

"میں ناشگرمی نہیں ہوں۔ مجھے اعتراف ہے کہ تم نے مجھ پر بہت احسان کئے ہیں اور شاید تمہاری جگہ کوئی دوسرا بھی نہ کر سکتا۔"

سالار نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم میں اچھا ہوا۔"

وہ کچھ نہیں بولی، صرف اسے دیکھتی رہی۔

"نہیں۔ مجھے پتا ہے تم یہی کہنا چاہتی ہو، حالانکہ مشرقی لڑکی کی خاموشی اس کا قرار ہوتی ہے مگر تمہاری خاموشی تمہارا اتار ہوتی ہے۔ تم کب رہا ہوں نا۔"

"ہم ایک فیصلہ بحث کر رہے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے۔" سالار نے کندھے اچکائے۔ "مگر مجھے خیال ہے کہ تم۔"

اس بار امام نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم نے میرے لئے فیصلہ بہت کچھ کیا ہے۔ اور اگر میں تمہیں چاہتی نہ ہوتی تو یقیناً میں تمہیں ایک بہت اچھا انسان سمجھتی اور کہہ بھی دیتی۔ مگر میں تمہیں اتنی

ابھی طرح چاہتی ہوں کہ میرے لئے یہ کہیں مشکل ہے کہ تم ایک ایسے انسان ہو۔"

وہ زکی۔ سالار پلٹیں پیچھے بغیر اسے دیکھ رہا تھا۔

"جو آدمی خود کئی کی کوشش کرتا ہو، شراب پیتا ہو جس نے اپنا کمرہ عورتوں کی رہت تصویروں سے بھر رکھا ہو۔۔۔ وہ اچھا آدمی تو نہیں ہو سکتا۔ امام نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"تم کسی ایسے آدمی کے پاس جاتیں جو یہ قیوں کام نہ کرنا مگر تمہاری مدد بھی نہ کرنا تو کیا تمہارے لئے وہ اچھا آدمی ہو تا؟" سالار نے تیز آواز میں کہا۔ "مجھے حلال الفجر۔"

امام کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ "ہاں، اس نے میری مدد نہیں کی، مجھ سے شادی نہیں کی مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ برا ہو گیا ہے۔ وہ اچھا آدمی ہے۔۔۔ ابھی بھی میرے نزدیک اچھا آدمی ہے۔"

"اور میں نے تمہاری مدد کی۔۔۔ تم سے شادی کی مگر یقیناً اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں اچھا ہو گیا ہوں، میں برا آدمی ہوں۔" وہ عجیب سے انداز میں کہتے ہوئے مسکرایا۔ "تمہارا غور اپنے بارے میں کیا خیال ہے امام۔ کیا تم ابھی لڑکی ہو؟"

اس نے اچانک جھپٹے ہوئے انداز میں پوچھا اور پھر جواب کا انتظار کے بغیر کہنے لگا۔

"میرے نزدیک تم ابھی لڑکی نہیں ہو، تم ابھی ایک لڑکے کے لئے اپنے گھر سے بھاگی ہو۔۔۔ اپنے معجز کو دھوکہ دیا ہے تم نے۔ اپنی فیملی کی عزت کو خراب کیا ہے تم نے۔" سالار نے ہر لگاتار ہالے طاقی رکھتے ہوئے صاف گوئی سے کہا۔

امام کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی آگئی۔ "تم ٹھیک کہتے ہو، میں واقعی ابھی لڑکی نہیں ہوں۔ ابھی مجھے یہ جملہ بہت سے لوگوں سے سنا ہے۔"

"میں تمہیں بہت لمبی چوڑی وضاحت دے سکتی ہوں مگر اس کا کوئی فائدہ نہیں، تم ان چیزوں کو نہیں سمجھ سکتے۔"

"فرض کرو، میں تمہیں لاہور لے کر آتا کہیں اور لے جاتا پھر۔۔۔ مگر میں تمہیں یہ وضاحت یہاں لے آیا۔۔۔ یہ میرا تم پر کتنا بڑا احسان ہے، تمہیں اندازہ ہے اس کا۔"

امام گردن سوز کر اسے دیکھنے لگی۔

"مجھے یقین تھا تم مجھے کہیں اور نہیں لے جاؤ گے۔"

وہ اس کی بات پر ہنسا۔ "مجھ پر یقین تھا۔۔۔ کیوں؟ میں تو ایک برا لڑکا ہوں۔"

"مجھے تم پر یقین نہیں تھا۔ اللہ پر یقین تھا۔" سالار کے ماتھے پر کچھ ٹپ پڑ گئے۔

"میں نے اللہ اور اپنے خلیفہ مسلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سب کچھ چھوڑ دیا ہے، یہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ مجھے تمہارے پیسے آدمی کے ہاتھوں زور سوا کرتے، یہ ممکن ہی نہیں تھا۔"

"قرض کرو دایا ہو جاتا۔ سالار مصر ہوا۔" میں ایسی بات کیوں فرمیں کروں جو نہیں ہوئی۔ وہ اپنی بات پر قائم تھی۔

"یعنی تم مجھے کسی قسم کا کوئی کرپٹ نہیں دو گی۔" وہ مذاق اڑانے والے انداز میں ہنسیا۔
 "ایسا فرض کرو میں اب تمہیں جانے نہیں دیتا تو تم کیا کرو گی۔ گاڑی کا دروازہ جب تک میں نہیں کھولوں گا، نہیں کھلے گا۔ یہ تم جانتی ہو۔ اب تم کیا کرو گی۔"

وہ ایک تک اسے دیکھتی رہی۔ "یامیں یہ کرتا ہوں۔" سالار نے ڈیش بورڈ پر پڑا ہوا پچھلے موبائل اٹھایا اور اس پر ایک نمبر ڈائل کرنے لگا۔ "تم تمہارے گھر فون کر دیتا ہوں۔" اس نے موبائل کی اسکرین کو اس کی آنکھوں کے سامنے لے لیا۔ اس پر امام کے گھر کا نمبر تھا۔

"میں انہیں تمہارے بارے میں بتاتا ہوں کہ تم کہاں ہو، کس کے ساتھ ہو۔" پھر یہاں سے انہیں سیدھا پلس اسٹیشن لے جا کر ان کی تحویل میں دے دیتا ہوں۔ تو پھر تمہارے اعتقاد اور اعتبار کا کیا ہوا۔" وہ مذاق اڑانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

امام چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔ سالار کو بے حد غوثی محسوس ہوئی۔ سالار نے موبائل آف کرتے ہوئے ایک بار پھر اس کی آنکھوں کے سامنے لے لیا۔

"کتنا بڑا اسرار ہے کہ ہاتھوں میں تم پر کہ ایسا نہیں کر رہا۔" اس نے موبائل کو وہ دروازہ ڈیش بورڈ پر رکھتے ہوئے کہا۔ "حالانکہ تم بے بس ہو، کچھ بھی نہیں کر سکتیں، اسی طرح رات کو میں تمہیں نہیں نکلیں اور لے جاتا تو تم کیا کر لیتیں۔"

"میں تمہیں شوٹ کر دوں۔" سالار نے حیرانی سے اسے دیکھا پھر قہقہہ مار کر ہنسا۔

"کیا کر دیجیے۔ میں تمہیں شوٹ کر دوں۔" سالار نے حیرانی سے اسے دیکھا پھر قہقہہ مار کر ہنسا۔

اس نے اسی انداز میں تک تک کر اس سے کہا۔ وہ اسٹیرنگ پر دونوں ہاتھ رکھ کر کھٹکھٹا کر ہنسا۔
 "بکھی زندگی میں مسئلہ دیکھا بھی ہے تم نے۔" اس نے امام کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔
 سالار نے اسے جھٹکتے اور اپنے پاؤں کی طرف ہاتھ بڑھاتے دیکھا۔ جب وہ سیدھی ہوئی تو اس نے سالار سے کہا۔ "شاید اسے کہتے ہیں۔"

سالار ہنستا ہنستا ہنسا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں چھوٹے سائز کا ایک بہت خوب صورت اور قیمتی لپٹ پر پھول سالار پھول پر اس کے ہاتھ کی گرفت دیکھ کر جان گیا تھا کہ وہ کسی انداز کے ہاتھ میں نہیں تھا۔ اس نے بے چینی سے امام کو دیکھا۔

"تم مجھے شوٹ کر لیتی تھیں؟"

"ہاں، میں تمہیں شوٹ کر لیتی تھی مگر میں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ تم نے مجھے کوئی دھوکا نہیں دیا۔"

اس نے مستحکم آواز میں کہا۔ اس نے پھول سالار کی طرف نہیں کیا تھا، صرف اپنے ہاتھ میں رکھا تھا۔
 "گاڑی کا لاک۔" اس نے بات اور دھوری چھوڑتے ہوئے سالار سے کہا۔ سالار نے فیر اراوی

خوار پر اپنی طرف موجود پلنر ہاکر لاک کھول دیا۔ امام نے دروازہ کھول دیا۔ وہ اب پھول اپنی گود میں موجود بیگ میں رکھ رہی تھی۔ دونوں کے درمیان مزید کوئی بات نہیں ہوئی۔ امام نے گاڑی سے باہر نکل کر اس کا دروازہ بند کر دیا۔ سالار نے اسے تیز قدموں کے ساتھ ایک قریب آتی ہوئی دین کی طرف جاتے اور پھر ان میں سوار ہونے دیکھا۔

اس کی قوت مشاہدہ بہت تیز تھی۔ وہ کسی بھی شخص کے چہرے کو چھ سکتا تھا۔ اور اسے اس چیز پر براہِ دم تھا۔ مگر وہاں اس وہ چند آنکھوں پر گاڑی پر بیٹھے ہوئے اس نے اعتراف کیا۔ وہ امام کا شرم کو نہیں جان سکتا تھا۔ وہ اگلے کئی منٹ اسٹیرنگ پر دونوں ہاتھ رکھے بے چینی کے عالم میں وہیں بیٹھا رہا تھا۔ امام کا شرم کے لئے اس کی ناپسندیدگی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔

وہ ابھی پرہیزگار کی پروا کے بغیر پوری رفتار سے گاڑی چلا کر آیا تھا۔ پھر اسے اس کا ذہن اسی آواز میں دیکھا تھا کہ اس نے پھول آخر کہاں سے نکالا تھا۔ وہ پورے اثنا عشر سے کہہ سکتا تھا کہ جس وقت وہ وضو کے لئے پاؤں دھو رہی تھی اس وقت وہ پھول اس کی پینڈل کے ساتھ نہیں تھا، رت وہ ضرور اسے دیکھ لیتا۔ بعد میں غماز چڑھنے کے دوران بھی وہ بخور اسے سر سے پاؤں تک دیکھتا رہا تھا۔ پھول تب بھی اس کی پینڈل کے ساتھ بندھا ہوا نہیں تھا۔ وہ گر گھٹانے اور چائے پینے کے بعد گاڑی میں آکر بیٹھ گئی تھی اور وہ کچھ دیر بعد گاڑی میں آیا تھا۔ یہ یقیناً گاڑی میں موجود اس کے بیگ میں ہی ہو گا۔ وہ اندازے لگا رہا تھا۔

وہ جس وقت اپنے گھر پہنچا اس کا موبائل آف تھا۔ گیت سے گاڑی اندر لے جاتے ہوئے اس نے چونک کر کو اپنی طرف پلایا۔ "رات کو میں جس لڑکی کے ساتھ یہاں سے گیا تھا تم اس کے بارے میں کسی کو نہیں بتاؤ گے بلکہ میں رات کو کہیں نہیں گیا، مجھ میں آیا۔" اس نے جھکنا نہ انداز میں کہا۔
 "میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔" چونکہ اس نے فرمانبرداری سے منہ پلایا، وہ اسے نہیں تھا کہ انہی چیزوں کے بارے میں کسی کو بتاتا پھرے۔

اپنے کمرے میں آکر وہ اطمینان کے ساتھ سو گیا۔ اس کا اس دن کہیں جانے کا ارادہ نہیں تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ اس وقت گہری نیند میں تھا جب اس نے اسٹیک کسی کو اپنے کمرے کے دروازے کو کھٹکھٹا کر دیا۔
 سے بھاگے۔ وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا۔ دروازہ واقعی بج رہا تھا۔ اس نے مندی ہوئی نظروں سے وال لاک کو دیکھا جو چار بج رہا تھا۔ اپنی آنکھوں کو رگڑتے ہوئے وہ اپنے بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے دروازہ

جائے والے پر شدید غصہ آ رہا تھا۔ اسی لمحے کے عالم میں اس نے بڑا اتے ہوئے ایک جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔ باہر ملازم کھڑا تھا۔

”کیا تکلیف ہے تمہیں۔“ کیوں اس طرح دروازہ بھار ہے ہو؟ دروازہ توڑنا چاہتے ہو تم؟“ وہ دروازہ کھولتے ہی ملازم پر چلا یا۔

”سالار صاحب باہر پولیس کھڑی ہے۔“ ملازم نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔ سالار کا غصہ اور خیر ایک منٹ میں غائب ہو گئے۔ ایک سیکنڈ سے بھی کم عرصے میں وہ پولیس کے وہاں آئے کی وجہ جان گیا تھا اور اسے ان کی اور اہلکار کے گھر والوں کی اس مستعدی پر حیرت ہوئی تھی۔ آخر وہ چند گھنٹوں میں سپر سے اس تک کیسے پہنچ گئے تھے۔

”کس لئے آئی ہے پولیس؟“ اس نے اپنی آواز کو پرسکون رکھتے ہوئے بے تاثر چہرے کے ساتھ پوچھا۔

”یہ تو جی رہی نہیں وہ جس کہہ رہے ہیں کہ آپ سے ملنا ہے، مگر چونکہ وہ نے گیسٹ نہیں کھولا۔ اس نے ان سے کہہ دیا ہے کہ آپ گھر پر نہیں ہیں مگر ان کے پاس آپ کے وارنٹ ہیں اور وہ کہہ رہے ہیں کہ اگر انہیں اندر نہیں آتے تو وہ ضرور دہشتی اندر آ جائیں گے اور تمام لوگوں کو گرفتار کر کے لے جائیں گے۔“

سالار نے بے اختیار اطمینان بھرا سانس لیا۔ چونکہ انہوں نے واقعی بڑی عقل مند کی کامیابی کا مظاہر کیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اندازہ ہو گیا تھا کہ پولیس رات دہائی ٹو کی کے معاملے میں ہی تحقیق کے لئے وہیں آئی تھی اس لئے اس نے نہ تو پولیس کو اندر آنے دیا نہ ہی انہیں یہ بتایا کہ سالار گھر پر موجود تھا۔

”تم فکر مت کرو۔ میں کچھ نہ کچھ کرتا ہوں۔“ سالار نے ملازم سے کہا اور وہاں اپنے بیڈ روم میں آ گیا۔ وہ کسی عام شہری کا گھر ہوتا تو پولیس شاید وہاں ہی بھلا جگہ کر بھی اندر موجود ہوتی مگر اس وقت وارنٹ جوئے کے باوجود اس گھر کا ساتھ اور جس علاقے میں وہ واقع تھا انہیں خوف میں مبتلا کر رہے تھے۔ اگر اہلکار کا خاندان بھی اثر و سونخ والا نہیں ہو تا تو شاید اس وقت پولیس اس پیکر میں آنے اور خاص طور پر وارنٹ کے ساتھ آنے کی جرأت ہی نہ کرتی مگر اس وقت پولیس کے سامنے آگے کواں پیچھے کھائی والی صورت تھی۔

سالار نے بیڈ روم کے اندر آتے ہی فون اٹھا کر کراچی سکندر عثمان کو فون کیا۔

”یہاں ایک چھوٹا سا پراہم ہو گیا ہے۔“ کس نے چھوٹے ہی کہا۔

”یہاں ہمارے گھر کے باہر پولیس کھڑی ہے اور ان کے پاس میرے گرفتاری کے وارنٹ ہیں۔“

سکندر عثمان کے ہاتھ سے موبائل گرتے گرتے پھا۔

”کیوں۔۔۔؟“

”یہ تو جانیں پاپا۔۔۔ میں سو رہا تھا، ملازم نے چکا کر مجھے تھپا دیا، کیا میں جا کر پولیس والوں سے پوچھوں کہ وہ کس سلسلے میں مجھے گرفتار کرنا چاہتے ہیں؟“ سالار نے بڑی فرمائش وادی اور معصومیت کے ساتھ سکندر عثمان سے پوچھا۔

”تمہیں باہر نکلنے یا پولیس کو اندر بلوانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اپنے کمرے میں ہی رہو۔ میں تھوڑی دیر بعد تمہیں ونگ کرتا ہوں۔“ سکندر عثمان نے کلفت کے عالم میں موبائل بند کر دیا۔ سالار نے ”میں اس بوکر فون رکھ دیا، جاننا تھا کہ اب کچھ دیر بعد پولیس وہاں نہیں ہوئی اور واقعی ایسا ہی ہوا تھا۔ اس چارہ دست کے بعد ملازم نے آکر اسے پولیس کے جانے کے بارے میں بتایا۔ ملازم ابھی اس سے بات کر رہا تھا جب سکندر نے وہ بارہ کال کی تھی۔

”پولیس بجلی مٹی ہے؟“ سکندر نے اس کی آواز سنتے ہی کہا۔

”ہاں بجلی مٹی ہے۔“ سالار نے بڑے اطمینان بھرے انداز میں کہا۔

”اب تم میری بات ٹھیک طرح سنو۔ میں اور تمہاری سہیلی رات کو کراچی سے اسلام آباد منتقل رہے ہیں۔ تم جب تک گھر سے نہیں نکلو گے۔“ سالار کو ان کے بات کرنے کا انداز بہت عجیب سا لگا۔ انہوں نے بہت اچھا انداز اور سرور میری سے اس سے بات کی تھی۔

”سن لیا۔“ وہ دوسری طرف سے فون بند کر چکے تھے۔

سالار ابھی فون بند کر رہا تھا جب اس کی نظر اپنے کمرے کے کابینٹ پر پڑی۔ وہاں جوئے کے نشانات تھے اور اس نے دیکھا کہ ملازم بھی قدرے حیرانی کے عالم میں ان نشانات کو دیکھ رہا تھا۔ چونکہ کھڑکی سے قطار کی صورت میں بڑا رہے تھے۔

”جوئے کے ان نشانات کو صاف کرو۔“ سالار نے حکیمانہ انداز میں کہا۔

ملازم کمرے سے باہر چلا گیا۔ سالار اٹھ کر کھڑکی کی طرف آ گیا اور اس نے وہ سلائیڈنگ دروازہ پر ری طرح کھول دی۔ اس کا اندازہ ٹھیک تھا، جوئے کے وہ نشانی والے نشانات باہر برآمدے میں بھی موجود تھے۔ امانہ اپنی کیا ریحوں سے گور گور ہو رہا تھا۔ جگہ کر ان کی کیا ریحوں میں کوئی تھی اور یہی وجہ تھی کہ اس کے جوئے کے نشانی سے بھر گئے تھے۔ اس کی وجہ سے وہ نشانی کم اور کچھ زیادہ تھی اور اس کے برآمدے کے صنفیدار بل پر وہ نشانات بالکل ایک قطار کی صورت میں آ رہے تھے۔ وہ ایک گہری سانس لیتا ہوا اندر آ گیا۔ ملازم کمرے میں ان نشانات کو صاف کرنے میں مصروف تھا۔

”باہر برآمدے میں بھی جہروں کے کچھ نشانات ہیں انہیں بھی صاف کر دینا۔“ سالار نے اس سے کہا۔

"یہ کس کے نشان ہیں۔ ملازم زیادہ براہے قسم پر قابو نہیں رکھ سکا۔"
"میرے....." سالار نے آکھڑے لہجے میں کہا۔

☆.....☆.....☆

دو رات کو کھانا کھانے میں مصروف تھا جب سکندر عثمان اور طیبہ آگئے تھے۔ ان دونوں کے چہرے سے ہونے لگے تھے۔ سالار اطمینان سے کھانا کھا رہا تھا۔ دونوں اسے مخاطب کے بغیر اس کے پاس سے گزر کر چلے گئے تھے۔

"کھانا ختم کر کے میرے کمرے میں آؤ۔" سکندر عثمان نے جاتے جاتے اس سے کہا تھا۔ سالار نے جواب دینے کے بجائے فروت ٹھکانے اپنی پیٹ میں نکال لی۔

چند روز بعد وہ جب ان کے کمرے میں گیا تو اس نے سکندر کو کمرے میں جھپٹتے ہوئے پایا جب کہ طیبہ مخرج مندی کے عام میں صوفی پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

"پاپا! آپ نے بلوایا تھا؟" سالار نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"میں تو میری خیر نہیں جانتا ہوں کیوں بلایا ہے۔" سکندر عثمان نے اسے دیکھتے ہی ہلکا بند کر دیا۔ وہ بڑے

اطمینان سے طیبہ کے برابر بیٹھ گیا۔

"اماں کہاں ہے؟" سکندر نے لمحہ ضائع کے بغیر پوچھا۔

"کون اماں؟" اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اس کے چہرے پر خودی موت کھراہٹ ضرور ہوتی، مگر وہ اپنے نام کا ایک ہی تھا۔

سکندر کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ "تمہاری بہن۔" وہ غزائے۔

"میری بہن کا نام ایسا ہے پاپا۔" سالار کے اطمینان میں کوئی کی نہیں آئی۔

"مجھے تم صرف ایک بات بتاؤ۔ آخر تم مجھے اور کتنی بار کتنے طریقوں سے ڈیل کرواؤ گے۔"

اس بار سکندر عثمان دوسرے صوفی پر بیٹھ گئے۔

"آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ پاپا میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔" سالار نے حیرانی سے کہا۔ "حالانکہ

جیہاڑی سمجھ میں سب کچھ آ رہا ہے۔" انہوں نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "دیکھو مجھے آرام سے بتا دو کہ

اماں کہاں ہے۔ یہ معاملہ اتنا سیدھا نہیں ہے جتنا تم نے سمجھ لیا ہے۔"

"پاپا! آپ کس اماں کی بات کر رہے ہیں۔ میں کسی اماں کو نہیں جانتا۔"

"میں وہ کسی کی بہن کی بات کر رہا ہوں۔" سکندر عثمان اس بار غزائے۔

"تو سہ کی بہن؟" وہ کچھ سوچ میں پڑ گیا۔ "اچھا..... یاد آ رہا۔" وہ جس نے مجھے ٹریجنٹ دیا تھا

لاست ایئر۔"

"ہاں وہی..... اب چونکہ تمہاری یادداشت واپس آگئی ہے اس لئے مجھے یہ بھی بتا دو کہ وہ کہاں ہے۔"

"پاپا! وہ اپنے کمرے میں ہو گی یا میڈیکل کالج کے بائل میں۔ میرا اس سے کیا تعلق؟" اس نے حیرانی

سے سکندر سے کہا۔ "اس کے باپ نے تمہارے خلاف اپنی بیٹی کے انوکھا کیمس کروا دیا ہے۔"

"میرے خلاف....." سالار نے ابا سے کیا تعلق ہے؟ "اس نے پرسکون لہجے اور بے اثر چہرے کے ساتھ کہا۔

"نہی تو میں جانتا تھا کہ تمہارا اس کے ساتھ کیا تعلق ہے؟"

"پاپا! میں اس کو جانتا تک نہیں ہوں۔ ایک دو بار کے علاوہ میں اس سے ملا تک نہیں۔ پھر اس کے

اغوا سے میرا کیا تعلق اور مجھے تو یہ بھی نہیں چاک وہ اغوا ہو گئی ہے۔"

"سالار! اب یہ ایکٹنگ بند کرو۔ مجھے بتا دو کہ وہ کئی کہاں ہے۔ میں نے باشم سین سے وعدہ کیا ہے کہ میں ان کی بیٹی کو ان تک پہنچاؤں گا۔"

"تو آپ اپنا وعدہ پورا کریں اگر ان کی بیٹی کو ان تک پہنچا سکتے ہیں تو ضرور پہنچائیں، مگر مجھے کیوں

ڈسٹرب کر رہے ہیں۔" اس بار سالار نے ناگوار سی سے کہا۔

"دیکھو سالار! تمہاری اور اماں کے درمیان اگر کسی بھی قسم کی انڈر اسٹینڈنگ ہے تو ہم اس معاملے

کو حل کر لیں گے۔ میں خود تمہاری اس کے ساتھ شادی کروا دوں گا۔ تم فی الحال یہ بتا دو کہ وہ کہاں ہے۔" سکندر عثمان نے اس بار اپنے لب لہجے میں تبدیلی لاتے ہوئے کہا۔

"قادر گاڈ سیک پاپا۔ اسٹاپ اٹ۔ کون سی انڈر اسٹینڈنگ، گھٹی شادی۔ میری کسی کے ساتھ

انڈر اسٹینڈنگ ہوتی تو میں اسے اغوا کروں گا اور میں انڈر اسٹینڈنگ ڈوبلپ کروں گا اماں جیسی لڑکی کے ساتھ۔ وہ میری لالچ ہے؟" اس بار سالار نے بلند آواز میں کہا۔

"تو بھر وہ تم پر اس کے اغوا کا الزام کیوں لگا رہے ہیں؟"

"یہ آپ ان سے پوچھیں۔ مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں؟" اس نے اسی ناگوار سی سے جواب دیا۔

"آج باشم سین کہہ رہے ہیں کل کو کوئی اور آکر کے گے گا اور آپ پھر مجھ پر چھانٹا شروع کر دیں

گے..... میں نے آپ کو بتایا ہے میں سو رہا تھا جب پولیس آکر باہر کھڑی ہوئی اور اب آپ آگئے ہیں اور

آتے ہی مجھ پر..... مجھے تو یہ تک نہیں چاک وہ اغوا ہوئی ہے یا نہیں..... آخر وہ لوگ مجھ پر الزام

کیوں لگا رہے ہیں۔ کیا ثبوت ہے ان کے پاس کہ میں نے ان کی بیٹی کو اغوا کیا ہے اور بالفرض میں نے

اغوا کیا بھی ہے تو کیا میں یہاں اپنے گھر بیٹھا ہوں گا۔ مجھے اس وقت اس لڑکی کے ساتھ ہونا چاہیے۔"

سالار کئی سے بول رہا تھا۔

"مجھے ایس بی سے تھک رہے ہیں کی تھکلاٹ کا چنا چلا ہے، پھر میں نے کراچی سے ہاشم مبین کو فون کیا، وہ مجھ سے بات کرنے پر تیار نہیں تھا، مجھے اس سے بات کرنے کے لئے پیش کرنی پڑی۔ اس نے مجھے تھک رہے ہیں بتایا ہے۔۔۔ اس کی بیٹی رات کو غائب ہوئی ہے۔۔۔ اور تم بھی رات کو کھٹے سو اور صبح آئے ہو۔"

"تو پاپا! اس میں احمک کیا ہے آیا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ میں رات کو کبھی نہیں گیا اور دوسری بات یہ ہے کہ احمک نے کھٹے لئے کسی کے گھر جا کر لڑکی کو زبردستی لے جانا ضروری ہے اور میں کسی کے گھر نہیں گیا۔"

"ہاشم مبین کے چوکیدار نے رات کو جھپٹا ہاتھ آتے دیکھا ہے۔"

"اس کا چوکیدار جوتا ہے۔" سالار نے پلٹ کر آواز میں کہا۔

"میرے چوکیدار نے تمہیں رات کو ایک لڑکی کو کار میں لے جاتے دیکھا ہے۔" سکندر نے دانت پیستے ہوئے کہا، سالار چند لمحوں کے بعد بولے۔ سالار یقیناً گھر آتے ہی چوکیدار سے بات کر چکے تھے۔

"وہ میری ایک فریڈ فرینڈ تھی جسے میں گھر چھوڑنے گیا تھا۔" اس نے طیبہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کون ہے وہ فریڈ فرینڈ؟ اس کا نام اور پتہ بتاؤ۔"

"میری بی بی! میں نہیں بتا سکتا۔" "It's personal"

"یہاں اسلام آباد چھوڑنے گئے تھے؟"

"ہاں۔۔۔۔۔"

"تم اسے لاہور چھوڑ کر آئے ہو۔ ایس بی نے مجھے خود بتایا ہے۔ تم چار ناگوں سے گزر رہے ہو۔ چاروں پر قبضہ کر لیا گیا ہے۔ رستے میں تم نے اس سروس اسٹیشن پر ڈک کر مجازی چیک کروائی ہے۔ اس لڑکی کے ساتھ وہاں کھانا کھایا ہے۔" سکندر نے اس سروس اسٹیشن اور یونٹ کا نام بتاتے ہوئے کہا۔ سالار کچھ دیر سکندر کو دیکھتا رہا مگر اس نے کچھ بھی نہیں کہا۔ "ایس بی نے مجھے یہ سب کچھ خود بتایا ہے۔ اس نے ابھی ہاشم مبین کو یہ سب کچھ نہیں بتایا۔ اس نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تم سے بات کروں اور خاموشی کے ساتھ لڑکی کو وہاں چھوڑ دوں یا اس کے گھر والوں کو اس لڑکی کا چاندیوں تاکہ یہ معاملہ خاموشی سے کسی مسئلے کے بغیر ختم ہو جائے مگر وہ کب تک ہاشم مبین کو نہیں بتائے گا۔ وہ دوستی کا لحاظ کر کے سب کچھ چھپا بھی کیا تب بھی ہاشم مبین کے اور بہت سے ذرائع ہیں۔ اسے وہاں سے پتا چلے جائے گا اور پھر قبضہ کر لیا جائے گا۔" ایس بی نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

سکندر نے اسے ذرا آنے کی کوشش کی۔ وہ سٹارٹ ہوئے بغیر انہیں دیکھتا رہا۔

"اب مجھ سے بولنا چھوڑ دو اور مجھے بتا دو کہ وہ لڑکی کہاں ہے۔"

"وہ لڑکی ریڈ لائٹ ایریا میں ہے۔" سکندر کو اس کی بات پر کرفٹ لگا۔

"واٹ۔۔۔۔۔؟"

"میں اسے وہاں سے لایا تھا، وہیں چھوڑ آیا ہوں۔"

وہ سفید چہرے کے ساتھ سالار کو دیکھتے رہے۔

"مگر وہ اناج نہیں تھی، میں پرسوں لاہور گیا ہوا تھا، وہاں سے میں رات گزارنے کے لئے اس لڑکی کو لایا تھا، آج میں اسے وہاں چھوڑ آیا۔ میرے پاس اس کا کوئی کالکٹڈ نمبر تو نہیں ہے، مگر آپ میرے ساتھ لاہور چلیں تو میں آپ کو اس لڑکی کے پاس لے جاتا ہوں یا بتا دیتا ہوں آپ خود یا پولیس کو کہیں کہ وہ اس لڑکی سے تصدیق کر لیں۔"

کمرے میں ایک دم خاموشی چھا گئی تھی۔ طیبہ اور سکندر بے چینی سے سالار کو دیکھ رہے تھے جب کہ وہ بڑے مطمئن انداز میں گھر کیوں سے باہر دیکھ رہا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آتا کہ تم۔۔۔ تم اس طرح کی حرکت کر سکتے ہو۔ تم ایسی جگہ جاسکتے ہو، ایک لمبی خاموشی کے بعد سکندر نے کہا۔

"آئی اہم سوری پاپا! مگر میں جانتا ہوں۔ اور اس بات کا اعجاب کے بھائی وسم کو بھی پتا ہے۔ میں کئی بار ویک اینڈ پر اپنے دوستوں کے ساتھ وہاں جاتا رہا ہوں اور وسم یہ باتے جانتا ہے، آپ اس سے پوچھ لیں۔"

"ایڈریس وہ اس لڑکی کا۔" وہ کچھ دیر بعد غڑا۔

"میں اپنے کمرے سے لے کر آتا ہوں۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

اپنے کمرے میں آ کر اس نے سوبائیں اٹھایا اور لاہور میں رہنے والے اپنے ایک دوست کو فون کرنے لگا۔ اسے ساری صورت حال بتانے کے بعد اس نے کہا۔

"اکمل! میں اپنے پاپا کو ریڈ لائٹ ایریا کے اس گھر کا پتہ دے رہا ہوں جہاں ہم جاتے رہے ہیں۔ تم وہاں کسی بھی ایسی لڑکی کو جو مجھے جانتا ہے اس کو اس بارے میں بتا دو، میں ابھی کچھ دیر تک تمہیں دوبارہ فون کرتا ہوں۔"

وہ کہتے ہوئے تیزی سے ایک چٹ پر ایک اینڈریس لکھنے لگا اور پھر اسے لے کر سکندر کے کمرے میں آیا۔ اس نے چٹ سکندر کے سامنے کر دی، جسے انہوں نے تقریباً چھین لیا، ایک نظر اس چٹ پر ڈال کر انہوں نے چٹ نہیں نظروں سے اسے دیکھا۔

"دش ہو جاؤ یہاں ہے۔" وہ اطمینان سے انداز میں وہاں سے آیا۔

اپنے کمرے میں آ کر اس نے اکمل کو دوبارہ فون کیا۔

"اگر تم واقعی اسے نگر اور مطمئن ہو تو ٹھیک ہے، ہو سکتا ہے وہ تم تک نہ ہی آئیں، مگر میں نے پھر بھی سوچا کہ میں جھپٹیں بنا دوں۔" سالار نے فون بند کرتے ہوئے اس سے کہا۔
"ویسے تم اس لڑکی کو اب لاہور میں کیاں چھوڑ کر آئے ہو؟"

"لاہور کی ایک سڑک پر چھوڑ آیا ہوں اس کے علاوہ اور کہاں چھوڑ سکتا تھا۔ اس نے اپنے محل وقوع اور حدود و اربعہ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ وہ کہاں چلی گئی۔"
"جیسے بے وقت ہو، کم از کم تم تو اس سے اس کا ٹھکانہ پوچھنے کا جو صلہ رکھتے تھے۔"

"ہاں! مگر مجھے اس کی ضرورت نہیں پڑی۔" سالار نے دانستہ انداز سے آخری بار ہونے والی اپنی گفتگو کو ل کر دی۔

"میں حیران ہوں کہ تم اب کس طرح بکے معاملات میں انوالو ہوئے لگے ہو۔ اپنی ٹیمپ کی لڑکیوں کے ساتھ انوالو ہونا دوسری بات ہے مگر وہیم کی بہن بھی لڑکیوں کے ساتھ انوالو ہو جاتا۔ تمہارا فیٹ بھی دن یہ دن گرتا جا رہا ہے۔"

"میں 'انوالو' ہوا ہوں۔۔۔؟ تم واقعی عقل سے پیدل ہو اور نہ کم از کم اس طرح کی بات مجھ سے نہ کرتے۔ ایڈیٹر اور انوالو فیٹ میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے حسن صاحب! سالار نے طنز سے لہجے میں کہا۔

"اور آپ نے یہ قاعدہ ایک ہی پھانک میں طے کر لیا ہے سالار صاحب! حسن نے بھی اسی کے انداز میں جواب دیا۔

"تمہارا دامخ خراب ہے اور کچھ نہیں۔"

"اور تمہارا دامخ مجھ سے زیادہ خراب ہے۔ ورنہ اس طرح کی حادثات کو ایڈیٹر بھی نہ کہتے۔" حسن بھی قدرے جھلایا ہوا تھا۔

"اگر تم نے میری مدد کی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمہارے من میں جو آئے تم مجھے کہہ دو۔" سالار کو اس کی بات پر اچانک غصہ آ گیا۔

"ابھی میں نے جھپٹیں کچھ بھی نہیں کہا ہے۔ تم کس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہو۔ یہ فیٹ والی بات کی طرف یا دامخ خراب ہونے والی بات کی طرف؟" حسن نے اسی انداز میں اس کے غصے سے ستاؤ ہونے لگی۔

"اچھا اب منہ بند کر لو۔ فضول بحث مت کرو۔"

"اس وقت ان تمام باتوں کو کرنے کا مطلب گڑے مروئے دکھانا ہے۔" حسن اب سنجیدہ تھا۔
"فرض کرو پولیس کسی صورت اہم تک پہنچ جاتی ہے اور پھر وہ امانہ کا اتنا پتا جاننے کی کوشش کرتے ہیں تو ہم

کیا جانتیں گے اور میں نہیں سمجھتا کہ وہ کبھی بھی اس بات پر یقین کریں گے کہ امام کے بارے میں تمہیں کچھ پتا نہیں ہے۔ اس وقت تم کیا کرو گے؟"

"کچھ بھی نہیں کروں گا۔ میں ان سے بھی وی کیوں کا جو میں تم سے کہہ رہا ہوں۔" اس نے بلند آواز میں کہا۔

"ہاں اور سارا مسئلہ تمہارے اس بیان سے ہی شروع ہو گا۔ میں امام کے بارے میں نہیں جانتا ہوں۔" حسن نے اس کا جملہ ڈوبو لیا۔ "تمہیں ابھی طرح اندازہ ہونا چاہئے کہ اوپر قیمت پر امام تک پہنچنا چاہیے گے۔"

"یہ بہت بعد کی بات ہے، ان کے امکانات اور ممکنات پر غور کر کے پریشان نہیں ہوتا۔ جب وقت آئے گا وہ کھسا جائے گا۔" سالار نے لاپرواہی سے کہا۔

"تم سے مجھے صرف یہ مدد چاہئے کہ تم اس سارے معاملے کو ترقی دیکھو اور پولیس کے اچھے رنگوں۔" تمہارے لیے بغیر بھی میں یہی کرتا۔ ویسے بھی میں اگر پکڑا گیا تو وہیم کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔ اس بار تم نے مجھے واقعی بڑی embarrassing صورت حال سے دوچار کیا ہے۔"

"او کے میں فون بند کر رہا ہوں کیونکہ تم پر پھر وی دور دراز سے کوالا ہے۔ وی لکھیں اور پچھتاوا۔"

"You are acting like my father."

"سالار نے کھٹاک سے فون بند کر دیا۔ اس کا ذہن الجھلی رات کے بارے میں سوچ رہا تھا اور اس کے ماتھے کی تیریاں اور گل بہت نمایاں تھیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

"میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ اس حد تک بگڑ جائے گا۔"

"ریڈ لائٹ ایریا مانی فٹ، کبھی میرے خاندان کی کبھی ساتھیوں سے بھی کوئی دہاں نہیں گیا۔ اور یہ لڑکا۔۔۔ کیا ہے جو میں نے اسے نہیں دیا۔ کیا ہے جس کی کی رہنے والی ہے اور اسے دیکھو بھی یہ خود کشی کی کوشش کرتا پھر تا ہے اور کبھی ریڈ لائٹ ایریا میرے لٹھ۔۔۔ انکو کس حد تک جائے گا یہ؟"

سکندر عثمان نے اپنا سر تھام لیا۔

"مجھے تو گھر کے ملازموں پر بھی بہت زیادہ اعزاز ہے۔ آخر کیوں اس لڑکی کو انہوں نے اندر آنے دیا۔ گھر کے معاملات پر نظر رکھنی چاہئے انہیں۔" علی نے بات کا موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"گھر کے معاملات اور مالک کے معاملات پر نظر رکھنے میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ یہاں معاملہ گھر کا نہیں تھا، مالک کا تھا۔" سکندر نے طنز سے لہجے میں کہا۔ "اور پھر اس میں سے کسی نے بھی کسی لڑکی کو یہاں آئے نہیں دیکھا۔ وہ کہتا ہے وہ اسے اسی دن لایا تھا، پوچھ کر کہ یہاں اس نے ایسا نہیں جوا اس نے

اس کے ساتھ کسی لڑکی کو آتے نہیں دیکھا۔ ہاں اجاتے ضرور دیکھا ہے ملازمین کا بھی بچا کہنا ہے۔ انہوں نے تو نہ کسی لڑکی کو آتے دیکھا ہے نہ ہی جاتے دیکھا ہے۔ "سکندر نے کہا۔
"اس کا مطلب ہے کہ وہ یقیناً اس لڑکی کو اچھی طرح پہچان لایا ہو گا۔"

"شیطان بدلتا ہے اس کا۔ یہ تم جانتی ہو تم صرف یہ دعا کرو کہ یہ سارا معاملہ ختم ہو جائے۔
باشم ہمیں کی بیش مل جائے اور ہماری جان بھوٹ جائے تاکہ ہم اس کے بارے میں کچھ سوچ سکیں۔"
سکندر عثمان نے کہا۔

"میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر مجھ سے ایسی کون سی غلطی ہو گئی ہے جس کی مجھے یہ سزا ملی
رہی ہے۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں؟" وہ بے حد بے بس نظر آ رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

وہ اگلے روز صبح معمول کے مطابق اٹھا اور کالچ جانے کے لئے تیار ہوئے۔ ناشتہ کرنے کے
لئے وہ ڈائننگ ٹیبل پر آیا تو اس نے غلاف معمول وہاں سکندر عثمان کو سو ہو دیکھا۔ وہ عام طور پر اس وقت
ناشتہ نہیں کیا کرتے تھے۔ خود اوپر سے فیکٹری جایا کرتے تھے۔ سالار کو اس وقت انہیں موجود پا کر
کچھ حیرت ہوئی، مگر ان کے سینے ہوئے چہرے اور غریب آنکھوں سے لگا ہوا دور ہوا تھا کہ شاید دوسری
رات نہیں سو سکے۔

سالار کو صبح صبح باہر نکلنے کے لئے تیار تو کیج کر انہوں نے قدر درمستی سے اس سے کہا۔ "تم کہاں جا
رہے ہو؟"

"کالچ۔"

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا۔ میرے گلے میں یہ مصیبت اگل کر تم خود کالچ جا رہے ہو۔ جب تک
یہ معاملہ ختم نہیں ہو جاتا تم یہیں نہیں جاؤ گے۔ تمہیں پتا ہے کہ تم کتنے بھلے ہو؟"
"کیسا خطرہ؟" وہ لڑکا۔

"میں نہیں چاہتا باشم ہمیں عثمان کوئی نقصان پہنچائے۔ اس لئے فی الحال تمہارے لئے بیکار بہتر
نہی ہے تم گھر پر رہو۔" سکندر عثمان نے دو نوک لہجے میں کہا۔ "اس کی بیٹی مل جائے پھر تم وہ بار دکان چلا
شرع کرو گے۔"

"اس کی بیٹی اگر ایک سال نہیں ملے گی تو کیا میں دیک سال تک اندر بیٹھا رہوں گا۔ آپ نے اپنے
میرے جان کے بارے میں کیا نہیں ہے۔" سالار نے تیز لہجے میں کہا۔

"میں اسے پتا چکا ہوں۔" وہ بے لے بھی تمہاری بات کی تحدید نہ کر دی تھی۔ "نہن کے لہجے میں معویہ
کا نام لیتے ہوئے جلتی تھی۔" مگر باشم ہمیں ابھی بھی مصر ہے کہ اس کی بیٹی کو تم نے ہی اغوا کیا ہوا ہے۔"

"تو میں کیا کروں۔۔۔ اسے یقین نہیں آتا تو آئے۔ مجھے کیا فرق پڑتا ہے۔ سالار نے لا پرواہی
سے کہتے ہوئے ناشتہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"تمہیں فرق نہیں پڑتا، مجھے پڑتا ہے۔ تم باشم ہمیں اس کو نہیں جانتے۔ وہ کتنے اثر و رسوخ والا
آدمی ہے اور کس حد تک جاسکتا ہے اس کا اندازہ صرف مجھے ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ تمہیں کوئی نقصان
پہنچائے۔ اس لئے ابھی تم گھر پر ہی رہو۔"

سکندر عثمان نے اس بار کچھ نرم لہجے میں کہا۔ شاید انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کی غلطی کا کوئی اثر
نہیں ہو گا۔ وہ ان کی بات نہیں مانے گا۔

"پاپا! میری اصل پر کا حرج ہو گا۔ سو رہی امیں گھر پر نہیں بیٹھ سکتا۔" سالار سکندر عثمان کے لہجے کی
زبردستی سے متاثر نہیں ہوا تھا۔

"تمہارا حرج ہوتا ہے یا نہیں مجھے اس سے کوئی دخل نہیں ہے۔ میں صرف تمہیں گھر پر چاہتا
ہوں۔ کیجئے تمہیں اس بار انہوں نے اچانک بھڑک کر بلند آواز میں اس سے کہا۔

"تم لازم آج تو مجھے جانے دیں۔ آج مجھے بہت سے ضروری کام پتائے ہیں۔" سالار یک دم ان
کے سینے پر کچھ پڑا ہوا۔

"تم وہ کام زرا تیر کو بتاؤ، وہ کرو گے گایا پھر کسی دوسرے سے تو ان پر بات کر لو۔" سکندر نے حتی
اندر اس میں کہا۔

"مگر پاپا۔۔۔ آپ مجھے اس طرح۔" سکندر عثمان نے اس کی بات نہیں سنی۔ وہ ڈائننگ روم سے
نکل رہے تھے۔ وہ کچھ دیر بلند آواز میں بڑبڑاتا پھر ٹھیک آکر خاموش ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ سکندر عثمان
اسے باہر نکلنے نہیں دیں گے مگر اسے اس بات کی توقع نہیں تھی۔ اس کا خیال تھا کہ معویہ کو سامنے لائے ہو
اس کی اپنی فیملی کے ساتھ باشم ہمیں بھی مطمئن ہو جائیں گے اور کم از کم یہ مصیبت اس کے کندھوں سے اتر
جائے گی، مگر اس کے لئے سکندر عثمان کا یہ انکشاف حیران کن تھا کہ باشم ہمیں نے ابھی بھی اس کے بیان
پر یقین نہیں کیا تھا۔

سالار وہیں بیٹھا ناشتہ کرتے ہوئے کچھ دیر ان تمام معاملات کے بارے میں سوچتا رہا۔ کالچ نہ
جانے کا مطلب گھر میں بند ہو جانا تھا اور وہ گھر میں بند نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اس کا موڈ یک دم آف ہو گیا
ناشتہ کرتے کرتے اس نے اسے اور سوچا پھر ڈرا اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

☆ ☆ ☆

"سکندر صاحب! میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔" وہ لاؤنج میں بیٹھی تھی جب سالار
کچھ جھجکتے ہوئے ان کے پاس آئی۔

"ہاں کہو..... جیسوں کی ضرورت ہے؟" سکندر عثمان نے اخبار پڑھتے ہوئے کہا۔ وہ اس معاملے میں خاصے غرض مند تھے۔

"نہیں صاحب جی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں کچھ اور کہنا چاہتی ہوں آپ سے۔"

"بولو۔" وہ ہنوز اخبار میں منہمک تھے۔ ملازمہ کچھ پریشان ہونے لگی۔ نامہ رے بہت سوچ کچھ کر سالار اور امام کے بارے میں سکندر عثمان کو بتانے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ اسے یہ سب کچھ اب بہت پریشان کن لگ رہا تھا وہ نہیں چاہتی تھی کہ جلد یا بدیر یہ پتا چل جائے کہ ان دونوں کے درمیان رابطہ کا ذریعہ وہ تھی اور پھر اسے اور اس کے چہرے کے خاتمہ ان کو پولیس کا سامنا کرنا پڑے۔ اسی لئے اپنے شوہر سے مشورے کے بعد اس نے سکندر عثمان کو سب کچھ بتانے کا فیصلہ کر لیا تھا تاکہ کم از کم وہ دونوں گھر والوں میں سے کسی ایک کی مدد دی اپنے ساتھ رکھے۔

"چپ کیوں ہو، بولو۔" سکندر عثمان نے اسے خاموش پا کر ایک بار پھر اس سے کہا۔ ان کی نظریں ابھی ابھی اخبار پر جمی ہوئی تھیں۔

"سکندر صاحب! میں آپ کو سالار صاحب کے بارے میں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔" نامہ رے نے بالاخر ایک طویل توقف کے بعد کہا۔

سکندر عثمان نے بے اختیار اخبار اپنے چہرے کے سامنے سے ہٹا کر اسے دیکھا۔

"سالار کے بارے میں..... کیا کہنا چاہتی ہو؟" انہوں نے اخبار کو سامنے سینئر ٹیبل پر بھینکتے ہوئے بہت شہیدگی سے کہا۔

"سالار صاحب اور امام بی بی کے بارے میں کچھ باتیں بتانا چاہتی ہوں۔" سکندر عثمان کا دل بے اختیار اچھل کر طاق میں آگیا۔

"کیا.....؟"

"بہت دن پہلے ایک دن سالار صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ میں ان کا سواگل اپنی بیٹی کے ہاتھ امام بی بی کو پہنچا دوں۔" سکندر عثمان کو کاہلہ دہارہ کبھی مل نہیں سکیں گے۔ تو باشم بین احمد کا خیال اور احمد انجیک تھا ان کے بدترین قیاس اور اندازے دوست تھے۔

"پھر.....؟" انہیں اپنی آواز کسی کھالی سے آتی تھی۔ "میں نے انکار کر دیا کہ یہ کام میں نہیں کر سکتی مگر انہوں نے مجھے بہت دھمکیاں دیں کہ وہ مجھے گھر سے نکال دیں گے۔ جس پر مجبوراً میں وہ سواگل امام بی بی تک پہنچانے کے لئے تیار ہو گئی۔"

اپنی پوزیشن کو محفوظ رکھنے کے لئے نامہ رے نے اپنے بیان میں سمجھوت کی آمیزش کرتے ہوئے کہا۔ "پھر اس کے کچھ دن بعد ایک دن سالار صاحب نے کہا کہ میں کچھ کاغذات امام بی بی تک پہنچاؤں اور

پھر اسی وقت ان کاغذات کو واپس لے آؤں۔ میں نے اپنی بیٹی کے ذریعے وہ کاغذات بھی امام بی بی کے پاس پہنچا کر واپس منگوا لئے اور سالار صاحب کو دے دیئے۔ میں نے سالار صاحب سے ان کاغذات کے بارے میں پوچھا مگر انہوں نے نہیں بتایا مگر مجھے شک تھا کہ شاید وہ نکال نامہ تھا کیونکہ اس وقت سالار صاحب کے کمرے میں پانچ لوگ موجود تھے۔ ان میں سے ایک کوئی سولوی بھی تھا۔"

سکندر عثمان گویاں بیٹے بیٹے صفے سے اٹھنے لگے تھے۔ "اور یہ کب کی بات ہے؟"

"امام بی بی کے جانے سے چند دن پہلے۔" نامہ رے نے کہا۔

"تم نے مجھے اس کے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟" سکندر عثمان نے درشت لہجے میں کہا۔

"میں بہت خوفزدہ تھی صاحب جی..... سالار صاحب نے مجھے دھمکیاں دی تھیں کہ اگر میں نے آپ کو یا کسی اور کو اس سارے معاملے کے بارے میں بتا تو وہ مجھے یہاں سے باہر بھگا دیں گے۔" نامہ رے نے کہا۔

"وہ کون لوگ تھے، انہیں پہچانتی ہو؟" سکندر عثمان نے بے حد اضطراب کے عالم میں کہا۔

"بس ایک کو..... حسن صاحب تھے۔" اس نے سالار کے ایک دوست کا نام لیا۔ "باقی اور کسی کو میں نہیں پہچانتی۔" نامہ رے نے کہا۔

"میں بہت پریشان تھی۔ آپ کو بتانا چاہتی تھی مگر رتی تھی کہ آپ مجھ سے بارے میں کیا سوچیں گے مگر اب مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا۔"

"اور کون کون اس کے بارے میں جانتا ہے؟" سکندر عثمان نے کہا۔

"کوئی بھی نہیں۔ بس میں، امیری بیٹی اور میرا شوہر۔" نامہ رے نے جلدی سے کہا۔

"ملازموں میں سے کسی اور کو کچھ پتا ہے؟"

"تو یہ کریں جی انہیں کیوں کسی کو کچھ بتانی..... میں نے کسی کو کچھ بھی نہیں بتایا۔"

"تم نے جو کچھ کیا اس کے بارے میں تو میں بعد میں طے کروں گا مگر فی الحال تم ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کرو کہ تم کسی کو بھی اس سارے معاملے کے بارے میں نہیں بتاؤ گی۔ اپنا منہ ہمیشہ کے لئے بند کر لو۔ ورنہ اس بار میں نہ صرف تمہیں واقعی اس گھر سے نکال دوں گا بلکہ میں باشم بین احمد پولیس سے کہہ دوں گا کہ یہ سب کچھ تم نے کر دیا ہے۔ تم نے ان دونوں کو گمراہ کیا تھا اور تم ہی ان دونوں کے بیانات ایک دوسرے تک پہنچاتی رہیں۔ پھر پولیس تمہارے ساتھ اور تمہارے خاتمہ ان کے ساتھ کیا کرے گی تمہیں بازو دیکھنا چاہئے۔ تمہاری ساری عمر قیل کے اندر ہی گزر جائے گی۔" وہ شخص کے عالم میں اسے دھمکا رہے تھے۔

"نہیں صاحب جی! میں انہیں کیوں کسی کو کچھ بتاؤں گی۔ آپ میری زبان کھلا دیجئے گا۔ اگر میرے من

سے دوبارہ اس کے بارے میں ذکر نہیں۔

صبر و گھبرائی مگر سکندر عثمان نے رنگائی کے ساتھ اس کی بات کاٹ دی۔

”بس کافی ہے۔ اب تم چاہو یہاں سے۔ میں تم سے بعد میں بات کروں گا۔“ انہوں نے اسے جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

سکندر عثمان پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر مٹنے لگے۔ اسی وقت ان کے سر پر واقعی آسمان ٹوٹ پڑا تھا اور اس وقت انہیں پہلی بار سالار کے ہاتھوں بے وقوف بننے کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ کس حد تک مہارت اور بے ہوشی سے ان سے جھوٹ پر جھوٹ بولتا اور انہیں دھوکا دیتا تھا اور انہیں اس کا احساس تک نہیں ہو سکا تھا اور اگر غلام انہیں یہ سب کچھ نہ بتاتی تو وہ ابھی بھی ٹانگ پر ٹانگ رکھے مطمئن بیٹھے ہوتے۔ یہی سوچ کر کہ سالار امامہ کے ساتھ انہوں نے نہیں ہے اور نہ ہی اس کی تشدد کی میں اس کا کوئی قصہ تھا۔ وہ چند دن گھر پر رہ کر ایک بار پھر کالج جان شروع کر چکا تھا۔

وہ جانتے تھے کہ سالار کی مگرانی کرانی چار ہی تھی اور ہاشم مبین احمد کو سب کچھ پتا چلنے کا مطلب کیا تھا۔ یہ وہ بھی طرح جانتے تھے۔ ان کا کچھ دیر پہلے کا طبعان یک دم ختم ہو گیا تھا۔ وہ اندازہ کر سکتے تھے کہ وہ کالڈ اس کیسے تھے۔ ان پانچ آدمیوں کی موجودگی کا مطلب کیا تھا۔ سالار اور امامہ کے درمیان تعلق کی نوعیت کیا تھی اور اس وقت ان کا دل چاہا کہ وہ اس کا لگاؤ باورین یا چھرا سے ٹوٹ کر دیں مگر وہ جانتے تھے وہ یہ وہاں کام نہیں کر سکتے تھے۔ سالار سکندر ان کا وہ بیٹا تھا جس سے وہ لڑائی والوں میں سب سے زیادہ محبت کرتے تھے اور اس طرح بے وقوف بننے کے بعد پہلی بار وہ سوچ رہے تھے کہ وہ اب سالار سکندر کی کسی بات پر یقین نہیں کریں گے۔ وہ اسے مکمل طور پر ہر معاملے کے بارے میں اندھ جڑے میں رکھیں گے ویسے ہی جیسے وہ کر رہا تھا۔

”اس کی امامہ سے جان بچان کیسے ہوئی؟“ سکندر عثمان نے اپنے کمرے میں بے چینی سے پھٹنے ہوئے طبیب سے پوچھا۔

”مجھے کیا پتا کہ اس کی جان بچان امامہ سے کیسے ہوئی۔ کوئی بچہ تو ہے لیکن کہ یہی اگلی جگہ کر چکا ہوا۔“ طبیب نے قدرے غصے سے جواب دیا۔

”میں نے تم سے بہت بار کہا تھا کہ اس پر ٹھکر رکھا کرو مگر تم..... تمہیں اپنی ایکونائز سے فرصت ملے تو تم کسی اور کے بارے میں سوچو۔“

”اس پر تو جہد بنا صرف میرا حق فرض کیوں ہے۔“ طبیب ایک دم بھڑک اٹھا۔ ”آپ کو بھی تو اپنی ایکونائز چھوڑنی چاہئیں۔ سالار انعام میرے ہی سر کیوں۔“

”میں تم کو کوئی الزام نہیں تو ہے رہا اور اس بحث کو ختم کرو۔ امامہ کے ساتھ شادی۔ تم اندازہ

کر سکتی ہو کہ ہاشم مبین کو جب اس شخص کا پتا چلے گا تو وہ کیا تشا کھڑا کریں گے۔ مجھے یہ سوچ کر شاک نگہ رہا ہے کہ اس نے ایسی حرکت کرنے کا سوچ کیسے لیا۔ اسے بالکل بھی احساس نہیں ہوا کہ ہماری اور ہماری نیکی کی سوسائٹی میں کتنی عزت ہے۔“ سکندر عثمان طبیب کے قریب صوفے پر بیٹھے ہوئے بولے۔ ”ایک پر اہم ختم ہوتی ہے تو ہمارے لئے دوسری پر اہم شروع کر دیتا ہے۔ یہ سارا پتھر اسی وقت شروع ہوا تھا جب پچھلے سال اس نے خود بخود کی کوشش کے بعد اس کی جان بچائی تھی۔ ہم بے وقوف تھے کہ ہم نے اس معاملے پر نظر نہیں کیا، اور نہ شاید یہ سب بہت پہلے سامنے آ جاتا۔“ سکندر عثمان اپنی کھپٹی سنے ہوئے کہنے لگے۔

”اور پتہ یہ لڑکی بھی اس کے ساتھ اپنی مرضی سے والو ہوئی ہوگی اور اس طرح کوئی کسی کے ساتھ مرضی کے خلاف تو کھان نہیں کر سکتا اور ہاشم مبین احمد کو دیکھیں، وہ انہوں شروع کیا ہے جیسے اس کی بیٹی کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ جو کیا ہے سالار نے ہی کیا ہے۔ انہوں نے تو ایسے آئی آر بھی انہوں کی درج کر دئی ہے۔“ طبیب نے سر سے سے سٹکے لگائیں۔

”ابھی ہے، وہ قصور جہاد سے بنے کا ہے۔ نہ وہ ایسے کاموں میں پڑتا نہ اس طرح پھلتا۔ اب تو تم صرف یہ سوچ کر نہیں اس صورت حال سے کس طرح بچتا ہے۔“

”ابھی ہم اتنی بڑی طرح سے نہیں سمجھتے، جس طرح آپ سوچ رہے ہیں۔ اس پر یہ نرم ثابت نہیں ہوا۔ پولیس یا ہاشم مبین احمد کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے اور ثبوت کے بغیر وہ کچھ نہیں کر سکتے۔“

”اور جس دن ان تک کوئی ثبوت ملے گا اس دن کیا ہو گا۔ تم نے یہ سوچا ہے۔“ سکندر عثمان نے کہا۔

”آپ پھر امکانات کی بات کر رہے ہیں۔ ایسا ہوا تو نہیں ہے اور ہو سکتا ہے۔۔۔ ہو بھی نا۔“

”اس نے نہیں اگر اتنا بڑا دھوکا دے رہا ہے تو ہو سکتا ہے ایک اور دھوکا یہ ہو کہ اس کا رابطہ اس لڑکی کے ساتھ نہیں ہے۔ ممکن ہے یہ ابھی بھی اس لڑکی کے ساتھ رہا چلے میں ہو۔“ سکندر عثمان کو خیال آیا۔

”ہاں ہو سکتا ہے۔ پھر کیا کیا جائے۔“

”میں اس سے بات کروں گا تو سمجھتا ہوں کہ اس کے ساتھ اپنا سر ہمواروں گا، وہ پھر جھوٹ بول دے گا۔ جھوٹ بولنے میں تو ہمارا ہر چکا ہے۔“ انہوں نے تنفر آمیز لہجے میں کہا۔

”بس چند ماہ میں اس کا لی اسے مکمل ہو جائے گا پھر میں اسے باہر بھیجا دوں گا۔ تم از کم ہر وقت ہاشم مبین احمد کی طرف سے جن اندیشوں کا شکار رہتا ہو وہ تو ختم ہوں گے۔“ انہوں نے سگریٹ کا ایک کش کیا۔

”مگر آپ ایک چیز بھول رہے ہیں سکندر!“ طبیب نے بڑی سمجھوتگی سے چند لمحوں کی خاموشی کے

بعد کیا۔

"کیا؟" سکندر نے انہیں چونک کر دیکھا۔

"سالار کی امامہ کی ساتھ غلیظ شادی۔ اس شادی کے بارے میں جو کچھ بھی کرتا ہے وہ آپ کو خود ہی کرتا ہے نہ آپ کیا کریں گے اس شادی کے بارے میں۔"

"طلاق کے علاوہ اس شادی کا اور کیا کیا جاسکتا ہے۔" سکندر عثمان نے قطعی لہجے میں کہا۔

"وہ شادی ہمارے پرچار نہیں ہے تو طلاق دینے پر رضامند ہو جائے گا۔"

"جب میں اسے ثبوت پیش کروں گا تو اسے اپنی شادی کا اعتراف کرنا پڑے گا۔"

"اور اگر شادی کا اعتراف کر لے کے بعد بھی اس نے امامہ کو طلاق دینے سے انکار کر دیا تو۔"

"کوئی نہ کوئی راستہ نکالنا پڑے گا ورنہ وہ میں نکال لوں گا۔ چاہے وہ اپنی مرضی سے اسے طلاق دے یا پھر مجھے زبردستی کرنا پڑے۔ میں یہ معاملہ ختم کروں گا اس طرح کی شادی انسان کو سادی مرنے والی ہے۔ اس سے تو بچنا بچنا ہی پڑے گا ورنہ میں اسے اس پادکھل طور پر اپنی جائیداد سے عاقی کر دینے کا ارادہ رکھتا ہوں۔" سکندر عثمان نے دو نوک انداز میں کہا۔

☆ ☆ ☆

حسن کچھ دیر پہلے اسلام آباد کے ایک ہوٹل میں تھا جب اچانک اپنے والد کی کال ملی وہ جلد از جلد اپنے گھر پہنچنے کے لئے کہہ رہے تھے۔ ان کا لیوے بے حد عجیب تھا مگر حسن نے توجہ نہیں دی۔ لیکن جب چندر منٹ بعد اپنے گھر پہنچا تو پورا گھبراہٹ میں سکندر عثمان کی گاڑی دیکھ کر چرکنا ہو گیا۔ وہ سالار کے گھر کی تمام گاڑیوں اور ان کے نمبرز کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔

"سکندر اگلے گھر سے اس معاملے میں انوالو ہونے کے خوائے سے کوئی ثبوت نہیں ملے ہیں اس لئے مجھے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ سالار کا دوست تھا کہ چوتھ کچھ کے لئے آئے ہوں گے۔ میں بڑے اطمینان سے ان کی باتوں کا جواب دوں گا اور کسی بھی اخراج کی تردید کر دوں گا لیکن میری پریشانی پاپا کے سامنے میری پوزیشن مشکوک کر دے گی، اس لئے اگلے سکندر کو دیکھ کر مجھے کوئی رد عمل ظاہر نہیں کرنا چاہئے۔" اس نے پہلے اپنا رد عمل دیکھ کر سالار کے ساتھ اعلیٰ میں داخل ہو گیا۔ اس کے والد قاسم فاروقی اور سکندر عثمان کافی لمبی رہے تھے لیکن ان کے چہرے کی غیر معمولی سنجیدگی اور اضطراب وہ ایک لمحے میں بھابھ گیا تھا۔

"کیسے ہیں اگلے سکندر؟ آپ اس بار بہت دنوں کے بعد آپ ہماری طرف آئے۔" باوجود اس کے کہ سکندر یا قاسم نے اس کی بیوی کا جواب نہیں دیا۔ حسن نے بہت بے تکلفی کا مظاہرہ کیا۔ اسے اس بار بھی جواب نہیں ملا تھا۔ سکندر عثمان اسے خود سے دیکھ رہے تھے۔

"بھئیو۔" قاسم فاروقی نے قدرے روشنی سے کہا۔

"سکندر تم سے کچھ باتیں پوچھنے آیا ہے جنہیں ہر بات کا ٹھیک ٹھیک جواب دینا ہے۔ اگر تم نے جھوٹے ہوا تو میں سکندر سے کہہ چکا ہوں کہ وہ انہیں پولیس کے پاس لے جائے۔ میری طرف سے تم جہاد میں جاؤ۔ میں جنہیں کسی بھی طرح بچانے کی کوشش نہیں کروں گا۔"

قاسم فاروقی نے اس کے بیٹھنے ہی کا تمہید کہا۔

"پاپا! آپ کیا کہہ رہے ہیں وہ میں آپ کی بات نہیں سمجھتا۔" حسن نے حیرت کا مظاہرہ کیا مگر اس کا دل دھڑکنے لگا تھا۔ معاملہ اتنے سے حائض تھا جتنا اس نے سمجھ لیا تھا۔

"اور اس بار بچنے کی کوشش مت کرو۔" سکندر اچ بھو اس سے کہا پوچھنا چاہتے ہو اور میں دیکھتا ہوں یہ کیسے جھوٹ بولتا ہے۔"

"امامہ کے ساتھ سالار کی شادی میں شرکت کی ہے تم نے؟"

"اگلی۔۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔۔ آپ کیا بات کر رہے ہیں۔ کون سی شادی۔۔۔۔۔ کسی شادی۔۔۔۔۔ حسن نے مزید حیرت کا مظاہرہ کیا۔

"وہی شادی جو میری عدم موجودگی میں میرے گھر پر ہوئی جس کے لئے امامہ کو بیچ دیا جائے تھے۔"

"پلیز اگلے! آپ مجھ پر الزام لگا رہے ہیں۔ آپ کے گھر میں ضرور تو جانتا رہتا ہوں مگر مجھے سالار کی کسی شادی کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہے اور نہ ہی میری معلومات کے مطابق اس نے شادی کی ہے۔ مجھے تو اس لڑکی کا بھی پتا نہیں ہے جس کا آپ نام لے رہے ہیں۔۔۔۔۔ ہو سکتا ہے سالار کی کسی لڑکی کے ساتھ آؤ او منٹ ہو، مگر میں اس کے بارے میں نہیں جانتا وہ ہر بات مجھے نہیں بتاتا۔"

سکندر عثمان اور قاسم فاروقی خاموشی سے اس کی بات سنتے رہے۔ وہ خاموش ہوا تو سکندر عثمان نے اپنے سامنے ٹیبل پر پڑا ہوا ایک لٹافہ اٹھایا اور اس میں موجود چند کاغذ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیئے۔ حسن کا رنگ ہلکی بار اڑا۔ وہ سالار کا نکاح نامہ تھا۔

"اس پر دیکھو۔" تیار سے ہی signature ہیں نا۔" سکندر نے سر دیکھ کر پوچھا۔ اگر یہ سوال انہوں نے قاسم فاروقی کے سامنے نہ کیا ہوتا تو وہ انہیں دھتکا کو اپنے دھتکا ماننے سے انکار کر دیتا مگر اس وقت وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔

"یہ میرے signature ہیں، مگر میں نے نہیں کئے۔" اس نے دکھاتے ہوئے کہا۔

"پھر کس نے کئے ہیں، تمہارے فرشتوں نے یا سالار نے؟" قاسم فاروقی نے طرے لہجے میں کہا۔ حسن کچھ بول نہیں سکا۔ وہ خوار و خاشعہ سا پارٹی باری انہیں دیکھنے لگا۔ اس کے ہمراہ گمان میں بھی نہیں تھا۔

سکندر عثمان اس طرح اس کے سامنے وہ نکاح نامہ نکال کر رکھ دیں گے۔ وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ انہوں نے وہ نکاح نامہ کہاں سے حاصل کیا تھا، سالار سے یا چچر۔۔۔۔۔ اس کی ساری معلوماتی اور چالاک دھڑکی کی دھڑکی رہ گئی تھی۔

"تم یہ نہیں مانو گے کہ سالار کا اہلکار کے ساتھ نکاح تہداری موجودگی میں ہوا ہے۔" قاسم فاروقی نے اکڑے ہوئے لہجہ میں اس سے کہا۔

"بیبا! اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ سب سالار کی ضد پر ہوا تھا، اس نے مجھے مجبور کیا تھا۔" حسن نے یکدم سب کچھ بتانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ کچھ بھی چھپانے کا اب کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ جھوٹ بولنا تو اپنی ہی زندگی اور خراب کرنا۔

"میں نے اسے بہت سمجھایا تھا مگر۔"

قاسم فاروقی نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اس وقت یہاں تمہیں سفارشات اور ضمانتیں پیش کرنے کے لئے نہیں ملتا۔ تم مجھے صرف یہ بتاؤ کہ اس لڑکی کو انہوں نے کہاں رکھا ہوا ہے؟"

"بیبا! مجھے اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہے۔" حسن نے تجویزی سے کہا۔

"تم پھر جھوٹ بول رہے ہو۔"

"آئی سو بیبا! مجھے واقعی کچھ پتا نہیں ہے۔ وہ اسے لاہور چھوڑ آیا تھا۔"

"یہ جھوٹ تم کسی اور سے بولنا، مجھے صرف سچ بتاؤ۔" قاسم فاروقی نے ایک بار پھر اسی نکتہ کو تیز لہجے میں کہا۔

"میں جھوٹ نہیں بول رہا بیبا! حسن نے احتجاج کیا۔

"اے اور کہاں چھوڑ آیا تھا؟"

"کسی سڑک پر۔ اس نے کہا تھا کہ وہ خود چلی جائے گی۔"

"تم مجھے یا سکندر کو بے وقوف سمجھ رہے ہو، اس نے اس لڑکی سے شادی کی اور پھر اسے ایک سڑک پر چھوڑ دیا۔ بے وقوف مت بنائی نہیں۔" قاسم فاروقی ہلکا آواز سے کہنے لگا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں بیبا! اس نے تم کو کچھ سمجھ سے کہی کہا تھا کہ وہ اس لڑکی کو سڑک پر چھوڑ آیا تھا۔"

"تم نے اس سے پوچھا نہیں کہ پھر اس نے اس لڑکی کے ساتھ شادی کی کیوں، مگر اسے یہی

کہتا تھا۔"

"بیبا! اس نے یہ شادی اس لڑکی کی مدد کے لئے کی تھی۔ ان کے گھر والے زبردستی اس کی شادی کسی لڑکے سے کرنا چاہتے تھے وہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے سالار سے رابطہ کیا اور مدد مانگی اور سالار اس کی مدد پر تیار ہو گیا۔ وہ صرف یہ چاہتی تھی کہ سالار واقعی طور پر اس سے نکاح کر لے تاکہ اگر اس کے

والدین زبردستی اس کی شادی کرنا چاہیں تو وہ اس نکاح کا تکرار نہیں روک سکے۔"

حسن اب سچائی پر پردہ نہیں ڈال سکتا تھا۔ اس نے پوری بات بتانے کا فیصلہ کر لیا۔

"اور اگر ضرورت پڑے تو قیاف کے ذریعے اس کو رہائی دلائی جاسکے مگر یہ کوئی محبت وغیرہ کی شادی نہیں تھی۔ وہ لڑکی ویسے بھی کسی اور لڑکے کو پسند کرتی تھی۔ آپ اس نکاح نامے کو دیکھیں تو اس میں بھی اس نے طلاق کا حق پہلے ہی لے لیا ہے، تاکہ ضرورت پڑنے پر وہ سالار سے رابطہ کے بغیر طلاق حاصل کر لے۔"

"نہیں بیبا! اور؟" قاسم فاروقی نے اس سے کہا۔ حسن کچھ نہیں بولا۔ خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا۔

"میں قطعاً تہداری کسی بات پر یقین کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ تم نے بہت اچھی کہانی سنائی ہے مگر میں کوئی سچ نہیں ہوں کہ اس کہانی پر یقین کر لوں۔ تمہیں اب امام تک پہنچنے میں سکندر کی مدد کرنی ہے۔" قاسم فاروقی نے قطعی لہجے میں کہا۔

"بیبا! میں یہ کیسے کر سکتا ہوں۔ مجھے اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہے۔" حسن نے احتجاج کیا۔

"تم یہ کیسے کر دو گے۔ یہ تم خود جان سکتے ہو۔ مجھے صرف یہ بتانا تھا کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔"

"بیبا! جیسا آپ مجھ پر یقین کریں، میں امام کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ نکاح کروانے کے علاوہ میں نے اور کچھ نہیں کیا۔" حسن نے کہا۔

"تم اس کے اس قدر قریب ہو کہ اپنی حقیر شادی میں وہ تمہیں گواہ کے طور پر لے رہا ہے مگر تمہیں یہ نہیں پتا کہ اس کی بیوی کمرے سے بھاگنے کے بعد اب کہاں ہے۔ میں یہ ماننے پر تیار نہیں ہوں سن اسکی صورت میں بھی نہیں۔" قاسم فاروقی نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"تمہیں اگر کچھ نہیں ہے تو بھی تم اس کا پتا کرواؤ، تاکہ وہ کہاں ہے۔ سالار تم سے کچھ نہیں

چھپائے گا۔"

"بیبا! وہ بہت سی باتیں مجھے بھی نہیں بتاؤ۔"

"وہ سب باتیں تمہیں بتانا ہے یا نہیں، میں فی الحال صرف ایک چیز میں دلچسپی رکھتا ہوں اور وہ امام کے بارے میں معلومات ہیں۔ تم ہر طریقے سے اس سے اہلکار کا پتا حاصل کرو اور سالار کو کسی بھی طرح

یہ پتا نہیں چلنا چاہئے کہ سکندر کو اس کی شادی کی اطلاع مل چکی ہے۔ یا اس نے اس مسئلے میں تم سے کوئی ملاقات کی ہے۔ اگر نہیں یہ پتا چلا کہ سالار یہ بات جان گیا ہے تو میں تمہارا کیا مشر کروں گا یہ تمہیں یاد

رکھنا چاہئے۔ میں سکندر کو تو پہلے ہی اجازت دے چکا ہوں کہ وہ باشم تکن کو تہہ رات نام دے دے، اس کے بعد باشم بہن تمہارے ساتھ پولیس کے ذریعے بنے یا کسی اور طریقے سے، میں بالکل پر دانتیں کروں گا۔ اب تم یہ طے کر لو کہ تم نے سالار کے ساتھ دوستی بھائی ہے یا پھر اس گھر میں رہتا ہے۔" قاسم

فاروقی نے اس کی مدد پر تیار ہو گیا۔ وہ صرف یہ چاہتی تھی کہ سالار واقعی طور پر اس سے نکاح کر لے تاکہ اگر اس کے

غارتی نے تعلقیت سے کہا۔

”ایسا! میں کو شش کرتا ہوں کہ کسی طرح امامہ کے بارے میں کچھ معلومات مل جائیں۔ میں سالار سے اس کے بارے میں بات کروں گا۔ میں اسے یہ نہیں بتاؤں گا کہ سکندر اکل کو اس سارے معاملے کے بارے میں جانتا ہے۔“ وہ میکانیکی انداز میں دہراتا جا رہا تھا۔

وہ اس بار واقعی بری طرح اور خوف توغ پھڑاتا تھا۔

☆ ☆ ☆

سالار چند دن گھر بیٹھا رہا تھا مگر پھر خدا کر کے اس نے کال چاہا شروع کر دیا۔ ہاشم مبین اور اس کے گھر والے امامہ کی تلاش میں زمین آسمان ایک کئے ہوئے تھے۔ اگرچہ وہ یہ سب کچھ بڑی رازداری کے ساتھ کر رہے تھے لیکن اس کے باوجود ان کے ملازمین اور پولیس کے ذریعے سکندر کو ان کی کوششوں کی خبر مل رہی تھی۔ وہ لاہور میں بھی امامہ کی ہر اس کھلی سے رابطہ کر رہے تھے جسے وہ جانتے تھے۔

سالار نے ایک دن اخبار میں بار چار بار نامی ایک شخص کا خاکہ دیکھا۔ اس کے بارے میں معلومات دینے والے کے لئے انجام کا اعلان تھا۔ وہ اس نام سے ابھی طرح واقف تھا۔ یہی وہ فرضی نام تھا جو حسن نے وکیل کو امامہ کے شوہر کا پوتا اور وہ اختیار یقیناً امامہ کے گھرانوں کی طرف سے تھا حالانکہ نیچے دیا گیا فون نمبر امامہ کے گھر کا نہیں تھا۔ وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ پولیس اس وکیل کے پاس پہنچ گئی ہوگی اور اس کے بعد اس وکیل نے اس آدمی کے کوالفے انہیں بتائے ہوں گے۔ اب یہ حقیقت صرف وہاں تک پہنچ چکی تھی کہ امامہ کو چاہتا تھا کہ بار چار بار سے کوئی وجہ نہیں رکھتا مگر وہ مطمئن ہو گیا تھا۔ وہ ہاشم مبین کے گھرانوں کو کسی حد تک بھگانے میں کامیاب رہا تھا۔

اس پورے عرصہ کے دوران سالار، امامہ کی کال کا انتظار رہا۔ اس نے کئی بار امامہ کو اس کے موبائل پر کال بھی کیا مگر ہر بار اسے موبائل آف ملتا۔ اسے یہ شخص دور رہا تھا کہ وہ کہاں تھی۔ اس شخص کو وہ اپنے میں کچھ خاص گمان تھا جو بار بار اس سے امامہ کے بارے میں پوچھتا رہتا تھا، بعض دفعہ وہ چاہتا تھا۔

”مجھے کیا چاہا کہ وہ کہاں ہے اور مجھ سے رابطہ کیوں نہیں کر رہی۔ بعض دفعہ مجھے لگتا ہے اسے مجھ سے زیادہ نہیں دلچسپی ہے۔“

اسے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ حسن کا یہ تجسس اور دلچسپی کسی مجبور کی وجہ سے تھی۔ وہ بری طرح پھرتا رہا تھا۔ سالار کا خیال تھا کہ امامہ اب تک جلال کے پاس جا چکی ہوگی اور ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے شادی بھی کر چکی ہو مگر یہ اس نے امامہ سے جلال کی شادی کے بارے میں تبصرے نہ کر سکا تھا۔ اسے یقین تھا کہ امامہ نے اس کی بات نہ سنی تھی۔ کیا ہو گا۔ وہ اس کے پاس دوپہر ضرور گئی ہوگی۔ خود سالار

بھی چاہتا تھا کہ وہ خود جلال سے رابطہ قائم کرے یا پھر ذاتی طور پر جا کر ایک بار اس سے ملے۔ وہ جانتا تھا کہ امامہ اس کے ساتھ رہ رہی ہے یا نہیں، مگر فی الحال یہ دونوں کام اس کے لئے ناممکن تھے۔ سکندر عثمان مسلسل اس کی گھرائی کر رہے تھے اور وہ اس بات سے بھی واقف تھا کہ وہ یہ گھرائی کر دینے والے واحد شخص ہیں۔ ہاشم مبین احمد بھی یہی کام کر رہے تھے اور اگر وہ لاہور جاتے کارادہ کرتا تو بڑا بڑا سکندر عثمان اسے جانے ہی نہ دیتے اور بالقرض جانے کی اہلیات دے بھی دیتے تو شاید خود بھی اس کے ساتھ چلے جاتے اور وہ یہ نہیں چاہتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس سارے معاملے میں اس کی دلچسپی کم سے کم ہوتی جا رہی تھی۔ اسے اب یہ سب کچھ ایک عاقبت لگ رہا تھا۔ ایسی عاقبت جو اسے کافی جھگی پڑ رہی تھی۔ سکندر اور طہیر اب بعد وقت گھر پر رہتے تھے اور اسے کہیں بھی جانے کے لئے ان سے باقاعدہ اجازت لینا پڑتی تھی حسن اس سے اب کم کم ملنے لگا تھا۔ وہ اس کی وجہ بھی نہیں جانتا تھا۔ اس صورت حال سے وہ بہت پرہزور رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ اس رات گھبرا کر پریشان تھا جب اس کے موبائل پر ایک کال آئی۔ اس نے کی بورڈ پر ہاتھ چلاتے ہوئے لاپرواہی سے موبائل اٹھا کر دیکھا اور پھر اسے ایک جھجکاؤ لگا تھا۔ اسکرین پر موجود نمبر اس کے اپنے موبائل کا تھا۔ امامہ اسے کال کر رہی تھی۔

”تو باقی عمر آپ نے ہمیں یاد کر لی لیما۔“ اس نے بے اختیار بیٹی جہانی۔ اس کا بوڈیک دم فرائش ہو گیا تھا۔ کچھ دیر پہلے والی بورت بکس عجب ہو گئی تھی۔

”میں تو کچھ بیٹھا تھا کہ اب تم مجھے بھی کال نہیں کرو گی۔ اتنا لمبا عرصہ لگا دیا تم نے۔“ ریکی ملیک ملیک کے بعد اس نے پوچھا۔

”میں بہت دفعوں سے تمہیں فون کرنا چاہ رہی تھی مگر کڑھن پار ہی تھی۔“ دوسری طرف سے امامہ نے کہا۔

”کیوں۔ ایسی کیا جھجوری آگئی تھی۔ فون تو تمہارے پاس موجود تھا۔“ سالار نے کہا۔

”میں کوئی مجبوری تھی۔“ اس نے پھر کہا۔

”تم اس وقت کہاں ہو؟“ سالار نے کچھ تجسس آمیز انداز میں پوچھا۔

”بیکانہ سوال مے کرو سالار! جب تم جانتے ہو کہ میں تمہیں یہ نہیں بتاؤں گی تو پھر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟“

”مجھے گھر والے کیسے ہیں؟“

سالار کچھ حیران ہوا۔ اسے امامہ سے اس سوال کی توقع نہیں تھی۔

"بالکل ٹھیک ہیں، خوش و خرم ہیں، پیش کر رہے ہیں۔" اس نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔ "تم وہ انٹی بہت اچھی بنی ہو، مگر سے جا کر بھی تمہیں مگر اور مگر والوں کا لٹکا نہیں ہے۔ ہاؤز کس۔"

دوسری طرف کچھ دیر خاموشی رہی پھر اما نے کہا۔ "تو سمجھا ہے؟"

"یہ تو یقیناً نہیں بتا سکتا مگر یہ اخیال ہے ٹھیک ہی ہو گا۔ وہ خراب کیسے ہو سکتا ہے۔" اس کے انداز اور لہجے میں اب بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

"انہیں یہ تو پتا نہیں چلا کہ تم نے میری مدد کی تھی؟" سالار گولامہ کالیوہ کچھ عجیب لگا۔

"پتا لگا۔" اما نے بغیر امانت بچہ لیس اسی دن میرے گھر پہنچ گئی تھی جس دن میں تمہیں لاہور بھجوا دیا تھا۔" سالار نے کچھ استغنائے انداز میں کہا۔ "تمہارے فادر نے میرے خلاف ایف آئی آر کرا دی تھی جس میں غوا کرنے کے سلسلے میں۔" وہ چلا۔ "ڈراما پوچھو میرے بیٹا باندہ کسی کو اغوا کر سکتا ہے اور وہ بھی تمہیں۔" جو کسی بھی وقت کسی کو شوٹ کر سکتی ہے۔"

اس کے لہجے میں اس بار مطلقہ۔ "تمہارے فادر نے پوری کوشش کی ہے کہ میں اپیل پہنچا دوں اور باقی زندگی وہاں گزاروں مگر میں کبھی کبھار خوش قسمت واقع ہو جاؤں کہ بچا گیا ہوں۔ مگر سے کالج تک میری گمرانی کی جاتی ہے۔ وہ ب کاڑھتی ہیں اور بھی بہت کچھ ہو رہا ہے۔ اب تمہیں کیا کیا بتاؤں۔ یہ حال تمہاری فٹلی میں خاصا ساچا گمراہی ہے۔" اس نے جرنے والے انداز میں کہا۔

"میں نہیں جانتی تھی کہ وہ تم تک پہنچ جائیں گے۔" اس بار اما کالیوہ مضطرب غماز میں تھا۔ "میرا خیال تھا کہ انہیں کسی بھی طرح تم پر شبہ نہیں ہو گا۔ مجھے انہوں نے کہ میری وجہ سے تمہیں اسے پراہلر کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔"

"واقعی تمہاری وجہ سے مجھے بہت سے پراہلر کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔"

"میری کوشش تھی کہ میں پہلے خود کو محفوظ کر لوں پھر ہی تمہیں فون کروں اور اب میں واقعی محفوظ ہوں۔"

سالار نے کچھ عرصے آسیر دلجی کے ساتھ اس کی بات سنی۔ "تمہارے موبائل میں اب استعمال نہیں کروں گی اور میں اسے دیکھ بھیجنا چاہتی ہوں، مگر میرے لئے یہ ممکن نہیں ہے۔" وہ اسے بتا رہی تھی۔ "میں تمہیں کچھ پیسے بھی بھجواؤں گی۔ ان تمام اخراجات کے لئے جو تم نے میرے لئے کئے۔"

سالار نے اس بار اس کی بات کالی۔ "نہیں، پیسے نہ دے دو۔ مجھے ضرورت نہیں ہے۔ موبائل کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس دوسرا ہے۔ تم جاؤ تو اسے استعمال کرتی رہو۔"

"نہیں، میں اب اسے استعمال نہیں کروں گی۔ میری ضرورت تم ہو چکی ہے۔"

اس نے کہا۔ کچھ دیر وہ خاموش رہی پھر اس نے کہا۔ "میں جانتی ہوں کہ تم اب مجھے طلاق کے

بجے زنجوار دو اور طلاق کے بجے ڈکے ساتھ نکاح نامہ کی ایک کاپی بھی جو میں پہلے تم سے نہیں لے سکی۔"

"کہیں بھگواؤں؟" سالار نے اس کے مطالبے کے جواب میں کہا۔ اس کے ذہن میں ایک دم ایک جھٹکا ہوا تھا۔ وہ اگر اب طلاق کا مطالبہ کر رہی تھی تو اس کا مطلب یہی تھا کہ اس نے ابھی تک کسی سے شادی نہیں کی تھی نہ ہی طلاق کے اس حق کو استعمال کیا تھا۔ جو نکاح نامہ میں وہ اس کی خواہش پر اسے شادی کر چکا تھا۔

"تم اسی وکیل کے پاس دو بجے زنجوار دو جس کو تم نے پتا کیا تھا اور مجھے اس کا نام اور پتا بتا دو۔"

میں دو بجے اس سے ملے تو ان کی۔

سالار مسکرایا۔ وہ بے حد فکرا تھی۔ "مگر میرا تو اس وکیل کے ساتھ ڈاکٹر کاٹ کوئی رابطہ نہیں ہے۔"

میں تو اسے جانتی نہیں ہوں پھر بھی اس تک کیسے پہنچاؤں۔

"جس دوست کے ذریعے تم نے اس وکیل سے رابطہ کیا تھا اسی دوست کے ذریعے دو بجے اس تک پہنچاؤ۔" یہ تو طے تھا کہ وہ اسے کسی بھی طرح پتا کوئی آسان دینے کا فیصلہ کر چکی تھی اور اس پر پوری طرح کام تھی۔

"تم طلاق لینا کیسے چاہتی ہو؟" وہ اس وقت بہت سزا میں تھا۔

وہ دوسری طرف ایک دم خاموشی چھا گئی۔ شاید وہ اس سے اس سوال کی توقع نہیں کر رہی تھی۔

"طلاق کیوں لینا چاہتی ہوں؟ تم کتنی عجیب بات کر رہے ہو۔ یہ تو پہلے اٹھائے تھا کہ میں تم سے طلاق لوں گی پھر اس سوال کی کیا تکلف ہے۔" اما نے کے لہجے میں جوابی تھی۔

"وہ جب کی تھی، اب تو خاصا لمبا وقت گزر گیا ہے اور میں تمہیں طلاق دینا نہیں چاہتا۔" سالار نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ دوسری طرف اس وقت اما کے دلوں کے نیچے سے حقیقت زمین نکل نکلی ہو گی۔

"تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"میں یہ کہہ رہا ہوں اما کہ میں تمہیں طلاق دینا نہیں چاہتا۔ یہی وہی گا۔" اس نے ایک اور دم ہما کر کیا۔

"تم طلاق کا حق پہلے ہی مجھے دے چکے ہو۔" اما نے بے اختیار کہا۔

"کس کہاں۔۔۔ کس وقت۔۔۔ کس صدی میں۔" سالار نے اطمینان سے کہا۔

"تمہیں پتا ہے، میں نے نکاح سے پہلے تمہیں کہا تھا کہ نکاح نامے میں طلاق کا حق چاہتی ہوں میں۔ اب اگر تم طلاق نہیں بھی دیتے تو میں خود ہی وہ حق استعمال کر سکتی ہوں۔ تمہیں یہ پتا ہونا چاہئے۔"

وہ دنگ رہی تھی۔

"مگر میں تمہیں یہ حق دیتا ہوں کہ تم یہ حق استعمال کر سکتی تھی مگر میں نے تمہیں ایسا کوئی حق دیا ہی نہیں۔ تم نے نکاح نامہ دیکھا وہاں ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ خیر تم نے دیکھا ہی ہو گا ورنہ آج طلاق کی بات کیوں کر رہی ہو تھی۔"

دوسری طرف ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ سالار نے ہوا میں تیر چلایا تھا مگر وہ نکالنے پر بیٹھا تھا۔ امام نے یقیناً بچہ سنا ہی کرتے ہوئے انہیں دیکھنے کی ذمہ دہی سنبھال لی تھی۔ سالار بے حد مظلوم ہو رہا تھا۔

"تم نے مجھے دعو کا کیا؟" بہت دیر بعد اس نے امام کو کہتے سنا۔
 "ہاں، بالکل اسی طرح جس طرح تم نے پہلے دعو کا کیا تھا۔ وہ برحق تھی۔ یہ سچ ہے۔"
 "میں سمجھتا ہوں کہ تم اور میں کبھی کبھی زندگی گزار سکتے ہیں۔ ہم دونوں میں اتنی برائیاں اور اتنی خامیاں ہیں کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو مکمل طور پر complement کرتے ہیں۔ وہ اب ایک بار پھر سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"زندگی؟" سالار زندگی اور تمہارے ساتھ... یہ ناممکن ہے۔" امام نے تھوڑے لمحے میں کہا۔
 "مجھے تمہیں کی بات ذہنی چاہئے کہ میری دشمنی میں ناممکن کا لفظ نہیں ہے۔ مجھے تم سے یہ ریکوئسٹ کرنی چاہئے کہ آؤ اس ناممکن کو مکمل کر سکیں۔" وہ اب مذاق اڑا رہا تھا۔
 "تم نے مجھ پر بہت احسان کئے ہیں، ایک احسان اور کرو۔ مجھے طلاق دے دو۔"
 "نہیں۔ میں تم پر احسان کرتے کرتے تھک گیا ہوں۔ اب اور نہیں کر سکتا اور یہ والا احسان... یہ تو ناممکن ہے۔" سالار ایک بار پھر سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"میں تمہاری چاہپ کی لڑائی نہیں ہوں سالار! تمہارا اور میرا لاکھ اسٹاک بہت مختلف ہے، ورثہ شاید میں تمہاری تشخیص پر غور کرتی مگر اب اس صورت میں یہ ممکن نہیں ہے۔ تم پلیز، مجھے طلاق دے دو۔" وہ اب نرم لہجے میں کہہ رہی تھی۔ سالار کا دل بے اختیار جھٹکے ہو چلا۔
 "تم اگر میری تشخیص پر غور کرنے کا وعدہ کرو تو میں اپنا لاکھ اسٹاک بدل لینا ہوں۔" سالار نے اسی انداز میں کہا۔

"تم مجھے کی کوشش کرو۔ تمہاری اور میری ہر چیز مختلف ہے۔ زندگی کی لامتناہی ہی مختلف ہے۔ ہم دونوں اچھے نہیں رہ سکتے۔" اس بار وہ جھنجھالی تھی۔

"نہیں۔" نہیں میری اور تمہاری ذاتی آف لاکھ بہت ملتی ہے۔ تمہیں اس بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر یہ ملتی رہی ہو تو بھی ذرا سے ایک جھٹکے کے بعد جھٹکے لگے گی۔"

وہ اس طرح بولا جیسے اپنے بہترین دوست سے گفتگو کر رہا ہو۔
 "ایسے بھی مجھ میں کمی کیا ہے۔ میں تمہارے پرانے منیجر امجد جیسا خوب صورت نہ سکا مگر

جلال احمد جیسا جوانی شکل و صورت کا بھی نہیں ہوں۔ میری فٹبلی کو تم اچھی طرح جانتی ہو۔ کیرئیر میرا بظاہر ایسا ہو گا، اس کا نہیں اندازہ ہے۔ میں ہر لحاظ سے جلال سے بہتر ہوں۔" وہ اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے بولا۔ اس کی آنکھوں میں چمک اور ہونٹوں پر مسکراہٹ پائی رہی تھی۔ وہ ان کا کوہری طرح رنج کر رہا تھا اور وہ ہورہی تھی۔

"میرے لئے کوئی بھی شخص جلال جیسا نہیں ہو سکتا اور تم۔ تم تو کسی صورت بھی نہیں۔" اس کی آواز میں پہلی بار نمایاں ہلکی تھی۔

"کیوں؟" سالار نے بے حد مصمومیت سے پوچھا۔

"تم مجھے دیکھتے نہیں سمجھتے ہو۔ آخر تم یہ بات کیوں نہیں سمجھتے۔ دیکھو، تم نے اگر مجھے طلاق نہ دی تو میں کورٹ میں چلی جاؤں گی۔" وہ اب اسے دھمکا رہی تھی۔ سالار اس کی بات پر بے اختیار ہنس اٹھا۔
 "کو آؤ موسٹ ویٹم۔ جب چاہیں جائیں۔ کورٹ سے ابھی جگہ نیل ملاقات کے لئے اور کوئی ہی ہو گی۔ آتے رہا جتنے کھڑے ہو کر بات کرنے کا مزہ دی اور ہو گا۔" وہ مظلوم ہو رہا تھا۔
 "ویسے تمہیں یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہئے کہ کورٹ میں صرف میں نہیں پہنچوں گا، بلکہ تمہارے پرنس بھی پہنچیں گے۔" وہ مسکراتے انداز میں بولا۔

"سالار! میرے لئے پہلے ہی بہت سے پرائیویٹ ہیں تم ان میں اضافہ نہ کرو۔ میری زندگی بہت مشکل ہے اور ہرگز نہ ان کے ساتھ مزید مشکل ہوتی جا رہی ہے۔ تم اگر تم کو میری مشکلات کو مت براہ راست اس بار امام کے لئے میں سنجیدگی اور بے چارگی تھی۔ وہ کچھ اور مظلوم ہوا۔

"میں تمہارے مسائل میں اضافہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔...؟ مائی ڈیئر! میں تو تمہاری بددلی میں عملی دہم ہوں، تمہارے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تم خود سوچو۔ میرے ساتھ رو کر تم تنہا رہی اور جتنی زندگی گزار سکتی ہو۔" وہ بظاہر بڑی سنجیدگی سے بولا۔

"تم جانتے ہو یا نہیں میں نے اتنی مشکلات کس لئے سہی ہیں۔ تم سمجھتے ہو، میں ایک ایسے شخص کے ساتھ رہنے پر تیار ہو جاؤں گی جو ہر وہ کچھ دیکھ کر تپے جیسے میرے پیڑھے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تاپہند کرتے ہیں۔ نیک خورد میں نیک مردوں کے لئے ہوتی ہیں اور بری عورتیں برے مردوں کے لئے۔ میں نے زندگی میں بہت سی غلطیاں کی ہیں مگر میں اتنی بری نہیں ہوں کہ تمہارے جیسا برا مرد میری زندگی میں آئے۔ جلال مجھے نہیں ملا مگر میں تمہارے ساتھ بھی زندگی نہیں گزاروں گی۔" اس نے بے حد سچ انداز میں تمام لحاظ پالائے طاق رکھتے ہوئے کہا۔

"شاید اسی لئے جلال نے مجھ سے شادی نہیں کی، کیونکہ نیک مردوں کے لئے نیک عورتیں ہوتی ہیں، تمہارے جیسی نہیں۔"

سالار نے اسی گھڑا توڑا اور وہیں جواب دیا۔

دوسری طرف خاموشی رہی۔ اچھی لمبی خاموشی کہ سالار کو اسے مخاطب کرنا پڑا۔ "بیٹو۔۔۔ تم سن رہی ہو؟"

"سالار! مجھے ملحق نہ دو۔" اسے امام کی آواز بھرائی ہوئی لگی۔ سالار کو ایک عجیب سی خوشی کا احساس ہوا۔

"تم کورٹ میں جا کر لے لو، جیسے تم مجھ سے کہہ چکی ہو۔" سالار نے ترکی بہ ترکی کہا اور وہ سری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔

حسن نے ان چند ماہ میں سالار سے امام کے بارے میں جاننے کی بے حد کوشش کی تھی (حسن کے اپنے بیان کے مطابق) مگر وہ کام نہ رہا تھا۔ وہ اس بات پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھے کہ سالار اور امام کے درمیان کوئی رابطہ نہیں تھا۔ سالار کی طرف خود انہوں نے سوہاگل پر بار بار اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر ناکامی ہوئی۔

سکندر نے سالار کو امریکہ میں مختلف یونیورسٹیوں میں اپلائی کرنے کے لئے کہہ دیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اس کا انڈی بیگم، نگارہ ایسا تھا کہ کوئی بھی یونیورسٹی اسے لینے میں خوشی محسوس کرے گی۔

امام نے سالار کو دوبارہ فون نہیں کیا تھا حالانکہ سالار کا خیال تھا کہ وہ اسے دوبارہ فون کرے گی اور جب وہ اسے ٹاؤ سے ٹاؤ سے فون کرتے ہیں پہلے ہی ملحق کا حق دے چکا ہے اور وہ ٹھکانے کی کاپی بھی اس کے ہوالے کر دے گا۔ وہ اس سے یہ بھی کہہ دے گا کہ اس نے اس کے ساتھ صرف ایک ملحق کیا تھا مگر امام نے دوبارہ اس سے رابطہ قائم نہیں کیا۔ یہ ہی سالار نے اپنے پیچھے زمین اس کا رخ تارے کو دوبارہ دیکھنے کی کوشش کی اور نہ اور بہت پہلے وہاں اس کی عدم موجودگی سے واقف ہو جاتا۔

جس دن وہ آخر قریب ہی سے گزرا وہیں گھر آیا۔ سکندر مکان کو اس نے اپنا خطر پایا۔

"تم اپنا سامان بیگم کر لو۔ رات کی ملاقات سے تم امریکہ جا رہے ہو، کامران کے پاس۔"

"کیوں لاؤ اس طرح اپنا بیگم؟ سب کچھ ٹھیک تو ہے؟"

"تمہارے علاوہ سب کچھ ٹھیک ہے۔" سکندر نے حلقی سے کہا۔

"مگر پھر آپ مجھے اس طرح اپنا بیگم کیوں بھیج رہے ہیں؟"

"یہ میں نہیں رات کو ان پورٹ چھوڑنے کے لئے جانتے ہوئے تاکوں گا۔ فی الحال تم جا کر اپنا سامان بیگم کر۔"

"پاپا بیٹو! آپ مجھے بتائیں آپ اس طرح مجھے کیوں بھجوا رہے ہیں؟" سالار نے کمزور احتجاج کیا۔

"میں نے کہا تھا میں تمہیں بتا دوں گا۔ تم جا کر اپنا سامان بیگم کر، ورنہ میں تمہیں سامان کے بغیر ہی

ان پورٹ چھوڑ آؤں گا۔"

سکندر نے اسے دھمکیاں دی کچھ دیر نہیں دیکھا رہا پھر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اپنا سامان بیگم کرتے ہوئے اچھے ہوئے ذہن کے ساتھ وہ سکندر مکان کے اس اپنا بیگم لینے کے بارے میں سوچتا رہا اور پھر اپنا بیگم اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ اس نے اپنی وراثت کھول کر اپنے پیچڑ ٹھکانا شروع کر دیے۔ وہاں نکاح نامہ نہیں تھا۔ اسے ان کے اس فیصلے کی کچھ آگاہی تھی اور اسے بچھڑاوا ہوا کہ اس نے نکاح نامے کو اپنی لاپرواہی سے وہاں کیوں رکھا تھا۔ وہ نکاح نامہ سکندر مکان کے علاوہ کسی اور کے پاس ہو ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ ان کے علاوہ کوئی اور اس کے کمرے میں آئے تو اس کی وراثت کھولنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔

اس کے ذہن میں اب کوئی انہیں نہیں تھی۔ اس نے بڑی خاموشی کے ساتھ اپنا سامان بیگم کیا۔ وہ اب صرف یہ سوچ رہا تھا سکندر مکان سے ان پورٹ جاتے ہوئے کیا بات کرے گا۔

رات گوا بیٹو پورٹ چھوڑنے کے لئے صرف سکندر اس کے ساتھ آئے تھے۔ طبیعتاً ان کا لہجہ اور انداز بے حد بدلتا اور خشک تھا۔ سالار نے بھی اسی بار کوئی سوال نہیں کیا۔ ان پورٹ رٹ جاتے ہوئے سکندر مکان نے اپنا بیگم کیس کھول کر ایک ساوا کاغذ اور قلم نکالا اور یہ قلم کیس کے اوپر رکھ کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"اس پر سائن کر دو۔"

"یہ کیا ہے؟" سالار نے حیرانی سے اس ساوا کاغذ کو دیکھا۔

"تم صرف مائن کرن سوال مت کرو۔" انہوں نے بے حد رکتے انداز میں کہا۔ سالار نے مزید کچھ کہے بغیر ان کے ہاتھ میں بکرا ہوا قلم لے کر اس کاغذ پر سائن کر دیے۔ سکندر نے اس کاغذ کو تھپ کر کے یہ قلم کیس میں رکھا اور یہ قلم کیس کو دوبارہ بند کر دیا۔

"جو کچھ تم کر چکے ہو اس کے بعد تم سے کچھ کہنا یا کوئی بات کہنا بے کار ہے۔ تم مجھ سے ایک کے بعد دوسرا دوسرے کے بعد تیسرا چھوٹ رہے۔ یہ سمجھنے ہوئے کہ مجھے تو کبھی حقیقت کا پتا ہی نہیں چلے گا۔ میرا دل تو یہ چاہتا ہے کہ تمہیں امریکہ بھیجے، بھائے ہاشم سین احمد کے ہوالے کروں تاکہ تمہیں اندازہ ہو اپنی حاققت کا۔ مگر میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں تمہارا باپ ہوں، مجھے تمہیں پہچانتا ہے۔ تم میری اس بیٹی کی کا آج تک فائدہ اٹھاتے رہے ہو مگر آئندہ نہیں اٹھا سکو گے۔ میں تمہارا نکاح نامہ امام کے حوالے کر دوں گا اور اگر مجھے وہ بارہ کبھی یہ پتا چلا کہ تم نے اس سے رابطہ کیا ہے یا رابطہ کرنے کی کوشش کر رہے ہو تو میں اس بارہ جو کروں گا تم اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ تم میرے لئے کافی مختصر نہیں گھڑی کر چکے ہو، اب ان کا سلسلہ بند ہو جانا چاہئے سمجھے تم۔"

انہوں نے اکڑے ہوئے لہجے میں کہا۔ وہ جواب میں کچھ کہنے کے بجائے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ اس کے انداز میں عجیب طرح کی لاپرواہی اور اطمینان تھا۔ سکندر عین بے اعتناء بیٹھا۔ یہ ان کا وہ دینا تھا جو ۱۹۵۱ء کا آئی کیور تھا تھا۔ کیا کوئی کہہ سکتا تھا کہ وہ سرے سے کوئی آئی کیور نہ تھا بھی تھا نہیں۔

.....

اچھے چند ماہ بعد اس نے امریکہ میں گزارے تھے وہ اس کی زندگی کے مشکل ترین دن تھے۔ وہ اس سے پہلے بھی کئی بار سپرہ ٹیفرنگ کے لئے اپنی جگہ کے ساتھ اور ان کے بچہ امریکہ اور یارپ جاتا رہا تھا مگر اس بار جس طریقے سے سکندر نے اسے امریکہ بھیجا تھا اس نے جہاں ایک طرف اسے مشتعل کیا تھا تو دوسری طرف اس کے لئے بہت سے دوسرے پر اہم ہو گئے تھے۔ اس کے جو دوست اسے ایو کیو کے بعد امریکہ آگئے تھے۔ وہ امریکہ کی مختلف یونیورسٹیوں میں پڑھ رہے تھے۔ وہ کسی ایک اسٹیٹ میں نہیں تھے۔ کچھ یہی حال اس کے رشتہ داروں اور گزشتہ کا تھا۔ خود اس کے اپنے بچن بھائی بھی ایک جگہ پر نہیں تھے۔ وہ اپنی پہلی سے اتنا بچہ نہیں تھا کہ ان کی کسی محسوس کرتا یا عوم سٹیمیں کا فکار ہو تا۔ یہ صرف اس طرح اچانک وہاں بھیجے جانے کا نتیجہ تھا کہ وہ اس طرح افسردہ کا فکار ہو رہا تھا۔

کامران سارا دن یونیورسٹی میں ہوتا اور اگر وہ گھر آتا بھی تو بڑی جگہ پر اسے معروف ہو جاتا۔ اس کے ایڈمز قریب تھے، جبکہ سالار سارا دن باقوا پارٹمنٹ میں بیٹھا غلیں کو دیکھتا تھا یا ہر جگہ چلتا تھا جسے وہاں معروف تھا اور وہاں دونوں کاموں سے بیزار ہو جاتا تو آوارہ گردی کے لئے نکل جاتا۔ اس نے وہاں اپنے قیام کے دوران نوادک میں اس علاقے کا چھپ چھپا چھان مارا تھا جہاں کامران رہ رہا تھا۔ وہاں کا کوئی نامت کلب، ڈسکو، ہب، بار، تھیٹر، سینما یا میوزیم اور آرٹ گیلری ایسی نہیں تھی جہاں وہ نہ گیا ہو۔

اس کا ایک ریلنگ ریکارڈ ایسا تھا کہ جن میں Ivy League کی یونیورسٹیوں میں اس نے اپنا کیا تھا ان میں رزلٹ آنے سے پہلے ہی اس کی ایڈمیشن کی درخواستیں قبول کی جا چکی تھیں۔ وہ تینوں یونیورسٹیوں میں اس کے دور یا قریب کا کوئی رشتہ دار نہیں تھا تو وہ اس نے جان بوجھ کر کیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سکندر عثمان اپنی پوری کوشش کریں گے کہ اسے کسی ایسی یونیورسٹی میں ایڈمیشن دے کر وہاں جہاں اس کے بچن بھائیوں میں سے کسی تو نام تو کم اس کے رشتہ داروں میں سے کوئی ضرور موجود ہو تاکہ وہ اس کے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہیں۔ سالار کی جگہ ان کا کوئی دوسرا بیٹا Ivy League کی کسی یونیورسٹی میں ایڈمیشن حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا تو عثمان فخر میں مبتلا ہوئے اور اس چیز کو اپنے اور اپنی پوری پہلی کے لئے اعزاز سمجھتے مگر یہاں وہ اس خوف میں مبتلا ہو گئے تھے کہ وہ سالار پر نظر کیسے رکھ سکیں گے۔ سالار نے ان یونیورسٹیوں میں سے Vale کو چنا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ نہ صرف Vale میں ان کا کوئی شہسوار اور واقف کار نہیں تھا، بلکہ New Haven میں بھی سکندر عثمان کا کوئی رشتہ دار

اور دوست نہیں تھا۔

رزلٹ آنے کے بعد اسے یونیورسٹی سے میرٹ اسکالرشپ بھی مل گیا تھا۔ اپنے باقی بھائیوں کے برعکس اس نے خود کر کے ہوٹل میں رہنے کے بجائے ایک پارٹمنٹ کرائے پر لے لیا تھا۔ سکندر عثمان اسے پارٹمنٹ میں رکھنے کے لئے تیار نہیں تھے، مگر اسکالرشپ ملنے کی وجہ سے اس کے پاس اتنی رقم آگئی تھی کہ وہ خود ہی کوئی پارٹمنٹ لے لیتا کیونکہ یونیورسٹی کے اخراجات کے لئے سکندر اس کے اخراجات میں پہلے ہی ایک لکڑی چوڑی رقم جمع کر چکے تھے حالانکہ ان کا سب سے چھوٹا بیٹا بھی اسکالرشپ لے رہا تھا مگر سالار سکندر کو انہی تعاقب کرنے خاص طور پر ان سے ہر وہ "کام" "مذہب" "مطالبہ" کرنے کے لئے جاتا تھا جو اس سے پہلے کسی نے نہ کیا ہو۔ وہ زمین پر خاص طور پر انہیں تنگ کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا جس چیز کو ان کے دوسرے بچے مشرق کہتے وہ اسے "غریب" کہتا۔ نئے دوسرے زمین قراء دیتے، وہ اس کے آسمان ہونے پر واکس دینا شروع کر دیتا۔ اس کی باتوں، حرکتوں اور خود پر زیادہ سے زیادہ ڈانٹا پڑھتا اور کونسلروں کیوں اپنی کر سکتے تھے اور کچھ نہیں۔

New Haven جانے سے پہلے سکندر اور طیبہ اس کے لئے خاص طور پر پاکستان سے امریکہ آنے کے لئے وہ کئی دن تک اسے سمجھاتے رہے تھے، جنہیں وہ اطمینان سے ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال رہا تھا۔ وہ کئی سالوں سے تعلیمیتا شے کا بادی تھا اور عملی طور پر وہ سمجھتا تھا اب اس پر قلعہ کوئی اثر نہیں کرتی تھی۔ دوسری طرف سکندر اور طیبہ دابیں پاکستان جاتے ہوئے بے حد حیرت مند بلکہ کسی حد تک خوفزدہ بھی تھے۔

۱۹۵۵ء سے خاص میں ایم بی اے کرنے آیا تھا اور اس نے وہاں آنے کے چند ہفتوں کے اندر ہی اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کو ظاہر کرنا شروع کر دیا تھا۔ پاکستان میں مین لواءوں میں وہ چھٹا رہا تھا کہ وہ بھی بہت اچھے تھے، مگر وہاں تعلیم اس کے لئے ایک داک تھی۔ علاوہ میں مقابلہ بہت مشکل تھا وہاں بے حد قابل لوگ اور اپنی اسٹوڈنٹ موجود تھے۔ اس کے باوجود وہ بہت جلد نظر میں آنے لگا تھا۔

اس میں اگر ایک طرف اس کی غیر معمولی ذہنی صلاحیتوں کا دخل تھا تو دوسری طرف اس کے رویے کا بھی۔ انہیں اسٹوڈنٹس والی روایتی شکاری اور خوش اخلاقی اس میں مفقود تھی۔ اس میں لحاظ اور حرمت بھی نہیں تھی اور وہ ایسا حس کنیزی اور عریض تھی جو انہیں اسٹوڈنٹس امریکہ اور یورپ کی یونیورسٹیوں میں فطری طور پر لے کر آتے ہیں۔ اس نے بچپن سے ہی بہترین لواروں میں پڑھا تھا۔ ایسے لوار سے جہاں پڑھانے والے لڑکا تو غیر ملکی تھے اور وہ انہی طرح جانتا تھا کہ وہ بھی کوئی علم کے بیٹے بنے۔ سر جے نہیں ہوتے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ Yale نے اسے اسکالرشپ دے کر اس پر کوئی احساس نہیں کیا وہ

دگر باقی دونوں چو بندر سٹیز میں سے کسی کا انتخاب کرتا تو اسکا کرشپ اسے وہاں سے بھی مل جاتا اور اگر ایسا نہ بھی ہو تاجب بھی اسے یہ معلوم تھا کہ اس کے ماں باپ کے پاس انتخاب یہ تھا کہ وہ جہاں چاہتا اپنے پیش کے لئے سکتا تھا۔ اگر اپنے فیملی بیک گراؤڈ انگلیس اور قابلیت کا دھم نہ ہو تاجب بھی سالار سکندر اس قدر تلخ اور الگ تھلک قسم کی نیچر رکھتا تھا کہ وہ کسی کو اپنی خوش اخلاقی کے چھوٹے مظاہرہ سے سزا نہیں کر سکتا تھا۔ رہی سہی گھر اس کے آئی کیو لیول نے پوری کر دی تھی۔

شروع کے چند ہفتوں میں ہی اس نے اپنے پروفیسر ڈاکٹر کلاس فیروز کی خواہ اپنی طرف مبذول کر لی تھی اور یہ بھی پہلی بار نہیں ہوا تھا۔ وہ بچپن سے تعلیمی اداروں میں اسی قسم کی توجہ حاصل کیا کرتا تھا۔ وہ ایسا اسٹوڈنٹ نہیں تھا جو فضول باتوں پر بحث برائے بحث کرتا۔ اس کے سوال ہی اس طرح کے ہوتے تھے کہ اس کے اکثر پروفیسر کو فوری طور پر ان کا جواب دینے میں دشواری ہوتی تھی۔ وہ اپنی غیر تعلیمی نہیں ہوتا، تب بھی وہ یہ جانتا نہیں تھا صرف خاموش ہو جاتا تھا، مگر وہ یہ تاثر بھی نہیں دیتا تھا کہ وہ مطمئن ہو گیا تھا یا اس جواب کو تسلیم کر رہا تھا۔ وہ بحث صرف ان پروفیسر کے ساتھ کرتا تھا جن کے بارے میں اسے یہ یقین ہو جاتا کہ وہ ان سے واقعی کچھ نہ کچھ سیکھے گا یا جن کے پاس صرف وراثی یا کتابی علم نہیں تھا۔ پڑھائی وہ اس بھی اس کے لئے بہت مشکل نہیں تھی، نہ ہی اس کا سارا وقت پڑھائی میں گزرتا تھا۔ پہلے کی نسبت اسے کچھ زیادہ حوصلہ دینا پڑتا تھا مگر اس کے بارے میں وہ اپنے لئے اور اپنی سرگرمیوں کے لئے وقت نکال لیا کرتا تھا۔

وہ وہاں کسی ہوم سٹڈیز کا چکار نہیں کرتا کہ یہ میں کھلتے پاکستان کو یاد کرتا رہتا یا پاکستان کے ساتھ اس طرح کے مشق میں مبتلا ہوتا کہ بروقت اس کے ٹیچر کی ضرورت اور اہمیت کو محسوس کرتا ہی امریکہ اس کے لئے کوئی نئی اور اچھی جگہ تھی اس لئے اس نے وہاں موجود پاکستانیوں کو تلاش کرنے اور ان کے ساتھ روابط بنانے کی دانت طور پر کوئی کوشش نہیں کی مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خود بخود وہاں ایسا موجود کچھ پاکستانیوں نے اس کی تلاش سانی ہو گئی۔

یونیورسٹی کی دوسری بہت ہی سوسائٹیز، ایسوسی ایشنز اور کلیز میں اس کی دلچسپی تھی اور اس کے پاس ان کی ممبر شپ بھی تھی۔

پڑھائی سے فارغ ہونے کے بعد وہ اپنا زیادہ تر وقت بے کار پھرنے میں ضائع کرتا تھا۔ خاص طور پر ویک اینڈز، سینما، کلیز، ڈسکو، ٹیویز۔ اس کی زندگی انہیں چاروں کے درمیان تقسیم شدہ تھی۔ ہر نئی فلم، ہر نیا سٹیج پے، ہر نیا کنسرٹ اور کوئی بھی نئی انٹرنیشنل میٹل پر قارئین وہ نہیں چھوڑتا تھا یا پھر ہر نیا چھوٹا، بڑا، میٹروپولیٹن، میٹنگ سے میٹنگ اور سستے سے سستا۔ اسے ہر ایک کے بارے میں عملی معلومات تھیں۔

اور اس سب کے درمیان وہ اپنے دلچسپ اس کے ذہن میں اب تک تھا جس کی وجہ سے وہ امریکہ میں موجود تھا۔ سکندر کو اس کے نکاح کا پتہ چلا تھا، کیسے چلا تھا، سالار نے جاننے کی کوشش نہیں کی مگر وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ سکندر عثمان کو اس کے بارے میں کیسے پتا چلا ہو گا۔ یہ محسوس ہوا کہ وہ انہیں تھے جنہوں نے سکندر عثمان کو سالار اور امام کے بارے میں بتایا ہو گا۔ وہ ان کی طرف سے مطمئن تھا یہ خود امام ہی ہو گی، جس نے اس سے فون پر بات کرنے کے بعد یہ سوچا ہو گا کہ اس کے بجائے سکندر عثمان سے ساری بات کی جائے اور اس نے یقیناً ایسا ہی کیا ہو گا، اسی لئے اس نے دو بار سالار سے رابطہ نہیں کیا۔ سکندر نے اس سے رابطہ کرنے کے بعد ہی اس کے گھر سے کی تلاش کی کہ وہ کون سا نام پر آد کر لیا تھا۔ مگر یہ سب کچھ ہوا تھا۔ یہ وہ سوال تھا جس کا جواب وہ نہیں دے سکتا تھا۔

یہ بھی تھا امام کے لئے اس کی پالیسی یہ تھی کہ اس میں پاکستان سے امریکہ آتے ہوئے کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔ یکے بعد دیگرے وہ اس کے ہاتھوں رنگ اٹھانے پر مجبور ہوا تھا اور اب وہ پچھتا رہا تھا کہ اس نے اس تمام معاملے میں امام کی مدد کیسے کی۔ بعض دفعہ اسے حیرانی ہوتی تھی کہ آخر وہ امام جیسی لڑکی کی مدد کرنے پر تیار کیسے ہو گیا تھا اور اس حد تک مدد کہ۔

وہ اب ان تمام واقعات کے بارے میں سوچتے ہوئے بھی کوشت محسوس کرتا تھا۔ آخر میں نے اس کی مدد کیوں کی جبکہ مجھے جو کرنا چاہئے تھا وہ یہ تھا کہ اس کے رابطہ کرنے پر میں دہم کو، اس کے والدین کو یا خود اپنے والدین کو اس سارے معاملے کے بارے میں بتا دیتا یا پھر جلال کے بارے میں انہیں بتا دیتا یا پھر اس کے کہنے پر اس کے ساتھ سر سے سے نکاح کرتا ہی نہ یا اسے گھر سے فرار ہونے میں تو کبھی اس طرح مدد کرتا۔

بعض دفعہ اسے لگتا کہ جیسے وہ کسی چھوٹے بچے کی طرح اس کے ہاتھوں میں استعمال ہوا تھا۔ اتنی فرمانبرداری، اتنی تالی واری آخر کیوں۔ جبکہ وہ اس کے ساتھ کوئی تعلق یا واسطہ نہیں رکھتی تھی اور وہ کسی طرح سے بھی اس کی مدد کرنے پر مجبور نہیں تھا۔

اب اسے وہ سب کچھ ایک ایڈیٹر سے زیادہ حافقت لگا۔ وہ کسی سارا کالو جسے کی طرح امام کے بارے میں اپنے روپے کا ٹکڑیہ کرتا اور مطمئن ہو جاتا۔

”جس جوں وقت گزرتا جائے گا وہ مکمل طور پر میرے ذہن سے نکل جائے گی نہ بھی لگی تب بھی مجھے کیا فرق پڑے گا۔“ وہ سوچتا۔

☆.....☆.....☆

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہاں اس کے حلقہ احباب میں اضافہ ہونے لگا اور اسی حلقہ احباب میں ایک نام سے کاتھن کر لینی سے تھا۔ سالار کی طرح وہ بھی اسی کیرئیر گھرانے سے تعلق رکھتا

تھا مگر سالار کے برعکس اس کا گھرانہ خاصا مذہبی تھا۔ یہ سالار کا اندازہ تھا۔ سعد کی جس مزاح بہت اچھی تھی اور وہ بہت چٹرم بھی تھا۔ لیکن وہ ان میں ایک امر کی دوست کے توسط سے اس کی ملاقات سعد سے ہوئی تھی اور اس کی طرف وہ بھی پہل کر کے والا سعد ہی تھا۔ سالار نے اس کو بھی کو قبول کرنے میں قدم نہ اٹھایا تھا۔ اسے یوں لگا تھا جیسے سعد اور اس کے درمیان کچھ بھی مشترک نہیں ہے۔ سعد وہاں سے اٹھ کر رہا تھا۔ سالار کے برعکس وہ پڑھائی کے ساتھ چاب بھی کرتا تھا۔ اس کا تعلق اس کی مذہب سے جذباتی و انتہائی تھانے کے لئے کافی تھا۔ اس نے وہ بھی دیکھی تھی اور بھی اس کا مذہب کے بارے میں اس کا علم بہت زیادہ تھا۔ سالار نے زندگی میں پہلی بار کسی ایسے شخص سے دوستی کی تھی جو مذہبی تھا۔

سعد پانچ وقت کی نماز پڑھتا تھا اور وہ سب کو بھی اس کے لئے کہتا تھا۔ وہ مختلف آئینہ نماز پڑھتا تھا اور مجلس میں بھی بہت اچھا تھا۔ سالار کے برعکس امریکہ میں اس کا کوئی قرعہ راز نہیں تھا۔ صرف ایک دور کے چچا تھے جو کسی دوسری اسٹیٹ میں رہتے تھے۔ شاید اسی لئے اپنی نہانی کو دہکرنے کے لئے وہ بہت زیادہ سوشل تھا۔ سالار کے برعکس وہ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا اور شاید یہ لاکھ بھیا ہی تھا جس نے اس کے والدین کو اسے اتنی دور تعلیم کے لئے بھیج دیا تھا۔ وہ اس کے ہائی وٹوں بھائی سعد کے والد کے ساتھ گریجویٹیشن کے بعد بزنس میں شریک ہو گئے تھے۔

وہ بھی ایک اپارٹمنٹ گھر کے پرلے کر رہتا تھا مگر اس کے ساتھ اس اپارٹمنٹ میں چار اور لوگ بھی رہتے تھے۔ انا چار میں سے دو غریب اور ایک بنگلہ دہی کے علاوہ ایک اور پاکستانی تھا۔ وہ تمام اپنا وقت گزارتے تھے۔

سعد پہلی ہی ملاقات میں سالار سے بہت بے تکلف ہو گیا تھا۔ سالار کے امریکی دوست جیف نے جب سعد کو سالار کی اکیڈمک کامیابیوں کے بارے میں بتایا تو انہوں نے ایک کی طرح سعد بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔

سالار کو سعد کا چہرہ دیکھ کر اور خاص طور پر اس کی ڈانچہ دیکھ کر ہمیشہ حال کا خیال آتا۔ ڈانچہ کی وجہ سے دونوں میں عجیب سی مماثلت اور مشابہت نظر آتی۔ کئی بار دوسرے دوستوں کے علاوہ سعد بھی ایک اینڈ پر اس کے ساتھ جاتا۔

"تم مسلمان ہو لیکن مذہب کی سرے سے پابندی نہیں کرتے۔" سعد نے اپنے وفد سالار سے کہا تھا۔

"اور تم ضرورت سے زیادہ مذہبی ہو۔" سالار نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ جس طرح تم پانچ وقت کی نماز پڑھتے رہتے ہو اور ہر وقت اسلام کی بات کرتے

رہتے ہو یہ کچھ اور ایکٹنگ ٹائپ ہیں جو جاتی ہے۔" سالار نے بڑی صاف گوئی کے ساتھ کہا۔ "تم جتنے نہیں ہو ہر وقت نماز پڑھ کر۔"

"یہ فرض ہے۔ اللہ کی طرف سے ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اس کی عبادت کریں۔ اسے ہر وقت یاد رکھیں۔" سعد نے زور دیتے ہوئے کہا۔ سالار نے ایک ہنسی لی۔

"تم بھی عبادت کیا کرو۔ آخر تم بھی مسلمان ہو۔" سعد نے اس سے کہا۔

"میں جانتا ہوں اور عبادت نہ کرنے سے کیا میں مسلمان نہیں رہوں گا۔" اس نے کچھ جھکے لہجے میں سعد سے کہا۔

"صرف ہم کا مسلمان بن کر زندگی گزارنا چاہتے ہو تم؟"

"سعد! پہلے اس قسم کے فتوے ٹائپ کر بات مت کرو۔ میں جانتا ہوں تمہیں مذہب میں دلچسپی ہے مگر مجھے نہیں ہے۔ بہتر ہے ہم ایک دوسرے کی رائے اور جذبات کا خیال رکھیں اور ایک دوسرے پر کچھ ٹھونسے کی کوشش نہ کریں۔ جیسے میں تم سے یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ تم نماز چھوڑ دو، اس طرح تم بھی مجھ سے یہ نہ کہو کہ میں نماز پڑھوں۔" سالار نے انتہائی صاف گوئی سے کہا تو سعد خاموش ہو گیا۔

مگر کچھ دنوں بعد ایک دن وہ اس کے اپارٹمنٹ پر آیا۔ سالار اس کی قاضی کے لئے کچھ لانے کے لئے کچن میں گیا تو سعد بھی اس کے پیچھے ہی آیا۔ اس نے باتوں کے دوران فریج کھلی لیا اور اس میں موجود کھانے کی چیزوں پر نظر دوڑانے لگا۔ سالار کچلی رات ایک فاسٹ فوڈ سٹال سے اپنا پیوندیدہ برگر لے کر آیا تھا۔ وہ فریج میں رکھا تھا۔ سعد نے اسے نکال لیا۔

"اسے رکھ دو یہ تم نے کھانا۔" سالار نے جلدی سے کہا۔

"کیوں؟" سعد نے بائیکر اوپن کی طرف جاتے ہوئے پوچھا۔

"اس میں پورک (سور کا گوشت) ہے۔" سالار نے لاپرواہی سے کہا۔

"خفاق مت کرو۔" سعد ٹھٹک گیا۔

"اس میں خفاق والی کون سی بات ہے۔" سالار نے خیرالی سے اسے دیکھا۔ سعد نے جیسے پیچھے ہٹنے والے انداز میں پیٹ ٹھٹک پر رکھ دیا۔

"تم پورک کھاتے ہو؟"

"میں پورک نہیں کھاتا۔ میں صرف یہ برگر کھاتا ہوں کیونکہ یہ مجھے پسند ہے۔" سالار نے بڑے جرات سے جواب دیا۔

"تم جانتے ہو، یہ حرام ہے؟"

"اسلام میں؟"

"ہاں!"

"اور پھر بھی؟"

"اب تم پھر وہی تپتی و منہ شروع مت کرنا میں صرف پورک ہی نہیں کھاتا ہر قسم کا گوشت کھا لیتا ہوں۔" سالار نے لاپرواہی سے کہا۔ وہ اب فریج کی طرف جا رہا تھا۔
"مجھے یقین نہیں آ رہا۔"

"خیر اگلا میں ایسا ہی تپتی والی کیا بات ہے۔ یہ کھانے کے لئے ہی ہوتا ہے۔" وہ اب فریج میں پڑے دو دھڑکے کیٹ کو نکال رہا تھا۔

"ہر چیز کھانے کے لئے نہیں ہوتی۔" سعد کچھ تھکایا۔ "تمکبک ہے تم زیادہ بدی نہ سہی مگر مسلمان تو ہو اور اتنا تو تم جانتے ہو کہ کچھ ایسا ک اسلام میں حرام ہے کہ از کم ایک مسلمان کے لئے۔" سالار خاموشی سے اپنے کام میں مصروف رہا۔

"بھروسے کچھ مت دینا، میں نہیں کھادوں گا۔" سعد یک دم بچن سے ٹھل گیا۔
"کیوں؟" سالار نے مزہ کرتے دیکھا۔ سعد واش سین کے سامنے کھڑا سالار سے ہاتھ دھر رہا تھا۔
"کیا ہو؟" سالار نے اس سے قدرے جراتی سے پوچھا۔

سعد نے جواب دینا کچھ نہیں کیا وہ اسی طرح ٹھک پڑتے ہوئے ہاتھ دھو رہا تھا۔ سالار جھپٹی ہوئی نظروں سے ہونٹ پیچھے اسے دیکھ رہا تھا۔ ہاتھ دھونے کے بعد اس نے سالار سے کہا۔
"میں تو اس فریج میں رکھی کوئی چیز نہیں کھا سکتا، بلکہ تمہارے برتنوں میں بھی نہیں کھا سکتا۔ اگر تم یہ برگر کھا لیتے ہو تو اور بھی کیا کچھ نہیں کھا لیتے ہو گے۔ چلو باہر چلے جیو، وہاں جا کر کچھ کھاتے ہیں۔"

"نہیں بہت افسوسگ ہے۔" سالار نے قدرے ناراضی سے کہا۔
"نہیں، افسوس والی تو کوئی بات نہیں ہے۔ بس میں یہ حرام گوشت نہیں کھانا چاہتا اور تم اس معاملے میں پرہیز کے بخلائی نہیں ہو۔" سعد نے کہا۔

"میں نے تمہیں یہ گوشت کھانے کی کوشش نہیں کی۔ تم نہیں کھاتے، اسی لئے میں نے وہ برگر کچھ نہ ہی تمہیں منع کر دیا۔" سالار نے کہا۔ "مگر تم کو تو شاید کوئی ٹوپی ہو گیا ہے کہ تم اس طرف زنی ایکٹ کر رہے ہو جیسے میں نے اپنے پار سے ٹیکٹ میں اس چانور کو پالا ہوا ہے اور دست دین ان ہی کے ساتھ رہتا ہوں۔" سالار ناراض سا ہو گیا۔

"ٹوپی ہمارے چلے ہیں۔" سعد نے اس کی ناراضی کو ختم کرنے کے لئے کہا۔
"باہر چل کر کچھ کھائیں گے تو میں مل پے نہیں کروں گا، تم کرو گے۔" سالار نے کہا۔
"تمکبک ہے، میں کروں گا، تو پراہم۔ تم چلو۔" سعد نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"اور اچھی دھڑک تم میرے پار ٹنٹ پر تپتے ہوئے گھومتے کچھ کھاتے کے لئے لے کر آنا۔" سالار نے قدرے خطرے لہجے میں اس سے کہا۔
"اچھا لے آؤں گا۔" سعد نے کہا۔

☆.....☆.....☆

وہ اس ایک اینڈ پر جمیل کے کپڑے بیٹھا ہوا تھا۔ وہی کی طرح بہت سے لوگ وہاں پھر رہے تھے۔ وہ کچھ دیر ادھر ادھر پھرنے کے بعد ایک بیچ پر آکر بیٹھ گیا۔ بہت لاپرواہی سے ایک آنکس کریم کھانے کھاتے ہوئے وہ ادھر ادھر کھنگریں دوڑانے میں مصروف تھا جب اس کی توجہ تین سال کے ایک بچے نے اپنے طرف مبذول کر لی۔ وہ بچی ایک فٹ بال کے پیچھے دوڑ رہا تھا اور اس سے کچھ فاصلے پر سیاہ حجاب اوڑھے ایک لڑکی کھڑی تھی جو مسکراتے ہوئے اس بچے کو دیکھ رہی تھی۔ وہاں موجود بہت سے ایشین میں سے ایک تھی مگر حجاب میں ملیں واحد لڑکی تھی۔ وہ لا شعوری طور پر اسے دیکھ گیا۔ وہ بچی فٹ بال کو پاؤں سے ٹھوکر کھاتے ہوئے آہستہ آہستہ اس کی بیچ کی طرف دیکھا تھا۔ ایک اور ٹھوکر لے کر بال کو سیدھا سالار کی طرف بھیج دیا۔ کسی غیر لادنی ٹھل کے تحت سالار نے اسی طرح پیٹھے پیٹھے اپنے دائیں پاؤں میں پینے ہوئے چاگر کی دھڑکتے اس بال کو روکا اور پھر پاؤں بیٹھا نہیں بلکہ اسی طرح فٹ بال پر ہی رکھا مگر اس بار اس کی نظروں لڑکی کے چہرے اس بچے پر تھیں جو پھر لڑکی سے بال کے پیچھے اس کی طرف آ رہا تھا۔ اس کے ہاتھں پاس آنے کے بجائے وہ کچھ دور ڈک گیا۔ شاید وہ توقع کر رہا تھا کہ سالار بال کو اس کی طرف لڑکھوئے گا مگر سالار اسی طرح فٹ بال پر ایک پاؤں رکھے بائیں ہاتھ سے آنکس کریم کھاتے ہوئے دور کھڑی اس لڑکی کو دیکھا۔ شاید اسے توقع تھی کہ اب وہ قریب آئے گی۔ ایسا ہی ہوا تھا۔ کچھ دیر تک اسے بال نہ چھوڑتے دیکھ کر وہ لڑکی کچھ جراتی سے آگے اس کی طرف آئی تھی۔
"یہ فٹ بال چھوڑ دیں۔"

اس نے قریب آنے پر ہی شائستگی سے کہا۔ سالار چند لمحے اسے دیکھا، پھر اس نے فٹ بال سے اپنا پاؤں اٹھایا اور وہیں بیٹھے بیٹھے فٹ بال کو ایک دور ڈک لگائی۔

فٹ بال اڑنے ہوئے بہت دور جا گری۔ گنگ لگاتے کے بعد اس نے اطمینان سے اس لڑکی کو دیکھا۔ اس کا چہرہ اب سرخ ہو رہا تھا جبکہ وہ بچی ایک بار پھر اس فٹ بال کی طرف بھاگتا جا رہا تھا جو اب کہیں اٹھ نہیں آ رہی تھی۔ اس لڑکی نے ذمہ لب اس سے کچھ کہا اور پھر واپس مڑ گئی۔ سالار اس کے منہ سے نکلنے والے الفاظ کو سن یا سمجھ نہیں سکا مگر اس کے سرخ چہرے اور چٹرائت سے وہ بے اندازہ بخوبی گمان کر سکتا تھا کہ وہ کوئی خوشخبر یا اطلاع نہیں تھی۔ اسے اپنی حرکت پر غور ہوئی مگر جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ اس نے یہ حرکت کیوں کی اور لڑکی امامہ سے مشابہت رکھتی تھی۔

وہ لپٹے سے سیاہ کوٹ میں سیاہ چاب اوڑھے ہوئے تھی۔ دروازہ اور بہت ڈبلی بلی تھی۔ بالکل امام کی طرح۔ اس کی سفید رنگت اور سیاہ آنکھیں بھی اسے امام جیسی ہی محسوس ہوتی تھیں۔ امام بہت لمبی پتلی چادر میں خود کو چھپائے رکھتی تھی۔ وہ چاب نہیں لیتی تھی مگر اس کے باوجود اس وقت اس لڑکی کو دیکھتے ہوئے اسے اس کا خیال آیا تھا اور لاشعوری طور پر اس نے وہ نہیں کیا جو وہ لڑکی چاہتی تھی۔ شاید اسے کسی حد تک یہ محسوس ہوتی تھی کہ اس نے امام کی بات نہیں مانی مگر..... وہ امام نہیں تھی۔

"آخر کیا ہو رہا ہے مجھے، اس طرح تو..." اس نے خیران ہوتے ہوئے سوچا۔ وہ جیب میں سے ایک سکرپٹ نکال کر سلاٹ لگا لگا۔ سکرپٹ کے کس لینے ہوئے وہ ایک بار پھر اسی لڑکی کو دیکھنے لگا جو اپنے بچے کو فٹ بال کے ساتھ کھیلنے دیکھ کر مسکراتی تھی۔ سالار اسے دیکھ رہا تھا اور اس کے علاوہ ہر شے سے بے نیاز نظر آ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

اس رات وہ کافی دیر تک امام کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس کے اور حال انصر کے بارے میں اسے یقین تھا اب تک وہ دولوں شادی کر چکے ہوں گے، کیونکہ اپنا نکاح نامہ سدر سے حاصل کر لے کے ابجد وہ یہ جان چکی ہوگی کہ طلاق کا حق پہلے ہی اس کے پاس تھا اسے اس سلسلے میں سالار کی مدد کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ جاننے کے باوجود کہ جلال انصر اس کے کہنے پر بھی امام سے شادی پر تیار نہیں ہوا تھا اسے پھر بھی ات جانے کیوں یہ یقین تھا کہ جلال انصر ایک بار امام کے اپنے پاس پہنچ جانے پر اسے انکار نہیں کر سکا ہوگا۔ اس کی منت سادیت پر وہ ماننا کیا ہوگا۔

امام اس کے مقابلے میں بہت خوب صورت تھی اور امام کا خاندان ملک کے طاقت ور ترین خاندانوں میں سے ایک تھا۔ کوئی اتنی ہی ہو گا جو جلال انصر جیسی حیثیت رکھتے ہوئے امام کو سونے کی چڑیا نہ سمجھتا ہو یا پھر جو سمجھتا ہے وہ واقعی امام کی صحبت میں جھکا ہو جو بھی تھا اسے یقین تھا کہ وہ دونوں شادی کر چکے ہوں گے اور پتا نہیں کس طرح ہاشم مبین کی آنکھوں میں زحوم کی جھونک کہ چھینے میں کامیاب ہوئے ہوں گے یا نہیں ہے کہ ہاشم مبین نے اب تک انہیں زحوم نہ لگایا ہو۔

"مجھے پتا تو کرنا چاہیے اس بارے میں۔" اس نے سوچا اور پھر اگلے ہی لمحے خود کو جھڑکا۔ "تار کا سیک سالار رونگہ کر دے، جانے دو کیوں خوار خواہ اس کے پیچھے نہ گئے ہو۔ یہ جان کر آخر کیا لیا جائے گا کہ ہاشم مبین اس تک پہنچے ہیں یا نہیں۔" اس نے بے اختیار خود کو جھڑکا مگر اس کا جھنسن ختم نہیں ہوا۔ "واقعی میں نے یہاں آنے کے بعد یہ جاننے کی کوشش کیوں نہیں کی کہ ہاشم مبین اب تک اس تک پہنچے ہیں یا نہیں۔" اسے حیرانی ہو رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

"میرا نام دیش لالہ اورا ہے۔" وہ لڑکی اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھائے ہوئے تھی۔ وہ اس وقت لائبریری کی ایک طباعت سے ایک کتاب نکال رہا تھا، جب وہ اس کے قریب آئی تھی۔

"سالار سکھ دے" اس نے دیش سے ہاتھ ملاتے ہوئے اپنا تعارف کروایا۔

"میں جانتی ہوں، تمہیں تعارف کی ضرورت نہیں ہے۔"

دیش نے بڑی گرم چرخشی سے کہا۔ سالار نے اس سے یہ نہیں کہا کہ اسے بھی تعارف کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اپنی کلاس کے بچوں کے بچوں کو لوگوں کو ان کے نام سے جانتا اور پہچانتا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ ان کا بریف یا نیوٹا بھی بغیر ان کے کسی غلطی کے بنا سکتا تھا۔ جیسے وہ اس وقت دیش کو یہ بتا کر حیران کر چکا تھا کہ وہ نوہرہ جی سے آئی تھی۔ وہاں وہ سال ایک دو سوچ نکلتی میں کام کر رہی تھی۔ اس کے پاس مارکیٹنگ میں ایک ڈگری تھی اور وہ اب دوسری ڈگری کے لئے وہاں آئی تھی اور وہ اس سے کم از کم چھ سات سال بڑی تھی۔ اگرچہ اپنے قد و قامت سے سالار اس سے بہت بڑا لگتا تھا مگر وہ جانتا تھا کہ وہ اس وقت اپنے چچا کی سب سے کم عمر تھا۔ اپنے چچا میں صرف وہی تھا جو کسی قسم کی چاب کے بغیر سیدھا ایجنسی اس کے لئے آیا تھا۔ باقی سب کے پاس نہیں تھیں۔ کچھ سال کام کرنے کا تجربہ تھا مگر اس وقت دیش کو یہ سب کچھ بتانا اسے خوش لمبی کا شکار کرنے کے مترادف تھا۔

"تو میں آپ کو کافی کی دعوت دوں تو؟" دیش نے اپنا تعارف کر دیتے ہوئے کہا۔

"تو میں اسے قبول کر لوں گا۔"

وہ اس کی بات پر ہنسی۔ "تو پھر چلتے ہیں، کافی پیتے ہیں۔" سالار نے کدھے میں اچانک اور کتاب کو دوبارہ طباعت میں رکھ دیا۔

کپتے تھریس جتنے کہ وہ دونوں تقریباً آدھ گھنٹہ تک ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کرتے رہے۔ یہ دیش کے ساتھ اس کی خصوصی کا آغاز تھا۔ سالار کے لئے کسی لڑکی کے ساتھ تعلقات بنانا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ وہ یہ کام بہت آسانی سے کر لیا کرتا تھا۔ اس بار مزید آسانی یہ تھی کہ پہلے دیش کی طرف سے ہوتی تھی۔

تین چار ملاقاتوں کے بعد اس نے ایک رات دیش کو اپنے قہقہے پر رات گزارنے کے لئے انوائسٹ کر لیا تھا اور دیش نے کسی تاہل کے بغیر اس کی دعوت قبول کر لی۔ وہ دونوں بوندہ دیش کے بعد آگے بہت سی باتیں کر رہے تھے۔ سالار کے قہقہے پر دیش کی دلیلیٹ نامت ہوتی تھی۔

وہ مگن میں اپنے اور اس کے لئے گلاس تیار کرنے لگا جبکہ دیش بے تکلفی سے ادھر سے ادھر بھرتے ہوئے اس کے ہارنٹسٹ کا جاگرو لے رہی تھی پھر وہ اس کے قریب آکر کاؤنٹر کے سامنے کھڑی

وہ ایک اینڈ پر پوسٹن گیا ہوا تھا جہاں اس کے بچا رہنے تھے وہ وہاں اپنے ایک کزن کی شادی اینڈ کر رہے تھے آپا تھا۔

اس شام سالار اپنے کزن کے ہمراہ تھا جو ایک ریٹائرڈ چار ہاتھ وہ وہاں کھانا کھانے آیا ہوا تھا۔ اس کا کزن آدھ روپے کے بعد کسی کام سے اٹھ کر گیا تھا۔ سالار کھانے کا انتظار کر رہا تھا جب کسی نے اس کا نام لے کر پکارا۔

”جیلا.....“ سالار نے بے اختیار مڑ کر اسے دیکھا۔

”آپ سالار ہیں؟“ اس آدھی نے پوچھا۔

وہ جلال العصر تھا۔ اسے پہچانے نہیں بلکہ بھر کے لئے وقت اس لئے ہوئی تھی کیونکہ اس کے چہرے سے اب ڈر جھماکا تبھی تھا۔

سالار نے کھڑے ہو کر اس سے ہاتھ ملایا۔ ایک سال پہلے کا ایڈوچر ایک بار پھر اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔ دسی ٹلیک سلیک کے بعد اس نے جلال کو دسوا کھانے کی دعوت دی۔

”نہیں مجھے ڈر اچھل رہا ہے۔ سن آپ پر اتفاقاً نظر پڑا تو آ گیا۔“ جلال نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

”اما کیسی ہے؟“ جلال نے بات کرتے کرتے اچانک کہا۔ سالار گویا وہ اس کا سوال ٹھیک سے سن نہیں سکا۔

”سوری.....“ اس نے معذرت خواہانہ انداز میں استفسار کیا۔ جلال نے اپنا سوال دہرایا۔

”میں اب بچہ پوچھ رہا تھا۔ وہ کیسی ہے؟“

سالار جیسے چمکا کے بغیر اسے دیکھتا رہا۔ وہ ہمارے ہاؤس میں اس سے گہرا پوچھ رہا تھا۔

”مجھے نہیں بتایا تو آپ کو بتا ہونا چاہئے۔“ اس نے کچھ اچھے ہوئے انداز میں کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

اس بار جلال حیران ہوا۔ ”مجھے کس لئے؟“

”کیونکہ وہ آپ کی بیوی ہے۔“

”میری بیوی؟“ جلال کو جیسے کرکٹ لگا۔

”آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میری بیوی کیسے ہو سکتی ہے وہ۔ میں نے اس سے شادی سے انکار کر دیا تھا۔ آپ ابھی طرح جانتے ہیں۔ ایک سال پہلے آپ ہی تو آئے تھے اس مسئلے میں مجھ سے بات کرنے کے لئے۔“ جلال نے جیسے اسے کچھ یاد دلایا۔

”میں نے تو آپ سے یہ بھی کہا تھا کہ آپ خود اس سے شادی کر لیں۔“

سالار بے یقینی سے اسے دیکھتا رہا۔

”میں تو یہ سوچ کر آپ کے پاس آیا تھا کہ شاید آپ نے اس سے شادی کر لی ہوگی۔“ وہ اب وضاحت کر رہا تھا۔

”آپ نے اس سے شادی نہیں کی؟“ سالار نے پوچھا۔

”نہیں۔ آپ سے تو ساری بات ہوئی تھی میں نے انکار کر دیا پھر اس سے میری شادی کیسے ہو سکتی تھی؟ پھر میں نے سنا کہ وہ گھر سے نہیں چلی گئی۔ میں نے سوچا آپ کے ساتھ کہیں چلی گئی ہوگی۔ اسی لئے تو آپ کو پوچھ کر آپ کی طرف آیا تھا۔“

”میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے۔ میں تو پچھلے سات آٹھ ماہ سے یہیں ہوں۔“ سالار نے کہا۔

”اور مجھے یہاں آئے دو ماہ ہو گئے ہیں۔“ جلال نے بتایا۔

”مجھ سے ملاقات کے بعد کیا اس نے دوبارہ آپ سے رابطہ یا ملاقات کرنے کی کوشش کی تھی؟“

سالار نے کچھ اچھے ہوئے انداز میں پوچھا۔

”نہیں۔“ وہ مجھ سے نہیں ملی۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ لاہور جا کر اس نے آپ سے رابطہ کرنے کی کوشش نہ کی ہو۔“ سالار کو

اس کی بات پر یقین نہیں آیا۔

”مجھ سے رابطہ کرنے سے کیا ہوا؟“

”آپ کے لئے وہ گھر سے نکلی تھی۔ اسے آپ کے پاس جانا چاہئے تھا۔“

”نہیں۔“ وہ میرے لئے گھر سے نہیں نکلی تھی۔ آپ تو ابھی طرح جانتے ہیں کہ میں نے اسے بتا دیا تھا کہ میں اس سے شادی نہیں کر سکتا۔ پھر آپ یہ مت کہیں کہ وہ میرے لئے گھر سے نکلی تھی۔“ جلال

کے لہجے میں اچانک کچھ جھنجھکی آئی۔ ”ساری بات آپ ہی سے تو ہوئی تھی۔“

”کیا آپ واقعی کچھ کہہ رہے ہیں کہ وہ دوبارہ آپ کے پاس نہیں گئی؟“

”میں آپ سے جھوٹ گویں بولوں گا اور اگر وہ میرے ساتھ ہوئی تو میں آپ کے پاس اس کے

بارے میں پوچھنے کیوں آتا۔ مجھے دہرہ ہو رہی ہے۔“ جلال کے لہجے میں اب بے یقینی تھی۔

”آپ مجھے اپنا ٹیکٹ نمبر دے سکتے ہیں؟“ سالار نے کہا۔

”نہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ آپ کو مجھ سے اور مجھے آپ سے دوبارہ رابطے کی ضرورت پڑ سکتی

ہے۔“ جلال نے بڑی صاف گوئی سے کہا اور واپس مڑ گیا۔

سالار کچھ اچھے ہوئے انداز میں اس کی پشت پر نظریں جمائے رہا۔ یہ ناقابل یقین بات تھی کہ وہ

جلال سے نہیں ملی۔ کیوں؟ کیا اس نے میری اس بات پر واقعی یقین کر لیا تھا کہ جلال نے شادی کر لی

پر غور کے بغیر کیا۔

"کیا وہ نہیں فون کیا کرتی تھی؟"

وہ ان کا چہرہ دیکھنے لگا۔ "گھر سے چلے جانے کے بعد اس نے صرف ایک بار فون کیا تھا پھر میں یہاں آ گیا۔ ہو سکتا ہے اس نے دوبارہ بھی فون کیا ہو جس کے بارے میں آپ مجھے نہیں بتا رہے۔"

"اس نے انہیں فون نہیں کیا۔ اگر کرتی تو میں تمہاری اور اس کی شکایت کے بارے میں بہت سے معلومات کو ختم کر دیتا۔ میں تمہاری طرف سے اسے طلاق دے دیتا۔"

"یہ سب آپ کیسے کر سکتے ہیں؟"

سالار نے بہت پرسکون انداز میں کہا۔

"یہاں انہیں بھگانے سے پہلے میں نے ایک جیو پر تمہارے signatures لئے تھے، جس طلاق نامہ تیار کروا چکا ہوں۔" سکندر نے جانتے جانتے کہا۔

"(fake document) (جعلی ڈاکومنٹ)۔" سالار نے غمی انداز میں تبصرہ کیا۔ "میں تو نہیں جانتا تھا کہ آپ طلاق نامہ تیار کروانے کے لئے مجھ سے سہارا کر رہے ہیں۔"

"تم پھر اس مصیبت کو میرے سر پر لانا چاہتے ہو؟" سکندر کو ایک دم غصہ آ گیا۔

"میں نے یہ نہیں کہا کہ میں اس کے ساتھ رشتہ کو قائم رکھنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کو صرف یہ بتا رہا ہوں کہ آپ انہی طرف سے یہ رشتہ ختم نہیں کر سکتے۔ یہ ہر حال میں ہے جس کو وہی اسے ختم کر دے گا۔"

"تم صرف یہ شکر کرو کہ تم اس وقت یہاں اطمینان سے بیٹھتے ہوئے ہو، ورنہ تم نے جس خاندان کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا تھا وہ خاندان قبر تک بھی تمہارا پیچھا نہ چھوڑتا اور یہ بھی ممکن ہے وہ یہاں بھی تمہاری نگرانی کر رہے ہوں۔ یہ انتظار کر رہے ہوں کہ تم "طمین" ہو کر دوبارہ امام کے ساتھ رابطہ کرو اور وہ تم دونوں کے لئے ایک نیا تیار کر لیں۔"

"آپ مجھے خواہ مخواہ طور پر ڈر رہے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ میں یہ اسے پر تیار نہیں ہوں کہ یہاں امریکہ میں کوئی میری نگرانی کر رہا ہو گا اور وہ بھی اتنا عرصہ گزار جانے کے بعد اور دوسری بات یہ کہ میں امام کے ساتھ تو کوئی رابطہ نہیں کر رہا کیونکہ میں واقعی نہیں جانتا کہ کہاں ہے پھر میرے اپنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"تو پھر تمہیں اس کے بارے میں اس قدر کا نفس ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ جہاں ہے جیسی ہے رہے وہاں۔" سکندر کو کچھ اطمینان ہوا۔

"آپ میرے مذاہل کے بل چیک کریں۔ وہ موبائل اس کے پاس ہے۔ ہو سکتا ہے پہلے نہیں تو اب وہ اس سے کالز کرتی ہو۔"

"وہ اس سے کالز نہیں کرتی۔ موبائل مستقل طور پر بند ہے۔ جو چند کالز اس نے کی تھیں وہ سب سٹیٹیکل کال میں ساتھ چڑھنے والی لڑکیوں کو ہی کی تھیں اور پولیس پہلے ہی انہیں ایوبیسٹی کر چکی ہے۔ لاہور میں وہ ایک لڑکی کے گھر تھی مگر وہ لڑکی پشاور میں تھی اور اس کے واپس آنے سے پہلے ہی وہ اس کے گھر سے چلی گئی، کہاں گئی؟ یہ پولیس کو پتا نہیں چل سکا۔"

سالار جھٹکی ہوئی آنکھوں سے انہیں دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔ "آپ کو حسن نے میرے اور اس کے بارے میں بتایا تھا؟"

سکندر کچھ بول نہیں سکتے۔ موبائل کے امام کے پاس ہونے کے بارے میں صرف حسن ہی جانتا تھا۔ کم از کم یہ ایسی بات تھی جو سکندر چنان صرف اس کے کمرے کی تلاشی لے کر نہیں جان سکتے تھے۔ اسے ان سے بات کرتے ہوئے پہلی بار اچانک حسن پر شبہ ہوا تھا کہ سکندر عثمان کو اپنی چھوٹی چھوٹی باتوں کا پتا تھا جو صرف اسے پتا تھا یا پھر حسن کو۔ کوئی تیسرا ان سے واقف نہیں تھا۔ اس نے سکندر عثمان کو کچھ نہیں بتایا تھا تو جتنی طور پر یہ حسن ہی ہو سکتا تھا۔ میں نے انہیں ساری قلمیاد سے آگاہ کیا تھا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ مجھے حسن نے بتایا ہے یا نہیں اور نے۔ یہ تو وہ نہیں سکتا تھا کہ اس بات کے بارے میں مجھے پتا نہ چلا۔ یہ صرف میری حماقت تھی کہ میں نے باشم حسین کے الزامات کو تنقید کے لئے نہیں لیا اور تمہارے جھوٹ پر یقین کر لیا۔"

سالار نے کچھ نہیں کہا۔ وہ صرف مجھے پر تیاریاں لئے انہیں دیکھتا اور ان کی بات سن رہا تھا۔ اب جب میں نے تمہیں اس سارے معاملے سے بچا لیا ہے تو تمہیں دوبارہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرنی چاہئے جس سے۔"

سکندر عثمان نے قدرے نرم لہجے میں کہنا شروع کیا مگر اس سے پہلے کہ ان کی بات مکمل ہوئی سالار ایک جھٹکے سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆.....☆.....☆

سکندر عثمان کے ساتھ ہونے والی اس گفتگو کے بعد وہ ساری رات اس تمام معاملے کے بارے میں سوچتا رہا۔ پہلی بار اسے پکا سا قفسوں اور پتھر کا وہ اقتدار است امام باشم کو اس کے کہنے پر فوراً طلاق دے دینی چاہئے تھی پھر شاید وہ جلال کے پاس چلی جاتی اور وہ وہاں ٹھہرنے کیلئے امام کے لئے بے حد ناپسندیدہ گھر رکھنے کے باوجود اس نے پہلی بار اپنی غلطی تسلیم کی۔

"اس نے دوبارہ مجھ سے رابطہ نہیں کیا۔ وہ طلاق لینے کے لئے کورٹ نہیں گئی۔ اس کے خاندان والے بھی ابھی تک اسے ڈھونڈ نہیں سکے۔ وہ جلال انصر کے پاس بھی نہیں گئی تو پھر آخر وہ گئی کہیں، کیا اس کے ساتھ کوئی حادثہ.....؟"

ہے؟ سالار کو اچھا بھوٹ یاد آیا مگر یہ کیسے ممکن ہے وہ مزید اُلجھا۔ میری بات پر اسے یقین کیسے آسکتا ہے جبکہ وہ کہہ چکی رہی تھی کہ اسے میری بات پر یقین نہیں ہے۔
وہ کمری بھینچ کر دوبارہ بیٹھ گیا۔

اگر جلال کے پاس نہیں گئی تو پھر وہ کیاں گئی۔ کیا کسی اور شخص کے پاس؟ جس سے اس نے مجھے بے خبر رکھا مگر یہ ممکن نہیں ہے اگر کوئی اور ہو تا تو وہ مجھے اس سے بھی رابطہ کرنے کے لئے کہتی۔ اگر وہ فوری طور پر جلال کے پاس نہیں بھی گئی تھی تو سکندر سے نکاح نامہ لینے اور طلاق کے حق کے بارے میں جاننے کے بعد اسے اسی کے پاس جانا چاہئے تھا، وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اس نے جلال کی اس فرضی شادی کے بارے میں اسے کیوں بتایا۔ شاید وہ اسے پریشان کرنا چاہتا تھا یا پھر یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ اب کیا کرے گی یا پھر شاید وہ یاد ہمارے اس کے اس مطالبے سے شک آگیا تھا کہ وہ پھر جلال کے پاس جائے، پھر جلال سے رابطہ کرے اور وہاں کرنے کی وجہ نہیں جانتا تھا۔ جو بھی تھا بہر حال اسے یقین تھا امامہ جلال کے پاس جائے گی۔
مگر سالار کو اب یہ چلا تھا کہ اس کی توقع پانچواں دن کے صبح گیس وہاں بھی ہی نہیں۔

دیگر اب کہاں سرگرداں تھا، اس کا کزن آچکا تھا، وہ دونوں باہمیں کرتے ہوئے کھانا کھاتے رہے مگر سالار کھانا کھاتے اور باہمیں کرتے ہوئے بھی مسلسل امامہ اور جلال کے بارے میں سوچتا رہا۔ کئی ماہ پہلے ایک دم وہ اس کے ذہن میں پھر تازہ ہو گئی تھی۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ دوبارہ اپنے گھر واپس چلی گئی ہو؟" کھانا کھاتے کھاتے اسے اچانک خیال آیا۔
"ہاں یہ ممکن ہے۔" اس کا ذہن متواتر ایک ہی جگہ اٹکا ہوا تھا۔ "مجھے پاپا سے بات کرنی چاہئے۔
انہیں یقیناً اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ پتا ہوگا۔" سکندر، مگر ان دنوں شادی میں شرکت کی غرض سے وہیں تھے۔

وہ ابیں گھر آنے کے بعد واپس کے قریب جب اس نے سکندر کو گھبراہٹ دیکھا تو اس نے ان سے امامہ کے بارے میں پوچھا۔

"پاپا! کیا امامہ واپس اپنے گھر آئی ہے؟" اس نے کسی حمید کے بغیر سوال کیا۔

اور اس کے سوال نے کچھ دیر کے لئے سکندر کو خاموش رکھا۔

"تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" چند لمحوں کے بعد انہوں نے درشتی سے کہا۔

"میں ایسے ہی۔"

"اس کے بارے میں اتنا غور و فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اپنی اسلٹ پر اپنا دھیان رکھو تو

بہتر ہے۔"

"پاپا! پیر! آپ میرے سوال کا جواب دیں۔"

"گیس جواب دوں۔ تمہارا اس کے ساتھ تعلق کیا ہے؟" سکندر کی بار بار اس میں اضافہ ہو گیا۔

"پاپا اس کا ایک بڑے فریڈ مجھے آج ملا ہے یہاں، وہی جس کے ساتھ وہ شادی کرنا چاہتی تھی۔"

"تو پھر...؟"

"تو پھر یہ کہ ان دونوں نے شادی نہیں کی۔ وہ بتا رہا تھا کہ امامہ اس کے پاس گئی ہی نہیں۔ جب کہ

میں سمجھ رہا تھا کہ لاہور جانے کے بعد وہ اس کے پاس گئی ہو گی۔"

سکندر نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اس کے پاس گئی یا نہیں۔ اس نے اس سے شادی کی یا نہیں۔

یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔ نہ ہی تمہیں اس میں انوکھ ہونے کی ضرورت ہے۔"

"ہاں۔ یہ میرا مسئلہ نہیں ہے مگر میں جانتا چاہتا ہوں کیا امامہ آپ کے پاس آئی تھی؟ آپ نے

اسے شادی کے بعد دیکھے ہوئے تھے۔ میرا مطلب کس کے ذریعے۔" سالار نے کہا۔

"تمہیں کس نے کیا کہ اس نے مجھ سے رابطہ کیا تھا؟"

وہ ان کے خیال پر حیران ہوا۔ "میں نے خود ان کو دیکھا۔"

"اس نے مجھ سے کوئی رابطہ نہیں کیا اور رابطہ کرتی تو میں باہم یقین کو اس کے بارے میں بتا دیتا۔"

سالار ان کا چہرہ دیکھنا ڈیلا۔ "میں نے تمہارے کمرے کی تلاش کی تھی اور میرے ہاتھ وہ نکاح نامہ

تک گیا۔"

"مجھے یہاں بھجواتے ہوئے آپ نے کہا تھا کہ آپ وہ بھی زامہ تک بھجوا دیں گے۔"

"ہاں۔ یہ اس صورت میں ہو جا اگر وہ مجھ سے رابطہ کرتی مگر اس نے مجھ سے رابطہ نہیں کیا۔

نہیں یہ یقین نکلا ہے کہ اس نے مجھ سے ضرور رابطہ کیا ہوگا۔" اس بار سکندر نے سوال کر ڈالا۔

سالار کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے پوچھا۔

"پولیس کو اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں چلا؟"

"نہیں، پولیس کو پتا چلا تو اب تک وہ باہم یقین کے گمراہ ہیں آج بھی جی مگر پولیس ابھی بھی اس

کی تلاش میں ہے۔" سکندر نے کہا۔

"ایک بات تو ملے بے سالار کہ اب تم دوبارہ امامہ کے بارے میں کوئی کارنامہ نہیں کرو گے۔ وہ

جہاں ہے جس حال میں ہے نہیں اپنا دماغ تھکانے کی ضرورت نہیں، تمہارا اس کے ساتھ کوئی تعلق

نہیں ہے۔ پولیس جیسے ہی اسے ڈھونڈے گی میں وہ بیچے ڈپارٹمنٹ تک پہنچا دوں گا تاکہ تمہاری جان

بیشک کے لئے اس سے بچوٹ جائے۔"

"پاپا! کیا اس نے واقعی مجھے گمراہ نہیں کیا مجھ سے بات کرنے کے لئے۔" سالار نے ان کی بات

"مگر تمہیں وہاں جا کر کیا کرنا تھا..... تم ڈارنگ کرتے ہو، نہ تم قیاس کرتے ہو..... پھر وہاں جا کر تم کیا کرتے..... ہمیں نصیحتیں کرتے۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔ ٹھیک ہے ڈارنگ اور ڈانس نہیں کرتا، مگر آؤنگ تو ہو جاتی۔ میں انجوائے کرتا۔" سعد نے کہا۔

"مگر ایسی جگہوں پر جانا اسلام میں جائز نہیں ہے؟" سالار نے پوچھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ سعد چند لمبے کچھ نہیں کہہ سکا۔

"میں، وہاں کوئی غلط کام کرنے تو نہیں جا رہا تھا، تم سے کہہ رہا ہوں صرف آؤنگ کی غرض سے جاتا۔" چند لمحوں بعد اس نے قدر سمجھتے ہوئے کہا۔

"او کے! کئی بار جہاد پر وگرام بنے گا تو تمہیں بھی ساتھ لے لیں گے بلکہ مجھے پہلے چاہوتا تو کل رات بھی تمہیں ساتھ لے لیتا، ہم سب نے واقعی بہت انجوائے کیا۔" سالار نے کہا۔

"چلو اب میں کر بھی کیا سکتا ہوں۔ خیر آج کیا کر رہے ہو؟" سعد اب اس سے معمول کی باتیں کرنے لگا۔ دس چندہ منٹ تک ان دونوں کے درمیان گفتگو ہوتی رہی پھر سالار نے فون بند کر دیا۔

☆.....☆.....☆

"تم اس ویک اینڈ پر کیا کر رہے ہو؟" اس دن سعد نے سالار سے پوچھا۔ وہ یونیورسٹی کے کیفے بیٹھ یاہیں موجود تھے۔

"میں اس ویک اینڈ پر نیو یارک جا رہا ہوں، سینڈرا کے ساتھ۔" سالار نے اپنا چہ و گرام بتایا۔

"کیوں.....؟" سعد نے پوچھا۔

"اس کے بھائی کی شادی ہے۔ مجھے انوائٹ کیا ہے اس نے۔"

"واپس کب آؤ گے؟"

"اتوار کی رات کو۔"

"تم دیکھ کر دک اپنے اپارٹمنٹ کی چابی مجھے دے جاؤ۔ میں دو دن تمہارے اپارٹمنٹ پر گزاروں گا۔ کچھ اسٹیکس ہیں جو مجھے تیار کرنے ہیں اور اس ویک اینڈ پر دو چاروں ہی گھر ہوں گے۔ وہاں بیوروں ہو

گاہیں تمہارے اپارٹمنٹ میں اطمینان سے براہ لوں گا۔" سعد نے کہا۔

"او کے تم میرے اپارٹمنٹ میں رہ لیں گے۔" سالار نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

اسے سینڈرا کے ساتھ بعد کی رات کو نکلتا تھا۔ سالار کا چیک اس کی گاڑی کی لڑکی میں تھا۔ یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ سینڈرا کو بھی آخری وقت میں چند کام بنانے پڑ گئے اور وہ جو سر شام نکلنے کا ارادہ کئے بیٹھے تھے ان کا پروگرام نکلنے کی بجائے ٹھک رہا ہو گیا۔ سینڈرا اپنے ٹکٹ گیٹ کے طور پر کھین رہی تھی اور وہ اس

کے پاس رات نہیں گزار سکتا تھا۔ اسے اپنے اپارٹمنٹ واپس آنا پڑا۔

رات کو تقریباً گیارہ بجے سینڈرا انوائٹس کی رہائش گاہ پر ڈارپ کرنے کے بعد وہ اپنے اپارٹمنٹ چلا آیا۔ اس نے سعد کو ایک چابی دی تھی۔ دوسری چابی اس کے پاس ہی تھی وہ جانتا تھا کہ سعد اس وقت بیٹھا پڑھ رہا ہو گا مگر اس نے اسے ڈسٹرب کرنا ضروری نہیں سمجھا۔ وہ اپارٹمنٹ کا بیرونی دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا، لوٹنگ روم کی لائٹ آن تھی۔ اندر داخل ہوتے ہی اسے کچھ عجیب سا احساس ہوا تھا وہ اپنے بیڈ روم میں جانا چاہتا تھا مگر بیڈ روم کے دروازے پر ہی ٹک گیا۔

بیڈ روم کا دروازہ بند تھا مگر اس کے باوجود اندر سے آہرنے والے قہقہے اور باتوں کی آواز اس سن سکتا تھا۔ سعد کے ساتھ اندر کوئی عورت تھی۔ وہ جاہد ہو گیا۔ اس کے گروپ میں صرف سعد تھا جس کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ کسی لڑکی کے ساتھ اس کے تعلقات نہیں تھے۔ وہ جتنا بھی آدمی تھا اس سے یہ توقع کی ہی نہیں جاسکتی تھی وہ اندر داخل نہیں ہوا۔ قدرے بے یقینی سے واپس مڑ گیا اور جب اس کی نظر لوٹنگ روم کی ٹیبل پر رکھی تو گلاس پر پڑی، وہاں سے کچن کا ڈسٹرچر جہاں کھانے کے برتن ابھی تک پڑے ہوئے تھے۔ وہ مزید وہاں ٹرکے بغیر اسی طرح خاموشی سے وہاں سے نکل آیا۔

اس کے لئے یہ بات ناقابل یقین تھی کہ سعد وہاں کسی لڑکی کے ساتھ رہنے کے لئے آیا تھا۔ بالکل ناقابل یقین..... جو شخص حرام گوشت نہ کھاتا ہو۔ شراب نہ پیتا ہو پہانچ وقت کی نماز پڑھتا ہو، ہر وقت اسلام کی بات کرتا رہتا ہو، دوسروں کو اسلام کی تبلیغ کرتا ہو، وہ کسی لڑکی کے ساتھ..... اپارٹمنٹ کے دروازے کو باہر سے بند کرتے ہوئے وہ اسی طرح شاک کے عالم میں تھا..... بوسل اور نگاہیں تو بیکس ظاہر کر رہے تھے کہ اس نے بی بھی ہو گی اور شاید کھانا وغیرہ بھی کھایا ہو گا۔ اسی فرق اور مگن میں جہاں کا وہ جانی تک پہنچے گئے لئے تیار نہیں ہوتا تھا۔ اسے فسی آ رہی تھی، جو اپنے آپ کو جتنا اچھا اور سچا مسلمان ظاہر کرنے یا بننے کی کوشش کرتا کھائی دیتا ہے وہ اتنا بے افراڈ ہوتا ہے۔ ایک یہ شخص تھا جو یوں ظاہر کرتا تھا جیسے پورے امریکہ میں ایک ہی مسلمان ہے اور دیکھ وہ لڑکی تھی امام..... جو نینٹ بٹنی بڑی چادر اندر مٹی تھی اور کردار اس کا یہ تھا کہ ایک لڑکے کے لئے گھر سے بھاگ گئی..... اور بننے پھرتے ہیں سے مسلمان۔" مجھے اپنی گاڑی میں آکر بیٹھتے ہوئے اس نے کچھ حشر سے سوچا۔ "مناقضت اور بھوت کی حد ان پر ختم ہو جاتی ہے۔"

وہ گاڑی پارکنگ سے نکلتے ہوئے بڑبڑا رہا تھا اس وقت وہ سینڈرا کے پاس نہیں جاسکتا تھا۔ اس نے دانش کے پاس جانے کا فیصلہ کیا وہ اسے دیکھ کر حیران ہوا۔ سالار نے بھانہ بھایا کہ وہ یوں ہو رہا تھا اس لئے اس نے دانش کے پاس آئے اور رات وہاں گزارنے کا فیصلہ کیا۔ دانش مطمئن ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

الزام کی رات کو جب وہ وہاں پہنچیں تو اپنے اپارٹمنٹ آیا تو سعد وہاں نہیں تھا، اس کے قہقہے میں کہیں بھی ایسے آثار نہیں تھے جس سے یہ چکا چلتا کہ وہاں کوئی عورت آئی تھی، وہاں کی وہ بوسل بھی اسے کہیں نہیں ملی۔ وہ زرباب مسکراتا ہوا چرے پر اپارٹمنٹ کا تھمیل پانزہ لیتا رہا۔ وہاں موجود ہر چیز ویسے ہی تھی جیسی وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ سالار نے اپنا سامان رکھنے کے بعد سعد کو فون کیا۔ کچھ دیر گئی باتیں کرتے رہنے کے بعد وہ موصوعی پر آگیا۔

"پھر اچھی رہی تمہاری، مسٹر بڑ۔ اس انٹرنٹ میں مجھے؟"

"ہاں پار! میں تو وہ دن اچھا خاصا پڑھتا رہا۔ اس انٹرنٹس تقریباً مکمل کر لی ہیں۔ تم بتاؤ تمہارا ٹرپ کیا رہا؟" سعد نے جواباً پوچھا۔

"بہت اچھا۔"

"تفصیلی میں بتائی گئی تھی وہاں رات کو سفر کرتے ہوئے کوئی براہم تو نہیں ہوئی؟"

سعد نے ہنسنے سے لکھے میں پوچھا۔

"میں رات کو سفر نہیں کیا؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ فریڈ نے کی رات کو نہیں سہرا لے کی صبح مجھے تھے ہم لوگ وہاں۔" سالار نے بتایا۔

"تم پھر میڈر کی طرف رہے تھے؟"

"نہیں، وائن کے پاس۔"

"کیوں یہاں آ جاتے اپنے اپارٹمنٹ پر۔"

"آپا تھا۔" سالار نے بڑے اطمینان سے کہا۔

دوسری طرف خلاوشی چھا گئی۔ سالار دل ہی دل میں پشیمانہ سعد کے بیروں کے بیچے سے بیٹھا تھا۔

وقت زمین ٹھکی گئی تھی۔

"آئے تھے.....؟ کب.....؟" اس بار وہ بے اختیار نکلیا۔

"کیا رہے کے قریب۔ تم اس وقت کسی لڑکی کے ساتھ مصروف تھے، میں نے تم لوگوں کو

1 سرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ اس لئے وہاں سے واپس آگیا۔"

وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ سعد پر اس وقت سکتہ طاری ہو چکا ہو گا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ

سکتا تھا کہ سالار اس طرح اس کا بھانڈا اچھوڑ دے گا۔

"ویسے تم نے بھی اپنی گرل فرینڈ سے ملوایا نہیں۔" اس نے مزید کہا۔ سعد کو سانس لینے میں مشکل

وقت ہو رہی ہو گی وہ اندازہ کر سکتا تھا۔

"بس ویسے ہی۔ ملوایاں گائے" اس نے دوسری طرف سے بے حد محکم اور معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"مگر تم کسی اور سے اس کا ذکر مت کرنا۔" اس نے ایک ہی سانس میں کہا۔

"میں کیوں ذکر کروں گا، تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

سالار اس کی کیفیت سمجھ سکتا تھا۔ اسے اس وقت سعد پر کچھ ترس بھی آ رہا تھا۔

اس رات سعد نے بیڈ روموں بعد ہی فون رکھ دیا۔ سالار کو اس کی شرمندگی کا ابھی طرح اندازہ تھا۔

اس واقعے کے بعد سالار کا خیال تھا کہ سعد وادہ بھی اس کے سانسے اپنی مذہبی عقیدت اور

والہنگی کا ذکر نہیں کرے گا مگر اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ سعد میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ اب

بھی اسی شد و حد سے مذہب پر بات کرتا۔ دوسروں کو ٹوک دیتا۔ ٹھیکتیں کرتا۔ نماز پڑھنے کی ہدایت دیتا۔

صدق، خیرات دینے کے لئے کہتا۔ اللہ سے محبت کے بارے میں گفتگوں بولنے کے لئے تیار رہتا اور

مذہب کے بارے میں بات کر رہا ہوتا تو کسی آیت یا حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو

بھی آ جاتے۔

اس کے گروپ کے لوگوں کے ساتھ اور بہت سے لوگ سعد سے بہت متاثر تھے اور اس کے

کردار سے بہت مرعوب۔ اور اللہ سے اس کی محبت پر دلف کا ڈھیر ایک مثالی مسلم۔ جوانی کی

مصروف زندگی میں بھی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ سعد بات کرنا چاہتا تھا ان کا انداز بیان بے حد

متاثر کن تھا۔ اور اس کے ساتھ لوگوں میں صرف سالار تھا، جس پر اس کی طبیعت کوئی اثر نہیں کرتی تھی

ہو اس سے ڈر نہ رہا نہ بھی متاثر نہیں تھا اور نہ ہی کسی رنگ کا شکار۔ جسے سعد کی ڈاڑھی اس کی برائی کے

لئے استقامت کا یقین دلانے میں کامیاب ہوئی تھی نہ ہی دوسروں کے لئے اس کا ادب و احترام، اس کا

ارم اور ان گفتگو۔

ایام سے مذہبی لوگوں کے لئے اس کی ناپسندیدگی کا آغاز ہوا تھا۔ حالانکہ اسے آگے بڑھایا تھا

اور سعد نے اسے انتہا پر پہنچا دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ مذہبی لوگوں سے بڑھ کر منافق کوئی دوسرا نہیں

ہوتا۔ ڈاڑھی رکھنے والا مرد اور پردہ کرنے والی عورت کسی بھی قسم کی، بلکہ ہر قسم کی برائی کا شکار ہوتے

ہیں اور ان لوگوں سے زیادہ جو خود کو مذہبی نہیں کہتے۔

اخلاق سے ملنے والے تینوں لوگوں نے اس یقین کو مستحکم کیا۔ امام باہم، پردہ کرنے والی لڑکی اور

ایک لڑکے کے لئے اپنے منگیترا، اپنے خاندان، اپنے گھر کو پہنچ کر رات میں قرار ہو جائے والی لڑکی۔

جمال انصر..... ڈاڑھی والا مرد، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں سرشار ہو کر نعیش پڑھنے

والا اور ایک لڑکی سے انجیر چلانے والا اور پھر اسے سچ راستے میں چھوڑ کر ایک طرف ہو جانے والا، پھر

وہیں الگ، دنیا الگ رکھ کر بات کرنے والا۔ سعد ظفر کے بارے میں اس کی رائے ایک اور واقعہ سے اور خراب ہوئی۔

وہ ایک دن اس کے اپارٹمنٹ پر آیا ہوا تھا۔ سالار اس وقت کمپیوٹر آن کئے اپنا کام کرتے ہوئے اس سے باتیں کرنے لگا، پھر اسے کچھ چیزیں لانے کے لئے اپنے اپارٹمنٹ سے قریبی مارکیٹ جانا پڑا اور اسے پھل و پھل آتے جانے اور ٹرانگ کرتے ہیں میں میں منٹ لگے تھے۔ سعد اس کے ساتھ نہیں آیا تھا۔ جب سالار واپس آیا تو سعد کھینچ کر پرچٹنگ میں مصروف تھا۔ وہ کچھ دیر مزے اس کے پاس بیٹھا کپ شپ کرتا رہا پھر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد سالار نے لٹا لٹا کر ایک بار کچھ کھینچ کر پرچٹنگ کیا۔ وہ بھی کچھ دیر بیٹھا کپ کر رہا تھا اور یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ اس نے لاشعور کی طور پر کھینچ کر چلاتے ہوئے اس کی بٹری دیکھی۔ وہاں ان ویب سائٹس اور مگزین کی تصویلات تھیں جو کچھ دیر پہلے اس نے یا سعد نے دیکھی تھیں۔

سعد نے جتنا چند ویب سائٹس کو دیکھا تھا وہ پورا گمرانی سے متعلق تھیں۔ اسے اپنے کسی دوست کے دوست کے ان مگزین دیکھنے پر ان ویب سائٹس کو ڈٹ کرنے پر حیرت ہوئی نہ اعتراض..... وہ خود انکی ویب سائٹس کا ڈٹ کرتا رہا تھا مگر سعد کے ان ویب سائٹس کو ڈٹ کرنے پر اسے حیرت ہوئی تھی۔ اس کی نظروں میں وہ کچھ اور نیچے آگیا تھا۔

.....

”پھر تمہاری کیا بات ہے؟ پاکستان آئے گا اور وہ ہے؟“

وہ اس دن فون پر سکندر سے بات کر رہا تھا۔ سکندر نے اسے بتایا تھا کہ وہ طیبہ کے ساتھ کچھ ہفتوں کے لئے آسٹریلیا جا رہے ہیں۔ انہیں وہاں اپنے رشتہ داروں کے ہاں ہونے والی شادی کی کچھ تقریبات میں شرکت کرنی تھی۔

”آپ وہ لوگ وہاں نہیں ہوں گے تو میں پاکستان آکر کیا کروں گا؟“ اسے یوں ہی ہوئی۔

”یہ کیا بات ہوئی۔ تم یمن بھاگتے ہو، لہذا، انہیں تمہیں بہت مس کر رہی ہے۔“ سکندر نے کہا۔

”ایسا ایسا اور صریح چلیاں گزروں گا۔ پاکستان آنے کا کوئی فائدہ نہیں۔“

”تم ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ہمارے ساتھ آسٹریلیا چلو، معیہ بھی جا رہا ہے۔“ انہوں نے اس کے

بڑے بھائی کا نام لیتے ہوئے کہا۔

”میرا دام خراب نہیں ہے کہ میں اس طرح منہ اٹھا کر آپ کے ساتھ آسٹریلیا چلوں۔ معیہ کے ساتھ میری کون سی اطوار بیٹھنا ہے، جو آپ مجھے اس کے جانے کا ہتھکڑ ہے ہیں۔“ اس نے خاصی جراتی کے ساتھ کہا۔

”میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا اگر تم وہیں رہنا چاہتے ہو تو ایسا ہی کئی ہیں اپنا خیال رکھنا اور دیکھو سالار کوئی غلط کام مت کرنا۔“

انہوں نے اسے سمجھائی۔ وہ اس غلط کام کی نوعیت کے بارے میں ابھی طرح جاننا تھا اور وہ یہ جملہ سننے کا اتنا عادی ہو چکا تھا کہ اب اگر سکندر ہر بار فون بند کرنے سے پہلے اس سے یہ جملہ نہ کہتے تو اسے حیرت ہوتی۔

سکندر سے بات کرانے کے بعد اس نے فون کر کے اپنی جیٹ کینسل کر وادی۔ فون کارڈ سیر رکھنے کے بعد سونے پر چٹ اپنا جھٹ کو گھورتے ہوئے وہ پورا ندرستی بن رہا ہونے کے بعد اگلے کچھ ہفتوں کی مصروفیات کے بارے میں سوچنا رہا۔

”مجھے چند دن سکینگ (skiing) کے لئے کہیں جانا چاہئے یا پھر کسی دوسری اسٹیٹ کو ڈٹ کر جانا۔“ وہ منصوبہ بنانے لگا۔ ”ٹھیک ہے میں کل پورنورسٹی سے واپسی کسی نور آپر سے ملوں گا۔ باقی کا پروگرام وہیں طے کروں گا۔“ اس نے فیصلہ کیا۔

اگلے دن اس نے ایک دوست کے ساتھ مل کر سکینگ کے لئے جانے کا پروگرام طے کر لیا۔ اس نے سکندر اور اپنے بڑے بھائی کو اپنے پروگرام کے بارے میں بتا دیا۔

چھٹیاں شروع ہونے سے ایک دن پہلے اس نے ایک اطالین ریسٹورنٹ میں کھانا کھایا، وہ کھانا کھانے کے بعد بھی کافی دیر تک وہاں بیٹھا رہا پھر وہ ایک قریبی صوبہ میں چلا گیا۔ کچھ دیر وہیں بیٹھنے کے دوران اس نے وہاں چند چیک پیچے۔

رات دس بجے کے قریب اراچونگ کرتے ہوئے اسے اچانک کھلی ہوئے گل۔ گاڑی روک کر وہ کچھ دیر کے لئے کھوک کے گرد پھیلے ہوئے ہڑے پر پہنچے لگا۔ سرد ہوا اور خشکی نے کچھ دیر کے لئے اسے جامل کر دبا کر چند منٹوں کے بعد ایک بار پھر اسے کھلی ہوئے گل۔ اسے اب اپنے بیٹے اور بیٹہ میں ہلکا ہلکا درد بھی محسوس ہو رہا تھا۔

یہ کھانے کا اثر تھا یا چیک کا۔ فوری طور پر اسے اندازہ نہیں ہوا۔ اب اس کا سر بڑی طرح پکڑا رہا تھا۔ ایک دم جھٹکے ہوئے اس نے بے اختیار اس کی اور پھر چند منٹ اسی طرح جھکا رہا۔ سعد وہاں تو جانے کے بعد بھی اس کو اپنی حالت بہتر محسوس نہیں ہوئی۔ سیدھا کمرے رہنے کی کوشش میں اس کے سر کو کمرے لگے۔ اس نے مرکز اپنی گاڑی کی طرف جانے کی کوشش کی مگر اس کا سر اب پہلے سے زیادہ پکڑا رہا تھا۔ چند گز دور گاڑی گاڑی کو دیکھنے میں بھی اسے دقت ہو رہی تھی۔ اس نے بمشکل چند قدم اٹھائے مگر گاڑی کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی وہ پکڑا کر زمین پر گر پڑا اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا جا رہا تھا۔

تکمل طور پر ہوش کھونے سے پہلے اس نے کسی کو اپنے آپ کو سمجھوتے محسوس کیا۔ کوئی پتہ
 آواز میں اس کے قریب کچھ کہہ رہا تھا، آواز میں ایک سے زیادہ تھیں۔
 سالار نے اپنے سر کو جھٹکنے کی کوشش کی۔ وہ اپنے سر کو حرکت نہیں دے سکا۔ اس کی آنکھیں
 کھولنے کی کوشش بھی ناکام رہی۔ وہ اب مکمل طور پر تاریکی میں جا چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس نے دو دن باہر مکمل طور پر گزارے تھے۔ وہاں سے گاڑی میں گزرنے والے کسی جوڑے نے اسے
 گرتے دیکھا تھا اور وہی اسے اٹھا کر ہسپتال لے آئے تھے۔ ڈاکٹرز کے مطابق وہ غرض پر اثر تک کا شکار ہوا
 تھا۔ وہ ہسپتال آنے کے چند گھنٹوں کے بعد ہوش میں آ گیا تھا اور وہاں سے چلے جانے کی خواہش رکھنے
 کے باوجود وہ جسمانی طور پر اپنے آپ کو اتنی بری حالت میں محسوس کر رہا تھا کہ وہاں سے جانیں سکا۔
 اگلے دن شام تک اس کی حالت کچھ بہتر ہونے لگی مگر ڈاکٹر کی ہدایت پر سالار نے ویرات بھی
 وہیں گزار دی۔ افواہ کو سہ پہر کے قریب وہ کمر آ گیا تھا اور کمر آتے ہی اس نے نو آفریئر کے ساتھ چلے
 پا جانے والا پروگرام چند دھنوں کے لئے ملتوی کر دیا۔ اسے پھر کوئی لگنا تھا اور اس نے طے کیا تھا کہ
 جانے سے پہلے وہ ایک بار پھر میڈر اکو کال کرے گا لیکن اب پروگرام مکمل کرنے کے ساتھ ساتھ اس
 نے اس کو ایک لاپے کسی بھی دوست کو کال کرنے کا ارادہ بھی ترک کر دیا۔
 ایک جگہ پہنچے میڈو وچ کے ساتھ کافی کا ایک کپ پینے کے بعد اس نے مکان اور دہالی اور
 سونے کے لئے چلا گیا۔

اگلے دن جب اس کی آنکھ کھلی اس وقت گیارہ بج رہے تھے۔ سالار کو نیند بیدار ہوتے ہی سر
 میں شدید درد کا احساس ہوا۔ اچانک ہاتھ بڑھا کر اس نے اپنا تھا کہو جسم جھوڑا اس کا تھوڑا بہت زیادہ گرم تھا۔
 ”کم آن“ وہ میڈو وچ سے بڑھ گیا۔ پچھلے دو دن کی بیماری کے بعد وہ اگلے دو دن ہسٹری پر پڑے
 ہوئے نہیں گزار پا چکا تھا اور اسی وقت اسے اس کے آثار نظر آ رہے تھے۔
 جوں جوں اپنے سے نکل کر وہ منہ ہاتھ دھوئے بغیر ایک بار پھر مکان میں آ گیا کافی پینے کے لئے رکھ
 کر رو آکر answerphone پر رینگا ڈکٹر نے کچھ پتہ کار سعد کی قسمیں جس نے وہاں پاکستان جانے سے
 پہلے اس سے ملنے کے لئے ہار یا اسے رنگ کیا تھا اور پھر آخری کال میں اس کے اس طرح غائب ہونے
 پر اسے اچھی خاصی صلاوا تھیں سالی قسمیں۔

میڈر اکو ارادہ تھا کہ وہ اس سے ملے بغیر سکونگ کے لئے چلا گیا تھا۔ بھی خیال سکندر اور کامران کا
 تھا۔ انہوں نے بھی اسے پتہ کار کی قسمیں۔ چند کالز اس کے کچھ کلاس فیلو کی قسمیں۔ وہ بھی چٹیاں
 گزارنے کے لئے اپنے گھروں کو جانے سے پہلے کی قسمیں۔ ہر ایک نے اسے تاکید کی تھی کہ وہ انہیں

جراتی کال کرے اگر اس نے پچھلے دو دن اپنا منہ پر گزارے ہوئے تو وہ پشیمان کام کرنا محسوس کیا۔ وہ جان
 تھا کہ اب وہ سب وہاں جا چکے ہوں گے فائیت وہ سکندر، کامران اور سعد کو پاکستان میں کال کر سکتا تھا مگر
 اس وقت وہ یہ کام کرنے کے موقع میں نہیں تھا۔

کافی کے ایک کپ کے ساتھ دو سلاٹس کھانے کے بعد اس نے گھر پر موجود چند میڈیٹیشن لیں اور
 پھر وہ بار وینڈ پر لیٹ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ بخار کے لئے آنتابی کافی تھا اور شام تک وہ اگر مکمل طور پر
 نہیں تو کافی حد تک ٹھیک ہو چکا ہو گا۔

اس کا اندازہ بالکل غلط ثابت ہوا۔ شام کے وقت وہ میڈیٹیشن کرنے پر اثر آنے والی نیند سے بیدار
 ہوا تو اس کا جسم بری طرح بخار میں چمک رہا تھا۔ اس کی زبان اور ہونٹ خشک تھے اور اسے اپنا منہ
 کھانوں سے بھرا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ پورے جسم کے ساتھ ساتھ اس کا سر بھی شدید درد کی گرفت میں تھا
 اور شاید اس کے اس طرح بیدار ہونے کی وجہ یہ شدید بخار اور تکلیف ہی تھی۔

اس بار وہ صبح اندر پڑے ہوئے اس نے اپنے دونوں ہاتھ خشکے پر اسے کے نیچے رکھتے
 ہوئے ہاتھوں کے انگوٹھوں سے کینڈیوں کو مسلتے ہوئے سر میں اٹھنے والی درد کی محسوس کو کم کرنے کی
 کوشش کی مگر وہ بری طرح ناکام رہا۔ چہرہ خشک تھا چھپائے ہوئے سر پر حرکت پڑا۔

تکلیف کو برداشت کرتے ہی کوشش میں وہ کب وہ بارہ نیند کی آغوش میں گیا اسے اندازہ نہیں ہوا۔
 پھر جب اس کی آنکھ کھلی تو اس وقت کمرے میں مکمل اندھیرا تھا۔ رات ہو چکی تھی اور صرف کمرہ ہی نہیں
 پورا گھر تاریک تھا وہ پہلے سے زیادہ تکلیف میں تھا۔ چند منٹوں تک بندے سے اٹھنے کی ناکام کوشش کرنے
 کے بعد وہ ایک بار پھر لیٹ گیا۔ ایک بار پھر اس نے اپنے ذہن کو تاریکی میں ڈوبنے محسوس کیا مگر اس بار
 یہ نیند نہیں تھیں۔ وہ غصہ کی کسی درمیانی کیفیت میں تھے گزرا ہوا تھا۔ وہ اب خود کو کراچے ہو کے سن رہا
 تھا مگر وہ اپنی آواز کا گھڑا نہیں کھونٹ پار تھا۔ سینٹرل ہوٹلک ہونے کے باوجود اسے بے تھا شامی محسوس
 ہو رہی تھی۔ اس کا جسم بری طرح کانپ رہا تھا اور مکمل اس کی کچلیا ہوتے ہوئے اس نے اپنے ناکام تھا وہ جسمانی
 طور پر خود کو کچھ بھی پہنچا یا اور کھانے کے قابل نہیں تھا۔ اسے اپنے پہلے اور پیٹ میں ایک بار پھر درد
 محسوس ہونے لگا تھا۔

اس کی کمرہوں میں اب شدت آتی جا رہی تھی۔ ایک بار پھر حتی محسوس کرنے پر اس نے اٹھنے
 اور میڈیٹیشن سے دوش دہم تک جانے کی کوشش کی مگر وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ چند لمحوں کے
 لئے وہ میڈیٹیشن کر رہے تھے میں کامیاب ہو اور اس سے پہلے کہ وہ ہیڈ سے اترنے کی کوشش کرنا اسے ایک
 زور کی لگائی آئی۔ پچھلے چوبیس گھنٹوں میں اندر وہ جانے والی تھوڑی بہت خوراک بھی باہر آ گئی تھی۔ وہ
 طبی کے عالم میں بھی اپنے پھیروں اور مکمل سے بے نیاز نہیں تھا مگر وہ مکمل طور پر گندگی سے تھکے ہوئے

ہے جس تھا اسے اپنا پروردگار مطلق محسوس ہو رہا تھا۔ بے جان سی حالت میں وہ اپنی طرح وہ بارہ ہنسر پر لیٹ گیا۔ اسے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ ارد گرد کے ماحول سے مکمل طور پر بے نیاز ہو چکا تھا۔ غرض کی کیفیت میں گراہوں کے ساتھ اس کے سر میں جو کچھ آ رہا تھا وہ بولہ بولہ جا رہا تھا۔

غرضی کا یہ سلسلہ کتنے کتنے جاری رہا تھا اسے یاد نہیں۔ اس اہلیت اسے یہ ضرور یاد تھا اس کیفیت کے دوران اسے ایک بار محسوس ہوا تھا جیسے وہ مرد رہا ہے اور اسی وقت زندگی میں پہلی بار موت سے عجیب سا خوف محسوس ہوا تھا وہ کسی نہ کسی طرح فون تک پہنچنا چاہتا تھا وہ کسی کو بلانا چاہتا تھا مگر وہ ہنسر سے نیچے تک نہیں اتر سکا۔ شدید بخار نے اسے مکمل طور پر مطلق کر کے رکھ دیا تھا۔

اور پھر بالآخر وہ خود ہی اس کیفیت سے باہر آ گیا تھا اس وقت رات کا پچھلا پہر تھا جب وہ اس ننو دی کی باہر نکلا تھا۔ آنکھیں کھولنے پر اس نے کمرے میں وہی تاریکی دیکھی تھی مگر اس کا جسم اب پیٹے کی طرح گرم نہیں تھا۔ کچھ عمل طور پر ختم ہو چکی تھی اس کے سر اور جسم میں ہونے والا درد بھی بہت بڑھا تھا۔

کمرے کی چیمٹ کو کچھ دیر گھومنے کے بعد اس نے اپنے اپنے اندر میرے میں سا بڑا لپ کو ڈھونڈ کر آن کر دیا۔ روشنی نے کچھ دیر کے لئے اس کی آنکھوں کو چند صبر کرنا پڑا جسے پر مجبور کر دیا۔ اس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر آنکھوں کے بند پونوں کو چھوا۔ وہ سو رہے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں جھپٹن ہو رہی تھی۔ سو رہے ہوئے چہ نواں کو مشکل کھلے رکھتے ہوئے وہ اب ارد گرد کی چیزوں پر غور کر رہا تھا اور اپنے ساتھ ہونے والے تمام واقعات کو یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جگہ جگہ بھراؤں کے ساتھ اسے سب کچھ یاد آتا رہا تھا۔

اس نے اپنے اختیار اپنے آپ سے گھن آئی، اینڈ پر بیٹھے بیٹھے اس نے اپنی غرضت کے منہ کھول کر اسے اتار کر دور پھینک دیا۔ پھر لڑکھڑاتے ہوئے وہ بیڈ سے اتر گیا اور کھلی اور بیڈ ٹیٹ بھی کھینچ کر اس کے بیڈ سے اتار کر فرش پر ڈال دیے۔

ان ہی لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ وہ سو رہے کچھ بغیر ہاتھ روہم میں محسوس کیا۔ ہاتھ روہم میں موجود رہے آئینے کے سامنے اپنے چہرے پر نظر ڈالتے ہی اسے جیسے شاک لگا تھا۔ اس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں ان کے گرد چہرے والے حلقہ بہت نمایاں تھے اور چہرہ بالکل درد تھا۔ اس کے ہونٹوں پر چوڑیاں جھی ہوئی تھیں۔ اسے اس وقت دیکھنے والا ایسا سوچا کہ وہ کسی ایسی بیماری سے آگیا ہے۔

”جیسا کہ میں اتنی صبر بڑھ گئی ہے؟“ اس نے حیرانی کے عالم میں اپنے گالوں کو چھوتے ہوئے کہا۔ ”آئی بری ٹھنڈی تو میری نوڈ تو آؤنگ کے بعد ہاتھوں میں رہ کر بھی نہیں ہوئی تھی جتنی ایک دن کے

اس بخار نے کر دی ہے۔“ وہ بے غرضی کے عالم میں اپنے آنکھوں کے حلقوں کو دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ لب میں پانی بھر کر وہ اس میں لیٹ گیا۔ اسے حیرانی ہو رہی تھی مگر بخار کی حالت میں بھی اس نے فوری طور پر اسی وقت اپنے کپڑے کیوں نہیں بدل لئے وہ کیوں نہیں پڑا رہا۔

ہاتھ روہم سے باہر نکلنے کے بعد بیڈ روہم میں رہنے کے بجائے وہ لیٹ گیا۔ اسے بے حواس ہوا کہ اب وہ لیٹ گیا۔ اس نے نوڈ لڑکھڑاتے اور انہیں کھانے لگا۔ ”مجھے صبح ڈاکٹر کے پاس جا کر اپنا طبیعی چیک اپ کروانا چاہیے۔“ اس نے نوڈ لڑکھڑاتے ہوئے سوچا، لیکن ایک بار پھر اس کے اعصاب پر سوار ہو رہی تھی۔ نہانے کے بعد اسے اگرچہ اپنا وجود بہت بڑھا تھا مگر اس کی فہمت ختم نہیں ہوئی تھی۔

نوڈ لڑکھڑاتے کے دوران اس نے ٹی وی آن کر دیا اور جینٹل سرچ کرنے لگا۔ ایک جینٹل پر آئے والا ناک بخار دیکھتے ہوئے اس نے ریموٹ رکھ دیا اور ایک بار پھر نوڈ لڑکے پیالے پر جھک گیا۔ اس نے ابھی نوڈ لڑکا دو گرا چھوڑنے میں رکھا ہی تھا کہ وہ بے اختیار ڈک گیا۔ ابھی ہوئی نظروں سے ناک بخار کو دیکھتے ہوئے اس نے ریموٹ کو ایک بار پھر اٹھالیا۔ ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے وہ ایک بار پھر جینٹل سرچ کرنے لگا مگر اس بار وہ ہر جینٹل کو پہلے سے زیادہ غور کر دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرے کی آنکھیں بڑھتی جا رہی تھیں۔

”یہ کیا ہے؟“ وہ بڑبڑایا۔

اسے ابھی طرح یاد تھا وہ جس کی رات کو سڑک پر بے ہوش ہونے کے بعد ہاسپٹل گیا تھا۔ ہسپتال کا سارا دن اس نے وہیں گزارا تھا اور اتوار کی سہ پہر کو وہ ایس آ گیا تھا۔ اتوار کی سہ پہر کو سونے کے بعد وہ اگلے دن صبح کے قریب اٹھا تھا۔ پھر اسی رات اسے بخار ہو گیا تھا۔ شاید اس نے منگل کا سارا دن بخار کی حالت میں گزارا تھا اور اب پھر بخار منگل کی رات تھی، مگر ٹی وی جو مختصر اسے کچھ اور بتا رہے تھے۔ وہ ہسپتال کی رات تھی اور انکا طلوع ہونے والا دن اتوار کا تھا۔

اس نے اپنی رستہ واقع پر ایک نظر دوڑائی جو لوگ روہم کی میز پر بیٹھے تھے۔ اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اس نے نوڈ لڑکا پیالہ میز پر رکھ دیا ایک ٹیٹ ہی جیسے اس کی بھوک اڑ گئی تھی۔ وہاں موجود سارا رخ نے اسے جیسے ایک اور بھوکا بنا دیا تھا۔

”کیا مطلب ہے، کیا میں پانچ دن بخار میں جھکا رہا ہوں۔ پانچ دن ہوش و حواس سے بے خبر رہا ہوں؟“ اس نے کہہ کر ہنسنے لگا۔ ”یہ کیسے ممکن ہے؟“ وہ بڑبڑا رہا تھا۔

”پانچ دن پانچ دن تو بہت ہوتے ہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ مجھے پانچ دن گزارنے کا پتہ ہی نہ

پلے..... میں پانچ دن تک اس طرح بے ہوش کیسے رہ سکتا ہوں۔"

وہ لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ تیزی سے answerphone کی طرف بڑھ گیا، فون پر اس کے لئے کوئی کاروبار پیغام نہیں تھا۔

"پاپا نے مجھے کوئی کال نہیں کی اور..... سب کو کیا ہو گیا..... کیا میں انہیں یاد نہیں رہا۔"

اسے جیسے کوئی پیغام نہ پا کر شک لگا تھا۔ وہ بہت دیر تک بالکل ساکت فون کے پاس بیٹھا رہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پاپا کو میرا خیال ہی نہ رہا ہو، یا کسی اور طریقہ کو..... یا پھر کسی اور کو..... اس طرح مجھے کیسے چھوڑ دیا انہوں نے اور اس وقت اسے پہلی بار احساس ہوا کہ اس کے ہاتھ ایک بار پھر کھپا رہے تھے۔ وہ طاقت یا کمزوری نہیں تھی پھر وہ کیا تھا جو اسے کاپٹنے پر مجبور کر رہا تھا، وہ آجھ کر وہیں مومن کی طرف چلا آیا۔

نوزل کے پیالے کو ہاتھ میں لے کر وہ ایک بار پھر انہیں کھانے لگا اس بار فون میں چند منٹ پہلے کا آواز بھی شمع جو چکا تھا۔ اسے لگا وہ بے ذائقہ روہ کے چند نرم ٹکڑوں کو چہا رہا ہے۔ چند مچھ لپٹنے کے بعد اس نے پیالہ دوبارہ بخمبل پر رکھ دیا۔ وہ اسے کھا نہیں پارہا تھا۔ وہ اب بھی عجیب سی بے چینی کی گرفت میں تھا۔ کیا واقعی وہ پانچ دن یہاں اکیلا اس طرح گزار رہا تھا کہ اسے خود اپنے بارے میں پتا تھا اور نہ ہی کسی اور کو۔

وہ ایک بار پھر دواش روم میں چلا گیا۔ اس کا چہرہ کچھ دیر پہلے جیسا نہیں لگ رہا تھا نہ اسے وہ کچھ پھر نہ کیا تھا مگر اس کی شیوہ اور آنکھوں کے گرد بڑے ہوئے جھٹکے اب بھی اسی طرح موجود تھے۔ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر وہ کچھ دیر تک اپنی آنکھوں کے گرد بڑے ہوئے جھٹکوں کو چھو رہا ہوں جیسے اسے یقین نہ آ رہا ہو کہ وہ واقعی وہاں موجود تھے یا پھر اس کا ذہن ہے۔ اسے ایک دم اپنے چہرے پر سمجھ و بالوں سے وحشت ہوئے لگا تھی۔

وہیں کھڑے کھڑے اس نے شیوہ تک کٹ نکالی اور شیوہ کر لے لگا۔ شیوہ کرتے ہوئے اسے ایک بار پھر احساس ہوا کہ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ یکے بعد دیگرے اسے تین ٹکٹے لگے۔ اس نے شیوہ کے بعد اپنا چہرہ دھویا اور اس کے بعد تو لیے سے آئینے میں اپنے آپ کو دیکھتے ہوئے اسے خشک کرنے لگا۔ جب اسے ان زخموں سے رستے ہوئے خون کا احساس ہوا اس نے چہرے کو تولیے سے شہتہا نماند کر دیا۔

قالی الفانی کے عالم میں وہ آئینے میں اپنے چہرے کو دیکھنے لگا۔ اس کے گالوں پر آہستہ آہستہ ایک بار پھر خون کے قطرے نمودار ہو رہے تھے۔ مگر اس پر غور نہ کیا۔ وہ چمکے چمکے بغیر ان قطروں کو دیکھتا رہا۔ تینا نئے نئے سرخ قطرے۔

"What is next to estuey"

"Pain"

سرد اور عدم آواز آئی۔ دو چکر کے بت کی طرح ساکت ہو گیا۔

"What is next to pain"

"Nothingness"

اسے ایک ایک لفظ یاد تھا۔

"Nothingness"

"وہ آئینے میں اپنے آپ کو دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ اس کے گالوں کی حرکت سے خون کے قطرے اس کے گالوں پر گھسٹنے لگے۔

"And what comes next to nothingness"

"Hell"

سالار کو ایک دم اچانک آئی۔ وہ دواش روم میں بے اختیار رو رہا ہو گیا۔ چند منٹ پہلے کھائی گئی خوراک ایک بار پھر باہر آنکی تھی۔ اس نے غل کھولی دیکھ اس نے اس کے بعد کیا ہوا تھا۔ اس نے اس کے جواب میں کیا تھا۔ اسے یاد تھا۔

"ابھی تمہیں کوئی چیز کچھ میں نہیں آ رہی۔ ابھی آئے گی بھی نہیں۔ ایک وقت آئے گا جب تم سب کچھ سمجھ جاؤ گے۔ ہر شخص پر ایک وقت آتا ہے جب وہ سب کچھ سمجھ لگتا ہے جب کوئی مودہ مودہ نہیں رہتا۔ میں اس دور سے گزر رہی ہوں۔ تم پر وہ دور آئندہ بھی آئے گا۔ اسی کے بعد تم دیکھنا۔ کیا تمہیں پتی آتی ہے۔"

سالار کو ایک اور اچانک آئی اسے اٹھا آنکھوں سے پانی بہتا ہوا محسوس ہوا۔

"زندگی میں ہم کبھی نہ کبھی اس مقام پر آ جاتے ہیں جہاں سارے رشتے ختم ہو جاتے ہیں نہ دہاں صرف ہم ہوتے ہیں اور اللہ ہوتا ہے۔ کوئی ماں باپ کوئی بہن بھائی، کوئی دوست نہیں ہوتا۔ پھر ہمیں پتا چلتا ہے کہ ہمارے بھروسے والے نیچے زمین ہے نہ ہمارے سر کے اوپر کوئی آسمان، ابس صرف ایک اللہ ہے جو ہمیں اس ظالم میں بھی ختم سے ہونے ہے۔ پھر پتا چلتا ہے ہم زمین پر پڑی مٹی کے ذہیر میں ایک ذرت یا ذرشت پر لگے ہوئے ایک پتے سے زیادہ کی وقعت نہیں رکھتے۔ پھر پتا چلتا ہے کہ ہمارے ہونے یا نہ ہونے سے صرف ہمیں فرق پڑتا ہے۔ صرف ہمارا گرد و ختم ہو جاتا ہے۔ کائنات میں کوئی تبدیلی نہیں آتی کسی چیز کو کوئی اثر نہیں پڑتا۔"

سالار کو اسے سینے میں تجب سرد و محسوس ہوا تھا۔ اس نے جپتے ہوئے پانی کو منہ میں ڈالا اسے ایک بار پھر اچانک آئی۔

”وہ سمجھتا تھا۔“

”کم از کم اب تو ٹھیک ہو چکا ہوں پھر آخر اب مجھے کیا تکلیف ہے کہ میں اس طرح موت کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ آخر پہلے بھی تو کئی بار بیمار ہو چکا ہوں۔ خود بخود بھی کی کوشش کر چکا ہوں۔ جب مجھے کسی خوف نے جک نہیں کیا تو آخر اب کیوں مجھے اس طرح کے خوف تک کرنے لگے ہیں۔“

اس کی آنکھیں اور اضطراب میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

”اور پھر مجھے تو بخار کی وہ تکلیف ٹھیک سے یاد بھی نہیں۔ میرے لئے تو یہ صرف خواب یا کوئی طرح ہے۔ اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔“ وہ مسکراتے کی کوشش کرتا۔

”کیا سچ ہے جو مجھے پریشان کر رہی ہے۔ کیا بخاری؟ یا پھر یہ بات کہ کسی کو میری ضرورت نہیں پڑی۔ کسی کو میری یاد نہیں آئی۔ خیال تک نہیں میرے اپنے لوگوں کو بھی۔ میرے بھائی میرز کو۔“

وہ سنتوں کو۔۔۔۔۔

”مائی گا۔۔۔۔۔“ ”تھیں کیا ہو اسے سالار؟“ ”یہ یورپی بھلے ہی پہلے ہی دن سینڈ رائے اسے دیکھتے ہی کہا۔“

”مجھے کچھ بھی نہیں ہوا۔“ سالار نے مسکراتے کی کوشش کی۔

”تم بیمار رہے ہو؟“ اسے تشویش ہوئی۔

”ہاں تھوڑا بہت۔“

”مگر مجھے تو نہیں لگنے کہ تم قہوڑے بہت بیمار رہے ہو۔ تمہارا وزن کم ہو گیا ہے اور آنکھوں کے گرد جھٹ پڑے ہوئے ہیں۔ کیا بخاری سچی تھیں؟“

”کچھ نہیں، قہوڑا سا بخار اور نوز پوز انگ۔“ وہ بھرپور مسکرایا۔

”تم پاکستان گئے ہوئے تھے؟“

”نہیں، یہیں تھا۔“

”مگر میں نے تو تمہیں نیویارک جانے سے پہلے کئی بار رگ کیا۔“ ”یہ۔۔۔۔۔“ ”answerphone“ کی ملا۔ تم یہ کیا کر رہا ہے کہ تم پاکستان جا رہے ہو۔“

”جسٹ اسٹاپ اس!“ ”وہ بہ اختیار سمجھایا۔“ ”سوال پر سوال کرتی جا رہی ہو نہ۔“

”یہ تو راجہ جیانی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔“ ”تم میری بھئی تو نہیں ہو کہ اس طرح بات کر رہی ہو مجھ سے؟“

”سالار کیا ہوا؟“

”کچھ نہیں ہو، تم بس قسم کرو کہ یہ مرادی بات کیا ہوا؟ کیوں ہو؟ کیا ہوا؟ کیوں رہے درہن۔“

”سینڈ رائے بول نہیں سکی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس طرح رتی ایکٹ کرے گا۔“

”سینڈ رائے دن اس سے یہ سارے سوال پوچھنے والی آگئی نہیں تھی۔ اس کے تمام دوستوں اور جاننے والوں نے اسے دیکھتے ہی کچھ اسی طرح کے سوال، تبصرے یا تاثرات دیئے تھے۔“

”وہ دن قسم جو نے تک ہری طرح سمجھلاہٹ کا شکار ہو چکا تھا اور کسی حد تک مشتعل بھی۔ وہ کم از کم ان سوالوں کو سننے کے لئے یہ یورپی نہیں آیا تھا۔ اس طرح کے تبصرے اسے بار بار یاد دہانی کر رہے تھے کہ اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ غلط ضرور ہو چکا ہے اور وہ ان احمقانہ بات سے بچتا رہنا چاہتا تھا۔“

باب ۵

”مووی دیکھنے کا پروگرام ہے اس ایک اینڈ پر، چلو گے“ والش اس دن اس کے پاس آیا

ہوا تھا۔

”ہاں، چلوں گا۔“ سالار تیار ہو گیا۔

”پھر تم چار دہائی میں تمہیں پک کر لوں گا۔“ والش نے پروگرام طے کیا۔

والش پروگرام کے مطابق اسے لینے کے لئے آیا تھا۔ وہ کئی ہفتوں کے بعد کسی سنیما میں مووی دیکھنے کے لئے آیا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کم از کم اس رات وہ ایک اچھی تفریح میں کچھ وقت گزار سکے گا مگر مووی شروع ہونے کے دس منٹ بعد اسے وہاں بیٹھے بیٹھے اچانک شدید قسم کی گھبراہٹ ہونے لگی۔ سامنے اسکرین پر نظر آنے والے کردار اسے کھپٹیاں نظر آنے لگے جن کی حرکات اور آوازوں کو وہ گھٹے سے قاصر تھا۔ وہ کچھ بھی کہے بغیر بہت آہستگی سے اٹھ کر باہر آ گیا۔ وہ پارکنگ میں بہت دیر تک

والش کی گاڑی کے بوٹ پر بیٹھا، پھر ایک لمبی لے کر اپنے اپارٹمنٹ پر واپس آ گیا۔

☆.....☆.....☆

پروفیسر روٹسن اپنے لیجر شروع کر چکے تھے۔ سالار نے اپنے سامنے بڑے بچے پر تارخ اور ٹاپک لکھا۔ وہ اکٹاکب Recession کے حوالے سے بات کر رہے تھے۔ سالار ہمیشہ کی طرح ان پر نظر میں جمانے ہوئے تھا مگر اس کا ذہن غیر حاضر تھا اور یہ اس کے ساتھ زندگی میں پہلی بار ہوا تھا۔ وہ انہیں دیکھتے ہوئے کہیں اور پہنچ گیا تھا۔ کہاں وہ یہ بھی نہیں بتا سکتا تھا۔ ایک ایچ سے دوسرے ایچ، دوسرے سے تیسرے۔ ایک سین کے دوسرے دوسرے سے تیسرے۔ ایک آواز سے دوسری دوسری سے تیسری..... اس کا سفر کہاں سے شروع ہوا، کہاں نہیں۔

”سالار! چنا نہیں ہے۔“ سینڈ رائے اس کا کندھا جاپایا۔

وہ چونک گیا، کھاس خالی تھی، صرف سینڈ رائے اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے بے چینی سے خالی کلاس کو اور پھر وہاں کھاک کو دیکھا پھر اپنی رستہ واضح کر۔

”پروفیسر روٹسن کہاں گئے؟“ بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

”کلاس ختم ہو گئی، وہ چلے گئے۔“ سینڈ رائے کچھ حیران ہوئے ہوئے اسے دیکھا۔

”کلاس ختم ہو گئی؟“ اسے جیسے یقین نہیں آیا۔

”ہاں!“ سالار نے بے اختیار اپنی آنکھوں کو مسلا اور پھر اپنی سیٹ کی پشت سے ٹپک نکالی۔ واحد

چیز جو اسے پروفیسر روٹسن کے لیجر کے بارے میں یاد تھی، وہ صرف ٹاپک تھا۔ اس کے بعد وہ نہیں جانتا تھا کہ انہوں نے کیا کیا تھا۔

”تم کچھ اپ سیٹ ہو؟“ سینڈ رائے پوچھا۔

”نہیں، کچھ نہیں۔ میں کچھ دیر کے لئے یہاں آگیا بیٹھنا چاہتا ہوں۔“

”اوکے۔“ سینڈ رائے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور اپنی چیزیں اٹھا کر باہر چلی گئی۔

وہ اپنے سینے پر ہاتھ باندھے سامنے نظر آنے والے رائٹنگ بورڈ کو دیکھنے لگا۔ آج یہ تیسری کلاس تھی جس میں اس کے ساتھ یہ ہوا تھا۔ اس کا خیال تھا یونہی رٹنی دوبارہ جو امن کرنے کے بعد سب کچھ معمول پر آ جائے گا وہ پڑیشن کے اس فکرتے باہر آ جائے گا جس کا وہ جب فکرتا تھا مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ یونیورسٹی میں بھی مکمل طور پر اسی ذہنی انتشار کا شکار تھا جس میں وہ اپنے دلوں سے غما کیلی بار اس کا دل چڑھائی سے بھی اچھا تے ہو رہا تھا۔ وہاں ہر چیز اسے مسوئی لگ رہی تھی۔ وہ زندگی میں پہلی بار صحیح بیٹوں میں پڑیشن کا شکار ہوا تھا۔ اسلئے، یونیورسٹی، فریڈر، کلب، ہارٹن، ریٹورٹنس، میر و تفریح، ہر چیز اس کے لئے بے معنی ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے دوستوں سے ملنا تک دم چھوڑ دیا۔ answerphone پر اکثر اس کا

پیغام ہوتا کہ وہ گھر پر نہیں ہے۔ وہ فریڈز کے اصرار پر ان کے ساتھ نہیں جانے کا پروگرام بنالیا اور پھر ایک دم جانے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ جانا تو کسی وقت بھی بغیر بتائے اٹھ کر وہاں پہنچا تاہم وہ خود سنی میں بھی نہیں گیا کہ ہاتھ ایک دن جاتا تو وہ دن غائب رہتا۔ ایک چرچہ لیا، اگلے روز پھر یہی ہو رہا تھا۔

اپنے اپارٹمنٹ میں بھی کبھی کبھار دو سارا دن بند پر لٹے ہوئے گزار دیتا بعض دفعہ دو قلم دیکھتا شروع کرتا اور زیادہ روٹھنے کے بعد بھی اس کی جگہ میں یہ نہیں آتا کہ وہ کیا دیکھ رہا ہے۔ لیکن وہی جھوٹا کھانے ہوئے وہ اسی کیفیت کا فکھ رہتا۔ اس کی جھوک بالکل ختم ہوئی تھی۔ وہ کوئی چیز کھانا شروع نہ کرتا اور پھر ایک دم اس کا دل ادب جاتا۔ وہ اسی طرح اسے چھوڑ دیتا بعض دفعہ وہ پوچھتا کہ وہاں کچھ بھی نہیں کھاتا تھا۔ صرف یکے بعد دیگرے کافی کے کپ اپنے اندر اٹھاتا رہتا۔

وہ جیسے اسو کر نہیں تھا مگر ان دنوں میں گیا تھا۔ وہ اپنی چیزیں بہت قریب سے رکھنے کا عادی تھا مگر ان دنوں اس کا پارٹنر کنگ کی مثال تھا اور اسے ان ٹھکری ہوئی چیزوں کو کچھ نہ کوئی اٹھیں نہیں ہوتی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھ بھائیوں اور والدین سے بھی گفتگو بہت مختصر کر دی تھی۔ وہ فون پر نہ لے رہے وہ دوسری طرف کچھ بھی کہنے بغیر خاموشی سے منتظر ہوتا ہوں ہاں میں جواب دے دیتا۔ اس کے پاس انہیں بتانے کے لئے ان کے ساتھ شیئر کرنے کے لئے ایک دم سب کچھ ختم ہو گیا تھا اور اسے ان میں سے ایک بات کی بھی وجہ معلوم نہیں تھی۔

اور اسے یہ بات بھی معلوم تھی کہ اس کی ان تمام کیفیات اور حالت کا تعلق امام باشم سے ہے نہ وہ اس کی زندگی میں آتی نہ اس کے ساتھ یہ سب کچھ ہوتا۔ پہلے وہ اسے تائید کرتا تھا اب اسے امام سے نفرت ہونے لگی تھی۔ پچھتاوے کا جو ہلکا سا احساس کچھ عرصہ اس کے ساتھ رہا تھا وہ غائب ہو گیا تھا۔ "اس کے ساتھ جو ہو وہ ٹھیک ہو۔ میں نے اس کے ساتھ جو کیا، ٹھیک کیا۔ اس کے ساتھ اس سے زیادہ برا نہ ہوتا چاہئے تھا۔"

وہ خود بخود ہی اپنے آپ سے کہتا رہتا۔ اسے امام باشم کی زبان سے نکلے ہوئے ہر لفظ، ہر حرف، ہر جملے سے نفرت تھی۔ اسے اس کی باتیں یاد آتی اور اس کی نیند غائب ہو جاتی۔ ایک عجیب سی وحشت اسے گھیر لیتی۔ اس نے اس رات جن باتوں کا مذاق اڑایا تھا، وہ اب ہر وقت اس کے کانوں میں گونجنے لگی تھیں۔

"کیا میں بالکل بوجھ رہا ہوں، کیا میں اپنے ہوش و حواس آہستہ آہستہ کھوتا جا رہا ہوں، کیا میں شیئر فریڈ کا دکھار ہوں۔" بعض دفعہ اسے جیسے بٹھائے غرت محسوس ہونے لگتا۔ ہر چیز کی بے مقصدیت جو جتنی جارہی تھی۔ ہر چیز کی بے مقصدیت اور عیاں ہو رہی تھی۔ وہ کون تھا، کیا تھا کیوں تھا، کہاں کھڑا تھا، کیوں کھڑا تھا؟ اسے ہر وقت یہ سوالات ٹھک کرنے لگے۔ کیا ہو گا اگر میں

Yes سے ایک ایسی بات کی ڈگری لے لوں گا۔ بہت اچھی جا ب ل جائے گی، کوئی فیکٹری شروع کر لوں گا پھر۔ کیا یہ دو کام تھا جس کے لئے مجھے زمین پر اتار دیا۔ ۱۵۰ آئی کیو لیول کے ساتھ۔ کہ میں چند اور ڈگریاں لوں، شاید اس بار میں کڑوں، شاید ہی کروں، بچے پیدا کروں، پیش کروں پھر مر جاؤں، میں۔

اس نے زندگی میں چار دفعہ صرف اپنے جنس کے لئے موت کے تجربے سے گزرنے کی کوشش کی تھی مگر اب شدید فوجیشن کے عالم میں بھی وہ خود کشی کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔ چونکہ کھلے موت کے بارے میں سوچنے کے بارے میں وہاں سے چھوٹا نہیں چاہتا تھا۔

لیکن اگر اس سے کوئی یہ پوچھ لیتا کہ کیا وہ زندہ رہنا چاہتا ہے تو وہ ہاں میں جواب دیتے میں بھی جمل کرتا۔ وہ زندہ رہنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ وہ زندگی کے مفہوم کو نہیں جانتا تھا۔ وہ مرنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ وہ موت کے مفہوم سے بھی واقف نہیں تھا۔

وہ کبھی غلام نہیں مطلق تھا کسی درمیان والی جگہ میں کسی سچ والی کیفیت میں۔ زندہ رہتے ہوئے مرد اور مردہ ہوتے ہوئے زندہ۔ دوسری شری کی اعتبار پر پہنچ رہا تھا۔ لہ۔ ۱۵۰ آئی کیو لیول کے والدہ افسوس جو اپنے سامنے کئی اور کئی جگہ والی کوئی بھی چیز نہیں بھلا سکتا تھا۔ مگر یہ کھانا اڑاتے، بڑے کھانے لیتے، ٹائم کلب میں رخصت کرتے، بیٹے ریسٹورنٹ میں ڈنر کرتے، اپنی گول فریڈ کے ساتھ رات گزارتے۔ وہ صرف ایک بات سوچتا رہتا تھا۔

کیا زندگی کا مقصد یہی ہے؟
"پیش اور آسائش۔۔۔۔۔ شاید اس لباس، بہترین خوراک، اعلیٰ ترین سہولتیں۔ ساتھ ستر سال کی ایک زندگی اور پھر؟"

اس کے بعد اس پھر کا کوئی جواب نہیں ہوتا تھا مگر اس "پھر" کی وجہ سے اس کی زندگی کے معمولات بگڑ گئے تھے۔ دور رس، رفتہ رفتہ خرابی کا دکھار ہو رہا تھا اور یہ ان ہی دنوں تھا کہ اس نے اچانک مذہب میں دلچسپی لینا شروع کی۔ وہ بعض سے کھات کے لئے وہ بہت سے لوگوں کو بہکا کام کرنے دیکھتا تھا۔ اس نے بھی یہی کام شروع کر دیا۔ وہ ان نے اسلام کے بارے میں کچھ کتابیں پڑھنے کی کوشش کی۔ تمام کتابیں اس کے سر کے اوپر سے گزر گئیں۔ کوئی لفظ، کوئی بات اسے اپنی طرف نہیں کھینچ رہی تھی۔ وہ خود پر جبر کر کے چند سہولیات پر دستار دہان کتابوں کو کھ دیتا۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد پھر اٹھاتا پھر دیکھ دیتا۔ "نہیں، شاید مجھے عملی طور پر عبادت شروع کرنی چاہئے۔ اس سے ہو سکتا ہے کہ مجھے کچھ فائدہ ہو۔"

وہ اپنے آپ کو تو وہی سمجھتا تھا اور ایک دن جب وہ مسجد کے پاس تھا تو اس نے یہی کیا۔
"میں بھی چلتا ہوں تمہارے ساتھ۔" اس نے سعد کو ہاتھ پکڑنے کے لیے کہا۔

"مگر میں تو عشاء کی نماز پڑھنے جا رہی ہوں۔" سعد نے اسے یاد دہانی کروائی۔

"میں جانتا ہوں۔" اس نے اپنے جاگرو کے تھے کئے ہوئے کہا۔

"میرے ساتھ مسجد چلو گے؟" دو حیران ہوئے۔

"ہاں۔" وہ کھڑا ہو گیا۔

"نماز پڑھنے کے لئے؟"

"ہاں" سالار نے کہا۔ "اس طرح دیکھنے کی کیا ضرورت ہے، میں کافر تو نہیں ہوں۔"

"کافر تو نہیں ہو مگر۔۔۔ چلو خیر، پڑھ لینا آج۔" سعد نے کچھ کہتے کہتے بات بدل دی۔

"میں تو جیسے پہلے ہی کئی بار ساتھ چلتے ہوئے لے کر چکا ہوں۔"

سالار نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ خاموشی سے چلتے ہوئے اس کے ساتھ باہر آ گیا۔

"اب اگر آج مسجد جاتی رہے ہو تو پھر جاتے رہنا۔ یہ نہ ہو کہ بس آج پہلا اور آخری وزٹ ہی

ہو۔" سعد نے غارت سے باہر نکلے ہوئے اس سے کہا۔ باہر اس وقت برف باری ہو رہی تھی۔ مسجد،

دبائش کی عمارت سے کچھ فاصلے پر تھی۔ وہ ایک مصری خاندان کا گھر تھا جس کا پتلا حصہ مسجد کے طور پر ان

لوگوں نے استعمال کے لئے دیا ہوا تھا جبکہ اوپر والے حصے میں وہ لوگ خود رہتے تھے۔ بعض دفعہ وہاں

نمازیوں کی تعداد بیس بچوں اور چالی مگر زیادہ تر یہ تعداد دس پندرہ کے درمیان ہی رہتی تھی۔

مسجد مسجد تک پہنچنے تک سالار کو ان تفصیلات سے آگاہ کرنا پڑا۔ سالار خاموشی اور کچھ لاشعری کے

عالم میں سڑک پر احتیاط سے پھلتی گاڑیوں اور ہر طرف موجود برف کے ڈھیر پر نظریں دوڑاتا اس کے

ساتھ چلتا رہا۔

پانچ سات منٹ چلتے رہنے کے بعد ایک موڑ پر مسجد ایک گھر کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو

گیا۔ دروازہ بند تھا مگر لاک نہیں تھا اور سعد نے دروازے پر دستک دی تھی، ابھی کسی سے اجازت مانگی

تھی۔ بڑے مانوس سے اندر میں اس نے دروازے کا پھندل کھولا اور پھر اندر داخل ہو گیا۔ سالار نے

اس کی پیروی کی۔

"تم وہ شوگر لو۔" سعد نے اچانک اسے مخاطب کیا اور پھر اسے ساتھ لے کر ایک دروازہ کھول کر

ایک باتھ روم میں داخل ہو گیا۔

مسجد کی زیر گرائی جب تک وہ وضو کے آخری حصے تک پہنچا، ٹھنڈی پانی گرم میں تبدیل ہو چکا تھا۔

اپنے ہاتھوں کا سچا کرتے کرتے وہ ایک بار پھر شکا۔ سعد سمجھا اسے صحیح طریقہ نہیں، اس نے ایک بار پھر

اسے ہدایت دی۔ وہ خالی الذہنی کے عالم میں اپنے ہاتھوں کو ایک بار پھر حرکت دینے لگا۔

گھڑی تک ہاتھ پیچھرتے ہوئے اس کا ہاتھ گردن میں موجود زنجیر سے ٹکرایا تھا۔ اس کی نظر بے اختیار

جانتے آگئے میں گئی۔ وہ ایک بار پھر کہیں اور پہنچ چکا تھا۔ سعد نے اس سے کچھ کہا تھا۔ اس بار اس نے

نہیں سنا۔

کمرے میں موجود دس افراد دو صلوں میں کھڑے ہو رہے تھے۔ وہ سعد کے ساتھ کچھل صوف میں

کھڑا ہو گیا۔ امام صاحب نے امامت شروع کر دی، سب کے ساتھ اس نے بھی نیت کی۔

"نماز سے واقعی سکون ملتا ہے؟" اس نے کوئی دو منٹ پہلے ایک لڑکے کو نماز کے مسئلے پر سعد کے

ساتھ بحث میں اکھٹا پایا تھا۔

"جیسے تو ملتا ہے۔" سعد نے کہا تھا۔

"میں تمہاری بات نہیں کر رہا۔ میں سب کی بات کر رہا ہوں، سب کو ملتا ہے؟" اس لڑکے نے

کہا تھا۔ "یہ مختصر ہے کہ سب کتنا اٹوا ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔"

سالار بڑے آگے بڑھے ہوئے انداز میں ان کی بحث کسی حدت یا تبصرے کے بغیر سن رہا تھا۔ اس

وقت وہ شعوری طور پر نماز میں انہماک پیدا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"سکون؟ میں واقعی دیکھنا چاہتا ہوں کہ نماز سے سکون کیسے ملتا ہے۔" اس نے رکوڑ میں جاتے

ہوئے اپنے دل میں سوچا پھر اس نے پہلا سجدہ کیا۔ اس کے اضطراب اور بے چینی میں ایک بے ایک اضافہ

ہو گیا۔ جن الفاظ کو وہ امام صاحب کی زبان سے سن رہا تھا، وہ بہت نامانوس لگ رہے تھے جو لوگ اس کے

ارد گرد کھڑے تھے وہ اسے نا آشنا لگ رہے تھے، جس ماحول میں وہ موجود تھا وہ اسے غیر قطری لگ رہا تھا

اور جو کچھ وہ کر رہا تھا وہ اسے مخالفت محسوس ہو رہی تھی۔

ہر سجدے کے ساتھ اس کے دل و دماغ کا بوجھ بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے پہلی بار رکعتیں بمشکل پختہ

کیں۔ سلام پھیرنے کے دوران اس نے اپنے دائیں جانب دھلے لوہیز عرصے کے کالوں پر آنسو

دیکھے، اس کا دل وہاں سے ہٹا کر جانے کو چاہا۔ وہی کڑا کر کے ایک بار پھر کھڑا ہو گیا۔ اس نے ایک بار

پھر نماز میں پوری طرح متنبہ ہونے کی کوشش کی۔

"اس بار میں پڑھی جانے والی آیات کے ہر فقرہ پر غور کروں گا۔ شاید اس طرح۔۔۔" اس کی سوچ

کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ نیت کی جارہی تھی۔ اس کا دل مزید اچانے ہو گیا۔ سر کا بوجھ بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے

آیات کے مفہوم پر غور کرنے کی کوشش کی۔

"الحمد لله رب العالمین۔" سورۃ فاتحہ کی عبادت شروع ہوئی۔

"الرحمن الرحیم۔" اس نے توجہ مرکوز رکھنے کی پوری کوشش کی۔

"مالک يوم الدين۔" توجہ بٹ گیا۔

"ایک لہجہ دیا کہ دشمنین۔" اسے سورۃ فاتحہ کا تہہ آتا تھا۔ اس نے چند دہائی پہلے ہی پڑھا تھا۔

"احمد ناالصبر! استقیم۔" (سید حارثہ اس نے ذہن میں دہرایا۔

"صراحتاً استقیم۔۔۔ سید حارثہ اس نے اس کا دل چاہا وہاں سے بھاگ جائے۔ اس نے وہاں لہاز جاری رکھنے کی ایک آخری کوشش کی۔

"صراحتاً اللہ تعالیٰ العزت۔ اس کا ذہن ایک بار پھر پیچھے گیا۔

"علیہم خیر المصطفیٰ علیہم والصلیٰ۔" اس نے اپنے بندھے ہوئے ہاتھ کھولے وہ آخری صف میں کھڑا تھا بہت آہستگی سے چند قدم پیچھے گیا اور صف سے نکل گیا۔

"یہ کام میں نہیں کر سکتا، میں لہاز نہیں پڑھ سکتا۔" اس نے جیسے اعتراض کیا۔ بہت خاموشی کے ساتھ وہ اور پیچھے ہوتا گیا۔ باقی لوگ اسے دیکھ رہے تھے وہ مزکر دے قدموں مگر تیز رفتاری سے باہر نکل آیا۔

مسجد سے اٹھتے ہوئے اس کے ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھے۔ صاحب دماغی کے عالم میں وہ باہر میز صیوں پر کھڑے ہو کر چند لمبے اور دھڑلے دیکھتا رہا اس کے بعد وہ میز صیوں پر کھڑا ہوا۔ پاؤں میں جراثیم اور ہاتھوں میں جاگرتہ کچلے وہ خالی الذہنی کے عالم میں عبادت کی پختی و یاری کی طرف آگیا۔ وہاں بھی ایک دروازہ اور کچھ میز صیوں نظر آ رہے تھے مگر وہ میز صیوں پر ف سے اُٹھ بیٹھا تھا۔ دروازے پر موجود لائٹ بھی روشن نہیں تھی۔ اس نے جھٹک کر سب سے اوپر والی میز می کو اپنے جاگرتہ کے ساتھ صاف کیا اور برف صاف کرنے کے بعد وہاں بیٹھ گیا۔ کچھ دیر پہلے وہ نے والی برف پاری اپنے ختم ہو چکی تھی۔ اس نے میز صی پر بیٹھ کر اپنے جاگرتہ پہن لیے۔ تھے گھسنے کے بعد وہ ایک بار میز صیوں پر جاگرتہ دروازے سے نکل نکلا کر بیٹھ گیا اس کے دونوں ہاتھ جیکٹ کی بیسیوں میں تھے۔ جیکٹ کے ساتھ لگے ہوئے sound کو دہرے پڑھا چکا تھا۔ سناٹے سڑک پر اکاڑ کا کاڑیوں کی آمد و رفت جاری تھی۔

وہ میز صیوں پر اپنی ناظمیں پھیلائے اپنی پشت دروازے سے لگا لگا کر اکاڑ کا کاڑیوں اور فٹ پاتھ پر پتلے والے لوگوں کو دیکھنے لگا۔ وہاں اس سرد اور کبر آور رات میں کچلے آسمان کے نیچے بیٹھے ہوئے وہ کچھ دیر پہلے مسجد کے گرم کمرے سے زیادہ سکون محسوس کر رہا تھا۔ کم از کم بھر سرد محسوس کر رہا تھا۔

اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر لائٹ نکال لیا اور اسے جلا کر اپنے پیروں کے قریب میز صیوں پر پڑی برف کو کھلانے لگا۔ کچھ دیر تک وہ اس سرگرمی میں مشغول رہا پھر جیسے اس نے آگ کر لائٹ دو بارہ جیب میں ڈال لیا۔ جس وقت وہ سیدھا ہوا اس نے اپنے بالکل سامنے ایک عورت کو کھڑا پایا۔ وہ یقیناً اس وقت وہاں آکر کھڑی ہوئی تھی جس وقت وہ میز صیوں پر کھٹکا اپنے دونوں پاؤں کے درمیان موجود برف کو لائٹ سے پکھلا رہا تھا۔ وہ شہنشاہی میں بھی اس کے چہرے کی مسکراہٹ کو دیکھ سکتا تھا۔ وہ منشی اسکرٹ اور ایک مختصر لٹاؤ میں ملیں تھیں۔ اس نے فرکٹ پہنا ہوا تھا مگر وہ فرکٹ آگے سے دانستہ طور پر کھلا

چھوڑا گیا تھا۔

وہ فرکٹ کی دونوں بیسیوں میں ہاتھ ڈالے سالار کے بالکل سامنے بے لنگھانگی سے کھڑی تھی۔ سالار نے سر سے لے کر پاؤں تک است و کھتا۔ اس کی لمبی ناظمیں اس سردی میں بھی برکت تھیں۔ اس کے عتب میں موجود کالوں کی دو شینوں کے یک کر اوپر میں اس کی ناظمیں یک دم بہت نمایاں ہو رہی تھیں اور اس کی ناظمیں بہت خوب صورت تھیں۔ کچھ دیر تک وہاں سے نظریں نہیں ہٹا سکا۔ اس عورت کے پیروں میں بوت فٹا ہائی ٹیل کے جوتے تھے۔ سالار حیران تھا وہ برف کے اس دھیر پر ان جوتوں کے ساتھ کس طرح چلتی ہوئی۔ "I charge 50 for an hour۔"

اس عورت نے بڑے دوستانہ انداز میں کہا۔ سالار نے اس کی ہاتھوں سے نظریں ہٹا کر اس کے چہرے کو دیکھا۔ اس کی نظریں ایک بار پھر اس کی ناگوں پر گئیں۔ کئی سالوں میں پہلی بار اسے کسی پر قریں آیا۔ کیا مجبور تھی کہ وہ اس برف پاری میں بھی اس طرح ذہن بھرنے پر مجبور تھی، جبکہ وہ اس موٹی جھڑ میں بھی سردی کو اپنا بندھاؤں میں محسوس کر رہا تھا۔ "OK 40 dollars۔"

اسے خاموشی دیکھ کر اس عورت کو اندیشہ ہوا کہ شاید وہ قیمت اس کے لئے قابل قبول نہیں تھی اس لئے اس نے فوراً اس میں کمی کر دی۔ سالار جانتا تھا چائیس ڈالرتہ بھی زیادہ تھے۔ وہ اس سڑک پر تیس ڈالرتہ میں بھی ایک تھلے کے لئے کسی لڑکی کو حاصل کر سکتا تھا۔ بیستیس چائیس سال کی تھی اور بات کرتے ہوئے تمام نظروں سے سڑک پر اوپر اوپر دیکھ رہی تھی۔ سالار جانتا تھا یہ یقیناً کسی پولیس کاویا پولیس والے کے لئے تھی۔

"Ok 30.... No more bargaining"

"take it or leave it"

سالار کی خاموشی نے اس کی قیمت کو کچھ اور کم کیا۔ سالار نے اس بار کچھ بھی کہے بغیر اپنی جیکٹ کے اندر کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور وہاں موجود چند کرنسی نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیے۔ اس کے پاس اس وقت والٹ نہیں تھا۔ اس عورت نے حیرانی سے اسے دیکھا اور پھر ان نوٹوں کو اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔ وہ پہلا گاہک تھا جو اسے اپنے والٹس پے منت کر رہا تھا اور وہ بھی پہلی اس ڈالرتہ، جبکہ وہ اپنی قیمت کم کر چکی تھی۔

"تم میرے ساتھ چلو گے یا میں تمہارے ساتھ۔" وہ اب بڑی بے تکلفی سے اس سے پوچھ رہی تھی۔

"نہ میں تمہارے ساتھ چلوں گا نہ تم میرے ساتھ۔ میں تم یہاں سے جاؤ۔" سالار نے ایک بار

بھر سڑک کے دوسری طرف موجود کالوں پر نظر جماتے ہوئے کہا۔

وہ عورت بے چینی سے اسے دیکھتی رہی۔

”واقعی؟“

”ہاں۔“ سالار نے بے تاثر لہجے میں کہا۔

”تو پھر تم نے یہ کیوں دیکھ لیا؟“ اس عورت نے اپنے ہاتھ میں جکڑے نوٹوں کی طرف

اشارہ کیا۔

”تاکہ تم میرے سامنے سے ہٹ جاؤ، میں سڑک کے اس پار دکانیں دیکھنا چاہتا ہوں اور تم اس میں رکاوٹ بن گئی ہو۔“ اس نے سرد مہری سے کہا۔

عورت بے اختیار قہقہہ لگا کر کہی۔ ”تم اچھا مذاق کر لیتے ہو، کیا میں واقعی چلی جاؤں؟“

”ہاں۔“

وہ عورت کچھ دیر استراحت دیکھتی رہی۔ ”اگے، حینک یو ہنٹی۔“ سالار نے اسے سڑک پار کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ لا شعوری طور پر اسے جانا دیکھتا رہا۔ وہ سڑک پار کر کے ایک دوسرے کو نئے کی طرف چا رہی تھی، وہاں ایک اور آدمی کھڑا تھا۔

سالار نے وہ بارہ نگاہیں ان دکانوں پر جمائیں، برف باری ایک بار پھر شروع ہو چکی تھی۔ وہ پھر بھی اطمینان سے وہیں بیٹھا رہا۔ برف اب اس کے اوپر بھی گر رہی تھی۔

وہ راست کے ڈھلانی بجے تک وہیں بیٹھا رہا جب سڑک کے پار دکانوں کی آواز کی لائنیں اس نے دیکھیں۔ بند ہوئے دیکھیں تو وہ اپنی جیکٹ اور جھڑ سے برف بھارتا ہوا ڈانٹ کھڑا ہوا۔ اگر وہ تھکے ہوئے سے وہ اپنی ٹانگیں ہلانے لگا تو اس وقت تک وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے ہاؤس پارکس ہو کر قدم اٹھانے میں اسے کچھ وقت ہوئی۔ چند منٹ وہیں کھڑا رہا اپنے پیروں کو جھٹکنا اور پھر اسی طرح جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر واپس پارکسٹ کی طرف جانے لگا۔ وہ جانتا تھا اس نے اسے مسجد سے نکل کر بہت زیادہ ڈھونڈا ہو گا اور اس کے بعد وہاں چلا گیا ہو گا۔

☆.....☆.....☆

”کہاں چلے گئے تھے تم؟“ سعد اسے دیکھنے ہی چلایا۔ وہ دیکھ کر بغیر انداز چلا آیا۔

”میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔“ سعد دروازہ بند کر کے اس کے پیچھے آگیا۔ سالار اپنی جیکٹ اتار رہا تھا۔

”کبھی نہیں گیا تھا۔“ اس نے جیکٹ لٹکاتے ہوئے کہا۔

”جہیں پتا ہے کہ میں نے جہیں کتنا تلاش کیا ہے، کہاں کہاں فون کئے ہیں اور اب تو میں دکان پر بیٹھا ہوں پکا تھا کہ پولیس کو فون کرنے والا تھا۔۔۔ تم آفراس طرح توڑ کھوڑ کر گئے کہاں تھے؟“

سالار کچھ کہے بغیر اپنے جاگڑا زائچہ لگا۔

”میں نے جہیں بتایا ہے، کبھی نہیں۔“

”تو پھر اب تک کہاں تھے؟“ سعد اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔

”وہیں تھا، مسجد کے پچھلے حصے میں فٹ پاتھ پر۔“ اس نے اطمینان سے کہا۔

”واٹ اسٹے ٹھیکے تم وہاں فٹ پاتھ پر برف میں بیٹھے رہے ہو۔“ سعد دم بخود رہ گیا۔

”ہاں۔“

”کوئی تکلفی ہے اس حرکت کی۔“ وہ کچھ جھلایا۔

”نہیں، کوئی تکلف نہیں تھی۔“ سالار نے اسی طرح سیدھا سادہ پر بیٹھے ہوئے کہا۔

”کچھ کھایا ہے؟“

”نہیں۔“

”تو کتنا ناکارو۔“

”نہیں ڈھکوک نہیں ہے۔“ وہ اب صحت پر نظریں ڈالتے ہوئے تھا۔ سعد اس کے قریب بیٹھ کر بیٹھ گیا۔

”تمہارے ساتھ آج مسئلہ کیا ہے؟ بتا سکتے ہو مجھے۔“ سالار نے گردن کو ہلکی سی حرکت دے کر استراحت کیا۔

”کوئی مسئلہ نہیں ہے۔“ بے تاثر لہجے میں کہا گیا۔ ”میں سمجھا، تم اپنے پارکسٹ چلے گئے ہو، مگر وہاں بار بار رنگ کرنے پر بھی تم نہ ملے۔“ سعد بڑبڑا رہا تھا۔ سالار کی نظریں صحت پر ہی تھیں۔

”اس سے بہتر تھا کہ میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں۔“ سالار نے کہا۔ ”آئندہ میرے ساتھ مت جانا۔“ سعد نے ناراضی سے کہا۔ وہ اب اس کے جیکٹ سے اٹھ گیا تھا۔ کچھ دیر تک وہ اپنے کام بٹانا رہا پھر وہ ٹائٹ بلب آن کر کے اپنے جیکٹ پر لیٹ گیا۔ اس نے ابھی آنکھیں بند کی تھیں، جب اس نے

سالار کی آواز سنی۔

”سعد۔“

”ہاں۔“ اس نے آنکھیں کھول دیں۔

”یہ“ ”صراطِ مستقیم“ ”کیا ہوتا ہے؟“

سالار لہجے میں پوچھنے کے سوال نے سعد کو حیران کر دیا۔ اس نے گردن موڑ کر بائیں جانب بیٹھ کر سیدھا لیٹے ہوئے سالار کو دیکھا۔

”صراطِ مستقیم..... سیدھے راستے کو کہتے ہیں۔“

”جاننا ہوں مگر سیدھا راستہ کیا ہوتا ہے؟“ اگلا سوال آیا۔

سعد نے اس کی طرف کر دتے لہوئی۔ "سید عارضہ... مطلب تنگی کا رشتہ..."

"تنگی کیا ہوتی ہے؟" "بھئی ابھی ہے چڑھتا۔"

"اچھے کام کو تنگی کہتے ہیں۔"

"اچھا کام کیا ہے؟"

"اچھا کام... کوئی ایسا کام جو کسی دوسرے کے لئے کیا گیا ہو۔ کسی کی مدد کی گئی ہو، کسی پر مہربانی کی گئی ہو، اور اچھا کام ہوتا ہے اور میرا اچھا کام تنگی ہوتی ہے۔"

"ابھی کچھ گھنٹے پہلے میں نے وہاں فٹ پاٹھ پر ایک bucket کو پچاس ڈال دیا، جبکہ وہ صرف

میں ڈال رہی تھی۔ اس کا مطلب ہے یہ تنگی ہوتی؟"

سعد کا دل چاہا اور ایک گھوٹا اس کے منہ پر چھٹکا مارنے اور عجیب آدمی تھا۔

"نکھاس بند کر اور سو جاؤ، مجھے بھی سونے دو۔" اس نے مکمل لپٹ لیا۔

سالار کو حیرت ہوئی وہ کس بات پر ناراض ہو تھا۔ "قرآن تنگی نہیں ہوتی؟"

"میں نے تم سے کہا ہے۔ اپنا منہ بند کر اور سو جاؤ۔" سعد ایک پھر دھماکا

"اتنا ناراض ہونے کی ضرورت تو نہیں ہے، اس نے تم سے ایک بہت معمولی سا سوال کیا ہے۔"

سالار نے بڑے قہر سے کہا۔

سعد ایک دم کچھ مشتعل ہوتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے لپٹ آن کر دیا۔

"تمہارے جیسے آدمی کو میں کیا صراطِ مستقیم سمجھاؤں۔ کیا تم پاگل ہو یا جاہل ہو...؟" بانیر مسلم

ہو... کیا ہو... کچھ بھی نہیں ہو۔ تمہیں خود پہنا ہونا چاہیے کہ صراطِ مستقیم کیا ہوتا ہے مگر تم جیسا آدمی

جو مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے نماز درمیان میں چھوڑ کر چلا آتا ہے وہ کیسے جان سکتا ہے یہ۔"

"میں نماز اس لئے چھوڑ کر چلا آیا کیونکہ تم کہتے ہو اس میں سکون ہے گا۔ مجھے سکون نہیں ملا، میں

چھوڑ آیا۔" اس کے پر سکون انداز میں کہے ہوئے پہلے نے سعد کو مزید مشتعل کیا۔

"تمہیں نماز میں اس لئے سکون نہیں ملا، کیونکہ مسجد تمہاری جگہ نہیں ہے، تمہارے لئے سکون کی

جگہیں سینئر، تھیں، بار اور کلب ہیں۔ مسجد تمہارے لئے نہیں ہے۔ تمہیں نماز میں سکون کہاں سے مل

جاتا۔ اور تم چاہتے ہو میں تمہیں بتاؤں صراطِ مستقیم کیا ہوتا ہے۔"

وہ بیٹھ کر سیدھا لپٹا لپٹیں بچکا لے بغیر سعد کو دیکھا ہا۔

"تمہارے جیسا شخص جو نماز سے بھاگ جاتا ہے، شراب پیتا اور زنا کرتا ہے۔ وہ صراطِ مستقیم کے

مطلب کو سمجھ سکتا ہے۔ اس پر آسکتا ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے جو شراب پیتے اور زنا کرتے ہیں مگر نماز سے بھاگتے نہیں، نماز بھی پڑھ لیتے

ہیں، وہ صراطِ مستقیم کا مطلب سمجھتے ہیں اور صراطِ مستقیم پر ہیں۔"

سعد کچھ بول نہیں سکا۔ ہم آواز اڑا رہے تھے لیکن میں کچھ ایک ہی سوال نے اسے خاموش

کر دیا تھا۔ سالار اب بھی اسی طرح اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم ان چیزوں کو نہیں سمجھ سکتے سالار؟" اس نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔ سالار کے

کانوں میں ایک جھماکے کے ساتھ ایک دوسری آواز گونج اٹھی تھی۔

"ہاں، میں واقعی نہیں سمجھ سکتا۔ لائٹ آف کر دو، مجھے نیند آ رہی ہے۔" اس نے مزید کچھ کہے

بغیر آنکھیں بند کر لیں۔

☆.....☆.....☆

"مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ تم اپنے اپارٹمنٹ پر ہی ہو گے، صرف تم نے جان بوجھ کر

answerphone لگا دیا ہو گا۔"

سعد اگلے دن دس بجے سالار کے اپارٹمنٹ پر موجود تھا۔ سالار نے نیند میں اٹھ کر دروازہ کھولا تھا۔

"تم اس طرح قہقارے بغیر بھاگ کیوں آئے میرے اپارٹمنٹ سے۔" سعد نے اندر آئے

ہوئے بھڑکا۔

"بھاگ تو نہیں، تم سو رہے تھے میں نے تمہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا۔" سالار نے آنکھیں میٹلے

ہوئے کہا۔

"کس وقت آئے تھے تم؟"

"شاید پانچ بجے۔"

"یہ جانے کا کون سا وقت تھا؟" سعد نے تنک کر کہا۔

"اور تم اس طرح آئے کیوں؟" سالار کچھ کہنے کے بجائے لوگ روم کے صوفے پر جا کر اونٹن سے

مد لیٹ گیا۔

"شاید میری باتوں سے تم ناراض ہو گئے تھے۔ میں اسی لئے ایکسکس ڈک لے آیا ہوں۔" سعد نے

روم کے صوفے پر بیٹھے ہوئے کہا۔

"کون سی باتوں سے؟" سالار نے گروں کو ہلکا سا ترچھا کرتے ہوئے اسی طرح لپٹے سعد سے پوچھا۔

"وہی سب کچھ جو میں نے کچھ فیضے میں آکر رات کو تم سے کہہ دیا۔" سعد نے معذرت خواہانہ

انداز میں کہا۔

"نہیں، میں ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر تو ناراض نہیں ہو سکتا۔ تم نے ایسی کوئی بات نہیں کی جس

پر تمہیں ایکسکس ڈک کرنے کے لئے یہاں آنا پڑا۔" سالار نے اسی کے انداز میں کہا۔

"بھر تم اس طرح اچانک میرے اپارٹمنٹ سے کیوں آ گئے؟" سعد بھڑک کر پوچھا۔
 "میں میرا دل گھبرا گیا اور میں یہاں آ گیا اور چونکہ سونا جاتا تھا اس لئے ansurphone لگا دیا۔"
 سالار نے پرسکون انداز میں کہا۔ "پھر بھی میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ مجھے تم سے اس طرح بات نہیں کرنی چاہئے تھی۔ میں تم سے بہت بچتا رہا ہوں۔"

"جانے دو اسے۔" اس نے اسی طرح چہرہ صوفے پر چسپائے کہا۔
 "سالار! تمہارے ساتھ آج کل پرانے کیا ہے؟"
 "کچھ نہیں۔"
 "نہیں، کچھ نہ کچھ تو ہے۔ کچھ عجیب ہے ہوتے چارے ہو تم۔"

اس بار سالار ایک دم گروٹ بدلتے ہوئے سیدھا ہو گیا۔ چت لینے سعد کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"مثلاً کوئی نئی بات عجیب سی ہوتی چارہ ہی ہے مجھ میں۔"
 "بہت ساری ہیں وہ تم بہت چپ چپ رہنے لگے ہو، چھوٹی چھوٹی باتوں پر اٹھنے لگے ہو۔ مگر مجھے بتا رہا تھا کہ یونیورسٹی جانا بھی بھول کر آ رہے ہو تم نے اور سب سے بڑی بات کہ مذہب میں دلچسپی لے رہے ہو۔" اس کے آخری جملے میں سالار کے ہاتھ پر چوڑیاں آ گئیں۔
 "مذہب میں دلچسپی؟" یہ تمہیں غلط فہمی ہے۔ میں مذہب میں دلچسپی لینے کی کوشش نہیں کر رہا، میں صرف سکون حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کیونکہ میں بہت ڈپریشن ہوں۔ مجھے زندگی میں کبھی اس طرح کا..... اور اس حد تک ڈپریشن نہیں ہوا جس کا ذکر میں آج کل ہوں اور میں صرف اس ڈپریشن سے نجات حاصل کرنے کے لئے رات نماز پڑھنے کے لئے چلا گیا تھا اس نے بہت ترقی سے کہا۔

"ڈپریشن کیوں ہے تمہیں؟" سعد نے پوچھا۔
 "اگر یہ مجھے پتا ہوتا تو مجھے یقیناً ڈپریشن نہ ہوتا۔ میں اب تک اس کا کچھ نہ کچھ کر چکا ہوں۔"
 "پھر بھی کوئی نہ کوئی وجہ تو ہوگی، میں بیٹھے بٹھائے ڈپریشن تو نہیں ہو جاتا۔" سعد نے تہہ کیا۔
 سالار جانتا تھا وہ ٹھیک کہہ رہا ہے، مگر وہ اسے وجہ بتا کر خود پر ہنسنے کا موقع فراہم نہیں کرنا چاہتا تھا۔
 "کبھی دوسرے کے بارے میں تو مجھے پتا نہیں، مگر مجھے تو بیٹھے بٹھائے ہی ہو جاتا ہے۔" سالار نے کہا۔

"تم کوئی اپنی ذہنی فہمت لے لینے۔" سعد نے کہا۔
 "میں ان کا ذکر کچھ نہ کرنا چاہتا ہوں، مجھے کوئی فرق نہیں پڑا۔"
 "تو تم کسی سائیکالرسٹ سے مل لینے۔"

"میں یہ کام تو کبھی نہیں کروں گا، میں تنگ آ چکا ہوں ان لوگوں سے ملنے بیٹے۔ کم از کم اب تو میں تمہیں ملوں گا۔" سالار نے بے اختیار کہا۔
 "پہلے کس مسئلے میں ملے رہے ہو تم؟" سعد نے کچھ چٹک کر تجسس کے عالم میں پوچھا۔ "بہت سی باتیں تھیں، تم انہیں رہنے دو۔" وہ اب چت لینا چاہتے ہوئے رہا تھا۔
 "تو پھر تم دیکھ کر کہ عبادت کیا کرو، نماز پڑھا کرو۔"

"میں نے کوشش کی تھی مگر میں نماز نہیں پڑھ سکتا۔ تو مجھے وہاں کوئی سکون ملا نہ ہی میں یہ جانتا تھا کہ میں جو پڑھ رہا ہوں وہ کیا ہے، کیوں پڑھ رہا ہوں۔"
 "تو تم یہ جاننے کی کوشش کرو کہ....."

سالار نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اب پھر رات والی بحث شروع ہو جائے گی، مبراہ مستقیم والی اور پھر تمہیں قصہ آئے گا۔"

"نہیں، مجھے قصہ نہیں آئے گا۔" سعد نے کہا۔
 "دب مجھے یہ ہی نہیں پتا کہ مبراہ مستقیم کیا ہے تو پھر میں لہذا کیسے پڑھ سکتا ہوں۔"
 "تم نماز پڑھا کر شروع کرو گے تو تمہیں خود ہی پتا چل جائے گا کہ مبراہ مستقیم کیا ہے۔"
 "کیسے؟"

"تم خود ہی غلط کاموں سے بچنے لگو گے، اچھے کام کرنے لگو گے۔" سعد نے وضاحت کرنے کی کوشش کی۔
 "مگر میں کوئی غلط کام نہیں کرتا اور نہ ہی مجھے اچھے کام کرنے کی خواہش ہے۔ میری زندگی نادرل ہے۔"

"تمہیں یہ احساس ہو چکی نہیں سکتا کہ تمہارا کون سا کام صحیح ہے اور کون سا غلط۔ جب تک کہ....."
 سالار نے اس کی بات کاٹ دی۔
 "صحیح اور غلط کام میرا مسئلہ نہیں ہے۔ ابھی تو مجھے بس بے سکونی رہتی ہے اور اس کا تعلق میرے کاموں سے نہیں ہے۔"

"تم وہ تمام کام کرتے ہو جو انسان کی زندگی کو بے سکون کر دیتے ہیں۔"
 "مثلاً؟" سالار نے جیسے ہوئے لہجے میں کہا۔
 "تم پورک کھاتے ہو۔"

"کم آن۔" وہ بے اختیار ابا لایا۔ "پورک یہاں کہاں آ گیا؟ تم مجھے ایک بات بتاؤ۔" سالار اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "تم تو بڑی بات چاہد گی ہے نماز پڑھتے ہو، بڑی عبادت کرتے ہو، نماز نے تمہاری زندگی میں

کون سی جدیلیاں کر دیں؟
”مجھے بے سکونی نہیں ہے۔“

”حالانکہ تمہارے فارمولے کے مطابق تمہیں بھی بے سکونی ہونی چاہئے، کیونکہ تم بھی بہت سے غلط کام کرتے ہو۔“ سالار نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

”مثلاً... میں کیا غلط کام کرتا ہوں؟“

”تم جانتے ہو، تم میرے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”میں... میں نہیں جانتا، تم ویراؤ۔“ سعد نے جیسے اسے قلعہ کیا۔

سالار اسے کچھ دیر دیکھتا رہا پھر اس نے کہا: ”میں نہیں سمجھتا سعد کہ صرف عبادت کرنے سے زندگی میں کوئی بہت نمایاں تبدیلی آئی جا سکتی ہے۔ اچھے کاموں یا کردار کا تعلق عبادت کرنے یا نہ کرنے سے نہیں ہوتا۔“

سعد نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”میں اسی لئے تم سے کہتا ہوں کہ اپنے مذہب میں کچھ دلچسپی لو، اسلام کے بارے میں کچھ علم حاصل کرو تاکہ اپنی اس غلط فہم کی غلطی اور سوچ کو بدل سکو۔“

”میری سوچ غلط نہیں ہے، میں نے مذہبی لوگوں سے زیادہ جموہوریت پر مبنی اور دھرم کے باز کسی کو نہیں پایا۔ میں ذمہ داریوں کو برا نہیں مانوں، مگر میں کچھ کہہ رہا ہوں۔ ابھی تک مجھے نہیں ایسے لوگوں سے واسطہ چڑھا جو بہت بڑے مسلمان بنے ہیں اور اسلام کی بات کرتے ہیں اور انہیں (مناقی) ہیں۔“ وہ بڑی تلخی سے کہہ رہا تھا۔

”سب سے پہلے میں ایک لڑکی سے ملاؤ، وہ بھی بڑی ذہنی بنی تھی، پردہ کرتی تھی، بڑی پادشاہ اور پاک باز، دوڑنے کا ذرا اہل کرتی تھی اور ساتھ میں ایک لڑکے کے ساتھ الیگزینڈریا تھی، اپنے منگیتز کے ہوتے ہوئے اس کے لئے گھر سے بھاگ بھی گئی۔ اسے ضرورت پڑی تو اس نے ایک ایسے شخص کی بھی مدد لی جسے وہ بہت برا سمجھتی تھی، یعنی اسے اپنے فائدے کے لئے استعمال کرنے میں کوئی عار نہیں سمجھا، ان صحیح پادشاہانوں نے۔“ اس کے لہجے پر استہزاء ایسے مسکراہٹ تھی۔

”اس کے بعد میں ایک اور آدمی سے ملا جس نے ڈاڑھی رکھی ہوئی تھی۔ بڑا کھانا اور سچا کام مسلمان تھا وہ بھی لیکن اس نے اس لڑکی کی مدد نہیں کی، جس نے اس سے بھیک مانگنے کی حد تک مدد مانگی تھی۔ اس نے اس لڑکی سے شادی نہیں کی جسے وہ محبت کے نام پر بے وقوف بنا کر ہمارا دور بھی کچھ عرصہ پہلے میں یہاں امریکہ میں اس سے ملا تو اس کی ڈاڑھی بھی عجب ہو چکی تھی، شاید اس کے اسلام کے ساتھ۔“

وہ چنبا۔ ”اور تیسرے تم ہو... تم پلو رک نہیں کھاتے، صرف یہ ایک حرام کام ہے، جو تم نہیں کرتے، باقی تمہارے لئے سب کچھ جائز ہے۔ جھوٹ بولنا، شراب پینا، زنا کرنا، کلب میں جانا... غیریت

کرنا، دوسروں کا خالق اڑانا، حالانکہ وہ جیسے تم بڑے نیک ہو، تم نے ڈاڑھی رکھی ہوئی ہے، تم ہمارا مانع تھا جانتے ہو اسلام کی باتیں کر کر کے۔“ زبردستی نماز پڑھانے پر تلے رہتے ہو، ہر بات میں مذہب کا حوالہ لے آتے ہو، یہ آیت اور وہ حدیث... دو آیت اور یہ حدیث... اس کے علاوہ تمہاری زبان پر اور کچھ ہو جانی نہیں اور جب میں تمہارا عمل دیکھتا ہوں تو میں ڈاڑھ بھر بھی تم سے متاثر نہیں ہوتا۔ کتنا مشکل ہوتا ہے اسلام کے بارے میں تمہارا بیگزینہ، میں نہیں بتا سکتا۔ مجھ میں اور تم میں زیادہ فرق تو نہیں ہے۔ تم ڈاڑھی رکھ کر اور اسلام اسلام کر کے وہ سارے کام کرتے ہو جو میں ڈاڑھی کے اور اسلام کی بات کے بغیر کرتا ہوں۔ عبادت نے کیا انقلاب برپا کیا ہے تمہاری زندگی میں، سوائے اس کے کہ تمہیں ایک خوش فہمی ہو گئی ہے کہ تم تو سیدھے جنت میں جاؤ گے اور ہم سارے دوزخ میں۔ تمہارے قول و فعل میں اگر یہ تضاد ہو تو میں سمجھتی ہوں کہ یہ سب نہ کہتا مگر میں تم سے دیکھ لیتا کہ تم کہتے ہو کہ تم دوسروں کو مذہب کی طرف راغب کرنے کی کوشش نہ کیا کرو، کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ تم خود بھی مذہب کے کچھ عقیدہ مند واقعہ نہیں ہو۔ اب میری ان ساری باتوں کو ماننا مت کرنا۔“

سالار اب ٹھیک پر چڑا ایک سگریٹ ساگار ہاتھ۔ سعد نے غور سے دیکھا کہ کیا تھا۔

”ٹھیک ہے، مجھ سے کچھ غلطیاں ہو جاتی ہیں، مگر اللہ انسان کو معاف کر دیتا ہے اور میں نے کبھی یہ تو نہیں کہا کہ میں بہت ہی اچھا مسلمان ہوں اور میں ضرور جنت میں جاؤں گا لیکن میں اگر ایک اچھا کام کرنا ہوں اور دوسروں کو اس کی بات کرنا ہوں تو یہ اللہ کی طرف سے مجھ پر فرض ہے۔“ سعد نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس سے کہا۔

”سعد! تم تو خود دو دوسروں کی ذمہ داری اپنے سر پر مت لو، پہلے اپنے آپ کو ٹھیک کرو، پھر دوسروں کو ٹھیک کرنے کی کوشش کرو تاکہ کوئی تمہیں منافق نہ کہے اور جہاں تک اللہ کے معاف کرنے کا تعلق ہے تو اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ وہ تمہاری غلطیوں کو معاف کر سکتا ہے تو پھر وہ ہمیں بھی معاف کر سکتا ہے۔ ہمارے گناہوں کے لئے تم اگر یہ سمجھتے ہو کہ لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کرنے سے تمہاری نیکیوں میں اضافہ ہو گا اور تم اپنے گناہوں سمیت اللہ کے قریب ہو جاؤ گے تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ بھرتے تم اپنا نزدیک ریکارڈ ٹھیک کرو، صرف اپنے آپ کو دیکھو، دوسروں کو ٹھیک بنانے کی کوشش نہ کرو، ہمیں برا ہی رہنے دو۔“

اس نے تڑپ سے کہا۔ اس لئے اس کے دل میں جو آیا اس نے سعد سے کہہ دیا تھا جب وہ خاموش ہوا۔ وہ اندر کچھ کر چکا تھا۔

اس دن کے بعد اس نے دوبارہ کبھی سالار کے سامنے اسلام کی بات نہیں کی۔

وہ اس ویک اینڈ پر بہت دنوں کے بعد کسی ریسٹورنٹ گیا تھا۔ اپنا آواز دہر گولٹ کروانے کے بعد وہ ریسٹورنٹ کے پیشوں سے باہر سڑک کو دیکھنے لگا۔ وہ جیسی بھیڑ پر بیٹھا تھا وہ کڑی کے قریب تھی اور قد آدم کھڑکیوں کے پیشوں کے پاس بیٹھ کر اسے پونجی عسوس ہو رہا تھا جیسے وہ باہر فٹ پاتھ پر بیٹھا ہو تھا۔

کسی لڑکی کی سسکیوں نے اس کی محویت کو توڑا تھا اس نے بے اختیار سڑک دیکھا، اس سے پچھلی میز پر ایک لڑکا اور لڑکی بیٹھے ہوئے تھے۔ لڑکی کسی بات پر روتے ہوئے سسکیاں لے رہی تھی اور لڑکے کے ساتھ اپنے آسوپہ ٹیچر رہی تھی۔ لڑکا اس کے ہاتھ کو چھو رہا تھا۔ وہ شاید اسے تسلی دے رہا تھا۔ ریسٹورنٹ اتنا چھوٹا اور فطرتی قریب قریب تھا کہ وہ بڑی آسانی سے ان کی گفتگو سن سکتا تھا مگر وہ وہاں اس کام کے لئے نہیں آیا تھا، وہ سیدھا ہو گیا۔ تاگواری کی ایک لہری اس کے اندر سے اٹھی تھی۔ اسے اس طرح کے قاتلے دھچکے نہیں گتے تھے۔ اس کا موزع خراب ہو رہا تھا وہ وہاں سکون سے بہت دقت گزارنے آیا تھا اور اب یہ سب کچھ۔ اس کا دل اچانک ہونے لگا۔ وہ دونوں دیکھ رہے تھے اور اسی زبان میں ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ وہ ایک بار پھر کڑی سے باہر دیکھنے لگا مگر غیر محسوس طور پر اس کی ہاتھیں ابھی بھی ان ہی سسکیوں کی طرف مرکوز تھیں۔ اس نے کچھ دیر بعد سڑک پر ایک بار پھر اس لڑکی کو دیکھا۔ اس بار اس کے سڑک پر لڑکی نے بھی نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ چہ گھون کے لئے ان دونوں کی نظریں ملی تھیں اور وہ چند لمحے اس پر بہت بھاری گز رہے تھے۔ اس کی آنکھیں پھول رہی تھیں اور سرخ ہو رہی تھیں۔ اسے ایک دم ایک اور چیز یاد آئی۔ اماں ہاشم کا چہرہ اس کی سترم آگئیں۔

ویٹر اس کا آہواز لے کر آچکا تھا اور وہ اسے سرو کرنے لگا۔ اس نے پانی کے چند گھونٹ پیچے جو اسے اپنے ذہن سے اس چہرے کو جھٹکنے کی کوشش کی۔ اس نے چند گھر سے سانس لے۔ ویٹر نے اپنا کام کرتے کرتے اسے خود سے دیکھا مگر رانا کھڑکی سے باہر دیکھنے میں مصروف تھا۔

”آج موسم بہت اچھا ہے اور میں یہاں اچھے لمحے گزارنے آیا ہوں، ایک اچھا لمحہ کمانے آیا ہوں۔ اس کے بعد میں یہاں سے ایک فلم دیکھنے جاؤں گا مجھے اس لڑکی کے بارے میں نہیں سونا چاہیے۔ کسی بھی طرح نہیں۔ وہ بالکل تھی، وہ بکواس کرتی تھی اور مجھے اس کے حوالے سے کسی قسم کا کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہونا چاہیے۔ مجھے کیا پتا وہ کہاں گئی، کہاں مری، یہ سب اس نے خود کیا تھا۔ میں نے صرف مذاق کیا تھا اس کے ساتھ۔ وہ مجھ سے رابطہ کرتی تو میں اسے طلاق دے دیتا۔“

لا شعور ہی طور پر خود کو سمجھاتے سمجھاتے ایک بار پھر اس کا چہرہ اس کے سامنے آنے لگا تھا۔ پیچھے بیٹھی ہوئی لڑکی کی سسکیاں اب اس کے دماغ میں بڑے کی دلی کی طرح چھو رہی تھیں۔

”میں اپنی ٹیکس تھریل کرنا چاہتا ہوں۔“ اس نے بہت کھردرے انداز میں ویٹر کو مخاطب کیا۔ ویٹر

تھران ہو گیا۔

”کس لئے سر؟“

”جاؤن دونوں کی ٹیکس تھریل کرونا میری۔“ اس نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔ ویٹر نے ایک نظر اس جوڑے کو دیکھا پھر وہ سالار کا سٹنٹ سمجھا یا نہیں مگر اس نے کولے میں لگی ہوئی ایک ٹیکس پر سالار کو بھاویا۔ سالار کو چند لمحوں کے لئے وہاں آکر واقعی سکون ملا تھا۔ سسکیاں کی آواز اب وہاں نہیں آ رہی تھی مگر اب اس لڑکی کا چہرہ اس کے بالکل سامنے تھا۔ چاہوں کا پہلا ٹیچر منہ میں ڈالنے ہی اس کی نظر اس لڑکی پر دو بار دوڑی۔

وہ ایک بار پھر بد مزہ ہو گیا اسے ہر چیز ایک دم بے ذائقہ لگنے لگی تھی۔ بے یقین اس کی ذہنی کیفیت تھی، وہ رت وہاں کا کھانا بہت اچھا ہوتا تھا۔

”انسان سختی کا شکار اور کتنی ٹیکس سکتا۔ یہ میری زبان پر ڈانٹ چکے کی مس ہے، یہ سختی بڑی قوت ہے کہ میں آکر کوئی چیز کھاتی ہوں تو میں اس کا ڈانٹ محسوس کر سکتی ہوں۔ اچھا کھانا کھا کر خوشی محسوس کر سکتی ہوں۔ بہت سے لوگ اس سختی سے بھی محروم ہوتے ہیں۔“

اس کے کانوں میں ایک آواز گونجی تھی اور یہ شاید اپنا ثابت ہوئی۔ وہ کسی آتش فشاں کی طرح جھٹ پڑا۔ اس نے پوری قوت سے تنگ اپنی پلیٹ میں تکیا اور پھر آواز بن دیا۔

”شٹ اپ، جیسٹ شٹ اپ۔“ ریسٹورنٹ میں ایک دم خاموشی چھا گئی۔

”کیو جی۔“ پیر ہاسٹرز، جیسٹ شٹ اپ۔ ”وہ اب اپنی سیٹ سے کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

”تم میرے ذہن سے نکل کیوں نہیں جاتیں؟“

دونوں تھیں وہاں پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ چلا یا۔

”میں تمہیں مار ڈالوں گا، اگر تم مجھے دوبارہ نظر آئیں۔“

وہ ایک بار پھر چلا یا اور پھر اس نے پانی کا گلاس اٹھا کر پانی پیا اور اس وقت پہلی بار اسے ریسٹورنٹ میں بیٹھے ہوئے لوگوں، ان کی نظروں کا احساس ہوا، وہ سب اسے دیکھ رہے تھے۔ ایک ویٹر اس کی طرف آ رہا تھا اس کے چہرے پر تشویش تھی۔

”آپ کی طبیعت ٹھیک ہے سر؟“

سالار نے کچھ بھی کہے بغیر اپنا الٹ لگا لگا اور چند گھنٹے ٹیکس تھریل پر رکتھ دیے۔ ایک لفظ بھی جویہ کہے بغیر دور ریسٹورنٹ سے نکل گیا۔

وہ اماں، جس تھی، ایک جھوٹے حمار اسے چمٹ گیا تھا۔ وہ جہاں جاتا تھا وہ وہاں ہوتی۔ کہیں اس کا چہرہ

کہیں اس کی آواز اور جہاں یہ دونوں بیچیں نہ ہوں وہاں سالار کا بچہ تھا وہ ایک بیچ بھولنے کی کوشش کرتا تو دوسری بیچ اس کے سامنے آکر کھڑی ہو جاتی، بعض دفعہ وہ اتنا مشتعل ہو جاتا کہ اس کا دل چاہتا وہ اسے وہاں سے ہٹا دے تو وہ اس کا گلا دبا دے یا اسے ٹوٹ کر دے۔ اسے اس کی ہر بات سے نفرت تھی۔ اس رات اس کے ساتھ سفر میں گزارے ہوئے چند گھنٹے اس کی پوری زندگی کو چم کر رہے تھے۔

☆.....☆

”مگر آپ کیوں آ رہے ہیں؟“ سالار نے جھپٹا کر اپنے سب سے بڑے بھائی سے پوچھا۔ وہ دونوں فون پر بات کر رہے تھے اور اس نے سالار کو چند دنوں بعد نیو یون آئے گی اطلاع دی تھی۔ سالار اس وقت روٹھنے کی زندگی گزار رہا تھا تو وہ اس اطلاع پر یقیناً خوش ہو جائے گا مگر وہ اس وقت اپنی اجڑی کے جس دور سے گزر رہا تھا اس میں کامران کا آنا اسے بے حد ناگوار مگر رہا تھا اور وہ یہ ناگوار ہی چھپا بھی نہیں سکا۔

”کیا مسئلہ ہے تمہارا، کیوں آ رہے ہیں تم سے ملنے کے لئے آ رہا ہوں۔“ کامران اس کے لیے پوچھ رہا تھا۔ ”اور پاپائے بھی کہا ہے کہ میں تم سے ملنے کے لئے جاؤں۔“ وہ ہنستے ہوئے بیچنے اس کی بات سناتا رہا۔

”تم مجھے آخر پورٹ سے پکے کر لینا، میں تمہیں ایک دن پہلے اپنی فلائٹ کی ٹائٹل کے بارے میں بتاؤں گا۔“

”کچھ دیر اور صبر کی باتیں کرنے رہے گے بعد اس نے فون بند کر دیا۔“

چادون کے بعد اس نے کامران کو ان پورٹ سے روکیو کیا۔ وہ سالار کو دیکھ کر جہان رہ گیا۔

”تم بھار ہو گا؟“ اس نے چھوٹے ہی سالار سے پوچھا۔

”نہیں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔“ سالار نے مسکراتے کی کوشش کی۔

”ٹھیک تو نہیں رہے ہو۔“ کامران کی تشویش میں کچھ اور اضافہ ہونے لگا۔ وہ آنکھوں میں آنسو بھریں ڈال کر بات کیا کہ جتنا آج خلاف معمول وہ آنکھیں چرا رہا تھا۔

بھاری داریا کرتے ہوئے بھی وہ بہت غور سے سالار کو دیکھتا رہا۔ وہ بے حد احتیاط سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ کامران کو جراتی ہوئی تھی وہ اس قدر روٹھ رہا تھا کہ اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے باؤس سے باہر نکل کر آئی اور بھاگا۔ بعد کو یہ ایک مثبت تبدیلی تھی مگر یہ واحد مثبت تبدیلی تھی جو اس نے محسوس کی تھی۔ باقی تبدیلیاں اس کو پریشان کر رہی تھیں۔

”اصل پر کیسی جا رہی ہیں تمہاری؟“

”ٹھیک ہیں۔“

اسے سفر کے دوران بھی اسی طرح کے جواب ملتے رہے تھے۔ یہ اس کے پارٹنر کی حالت تھی جس نے کامران کے اضطراب کو اتنا بڑھایا تھا کہ وہ کچھ مشتعل ہو گیا تھا۔

”یہ تمہارا پارٹنر ہے سالار۔۔۔ ائی گاؤ۔“ سالار کے پیچھے اس کے پارٹنر میں داخل ہوتے ہی وہ چلا اٹھا تھا۔ سالار اٹھا بیچوں کو جس طرح منظم رکھنے کا عادی تھا وہ عین وہاں نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہاں ہر چیز آخر حالت میں نظر آ رہی تھی۔ جگہ جگہ اس کے کپڑے، جراثیم اور پوتے پھرتے پھرتے تھے۔ کتابوں، اخباروں اور بیگز کا بھی جی حال تھا۔ کچن کی حالت سب سے بری تھی اور ہاتھ روم کی اس سے بھی زیادہ کامران نے کچھ ٹھیک کی حالت میں پورے پارٹنر کا جائزہ لیا۔

”کتنے اوسے تم نے صفائی نہیں کی ہے؟“

”میں ابھی کر رہا ہوں۔“ سالار نے سر دھری کے عالم میں بیچیں اٹھاتے ہوئے کہا۔

”تم اس طرح رہنے کے عادی تو نہیں تھے اب کیا ہوا ہے؟“ کامران بہت پریشان تھا۔ کامران نے اچانک ایک مین پر سکرٹ کے ٹکڑوں سے بھری اٹلی لمبے کے پاس جا کر سکرٹ کے ٹکڑوں کو ہموار کر دیا۔ سالار نے جتنی ہوئی چیز نظروں سے اچھے بنائے ہوئے دیکھا مگر کچھ کہا نہیں۔ کامران نے چند لمحوں کے بعد وہ اٹلی لمبے بنے بیچے آ دیا۔

Salim! what are you upto this time?

”مجھے صاف صاف بتاؤ، مسئلہ کیا ہے۔ ڈاگمز استعمال کر رہے ہو تم؟“

”نہیں، میں کچھ استعمال نہیں کر رہا۔“ اس کے جواب نے کامران کو حاسا مشتعل کر دیا۔ وہ اسے کندھے سے کپڑے کر تھپتھپتے ہوئے ہاتھ روم کے آئینے کے سامنے لے آیا۔

”ٹھیک دیکھو اپنی ڈاگمز ایڈکٹ والی شکل ہے یا نہیں اور حرکتیں تو بالکل ویسی ہی ہیں۔ دیکھو، نظریں اٹھاؤ اپنا پیچہ دیکھو اپنا۔“

وہ اسے اب کالر سے کہتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ سالار آئینے میں اپنے آپ کو دیکھے بغیر بھی جانتا تھا کہ وہ اس وقت کیسا نظر آ رہا ہو گا۔ کچھ بے حلقوں اور بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ وہ کیسا نظر آ سکتا تھا۔ وہی سہی کمران مہاسوں اور دو تلوں پر بھی ہوئی چیزوں نے پوری کر دی تھی جو بے حاشا کافی اور سکرٹ پیچے کا نتیجہ تھے۔ مہاسوں کی وجہ سے اس نے روٹھ کر بن کر دی تھی۔ کچھ بار اٹلی کے عالم میں اس نے کامران سے اپنا کالر پھیرا اور آئینے پر نظریں دوڑائے بغیر ہاتھ روم سے نکلنے کی کوشش کی۔

”لغزت برکتا رہی ہے تمہاری شکل پر۔“

لغزت وہ خط تھا جو کامران اکثر استعمال کیا کرتا تھا سالار نے پہلے بھی اس خط کو محسوس نہیں کیا تھا مگر اس وقت کامران کے منہ سے ہی جملہ سن کر وہ جیسے بھڑک اٹھا تھا۔

"ہاں، لکھتے ہیں وہی ہے میری شکل پر تو؟" وہ قدرے ہنسنے لگا۔ "انڈیا میں کامران کے سامنے تن کر کھڑا ہو گیا۔"

"جب میں کہہ رہا ہوں کہ میں ڈر کر نہیں لے رہا تو میں نہیں لے رہا۔ آپ کو میرا یقین کرنا چاہیے۔"

"تم پر یقین....."

کامران نے طنز سے لہجہ میں اس کے پیچھے ہاتھ دھوم سے باہر آئے ہوئے کہا۔ اس نے دونوں ہاتھ لے کر کمرے کی چیزیں دیکھنے کا کام جاری رکھا۔

"یہ نیو رشی جا رہے ہیں تو تم؟" سعد کو اچانک ایک اور اندیشہ ہوا۔

"جا رہا ہوں۔" وہ جی میں اٹھانے والا کامران کو تسلی نہیں ہوئی۔

"میرے ساتھ ہاسٹل چلو، میں تمہارا چیک اپ کروانا چاہتا ہوں۔"

"اگر آپ یہ سب کرنے آئے ہیں تو بہتر ہے واپس چلے جائیں میں کوئی کنڈرگارٹن کا بچہ نہیں ہوں۔ میں اپنا خیال رکھ سکتا ہوں۔" کامران نے اس بار کچھ کہنے کے بجائے اس کے ساتھ مل کر بیچ میں اٹھائی شروع کر دیں۔ سالار نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس کا خیال تھا کہ اب وہ اس معاملے پر دوبارہ بحث نہیں کرے گا مگر اس کا یہ انداز غلط تھا۔ کامران نے اس کے پاس اپنے قیام کو لے کر دیا۔ وہ تین دن کے بجائے دو دن رہا۔ ایک ہفتہ وہاں ایک سالار اس کے قیام کے دوران ہاتھ دھو کر نیو رشی جانے لگا۔ کامران اس دوران اس کے دوستوں اور نیو رشی کے پروفیسرز سے ملا۔ ہاں، سمسٹر میں غل ہونے کی خبر بھی اسے سالار کے دوستوں سے ہی ملی تھی اور کامران کے لئے یہ ایک شاک تھا۔ سالار سے کچھ بھی توقع کی جا سکتی تھی، مگر سمسٹر میں غل ہونا وہ بھی اس بری طرف سے جبکہ وہ کچھ عرصہ پہلے تک نیو رشی کے پچھلے ریکارڈ پر ایک کرتے ہوئے ناپ کر رہا تھا۔

اس بار اس نے سالار سے اس معاملے کو اسٹیکس نہیں کیا بلکہ پاکستان سکندر عثمان کو فون کر کے اس سارے معاملے سے آگاہ کر دیا۔ سکندر عثمان کے حروں تلے سے ایک بار پھر زمین نکل گئی تھی۔ سالار نے اپنا سابقہ ریکارڈ برقرار رکھا تھا۔ وہ ایک ڈیڑھ سال کے بعد ان کے لئے کوئی نیا مسئلہ نکال کر چار دینا تھا اور بائیس مہینوں والے معاملے کو بھی اتنا ہی عرصہ ہونے والا تھا۔

"آپ ابھی اس سے اس معاملے پر بات نہ کریں۔ نیو رشی میں کچھ پھیلیاں ہوئے والی ہیں، آپ اسے پاکستان بلا لیں، کچھ عرصہ کے لئے وہیں رکھیں پھر مٹی سے کہیں کہ وہ اس کے ساتھ واپس چلیں۔ آجائیں اور جب تک اس کی تعلیم ختم نہیں ہوتی اس کے ساتھ رہیں۔ کامران نے سکندر عثمان کو سمجھایا۔

سکندر نے اس بات پر ایسا ہی کیا تھا۔ وہ بتائے بغیر چھٹیاں شروع ہونے سے پہلے نیو رشی پہنچ گئے۔ اس کا طریقہ دیکھ کر سکندر عثمان کے پیٹ میں گر چس چڑنے لگی تھیں مگر انہوں نے کامران کی طرف

اس سے بحث نہیں کی۔ انہوں نے اسے اپنے ساتھ پاکستان چلنے کے لئے کہا۔ اس کے احمقانہ اور تعلیمی معروضات کے ہمالے کو نظر انداز کرتے ہوئے انہوں نے زبردستی اس کی سیٹ پک کر واپس اور اسے پاکستان لے آئے۔

☆.....☆

دورات ایک بچے پاکستان پہنچے۔ سکندر اور طیبہ سونے کے لئے چلے گئے۔ وہ اپنے کمرے میں آ گیا۔ وہ تقریباً بیڑھ سال کے بعد اپنے کمرے کو واپس رہا تھا۔ سب کچھ ویسا ہی تھا جیسے وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ کپڑے تبدیل کرنے کے بعد وہ لائٹ آف کر کے اپنے بیڈ پر لیٹ گیا۔ وہ غلامت کے دوران سوتا رہا تھا۔ اس لئے اس وقت اسے تیندھنوں اور رقی تھی۔ شاید یہ جھڑپائی تبدیلی تھی جس کی وجہ سے وہ سو نہیں پا رہا تھا۔

"میں واقعی آہستہ آہستہ بے خوابی کا شکار ہو جاؤں گا۔"

اس نے تاریکی میں کمرے کی چھت کو گھورتے ہوئے کہا۔ کچھ دیر اسی طرح بیٹھ کر رہیں پھر لے رہے کے بعد وہ اٹھ بیٹھ۔ کمرے کی کھڑکیوں کی طرف جاتے ہوئے اس نے پردوں کو ہٹا دیا۔ اس کی کھڑکیوں کے پار وسیع ساحلہ لائن کے دوسرے طرف بائیس مہینوں کا گھر نظر آ رہا تھا۔ اس نے اسے سناؤں اس کھڑکی کے پردے آگے جھپٹے کرتے کبھی بائیس مہینوں کے گھر پر غور نہیں کیا تھا۔ مگر اس وقت وہ بہت دیر تک تاریکی میں اس گھر کے اوپر والے فلور کی لائٹس میں نظر آنے والی اس عمارت کو دیکھتا رہا۔ بہت جلد ہی باتیں اسے یک دم یاد آنے لگی تھیں۔ اس نے پردے ایک بار پھر ہٹا کر دیکھے۔

"وسیم کے گھر والوں کو امام کا چاہا؟"

اس نے ایک دن ناسرو کو جا کر پوچھا۔ ناسرو نے اسے کچھ عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

"نہیں بی، کہاں چاہا۔ انہوں نے تو ایک ایک جگہ چھان ماری ہے، مگر کہیں سے کچھ پتا نہیں چلا۔"

انہیں شک ابھی بھی آپ پر ہی ہے۔ سلیبی بی تو بہت گالیاں دیتی ہیں آپ کو۔ "سالار اسے دیکھتا رہا۔

"مگر کے نوکر اس سے بھی پوچھیں گے، پڑی ہو چھ کچھ کی محنت میں گئے تو جال ہے اور ابھی کچھ بتایا

ہو۔ انہوں نے مجھے کام سے بھی نکال دیا تھا۔ مجھے بھی، میری بیوی کو بھی پھر بعد میں دوبارہ رکھ لیا۔ آپ

کے بارے میں مجھ سے پوچھتے رہتے ہی۔ شاید رکھا بھی ان لوگوں نے دوبارہ اسی لئے ہے کہ یہاں کی

خبریں میں وہاں دیتی رہوں۔ میں بھی تو نہیں بائیس مہینوں کے کے نال دیتی ہوں۔" وہ بات کو کہاں سے

کہاں لے کر جا رہی تھی۔

سالار نے فوراً اجالت کی۔ "پہلیس ابھی بھی احوال رہی ہے؟"

"ہاں جی، ابھی بھی بخیر رہے ہیں۔ مجھے زیادہ تو پتا نہیں، وہ لوگ ہر چیز چھپاتے ہیں نوکر

ہے۔ امام بی بی کی بات بھی نہیں کرتے ہمارے سامنے مگر پھر بھی کبھی کبھار کوئی لڑائی لڑتی خبر مل جاتی ہے ہمیں۔ سالار صاحب کیا آپ کو بھی امام بی بی کا پتا نہیں ہے؟

ناصر نے بات کرتے کرتے اچانک اس سے پوچھا۔
”مجھے کیسے پتا ہو سکتا ہے؟“ سالار نے ناصر کو کھولا۔

”ایسے ہی پوچھ رہی ہوں جی آپ کے ساتھ ان کی دوستی تھی، اس لئے میں نے سوچا شاید آپ کو پتا ہو۔ وہ جو ایک بار آپ نے میرے ہاتھ کچھ کاغذ بھجوائے تھے، وہ کس لئے تھے؟“ اس کا جنس اب تشویش کا حد تک بڑھ چکا تھا۔
”اس گھر کے کاغذات تھے میں نے یہ گھر اس کے نام کر دیا تھا۔“ ناصر کا منہ کھلے کا کھارہ گیا پھر وہ بچو سنیں۔

”پر ہئی ایہ گھر نو سکندر صاحب کے نام پر ہے۔“

”ہاں! مگر میں مجھے تب پتا نہیں تھا۔ یہ بات تم نے ان لوگوں کو بتائی ہے کہ تم یہاں سے کوئی کاغذ لے کر اس کے پاس گئی تھیں۔“ ناصر ہلنے کاٹوں کو ہاتھ لگائے۔

”تو پھر میں ایں نے کیوں بتانا تھا، میں نے نو سکندر صاحب کو نہیں بتایا۔“

”اور یہ ہی بہتر ہے کہ تم اپنا جھ اسی طرح ہمیشہ کے لئے بند رکھو، اگر یہ بات ان کو پتا چلی تو کیا ہمیں سلامیں سمیت اٹھا کر گھر سے باہر نہیں لے گئے۔ تم ان کے غیبت کو جانتی ہو۔ جاؤ اب یہاں سے۔“ سالار نے تڑپتی سے کہا۔ ناصر خاموشی سے اس کے کمرے سے نکل گئی۔

☆.....☆.....☆

وہ ایک اینڈر پر بھی کبھار ہانکے کے لئے مار گئی پر ہائیوں پر جایا کر تا تھا۔ وہ ایک اینڈر نہیں تھا گھر اچانک ہی اس کا مولد وہاں چائے کا بن گیا۔

ہمیشہ کی طرح گاڑی بیچے پارک کر کے وہ ایک بیک اپنی پشت پر ڈالنے ہانکے کر چڑھا۔ وہاں ہی کا سفر اس نے جب شروع کیا جب سامنے لیے ہوئے گئے۔ وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ اسے اپنی گاڑی تک پہنچنے میں وہ کتنے لگیں گے۔ وہاں ہی کے سڑک کو کچھ تیزی سے ملے کرنے کے لئے وہ سڑک پر آ گیا جہاں سے عام طور پر لوگ گزرتے تھے۔ اس نے ابھی کچھ فاصلہ ہی طے کیا تھا جب اسے اپنے پیچھے تیز قدموں کی آواز سنائی دی۔ سالار نے ایک نظر مڑ کر دیکھا۔ وہ وہ لڑکے تھے جو اس سے کافی پیچھے تھے، مگر بہت تیزی سے آگے آ رہے تھے۔

سالار نے گردن واپس موڑ لی اور اسی طرح اپنا پیچے کا سڑک چا دی رکھا۔ اسے اپنے پیچھے سے وہ لڑکے ہلکے ہلکے تھے۔ پھر اور شرف میں لباس ان کا علیحدہ عام لڑکوں جیسا تھا مگر پھر پلٹے پلٹے

اسے یک دم کوئی اپنے ہانکے میں محسوس ہوا۔ وہ برقی رفتار سے پلٹا اور ساکت ہو گیا۔ ان دونوں لڑکوں کے ہاتھ میں ریل ٹکڑے تھے اور وہ اس کے ہانکے میں سے گزر رہے تھے۔

”اپنے ہاتھ اوپر کر، ورنہ ہم تمہیں ٹھٹھ کر دیں گے۔“

ان میں سے ایک نے بلند آواز میں کہا۔ سالار نے بے اختیار اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔ ان میں سے ایک اس کے پیچھے گیا اور بہت تیزی سے اس کے پیچھے ہوئے دھکا دیا۔ سالار لڑکھڑکیا مگر نہیں ہلکا۔

”اوہر چلو۔“ سالار نے کسی قسم کی مزاحمت کے بغیر اس طرف جانا شروع کر دیا جہاں وہ اسے سڑک سے ہٹانا چاہتے تھے، تاکہ کوئی یک دم وہاں نہ آ جائے۔ ان میں سے ایک نے اسے تقریباً چھلینے ہوئے دھکا دیا۔ اس نے ہٹا کر بھاڑیوں اور درختوں کے بہت اندر تک لے گیا۔

”گھٹنوں کے مل بیٹھو۔“ ایک نے درختی سے اس سے کہا۔

سالار نے خاموشی سے اس کے حکم پر عمل کیا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ لوگ اس کی چیزیں چھینیں گے اور پھر اسے چھوڑ دیں گے اور وہ وہاں کوئی کام نہیں کرنا چاہتا تھا۔ نہیں پر وہ دونوں مشتعل ہو کر اسے نقصان پہنچاتے۔ ان میں سے ایک اس کے پیچھے گیا اور اس نے اس کی پشت پر لٹکا ہوا چھوٹا سا بیک اتار لیا۔ اس بیک میں ایک کمرہ، چند قمروں، بیٹری، نئی اسکیپ، فرسٹ ایڈ کٹ، والیٹ، ہائی کی بوس اور چند کھانے کی چیزیں تھیں جس لڑکے نے بیک اتارنا تھا وہ بیک کھول کر اندر موجود چیزوں کا جائزہ لیتا ہا پھر اس نے دانت کھول کر اس کے اندر موجود کرنسی نوڈ کر بیٹ کا روڈ کا جائزہ لیا۔ اس کے بعد اس نے بیک میں سے ٹشو کا کپٹ نکال لیا اور پھر فرسٹ ایڈ کٹ بھی نکال لی۔

”اب تم کھڑے ہو جاؤ۔“ اس لڑکے نے ٹھکانے اٹھا دیے۔ سالار اس طرح ہاتھ سر سے اوپر اٹھائے کھڑا ہوا۔ اس لڑکے نے اس کی پشت پر جا کر اس کی شلوار کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر انہیں ٹٹو اور اس میں موجود گاڑی کی چابی نکال لی۔

”گڈ کار ہے؟“ سالار کو کچلی بار کچھ تھوڑی ہوئی۔

”تم لوگ میرا بیک لے جاؤ مگر کار کو رہنے دو۔“ سالار نے پہلی بار انہیں مخاطب کیا۔

”کیوں لاکر کو کیوں رہنے دیں۔ تم ہماری خالہ کے بیٹے ہو کہ کار کو رہنے دیں۔“ اس لڑکے نے درشت لہجے میں کہا۔

”تم لوگ مگر کار لے جانے کی کوشش کر دے تو ہمیں بہت سے پر اٹھوں گے۔ صرف گاڑی کی چابی مل جانے سے تم کو نہیں لے جا سکتے۔ اس میں اور بھی بہت سے لاکس ہیں۔“ سالار نے ان سے کہا۔

"دو بار مسئلہ ہے، چہاں نہیں۔" اس لڑکے نے اس سے کہا اور پھر آگے بڑھ کر اس کی آنکھوں سے نکاح کر چکے تھے۔

"اپنے جاگرو اتار دو۔" سالار نے خیرانی سے اسے دیکھا۔

"جاگرو کس لئے؟" اس بار اس لڑکے نے جواب دینے کے بجائے پوری قوت سے ایک چھینچ سالار کے منہ پر مارا۔ وہ لڑکھا گیا۔ چند لمحوں کے لئے اس کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچ گئے۔

"دو بار کوئی سوال مت کرنا، جاگرو اتار دو۔"

سالار غصہ لگیں نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ دوسرے لڑکے نے اس پر تالے ہوئے دیو اور کے عجیب کو ایک بار جتانے والے انداز میں حرکت دی۔ پہلے لڑکے نے ایک اور چھینچ اس پاؤں سالار کے دوسرے گال پر مارا۔

"اب دیکھو اس طرح۔" جاگرو اتار دو۔" اس نے سختی سے کہا۔ سالار نے اس بار اس کی طرف دیکھے بغیر پیچے جبکہ کر اپنے آہستہ آہستہ دو لوں جاگرو اتار دینے۔ اب اس کے چروں میں صرف جراثیم رہ گئی تھیں۔

"اپنی شرٹ اتار دو۔" سالار ایک بار پھر اعتراض کرنا چاہتا تھا مگر وہ دوبارہ چھینچا نہیں چاہتا تھا۔ اگر ان دونوں کے پاس دیو اور نہ ہوتے تو وہ ہسانی طور پر ان سے بہت بچتا تھا اور لیٹھتا اس وقت ان کی ٹھکانی کر دیا ہوتا، مگر ان کے پاس دیو اور کی موجودگی نے ایک دم ہی اسے ان کے سامنے بے بس کر دیا تھا۔ اس نے اپنی شرٹ اتار کر اس لڑکے کی طرف بڑھائی۔

"بچے بچکھو۔" اس لڑکے نے ٹھکانا انداز میں کہا۔ سالار نے شرٹ لیے پیچ بھاگ دی۔ اس لڑکے نے اپنے ہاتھوں کا تھو کو جیب میں ڈال کر کوئی چیز نکالی۔ وہ پلاسٹک کی باریک ڈوری کا ایک گچھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی سالار کی سمجھ میں آ گیا کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بے اختیار پریشان ہوا، شام ہو رہی تھی، کچھ ہی دیر میں وہاں اندھیرا چھا جاتا اور وہاں سے وہاں کی کس طرح حاصل کرنا۔

"دیکھو، مجھے بات ہو سکتی ہے، میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔ تم میرا ایک اور میری کار لے جاؤ۔" اس نے اس بار ہاتھ اٹھا کر انداز میں کہا۔

اس لڑکے نے کچھ بھی کہے بغیر پوری قوت سے اس کے پیٹ میں ایک گھونسا مارا۔ سالار درد سے دھڑک رہا تھا۔ اس کے منہ سے ایک جھنجھکی نکلی تھی۔

"کوئی مشورہ نہیں۔"

اس لڑکے نے جیسے اسے بار کر دیا اور زور سے ایک طرف دھکیلا۔ درد بڑھتا ہوا جلتا ہوا سالار نے اپنے صدموں کی طرح اس کی چروں کی۔ ایک دو لمحوں کے سچے کے ساتھ بھاگ کر اس لڑکے نے

پوری مہارت کے ساتھ اس کے دونوں پاؤں کو پٹکے سے تنکے کے پیچھے لے جا کر اس کی گھائوں پر وہ اور پیچھا شروع کر دی۔ دوسرا لڑکا سالار سے ڈرا تھا اسے پراپیٹھان سے دھڑک دیا اور نظر ڈالتے ہوئے سالار پر دیو اور تانے لگا۔

اس کے ہاتھوں کو ابھی طرح ہاندھنے کے بعد اس لڑکے نے سامنے آ کر اس کے چروں کی چرائیں اتاریں اور پھر فرحت اپنے کٹ میں موجود چھینچ سے اس نے سالار کی شرٹ کی بنیاں کاٹنی شروع کر دیں۔ ان میں سے کچھ بنیوں کو اس نے ایک بار پھر بڑی مہارت کے ساتھ اس کے ٹخنوں کے گرد پھینک کر گرد گردی پھر اس نے ٹشو کا پیکٹ کھولا اور اس میں موجود سارے ٹشو باہر نکال لئے۔

"مت کھلو۔" سالار جانتا تھا وہ آپٹیا کرنے والا ہے۔ وہ جتنی گالیاں اسے دلی میں اسے سکتا تھا اس وقت اسے رہا تھا۔ اس لڑکے نے بیکے بعد دیکھے وہ سارے ٹشو اس کے منہ میں ٹھونس دیتے اور پھر شرٹ کی واحد ٹک چبانے والی بنی کو گھونڈنے کی لگام کی طرح اس کے منہ میں ڈالتے ہوئے درخت کے تنکے کے پیچھے اسے ہاندھ دیا۔

دوسرا لڑکا بے پرواہی سے بیکہ بند کر رہا تھا، پھر چند منٹوں کے بعد وہ دونوں وہاں سے غائب ہو گئے تھے۔ ان کے وہاں سے جاتے ہی سالار نے اپنے آپ کو آزاد کرنے کی کوشش شروع کر دی، مگر جلد ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ایک بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہو چکا ہے۔ اس لڑکے نے بڑی مہارت کے ساتھ اسے ہاندھ رکھا تھا، وہ صرف جگے جگے کی کوشش سے ٹوک کو آزاد نہیں کر سکتا تھا، یہ دوری ڈھیلی کر سکتا تھا۔ وہ دوری اس کے حرکت کرنے پر اس کے گوشت کے اندر گھسیتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی حالت اس وقت بے حد خراب ہو رہی تھی۔ وہ کسی کو آواز دے سکتا تھا کسی دوسرے طریقے سے خود اپنی طرف کسی کو متوجہ کر سکتا تھا۔

اس کے ارد گرد آدم جھاڑیاں تھیں اور شام کے ڈھلنے ساہوکی میں ان جھاڑیوں میں اس کی طرف کسی کا متوجہ ہو جانا کوئی مجبور ہی ہو سکتا تھا۔ اس کے جسم پر اس وقت لہاس کے دم پر صرف ٹھنڈوں سے کچھ نیچے تک لگے والی برمودا شامس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا اور شام ہونے کے ساتھ ساتھ ٹھنڈی بڑھ رہی تھی۔ گھر میں کوئی یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ بالکل کے لئے یہاں آیا ہوا ہے اور جب گھر تک پہنچے پر اس کی تلاش شروع ہوئی جب بھی یہاں اس تار کی ہیں درختوں اور جھاڑیوں کے درمیان بندھے ہوئے اس کے وجود تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔

آدھ گھنٹے کی جدوجہد کے بعد جب اپنے چروں کے گرد موجود بنیوں کو ڈھکیا کرنے اور پھر انہیں کھولنے میں کامیاب ہوا، اس وقت سورج مکمل غروب ہو چکا تھا اگرچہ چاند نکلا ہوا تو شاید وہ اپنے ہاتھ پاؤں اور ارد گرد کے ماحول کو بھی نہ دیکھ پاتا۔ اکا کا گزرنے والی گاڑیوں اور لوگوں کا شور اب نہ

ہونے کے برابر تھا۔ اس کے ارد گرد جھینگروں کی آوازیں گونج رہی تھیں اور وہ گردن سے کر تک اپنی پشت پر درخت کے تنے کی وجہ سے آنے والی رگڑ اور خراشوں کو بخوبی محسوس کر سکتا تھا۔ درخت کے اوپر کی طرف اس کے ہاتھوں کی ٹانگیوں میں موجود ذوری اپ اس کے گوشت میں اتری ہوئی تھی۔ وہ ہاتھوں کو مزید حرکت دینے کے قابل نہیں رہا تھا۔ وہ کچا بچوں سے افسوس نہیں برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے منہ کے انچور موجود ٹشو زاب گل چلے تھے اور ان کے گلے کی وجہ سے وہ منہ میں لکام کی طرح کسی ہوئی پٹی کو حرکت دینے لگا تھا مگر وہ گلے سے آواز نکالنے میں اب بھی طرح لکام تھا کیونکہ وہ ان گلے ہوئے ٹشو زکونے نکل سکتا تھا۔ اگل سکتا تھا۔ وہاں سے زیادہ تھے کہ وہ انھیں بیوقوف کی طرح چبانے میں بھی ناکام تھا۔

اس کے جسم پر کچلی جلدی ہو رہی تھی۔ وہ صبح تک اس حالت میں دباں بیٹھا غصہ کر رہا تھا مگر خوف یا کسی نہ ہر پٹے کیڑے کے کانٹے سے نہ مرنا تو۔ اس کے جسم پر اب چھوٹے چھوٹے کیڑے دیکھ رہے تھے اور بار بار وہ اسے کاٹ رہے تھے۔ وہ اپنی رہ پزیر ٹانگوں پر پتلے اور کانٹے والے کیڑوں کو جھٹک رہا تھا مگر ہائی جسم پر پٹکنے والے کیڑوں کو جھٹکنے میں ناکام تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ ان چھوٹے کیڑوں کے بعد اسے اور کئی کیڑوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور اگر وہاں چھوڑا اور صاب نہ لے گا تو۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی حالت مزید خراب ہو رہی تھی۔ "آخر یہ سب میرے ساتھ کیوں ہوا ہے؟ آخر میں نے کیا کیا ہے؟" وہ بے چارہ کی بے سہ پہلے میں مصروف تھا۔ "اور میں یہاں صحرایا تو؟" تو میری تو لاش تک وہ یاد کسی کو نہیں ملے گی۔ کیڑے کوڑے اور چاند جیسے کوا جائیں گے۔"

اس کی غالبہ نیر ہونے لگی۔ ایک عجیب طرح کے خوف نے اسے اپنی گرفت میں لیا۔ تو کیا میں اس طرح مردوں کا یہاں۔ اس حالت میں۔ بے لباس۔ بے لٹکان۔ گمراہوں کو چاہے تک نہیں ہو گا میرے بارے میں۔ کیا میرا انجام یہ ہونا ہے۔ اس کے دل کی دھڑکن بڑھنے لگی۔ اسے اپنی موت سے یکدم خوف آیا تاکہ خوف کہ اسے سانس لینا مشکل لگنے لگا۔ اسے یوں لگا جیسے موت اس کے سامنے اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی ہو۔ اس کے انتظار میں۔ یہ دیکھنے کہ وہ کس طرح سبک سبک کر رہا ہے۔

وہ روکی پروا کے بغیر ایک بار پھر اپنی ٹانگیوں کی ذوری کو توڑنے یا جھلی کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کے بازو نکل ہوئے گئے۔

چند روز بعد اس نے ایک بار پھر اپنی جدوجہد چھوڑ دی اور اس وقت اسے احساس ہوا کہ اس کے منہ کی پٹی جھلی ہو گئی تھی۔ وہ گردن کو ہلاتے ہوئے اسے مزہ سے نکال سکتا تھا۔ اس کے بعد اس نے

ٹشو زکال دیتے تھے۔ اگلے کئی منٹ وہ مہرے سانس لینا، ہا پھر وہ بلند آواز میں اپنی مدد کے لئے آوازیں دیتے لگا۔ اتنی بلند آواز میں جتنی وہ کوشش کر سکتا تھا۔

اس کا انداز بالکل بے یارمی تھا۔ آدھے منٹ تک مسلسل آوازیں دیتے رہنے کے بعد اس کی ہمت اور گلا دونوں جواب دے گئے۔ اس کا سانس پھول رہا تھا۔ یوں جیسے وہ کئی میل دوڑا رہا ہو مگر اب بھی کوئی اس کی مدد کے لئے نہیں آیا تھا۔ کوئی کے زخم اب اس کے لئے ناقابل برداشت ہو رہے تھے اور لکڑی سے اب اس کے پیرے اور گردن پر بھی کاٹ رہے تھے۔ وہ نہیں چاہتا کہ دم اسے کیا ہوا، اس کو بلند آواز میں بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر روٹنے لگا۔

وہ زندگی میں پہلی بار ذوری طرح رو رہا تھا۔ شاید زندگی میں پہلی بار اسے اپنی بے بسی کا احساس ہو رہا تھا اور اس وقت وہ درخت کے اس تنے کے ساتھ بندھے ہوئے اسے احساس ہوا کہ وہ مرنا نہیں چاہتا ہے۔ وہ موت سے اسی طرح خوفزدہ ہو رہا تھا جس طرح خوفزدہ ہونے میں ہوا تھا۔ وہ نہیں چاہتا کہ کوئی دیر اسی طرح بے بسی کے عالم میں بلند آواز میں رو تاں پھر اس کے آئسو خشک ہونے لگے۔ شاید وہ اتنا تھک چکا تھا کہ اب وہ تا بھی اس کے لئے ممکن نہیں رہا تھا۔ بلکہ حال ساہو کر اس نے درخت کے تنے سے سر لگاتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے کندھوں اور بازوؤں میں غماز ہو رہا تھا کہ اسے لگ رہا تھا وہ کچھ دیر میں مفلوج ہو جائیگا۔ پھر وہ کبھی انہیں حرکت نہیں دے سکے گا۔

"میں نے کبھی کسی کے ساتھ اس طرح نہیں کیا پھر میرے ساتھ یہ سب کچھ کیوں ہوا۔" اس کی آنکھوں سے ایک بار پھر آنسو بہنے لگے۔

"سالار! میرے لئے چھپنے ہی بہت پر اہم ہیں، تم اس میں اضافہ کرو، میری زندگی بہت مشکل ہے اور ہر گزرتے دن کے ساتھ اور مشکل ہوتی جا رہی ہے۔ کم از کم تم تو میری ٹانگوں کو کچھ، میری مشکلات کو مت بوجھاؤ۔" درخت کے تنے کے ساتھ ایک لگائے سالار نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ نیچے بہت نیچے، بہت دور۔ اسلام آباد کی روشنیوں نظر آرہی تھیں۔

"میں تمہارے مسائل میں اضافہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں؟ میں۔" مائی ڈیئر! امیر! میں تو تمہاری بددلی میں گھل رہا ہوں۔ تمہارے مسائل حل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تم خود سوچو، میرے ساتھ رہ کر تم کتنی اچھی اور محفوظ زندگی گزار سکتی ہو۔" سالار نے اپنے ہونٹ میچھنے لگے۔

"سالار! انھیں خلاص دے دو۔" بھرائی ہوئی لپا جت آہر آواز۔

"سویت ہاٹ! تم کو روٹ میں جا کر لے لو۔ جیسا کہ تم کہہ چکی ہو۔"

وہ اب چپ چاپ خود سے بہت دور نظر آنے والی روشنیوں کو دیکھ رہا تھا۔ کوئی اس کے سامنے جیسے آئینہ لے کر کھڑا ہو گیا تھا جس میں وہ اپنا عکس دیکھ سکتا تھا اور اسے اپنے ساتھ کسی اور کا بھی۔

”میں نے امام کے ساتھ صرف مذاقی کیا تھا۔“ وہ بڑبڑایا۔

”میں اسے کوئی تکلیف پہنچانے کا اندازہ نہیں رکھتا تھا۔“ اسے اپنے الفاظ کو سنبھالنے لگے۔

دو پندرہ گیس کو وضاحت دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ بہت دیر تک وہ اسی طرح اسلام آباد کی روٹینوں کو دیکھتا رہا پھر اس کی آنکھیں دھندلانے لگیں۔

”میں مانتا ہوں، مجھ سے کچھ غلطیاں ہو گئیں۔“

اس بار اس کی آواز ہزاروں ہولی سرگوشی تھی۔ ”میں نے جانتے ہوئے اس کے لئے مسامحہ کیڑے کرنے کی کوشش کی۔ میں نے اسے دھوکا دیا مگر مجھ سے غلطی ہو گئی اور مجھے پچھتاوا بھی ہے۔ میں چاہتا ہوں میرے بھائی نہ دینے سے اور جلال کے بارے میں جھوٹ بول دینے سے اسے بہت زیادہ پریشانی کا سامنا کرنا پڑا ہو گا۔ مجھے واقعی پچھتاوا ہے اس سب کے لئے مگر اس کے علاوہ تو میں نے کسی اور کو کبھی دھوکا نہیں دیا، کسی کے لئے پریشانی کھڑی نہیں کی۔“

وہ ایک بار پھر روئے لگا۔

”میرے خدا۔۔۔ اگر ایک بار میں یہاں سے بچ گیا، میں یہاں سے نکل گیا تو میں امام کو ڈھونڈ لوں گا، میں اسے طلاق دے دوں گا۔ میں دوبارہ کبھی اسے تنگ نہیں کروں گا۔ میں جلال کے بارے میں بھی اسے جانتا ہوں گا۔ بس ایک بار آپ مجھے یہاں سے جانے دیں۔“

وہ اب چھوٹ چھوٹ کر رہ رہا تھا۔ چکی بار اسے احساس ہو رہا تھا کہ امام نے اس کے طلاق نہ دینے سے انکار پر کیا محسوس کیا ہو گا۔ شاید اسی طرح اس نے بھی اپنے ہاتھ بندھے ہوئے محسوس کئے ہوں گے جس طرح وہ کر رہا تھا۔

وہاں بیٹھے ہوئے کوئی بار وہ امام کی بے بسی، خوف اور تکلیف کو محسوس کر سکتا تھا۔ اس نے جلال کی شادی کے بارے میں اس سے جھوٹ بولا تھا اور اس کے جھوٹ پر امام کے چہرے کا تاثر اسے اب بھی یاد تھا۔ اس وقت وہ اس تاثر سے بے حد محظوظ ہوا تھا۔ وہ اسلام آباد سے لاہور تک تقریباً چار سو رات روٹی رانی کھاتا اور وہ بے حد سرور تھا۔

وہ اس وقت اس کی ذہنی اور جذباتی کیفیت کا اندازہ کر سکتا تھا۔ اس اندھیری رات میں اس گاڑی میں سڑک رتے ہوئے اسے اپنے آگے اور پیچھے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا ہو گا۔ واحد بناوٹ، جس کا وہ سوچ کر ٹکٹی تھی وہ جلال الصحر کا گھر تھا اور حالانکہ سکندر نے اسے وہاں جانے نہیں دیا تھا۔ وہ رات کے اس پہر وہاں انصاف میں اترنے والی تاریکی میں بیٹھ کر ان اندیشوں اور خوف کا اندازہ کر سکتا تھا جو اس رات امام کو زار رہے تھے۔

”مجھے محسوس ہے، مجھے واقعی محسوس ہے لیکن۔۔۔ لیکن میں کیا کر سکتا ہوں۔ اگر۔۔۔ اگر وہ مجھے

دوبارہ ملی تو میں اس سے ایکسکیز کر لوں گا، میں جس حد تک ممکن ہو اس کی مدد کروں گا مگر اس وقت۔۔۔ اس وقت تو میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اگر۔۔۔ اگر میں نے کبھی۔۔۔ کبھی کوئی ٹنگی کی ہے تو مجھے اس کے بدلے یہاں سے رہائی دلا دے۔ اور گاڑی پلیر۔۔۔ پلیر۔۔۔ اس نے ہتھے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ اپنی ٹنگیاں کھینچنے کی کوشش کی جنہیں وہ گھوا سکے۔ اس وقت چکی بار اس پر یہ ہولناک اکشفاں ہوا کہ اس نے زندگی میں اب تک کوئی ٹنگی نہیں کی تھی۔ کوئی ٹنگی جسے وہ اس وقت اللہ کے سامنے پیش کر کے اس کے بدلے میں رہائی مانگا۔ ایک اور خوف نے پھر اس کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ اس نے زندگی میں کبھی خیرات نہیں کی تھی، وہ اس پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ وہ بڑا غور و رسوا شخص تھا۔ وہ خوش ہوا کرتا تھا، مگر کبھی کسی فقیر کے ہاتھ پھیلائے پر اس نے اسے کچھ نہیں دیا تھا۔

اسکول کالج میں مختلف کاموں کے لئے جب فلڈ جمع ہوتے تھے وہ کٹکٹس خرچ کرنے یا بیچنے سے صاف انکار کر دیتا۔

”میں چربی پر یقین نہیں کرتا۔“ اس کی زبان پر زندگی کے انداز میں صرف ایک ہی جملہ ہو جاتا تھا۔ ”میرے پاس اتنی مالیت تو کم نہیں ہے کہ میں ہر جگہ لٹا کر پھروں۔“ اس کا یہ رویہ نوجوان میں بھی جاری رہا تھا۔ یہ سب صرف سچے بچے تک ہی محدود نہیں تھا۔ وہ چربی کے علاوہ کبھی کسی کی مدد کرنے پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ اسے کوئی ایسا اثر یاد نہیں آیا، جب اس نے کسی کی مدد کی کی ہو، صرف امام کی مدد کی تھی اور اس مدد کے بعد اس نے جو کچھ کیا تھا اس کے بعد وہ اسے تنگی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ وہ عبادت کرنے کا بھی عادی نہیں تھا۔ شاید بچپن میں اس نے چند بار سکندر کے ساتھ عید کی غماز پر جی ہو کر وہ بھی عبادت سے زیادہ ایک رسم تھی۔ اسے نوجوان میں وہ رات یاد آتی جب وہ عشاء کی غماز اور صوری چھوڑ کر بہاگ آیا تھا اور اس کے ساتھ اسے اس ہونکر کو دے دیے ہوئے ۱۵۰ روپے بھی یاد آئے۔ شاید وہ واحد موقع تھا جب اسے کسی پر ترس آیا تھا۔ وہ مستقل اپنے ذہن کو اپنی کسی ٹنگی کی تلاش میں کھنگالتا مگر ناکام رہا۔

اور پھر اسے اپنے گناہ یاد آئے۔ لگے۔ کیا تھا جو وہ نہیں کر چکا تھا۔ اس کے آنسو، مگر گناہ، وہ سب کچھ ایک دم ختم ہو گیا۔ حساب کتاب بالکل صاف تھا۔ وہ اگر آج اس حالت میں مر جاتا تو اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہوتی۔ بائیس سال کی عمر میں وہاں بیٹھے کی ٹنگی صرف کرنے پر بھی جس شخص کو اپنی کوئی ٹنگی یاد نہ آئے جبکہ اس شخص کا آئی کیو لیول ۱۵۰+ ہو اور اس کی سموری فوٹو گراف۔۔۔۔۔ وہ شخص ایسا ہے یہ چاہتا ہو کہ اسے اس کی کسی ٹنگی کے بدلے اس آزمائش سے رہا کر دیا جائے جس میں وہ پھنس گیا ہے۔

"What is next to ecstasy?"

اس نے لیمن اسٹا میں کوکین پیئے ہوئے ایک بار اپنے دوست سے پوچھا تھا وہ بھی کوکین لے رہا تھا۔ "more ecstasy۔" اس نے کہا تھا اس نے کوکین پیئے ہوئے اسے دیا تھا۔

اس وقت یہ کام کرنے کے قابل نہیں تھا۔ جسمانی طور پر وہ اپنی طور پر۔

وہ اس وقت صرف وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ ہر قسم پر، اندھیرے میں ٹھوکریں کھانا۔ جہازوں سے اُلٹتا غرائشیں لینا وہ کسی نہ کسی طرح اس راستے پر آگیا تھا جس راستے سے وہ وہاں بنا کر اسے وہاں لے آئے تھے اور پھر ننگے پاؤں اس نے نیچے کا سفر طے کیا۔ اس کے پیروں میں جگر اور سنگریاں چھ رہی تھیں مگر وہ جس ذہنی اور جسمانی اذیت کا شکار تھا اس کے سامنے یہ کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ کیا وقت وہاں تھا مگر اسے یہ اندازہ تھا کہ رات آگئی ہے اور زیادہ گزار چکا ہے۔ اسے نیچے آئے میں کتنا وقت لگا اور اس نے یہ سفر کس طرح طے کیا۔ وہ نہیں جانتا تھا۔ اسے صرف یہ یاد تھا کہ وہ پورے راستے بلند آواز سے روتا رہا تھا۔

اسلام آباد کی سڑکوں پر آکر اس نے لائنس کی روٹوں میں بھی اس نے اپنے علیہ کو دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ نہ ہی کہیں رستے کی خواہش کی نہ ہی کسی کی مدد لینے کی۔ وہ اسی طرح روتا ہوا لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ اس سڑک کے کنارے قہقہے پر چلا رہا۔

وہ پولیس کی ایک جرم انگ کار بھی جس نے سب سے پہلے اسے دیکھا اور اس کے پاس آکر ڈک ٹی اور وہ وہاں دیکھا۔ اس کے سامنے نیچے آئے اور اسے روک لیا۔ وہ پہلی بار ہوش و حواس میں آیا تھا مگر اس وقت بھی وہ اپنی آنکھوں سے ہتھ پٹے ہوئے آنسوؤں پر قابو پانے میں ناکام ہو رہا تھا۔ لوگ اب اس سے کچھ پوچھ رہے تھے مگر وہ کیا جواب دیتا۔

اگلے چند روزوں میں وہ ایک ہاسٹل میں تھا جہاں اسے فرسٹ ایڈ دی گئی۔ وہاں سے اس کے گھر کا پتہ پوچھ رہے تھے مگر اس کا گانا بند تھا۔ وہ انہیں کچھ بھی بتانے کے قابل نہیں تھا۔ سوچے ہوئے باتوں کے ساتھ اس نے ایک کانڈر پر اپنے گھر کا فون نمبر اور ایڈریس بھیٹ دیا۔

"اب بھی اور کتنی دیر اسے یہاں رکھنا پڑے گا؟"

"زیادہ دیر نہیں جیسے تھی ہوش آتا ہے ہم وہ بارہ چیک اپ کریں گے، پھر ڈسچارج کر دیں گے زیادہ شدید جسم کی الجھن نہیں ہیں۔ ابھی گھر میں کچھ دن تک مکمل طور پر ریست کرنا پڑے گا۔"

اس کا ذہن لاٹھور سے شعور کا سفر طے کر رہا تھا۔ پہلے جو صرف بے ہوشی آواز میں تھیں۔ اب وہ انہیں مفہوم پہنچا رہا تھا۔ آوازوں کو پہچان رہا تھا ان میں سے ایک آواز سکندر عثمان کی تھا۔ وہ سری بھینا کسی لائسنس کی سالار نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔ اس کی آنکھیں یک دم چند عیاں تھیں۔ کمرے میں بہت ہی روشن تھی پاکم از کم اسے ایسا ہی لگا تھا وہ ان کے پہلی لاکھڑا کر رہا تھا۔ وہ ایک بار پہلے بھی یہاں ایسے ہی ایک کمرے میں رہ چکا تھا۔ وہ یہ پہچانتے کے لئے ایک نظریاتی کافی تھی اس کا ذہن بالکل صحیح کام کر رہا تھا۔

جسم کے مختلف حصوں میں ہونے والے درد کا احساس اسے پھر جوتے لگا تھا۔ اس کے بازوؤں کو اب وہ ایک بہت نرم اور آرام دہ ہسٹری تھا۔

اس کے جسم پر وہ لباس نہیں تھا جو اس نے اس سرکاری ہاسٹل میں پہنا تھا۔ جہاں اسے لے جایا گیا تھا۔ وہ ایک اور لباس میں لباس تھا اور بھینا اس کے جسم کو پانی کی مدد سے صاف بھی کیا گیا تھا کیونکہ اسے آدھے بازوؤں والی شہرت سے بھاگتے اپنے بازوؤں پر کھینا بھی مٹی یا گرو ٹھکر نہیں آ رہی تھی۔ اس کی کارٹیوں کے گرد پیٹیاں بندھی ہوئی تھیں اور اس کے بازوؤں پر پھولے چھوٹے بہت سے نشان تھے۔ بازو اور ہاتھ سوچے ہوئے تھے۔ وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ اپنے ہی بہت سے نشان اس کے چہرے اور جسم کے دوسرے حصوں پر بھی ہوں گے۔ اسے اپنی ایک آنکھ بھی سوتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی اور اس کے چہرے بھی دکھ رہے تھے مگر اس سے بھی زیادہ برا حال لگے کا تھا۔ اس کے بازو میں ایک ڈرپ تھی جو تھی جی ڈی اب تقریباً ختم ہونے والی تھی۔

پہلی بار اس کو جوش میں ڈاکٹر نے ہی دیکھا تھا۔ وہ ان کا طبی لاکٹر نہیں تھا۔ شاید اس کے ساتھ کام کرنے والا کوئی اور ڈاکٹر تھا۔ اس نے سکندر کو اس کی طرف متوجہ کیا۔

"ہوش آگیا ہے؟" سالار نے ایک صوفے پر بیٹھی طبیب کو اپنی طرف بٹھائے دیکھا مگر سکندر آگے نہیں آئے تھے۔ ان کو اب اس کے پاس آکر اس کی طبی چیک کر رہا تھا۔

"اب تم کیسا محسوس کر رہے ہو؟"

سالار جو اب میں کچھ کہنا چاہتا تھا اس کے حلق سے آواز نہیں نکل سکی۔ وہ صرف منہ کھول کر رو گیا۔ لاکٹر نے ایک بار پھر اپنا سوال زہر یا سالار نے نیچے پر رکھا ہوا مٹی سرنگی میں باڈیہ "بولنے کی کوشش کرو۔" لاکٹر شاید پہلے ہی اس کے گلے کے پرالم کے پار سے میں جانتا تھا۔ سالار نے ایک بار پھر لمبی میں سر ہٹا دیا۔ لاکٹر نے ترس کے ہاتھ میں بکڑی ہوئی ٹرس سے ایک ماریجنا آ کر اٹھایا۔

"منہ کھولیں۔" سالار نے دیکھے چیزوں کے ساتھ اپنا منہ کھول دیا۔ لاکٹر کچھ دیر اس کے حلق کا معائنہ کرتا رہا مگر اس نے ماریجنا نہ کھائی۔

"مجھے کچھ طبی چیک اپ کرنا پڑے گا۔" اس نے سڑک سکندر عثمان کو بتایا مگر اس نے ایک رائٹنگ پیڈ اور چین سالار کی طرف بڑھا دیا۔ ترس تب تک اس کے بازو میں لگی ڈرپ اتار چکی تھی۔

"اٹھ کر بیٹھو اور بتاؤ کیا ہوا ہے۔ مجھے کو؟" اسے اٹھ کر بیٹھنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ ترس نے بھی اس کے پیچھے دھک دیا تھا وہ رائٹنگ پیڈ ہاتھ میں لے کر بیٹھا۔

"کیا ہوا تھا؟ مجھے گویا جسم کو دبا گیا۔" وہ کچھ بھی کہنے کے قابل نہیں تھا۔ سوتی ہوئی آنکھوں میں کچھ سے چین کو وہ دیکھ رہا تھا۔ اسے یاد تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ اسے اپنی وہ عجیب یاد آ رہی تھیں

جنہوں نے اسے اب بولنے کے قابل نہیں سمجھا تھا۔ کیا لکھا جائے یہ کہ مجھے ایک پرانا ہمدردی ساری چیزیں
مجھ سے کرنا ہوتا تھا۔ کیا لکھا جائے یہ کہ مجھے چند گھنٹوں کے لئے زندہ قبر میں اتار دیا گیا تھا تاکہ مجھے میرے
سواہلوں کا جواب مل جائے۔

"What is next in ecstasy?"

وہ سنیہ صحافت کاغذ کو دیکھتا رہا پھر اس نے مختصر سی تحریر میں اپنے ساتھ ہونے والا واقعہ تحریر کر
دیا۔ ڈاکٹر نے رات تک بیٹھ کر ایک نگران سات آٹھ جملوں پر ڈالی اور پھر اسے سکندر عثمان کی طرف
بڑھا دیا۔

"آپ کو چاہئے کہ فوری طور پر پولیس سے رابطہ کریں، تاکہ کار برآمد کی جائے، پہلے ہی کافی ام
دہ گئی ہے۔ پتا نہیں وہ گاڑی کہیں سے کہاں لے جائے ہوں گے۔" ڈاکٹر نے بعد روئے انداز میں سکندر
کو مشورہ دیا۔ سکندر نے رات تک بیٹھ کر ایک نظر ڈالی۔

"ہاں پولیس پولیس سے کاٹیکٹ کرنا ہوں۔" پھر کچھ دیر ان دونوں کے درمیان اس کے گلے کے
چیک اپ کے سلسلے میں بات ہوتی رہی پھر ڈاکٹر نرس کے ہمراہ باہر نکل گیا۔ اس کے باہر نکلنے ہی سکندر
عثمان نے ہاتھ میں گزارا ہوا راتنگ بیٹھ سارا رکھنے پر اسے مارا۔
"یہ جھوٹ کا پلندہ ہے! اپنے پاس رکھو۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ اب میں تمہاری کسی بات پر اعتبار کروں گا۔
نہیں کبھی نہیں۔"

سکندر بے حد مشتعل تھے۔

"یہ بھی تمہارا کوئی نیا ایلا و دیگر ہو گا۔ خود کٹھی کی کوئی نئی کمیشن۔"

وہ کہنا چاہتا تھا۔ "فارملا سیک۔" ایسا نہیں ہے۔ "مگر وہ کوئٹوں کی طرح ان کا چہرہ دیکھتا رہا۔
"میں کیا کہوں ڈاکٹر سے کہ اس کو عادت ہے ایسے جملوں اور ایسی حرکتوں کی، یہ بڑا اسی
کاموں کے لئے ہوا ہے۔"

سارا نے سکندر عثمان کو کبھی اس حد تک مشتعل نہیں دیکھا تھا۔ شاید وہ واقعی اب اس سے ٹک آ
چکے تھے۔ طبیب خاموشی سے پاس کھڑی تھیں۔

"ہر سال ایک نیا قاتل ایک نئی مصیبت، آخر تمہیں ہیڈ آکر کے کیا کہنا کہ پیٹھے میں ہم۔"

سکندر عثمان کو یقین تھا یہ بھی اس کے کسی بے ایلا و دیگر کا حصہ تھا جو لڑکا چار بار خود کو مارنے کی
کوشش کر سکتا تھا اس کے ہاتھ پاؤں پر موجود ان زخموں کو کوئی ذکی قاتل نہیں دے سکتا تھا وہ بھی اس
صور سے میں جب اس واقعے کا کوئی گواہ نہیں تھا۔

سارا کو "خیر آیا خیر آیا" والی کہانی یاد آئی۔ بعض کہانیاں واقعی سچی ہوتی ہیں۔ وہ بار بار جموت

بول کر اب اپنا اعتبار گنوا چکا تھا شاید وہ سب کچھ ہی گنوا چکا تھا۔ اپنی عزت، خود اعتمادی، غرور، غم
چنے وہ کسی بات میں ہلچل کیا تھا۔

"کوئی بیٹا راند کے بڑے دن گزرا گئے تھے جنہیں تو تم نے سوچا ہاں باپ کو کھروم کیوں رکھوں،
انہیں خواب اور رات کے بڑا مرعہ ہو گیا ہے۔ اب نئی تکلیف دینی چاہئے۔"

"ہو سکتا ہے سکندر! یہ ٹھیک کہہ رہا ہو۔ آپ پولیس کو گاڑی کے بارے میں اطلاع تو دیں!"
اب طبیب رات تک بیٹھ کر کبھی ہوتی تحریر پڑھنے کے بعد سکندر سے کہہ رہی تھیں۔

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے؟ کبھی آج تک ٹھیک کہا ہے اس نے مجھے اس کیوں اس کے ایک نکل پڑ بھی
یقین نہیں ہے۔"

تمہارا یہ بڑا کسی دن مجھے اپنی کسی حرکت کی وجہ سے پھانسی پر چڑھا دے گا اور تم کہہ رہی ہو کہ
پولیس کو اطلاع دوں، ابنا مذاق، عواظ۔ کار کے ساتھ بھی کچھ نہ کچھ کیا ہو گا اس نے سچا دی ہو گی کسی کو
یا نہیں چیک کیا ہو گا۔"

وہ اب اسے واقعی کانٹا لیاں دے رہے تھے۔ اس نے کبھی انہیں کانٹا لیاں دیتے ہوئے نہیں سنا تھا۔ وہ
صرف ڈانٹا کرتے تھے اور وہ ان کی ڈانٹ پر بھی مشتعل ہو جاتا تھا چاروں بھائیوں میں وہ واحد تھا جو ماں
باپ کی ڈانٹ سننے کا بھی رونا دہا نہیں تھا اور اس سے بات کرتے ہوئے سکندر بہت تھکا ہوا کرتے تھے
کیونکہ وہ کسی بھی بات پر مشتعل ہو جاتا کرتا تھا مگر آج پہلی دفعہ سارا کو ان کی کانٹا لیاں پر بھی حصہ نہیں آیا تھا۔
وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ اس نے انہیں کس حد تک زچ کر دیا ہے۔ وہ پہلی بار اس نے پریشانی اپنے ماں

باپ کی حالت کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کیا چیز تھی جو انہوں نے اسے نہیں دی تھی۔ اس کے منہ سے
نکلنے سے پہلے وہ اس کی فرمائش پر ری کر اپنے کے جا رہی تھے اور وہ اس کے بدلے میں انہیں گیارہ بار
تھا۔ کیا وہ رہا تھا واقعی اذیت، پریشانی، تکلیف، اس کے علاوہ اس کے کہن بھائیوں میں سے کسی نے ان
کے لئے کوئی پریشانی نہیں کمزری کی تھی۔ صرف ایک وہ تھا جو.....

"کسی دن تمہاری وجہ سے ہم دونوں کو فرد کٹھی کرنی پڑے گی۔ تمہیں تب ہی سکون ملے گا، صرف
جب ہی یقین آئے گا تمہیں۔"

بچپن میں اس پہاڑ پر اس طرح بندھے ہوئے اسے پہلی بار ان کی یاد آئی تھی۔ پہلی بار اسے پتا چلا
تھا کہ اسے ان کی کتنی ضرورت تھی، وہ ان کے بغیر کیا کرے گا، اس کے لئے ان کے علاوہ کوئی اور بیان
ہو گا۔

اسے سکندر کے لہجوں سے زندگی میں پہلی بار کوئی بڑی بڑی محسوس نہیں ہو رہی تھی وہ ہمیشہ سے
سکندر کے زیادہ قریب رہا تھا اور اس کے سب سے زیادہ جھگڑے بھی ان ہی کے ساتھ ہوتے رہے تھے۔

”میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں دوبارہ بھی تمہاری شکل تک نہ دیکھوں۔“ ہمیں وہ بارہویں بھونکا وہاں جس جگہ کے بارے میں تم جھوٹ بول رہے ہو۔“

”اب بس کرو سکندر۔“ طیب نے ان کو ٹوکا۔

”میں نہیں کروں۔۔۔۔۔ یہ کیوں نہیں کرنا، کبھی تو اس کھالے یہ ہم لوگوں پر اور اپنی حرکتیں چھوڑ دے۔ کیا اس لیے غرض کر کے اسے زمین پر اُتارا کیا تھا کہ یہ ہماری زندگی عذاب بنادے۔“ سکندر طیب کی بات پر حریف نہ ہو سکے۔

”ابھی وہ پولیس والے بیان لینے آجائیں گے۔ جنہوں نے اسے سڑک پر پکڑا تھا۔ یہ کہو اس فوجی کے ان کے سامنے کہ اس نے چارے کو کسی نے ٹوٹ لیا ہے۔ اچھا تو یہ تو تاکہ اس بار واقعی کوئی اسے کوئی اور اسے پہنچا دے۔“

سالار نے اختیار کئے سکندر اور طیب بھونپکار دیکھے دو اپنے دونوں ہاتھ جوڑے وہ رہا تھا۔ وہ زندگی میں پہلی بار اسے رونا دیکھ رہے تھے اور وہ بھی ہاتھ جوڑے وہ کیا کر رہا تھا؟ کیا چاہ رہا تھا؟ کیا بتا رہا تھا؟ سکندر جنہوں نے اٹلی سڑک تھے، طیب اس کے قریب بیٹھ کر بیٹھ گئے، انہوں نے سالار کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے تھپکے کی کوشش کی اور وہ بچوں کی طرح ان کے ساتھ لپٹ گیا۔

اس کی پانچویں طرف کمرے سکندر عثمان کو اچانک احساس ہوا کہ شاید اس بار وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔ شاید اس کے ساتھ واقعی کوئی غلطی ہو رہا تھا۔ وہ طیب کے ساتھ لینے لگے۔ ان کی طرح ہنگاموں سے رو رہا تھا۔ طیب اسے چپ کر رہا تھا۔ خود بھی رونے لگیں۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر تو کیا بڑی بڑی باتوں پر بھی رونے کا عادی نہیں تھا۔ مگر آج کیا ہوا تھا کہ اس کے آنسو نہیں رک رہے تھے۔

اس سے دودھ کھڑے سکندر عثمان کے دل کو کچھ ہوئے لگا۔

”اگر یہ ساری رات واقعی وہاں بندھا رہا تھا تو۔۔۔۔۔“

دوسری رات اس کے بچہ میں چاہتے رہے تھے اور بگڑتے رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ گاڑی لے کر پھر کہیں لا اور یا کہیں اور آؤ اور کر دی کے لئے چلا گیا ہو گا۔ انہیں تشویش ہو رہی تھی مگر وہ سالار سکندر کی حرکتوں سے واقف تھے۔ اس لئے تشویش سے زیادہ غم تھا۔ وہ زخمی تھے۔ بیک کے قریب دو سونے کے لئے چلے گئے تھے جب انہیں خون پر پولیس کی طرف سے یہ اطلاع ملی۔

وہ بائیں پہنچے تھے اور انہوں نے اسے وہاں بہت آخر حالت میں دیکھا تھا مگر وہ یہ یقین کرنے پر تیار نہیں تھے کہ اس کے ساتھ کوئی حادثہ ہوا تھا۔ وہ جانتے تھے وہ خود کو اذیت پہنچا رہا تھا جو جنس اپنی کھالی حالت سے۔ ان دنوں وہ کوئی وقت ہوئے ٹریک کی بجائے اپنی بائیک کو مارے۔ سڑک پر چلے گئے۔ اپنے آپ کو یاد کر پانی میں ڈال کر جانے۔ اس کے لئے ایک بار پھر اپنی حالت کو یاد کیا مشکل تھا۔

اس کا جسم کپڑوں کے کائے کے نشانات سے جگہ جگہ بھرا ہوا تھا۔ بعض جگہوں پر زلزلہ تھی۔ اس کے سر بھی بری طرح سے زخمی تھے۔ ہاتھوں کی کھالوں، گردن اور پشت کا بھی یہی حال تھا اور اس کے پیروں پر بھی خراشیں پڑی ہوئی تھیں۔ اس کے باوجود سکندر جنہوں کو یقین تھا کہ یہ سب کچھ اس کی اپنی کارستانی ہی ہوگی۔

شاید اس وقت وہ بولنے کے قابل ہو تا اور اس وقت میں اس کا تو وہ بھی اس پر یقین نہ کرتے مگر اسے اس طرح اٹھانے کے ساتھ دوتے کو کچھ کر انہیں یقین آنے لگا تھا کہ وہ کچھ رہا تھا۔

وہ کمرے سے باہر نکلتے اور انہوں نے سوبال پر پولیس سے رابطہ کیا۔ ایک گھنٹے کے بعد انہیں ہاتھ مل کر سرخ رنگ کی ایک اسپرٹس کار پہلے ہی پکڑی جا چکی ہے اور اس کے ساتھ وہ لڑکے بھی۔ پولیس نے انہیں ایک معمول کی پینٹنگ کے دوران لائنس اور گاڑی کے کائے لگاتے ہوئے پر کھڑا جانے پر پکڑا تھا۔ انہوں نے ابھی تک یہ نہیں بتایا تھا کہ انہوں نے گاڑی کہاں سے لگائی تھی اور صرف یہی کہتے رہے کہ وہ گاڑی انہیں کہیں ملی تھی اور وہ صرف شوق اور جنس سے مجبور ہو کر چلانے لگے۔ چوہہ پولیس کے پاس ابھی تک کسی گاڑی کی ایف آئی آر بھی راج نہیں کر والی تھی اس لئے ان کے بیان کی تصدیق مشکل ہو گئی تھی۔

مگر سکندر عثمان کی ایف آئی آر کے کچھ دیر بعد ہی انہیں کار کے بارے میں پتا چل گیا تھا۔ اب وہ صحیح معنوں میں سالار کے بارے میں تشویش کا شکار ہوئے تھے۔

☆ ☆ ☆

سکندر اور طیب سالار کو اس رات وہیں نہیں لے کر آئے، وہ اس رات بائیں میں ہی رہا لگے دن اس کے جسم کا درد، سوجن میں کافی کی واقع ہو چکی تھی۔ وہ دونوں گیارہ بجے کے قریب اسے گھر لے آئے۔ اس سے پہلے پولیس کے دو بارہویں نے اس سے ایک لمبا چوڑا تحریری بیان لیا تھا۔

سکندر اور طیب کے ساتھ اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پہلی بار اس نے اپنی کمر کیوں پر تکی ہوئی غلطی کا تحریری انہوں نے انہوں کو دیکھا اسے بے اختیار شرم آئی۔ طیب اور سکندر بہت بار اس کے کمرے میں آتے رہے تھے اور وہ انہوں کو ان کے لئے کوئی نئی یا قلمی اعتراض بھی نہیں تھیں۔

”تم اب آرام کرو۔ میں نے تمہارے طریق میں بدل دیا جو اس رکھو لو یا ہے۔ بھوک لگے تو کھال کر کھانا یا پھر ملازم کو بلا لینا۔ وہ نکال دے گا۔“

طیب نے اس سے کہا۔ وہ اپنے بیٹھ کر لینا ہوا تھا۔ وہ دونوں کچھ دیر اس کے پاس رہے پھر کمرے کے دروازے پر بار کر کے اسے سونے کی تاکید کرتے ہوئے چلے گئے۔ وہ ان کے باہر لگے ہی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے کمرے کے دروازے کو اندر سے لاک کیا۔ کمرے کے پردے ہٹا کر اس نے بہت تیزی سے

پاک کا ایک تربہ اور نماز کے بارے میں کچھ دوسری کتابیں خریدنا چاہتا تھا۔ دکاندار نے اسے حیرانی سے دیکھا۔ وہ سالار کو اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ وہاں سے پورنو گرافی کے غیر ملکی میگزینز اور سلفی شیڈل اور میرلر، دوسرے چند دوسرے انگلش پورنو گیسٹوں والوں کے ہر سٹے اول کو خریدنے کا عادی تھا۔

سالار اس کی نظروں کے استہجاب کو سمجھتا تھا۔ وہ اس سے نظریں ملانے کے بجائے صرف کاغذ کو دیکھتا رہا۔ وہ آدنی کی میز میں گودا بات دیتا رہا پھر اس نے سالار سے کہا۔

"آپ بارے دن بعد آئے۔" کیسے گئے ہوئے تھے؟

"اسٹور کے لئے باہر۔" اس نے سر ہلاتے ہوئے سامنے چلے ہوئے کاغذ پر لکھا۔

"اور یہ گئے کو کہا ہوا؟"

"جس ٹیکہ نہیں ہے۔" اس نے لکھا۔

میگزین قرآن پاک کا تربہ اور دوسری مطلوب کتابیں لے آیا۔

"ہاں ایہ انڈیائی کتابوں کا آج کل بڑا ٹریڈ چلا ہوا ہے۔ لوگ بہت چڑھتے گئے ہیں، بڑی اچھی بات ہے۔ خاص طور پر باہر چاکر تو خور و چرنا چاہتے ہیں۔" دکاندار نے بڑے کاروباری انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ سالار نے کچھ نہیں کہا۔ وہ اپنے سامنے بڑی کتابوں پر ایک نظر دوڑانے لگا۔

چند لمحوں کے بعد اس کے سامنے قرآن پاک کے ترانے کے ساتھ کاغذ پر خالی جگہ پر شاپ گھر لے اس کے سامنے پورنو گرافی کے کچھ سٹے میگزینز رکھ دیئے۔ کتابوں کو دیکھتے دیکھتے اس نے جوتھ لکڑا اٹھا۔

"یہ سٹے ہیں، میں نے سوچا آپ کو دکھا دوں۔ یہ سٹا ہے آپ خریدنا پسند کریں۔"

سالار نے ایک نظر قرآن پاک کے ترانے کو دیکھا اور دوسری نظر چند اسی دور چلے ان میگزینز کو دیکھا۔ سٹے کی ایک لہر کی لہریں کے اندر اٹھی تھی۔ کیوں؟ وہ نہیں جانتا تھا۔ اپنے بائیں ہاتھ سے ان میگزینز کو اٹھا کر وہ چھٹی دور اس شاپ کے اندر پیچک سٹکا تھا اس نے پیچک دیئے۔ چند لمحوں کے لئے پوری شاپ میں خاموشی چھا گئی۔

میگزین میں جگہ کا کھڑا تھا۔ "مل" سالار نے کاغذ پر کھینچا اور سرخ چرے کے ساتھ اس میگزین کی آنکھوں کے سامنے اس کاغذ کو کھینچ کر میگزین کے کچھ بھی کچھ بغیر اپنے سامنے چلے گھبرا کر پرائیڈ کتابوں کا مل جانا شروع کر دیا جو اس کے سامنے رکھی تھیں۔

چند لمحوں میں سالار نے مل ادا کیا اور کتابیں اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"ایڈیٹ۔" دکان سے باہر نکلتے ہوئے اس نے کاغذ کے پاس کھڑی دیک لڑکی کا تہرہ سنا، مخاطب کون تھا ان کے سر کو دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا وہ تیسرا ہی پر کیا گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

دو ہفتے بعد اس کی آواز بحال ہو گئی تھی۔ اگرچہ ابھی اس کی آواز بالکل چھٹی ہوئی تھی مگر وہ بولنے کے قابل ہو گیا تھا اور ان دو ہفتوں میں وہ اس کی دریاہٹ میں مصروف رہا۔ دو دن کی میں پہلا بار یہ کام کر رہا تھا۔ شاید زمانہ کی میں پہلی بار اسے یہ احساس ہوا تھا کہ وہ بھی کوئی وجود رکھتی تھی اور اگر وہ اس کے ساتھ کوئی مسئلہ ہو جائے تو وہ زمانہ کی میں پہلی بار خاموشی کے ایک لمحے فخر میں داخل ہو سکتی۔ یہ لگتا تھا کہ سنا۔ صرف سنا بھی انہیں دفعہ بہت اہم ہوتا ہے اس کا اور اس کے پہلی بار دور با تھا۔

اسے زندگی میں رات سے بھی خوف نہیں آتا تھا۔ اس واقعہ کے بعد اسے رات سے بے تحاشا خوف آنے لگا تھا۔ وہ کمرے کی لائٹ آن کر کے سوتا تھا۔ اس نے پولیس کسٹڈی میں ان دونوں لڑکوں کو پہچان لیا تھا، مگر وہ پولیس کے ساتھ اس جگہ پر جانے کے لئے تیار نہیں ہوا تھا جہاں اس شام وہ اسے ہاتھ کر چھوڑ گئے تھے۔ وہ وہ بار کسی ذہنی پر اس کی کا شکار ہونا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے زندگی میں اس سے پہلے کبھی اتنی بے خواب راتیں نہیں گزاریں تھیں مگر اب یہ ہو رہا تھا کہ وہ سلیپنگ جگہ پر لیٹے بغیر سوتے میں کامیاب نہیں ہوتا تھا اور بعض دفعہ جب وہ سلیپنگ جگہ پر لیٹا تو دوسری رات جاگتے ہوئے گزار دیتا۔ اس نے تہہ بیون میں بھی ایسے ہی چند ہفتے گزارے تھے۔ ایسے ہی تھکے وہ اور لاپتہ ناک مگر جب صرف انہیں اور دوسرے قیدیوں کے ساتھ ایک ہی جگہ پر لیٹا۔

مگر اب وہ ایک تیسری کیفیت سے گزر رہا تھا خوف سے وہ اندازہ نہیں کر پاتا تھا کہ اس رات اسے کس چیز سے زیادہ خوف آتا تھا۔ موت سے؟ یا پھر دوزخ سے۔

امام نے کہا تھا ecstasy کے بعد pain ہوتی ہے۔ موت pain تھی۔

اس نے کہا تھا pain کے بعد nothingness ہوتی۔

قبر nothingness تھی۔

امام نے کہا تھا nothingness کے بعد hell آجائے گا۔

وہ وہاں تک پہنچا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اس ecstasy سے چٹا چاہتا تھا جو اسے pain سے hell کا سفر کرنے پر مجبور کر دیتی۔

"اگر مجھے ان سب چیزوں کا پتا نہیں تھا تو امام کو کیسے پتا تھا۔ وہ میری ہی عمر کی ہے۔ وہ میرے جیسے خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ پھر اس کے پاس ان سوالوں کے جواب کیسے آ گئے؟" وہ حیران ہوتے ہوئے سوچنے لگا۔ آسان نہیں تو اس کے پاس بھی وہ ایسی ہی تھیں جیسے میرے پاس تھیں پھر اس میں اور کچھ میں کیا فرق تھا وہ جس کیسے فکر سے تھی وہ کون ہوتے ہیں اور وہ کیوں اس کیسے فکر سے منسلک رہتا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے پہلی بار اس کے پاس سے تفصیلی طور پر پڑھا۔ اس کی آنکھوں میں اشعار ہوا، ختم نبوت پر

اختلاف کیا تو ہم ایسا ہے کہ ایک لڑکی اس طرح اپنا گھر چھوڑ کر چلی جائے۔

"میں نے اسجد سے اس لئے شادی نہیں کی کیونکہ وہ شتم نبوت ﷺ پر یقین نہیں رکھتا۔ تم سمجھتے ہو میں تمہارے جیسے انسان کے ساتھ زندگی گزارنے پر تیار ہو جاؤں گی۔ ایک ایسے شخص کے ساتھ جو شتم نبوت ﷺ پر یقین رکھتا ہے اور ہر بھی کتا کہتا ہے جو ہر وہ کام کرتا ہے جس سے میرے بغیر ﷺ نے منع فرمایا۔ میں اگر حضرت محمد ﷺ پر یقین نہ رکھنے والے سے شادی نہیں کروں گی تو میں آپ ﷺ کی نافرمانی کرنے والے کے ساتھ بھی زندگی نہیں گزاروں گی۔"

اسے امام ہاشم کا ہر اللہ یاد تھا۔ وہ مہبوبہ پر چلی بار غور کر رہا تھا۔

"تم یہ بات نہیں سمجھو گے۔"

اس نے بہت بار سالار سے یہ جملہ کہا تھا۔ اتنی بار کہ وہ اس مسئلے سے چلنے لگا تھا۔ آخر وہ یہ بات کہہ کر اس پر کیا جتنا چاہتی تھی یہ کہ وہ کوئی بہت بڑی سا کٹاریا دار ساتھی اور وہ اس سے بہت کمتر۔ اب وہ سوچ رہا تھا وہ اہل نمیک کہتی تھی۔ وہ واقعی جب کچھ بھی سمجھنے کے قابل نہیں تھا۔ کچھ نہیں رہنے والا نیز یہ کیسے جان سکتا تھا کہ وہ کس گندگی میں رہتا ہے، ایسے اپنے بھائے دوسرے گندگی میں چلے اور گندگی میں رہتے نظر آتے ہیں۔ وہ بھی جب گندگی میں ہی تھا۔

"مجھے تمہاری آنکھوں سے تمہارے کھلے گریبان سے گھن آتی ہے۔ تم سے پہلے پہلی بار اب ان دونوں بچوں سے گھن آتی۔ آجینے کے سامنے رکھنے پر یہ جملہ کسی بزدل (Bull) کی طرح کیا، تاکہ اس کے کانوں میں کوئی بڑا دھڑا اسے دھن سے جھٹکے۔ کچھ مشتعل ہوتا، اپنے کام میں مصروف ہو جاتا مگر اب پہلی بار اس نے محسوس کیا تھا کہ اسے خود بھی اپنے آپ سے گھن آنے لگی تھی۔ وہ اپنا گریبان بند رکھنے لگا تھا۔ اپنی آنکھوں کو جھکانے لگا۔ وہ آجینے میں بھی خود اپنی آنکھوں میں دیکھنے سے گھرانے لگا تھا۔

اس نے بھی کسی سے یہ نہیں سنا تھا کہ کسی کو اس کی آنکھوں اس کی نظروں سے گھن آتی تھی۔ خاص طور پر کسی لڑکی کو۔

یہ اس کی آنکھیں نہیں ان آنکھوں میں جھٹکے والا تھا تھا، جس سے امام ہاشم کو گھن آتی تھی۔ امام ہاشم سے پہلے کسی لڑکی نے اس تاثر کو شاعت نہیں کیا تھا۔

وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے والی لڑکیوں کی کئی میں رہتا تھا اور وہ ایسی ہی لڑکیوں کو پسند کرتا تھا۔ امام ہاشم نے بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہیں کی تھی وہ اس کے چہرے کو دیکھتی اور اسے اپنی طرف دیکھتے یا کر نگر بنا لیتی یا پھر کسی اور چیز کو دیکھنے لگتی۔ سالار کو خوش فہمی تھی کہ وہ اس سے نظروں اس نے چلے اور یہی تھی کیونکہ اس کی آنکھیں بہت پرکشش تھیں۔

اسے پہلی بار اس کے منہ سے فون پر یہ سن کر شاک لگا تھا کہ اسے اس کی آنکھوں سے گھن آتی تھی۔ "آنکھیں روح کی کڑیاں ہوتی ہیں" اس نے کہیں پڑھا تھا تو کیا میری آنکھیں میرے اندر بھی گندگی کو دکھانا شروع ہو گئی تھیں۔ اسے حجب نہیں ہوا۔ ایسا ہی تھا مگر اس گندگی کو دیکھنے کے لئے اسنے والے کاپاک ہونا ضروری تھا اور امام ہاشم پاک تھی۔

☆ — ☆ — ☆

"آپ اب مجھے کچھ بھی نہ سمجھائیں۔ آپ کو اب مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

سالار نے سکدر سے آنکھیں ملائے بغیر کہا۔

دو بارہ مارچ ۷۱۱۱ء چار ہا تھا اور جاتے سے پہلے سکدر نے بیٹھ کی طرح اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ وہی پرانی شخصیتیں کسی مہم جوئی اس اور امید میں ایک بار پھر اس کے کانوں میں ٹھونسنے کی کوشش کی تھی مگر اس بار ان کے بات شروع کرتے ہی سالار نے انہیں شاید زندگی میں پہلی دفعہ یقین دہانی کرائی تھی اور زندگی میں پہلی بار سکدر حنان کو اس کے الفاظ پر یقین آیا تھا۔

وہ اس حادثے کے بعد اس میں آئے والی تبدیلیوں کو واضح طور دیکھ رہے تھے۔ وہ پہلے والا سالار نہیں رہا تھا، اس کی زندگی میں تبدیلی ہو چکی تھی۔ اس کا حالہ اس کا اندازہ سب کچھ اس کے اندر کے شعلے کو جیسے کسی نے پھونک کر رکھا تھا تھا۔ صحیح ہو رہا تھا، اعلیٰ تہذیب اس انجی جس بارہی۔ خود سکدر حنان ابھی اس پر کوئی رائے دینے کے قابل نہیں ہوئے تھے مگر انہیں یہ ضرور معلوم ہو گیا تھا کہ اس میں کوئی بہت بڑی تبدیلی آئی تھی۔ انہیں یہ اندازہ نہیں ہوا تھا کہ اس نے زندگی میں پہلی بار چوت کمانی تھی اور زندگی میں پہلی بار چوتے والی چوت۔ وہ بڑے بڑوں کو رلا دیتی ہے وہ تو پھر انہیں ہائیں سال کا لڑکا تھا۔

زندگی میں بعض وقتوں میں پتا نہیں چلتا کہ ہم تاریکی سے باہر آئے ہیں یا تاریکی میں داخل ہوئے ہیں۔ اندھیرے میں سمت کا پتا نہیں چلتا مگر آسمان اور زمین کا پتا ضرور چل جاتا ہے بلکہ ہر حال میں چلتا ہے۔ سر اٹھانے پر آسمان ہی ہوتا ہے۔ نظر آئے نہ آئے۔ سر جھکانے پر زمین ہی ہوتی ہے۔ دو کمانی اسے زندہ مگر زندگی میں سفر کرنے کے لئے صرف چار سمتوں ہی کی ضرورت پڑتی ہے۔ دائیں، بائیں، اگے، پیچھے یا چھوڑیں سمت ہواں کے نیچے ہوتی ہے۔ وہاں زمین نہ ہو تو پتا نال آ جاتا ہے۔ پاتال میں کچھ کے بعد کسی سمت کی ضرورت نہیں رہتی۔

پچھنی سمت سر سے اوپر ہوتی ہے۔ وہاں جاپا ہی نہیں جاسکتا۔ وہاں اللہ ہوتا ہے۔ آنکھوں سے نظر نہ آنے والا مگر دل کی ہر دھڑکن، خون کی ہر گردش، ہر آنے جانے والے سانس، صلی سے آنے والے ہر نوالہ کے ساتھ محسوس ہونے والا، وہ غور کر ایک ہیوری، ۱۵۰۰ + آئی کیو ل اسے اب عذاب لگ

رہا تھا۔ وہ سب کچھ بھولنا چاہتا تھا۔ وہ سب جو وہ کرتا رہا، وہ کچھ بھی بھلانے کے قابل نہیں تھا۔ کوئی اس سے اس کی تکلیف پوچھتا۔

.....

نیو یون ہاپس آنے کے بعد اس نے زندگی کے ایک نئے سفر کو شروع کیا تھا۔

اس رات اس جنگل کے ہولناک اندھیرے اور تاریکی میں اس درخت کے ساتھ بندھے بیٹھے ہوئے کئے گئے تمام وعدے یاد تھے۔

وہ سب سے بالکل الگ شکل رہنے لگا تھا۔ "مولیٰ سے رابطہ اور بھائی کے بھی بغیر۔"

"مجھے تم سے نہیں ملنا۔"

وہ صاف کو تو بہت سے ہی تھا مگر اس قدر تک ہو جائے گا اس کے ساتھیوں میں سے کسی کو بھی اس کی توقع نہیں تھی۔ چند ہفتے اس کے بارے میں اس کا گروپ چھٹو گیاں کرتا رہا پھر یہ چھٹو گیاں امتحانات اور تہواروں میں تبدیل ہو گئیں اور اس کے بعد نئے نئے جملوں اور نئے نئے رنگوں میں پھر سب اپنی اپنی زندگی میں مصروف ہو گئے۔ سالانہ سکنڈرنگ کی زندگی پھر کڑاؤ اور کھوکھلی تھا۔ دوسرا کوئی اس کی زندگی کا۔ اس نے نیو یون میں پہنچنے کے بعد جو چند کام کئے تھے اس میں جلال انصر سے ملاقات کی کوشش بھی کی تھی۔ وہ پاکستان سے واپس آئے ہوئے اس کے گھر سے امریکہ میں اس کا لایہ رہنے لے آیا تھا۔ یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ اس کا ایک کزن بھی اسی پاتھ میں کام کر رہا تھا جہاں جلال کام کر رہا تھا۔ باقی کا کام بہت آسان ثابت ہوا۔ ضرورت سے زیادہ آسان۔

وہ اس سے ایک بار مل کر اس سے معذرت کرنا چاہتا تھا۔ اسے ان تمام جھوٹوں کے بارے میں بتانا چاہتا تھا۔ وہ اس سے امام کے بارے میں اور امام سے اس کے بارے میں بولنا چاہتا تھا۔ وہ ان دونوں کے تعلق میں اپنے رول کے لئے شرمندہ تھا۔ وہ اس کی مدد کرنا چاہتا تھا۔ وہ جلال انصر تک پہنچ چکا تھا اور وہ امام با شرم تک پہنچنا چاہتا تھا۔

وہ جلال انصر کے ساتھ ہاسٹل کے کچے پیرا میں بیٹھا ہوا تھا۔ جلال انصر کے چہرے پر بے حد سنجیدگی تھی اور اس کے ماتھے پر پڑے ہوئے جلی اس کی نادراستی کو ظاہر کر رہے تھے۔ سالانہ کچھ دیر پہلے ہی وہاں پہنچا تھا اور جلال انصر سے اپنے سامنے دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا تھا۔ اس نے جلال سے چند ہفتے مانگے تھے۔ وہ دیکھتے انتظار کر رہے تھے بعد ازاں آخر کچھ پیرا میں آ گیا تھا۔

"سب سے پہلے تو میں یہ جانتا چاہوں گا کہ تم نے مجھے ڈھونڈا کیسے؟" اس نے آپ بیتی کے تمام نکلات کو برطرف رکھتے ہوئے بھیل پر بیٹھ ہی سالانہ سے کہا۔

"یہ اہم نہیں ہے۔"

"یہ بہت اہم ہے۔ اگر تم واقعی یہ جانتے ہو کہ میں کچھ دیر تمہارے ساتھ یہاں گزاروں تو مجھے بتانا چاہئے کہ تم نے مجھے کیسے ڈھونڈا؟"

"میں نے اپنے کزن سے مدد لی ہے۔ وہ ایک ڈاکٹر ہے اور اس شہر میں بہت عرصے سے کام کر رہا ہے۔ میں یہ نہیں جانتا اس نے آپ کو کیسے ڈھونڈا ہے۔ میں نے صرف اس کو آپ کا نام اور کچھ دوسری معلومات دی تھیں۔" سالانہ نے کہا۔

"کی.....؟" جلال نے بڑے رسمی انداز میں کہا، وہ بھیل پر آتے ہوئے اپنی ٹانگے کے ساتھ لے کر آیا تھا۔

"نہیں، میں نہیں کھاؤں گا۔" سالانہ نے شکریہ کے ساتھ معذرت کر لی۔

جلال نے کندھے پر کھانا پکائے اور کھانا شروع کر دیا۔

"کس معاملے میں بات کرنا چاہتے تھے تم مجھ سے؟"

"میں آپ کو پتہ تھا کہ اسے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔"

جلال نے اپنی ہنسیوں پر کانٹیں۔ "تھانک؟"

"میں آپ کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ میں نے آپ سے جھوٹ بولا تھا۔ میں امام کا دوست نہیں تھا۔ وہ میرے دوست کی بہن تھی۔ صرف میری ٹیکسٹ اور neighborhood کے کھانا جاری رکھا۔"

جلال نے اس سے معمولی چان بچان تھی۔ وہ بھی صرف اس لئے کیونکہ ایک بار اس نے مجھے فرسٹ ایڈ دے کر میری جان بچائی تھی۔ وہ مجھے پسند نہیں کرتی تھی خود میں بھی اسے پسند نہیں کرتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ میں نے آپ پر یوں ظاہر کیا جیسے وہ میری بہت گہری دوست تھی۔ میں آپ دونوں کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرنا چاہتا تھا۔"

جلال سنجیدگی سے اس کی بات سننے ہوئے کھانا کھا چ رہا۔

"اس کے بعد جب امام گھر سے نکل کر آپ کے پاس آنا چاہتی تھی تو میں نے اس سے جھوٹ بولا۔ آپ کی شادی کے بارے میں۔"

اس بار جلال کھانا کھاتے کھاتے رک گیا۔ "میں نے اس سے کہا کہ آپ شادی کر چکے ہیں۔ وہ آپ کے پاس ہی لئے نہیں آئی تھی۔ مجھے بعد میں احساس ہوا کہ میں نے بہت بڑا سبب حرکت کی ہے مگر اس وقت تک ہم جو بھی تھی۔ امام سے میرا کوئی رابطہ نہیں تھا مگر یہ ایک اتفاق ہے کہ آپ سے میرا رابطہ ہو گیا۔ میں آپ سے ایک سکاڑا کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں تمہاری معذرت قبول کرتا ہوں مگر میں نہیں سمجھتا کہ تمہاری کوئی بے ہوشی اور امام کے درمیان کوئی غلط فہمی پیدا ہوئی، میں پہلے ہی اس سے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔" جلال نے بڑی

جہاں گولی سے کہا۔

"وہ آپ سے بہت محبت کرتی تھی۔" سالار نے دھیمی آواز میں کہا۔

"ہاں میں جانتا ہوں مگر شادی وغیرہ میں صرف محبت تو نہیں دیکھی جاتی اور بھی بہت کچھ دیکھا جاتا ہے۔" جلال بہت حقیقت پسندانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

"جلال! کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ اس سے شادی کر لیں۔"

"یہی بات یہ کہ میرا اس کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں ہے اور دوسری بات یہ کہ میرا اس کے ساتھ رابطہ ہو تا بھی جب بھی میں اس کے ساتھ شادی نہیں کر سکتا۔"

"اس کو آپ کے سہارے کی ضرورت ہے۔" سالار نے کہا۔

"میں نہیں سمجھتا کہ اسے میرے سہارے کی ضرورت ہے۔ اب تو بہت عرصہ گزر چکا ہے اب تک وہ کوئی نہ کوئی سہارا تلاش کر چکی ہوگی۔" جلال نے اطمینان سے کہا۔

"ہو سکتا ہے اس نے ایسا نہ کیا ہو۔ وہ ابھی بھی آپ کا انتظار کر رہی ہو۔"

"میں اس طرح کے امکانات پر غور کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ میں نے تمہیں بتایا ہے کہ میرے لئے اپنے کیریئر کی اس منگناہ شادی کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ وہ ابھی اس سے۔"

"نیکوں۔"

"اس کیوں کا جو اب میں تمہیں کیوں دوں۔ تمہارا اس سارے معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں اس سے کیوں شادی نہیں کرتا یا جتنا۔ میں تب ہی اسے چاہتا ہوں اور اسے جس سے بعد تم دوبارہ

آکر بھروسہ پیڑور ابا کس کھولنے کی کوشش کر رہے ہو۔" جلال نے قدرے ناراضی سے کہا۔

"میں صرف اس نقصان کی سلائی کرنے کی کوشش کر رہا ہوں جو میری وجہ سے آپ دونوں کا

ہوا۔" سالار نے نرمی سے کہا۔

"میرا کوئی نقصان نہیں ہو اور ابا۔ کابھی نہیں ہو رہا گا۔ تم ضرورت سے زیادہ حساس ہو رہے ہو۔" جلال نے سالار کے چند کلمے سن کر ذرا لڑنے ہوئے اطمینان سے کہا سالار اسے دیکھتا رہا۔ وہ

نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ وہ اسے اپنی بات کیسے سمجھائے۔

"میں اس کو ڈھونڈنے میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔" اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "مگر میں اسے ڈھونڈنا نہیں چاہتا۔ شادی مجھے اس سے نہیں کرنی تو پھر ڈھونڈنے کا فائدہ۔"

سالار نے ایک گہرا سانس لیا۔ "آپ جانتے ہیں اس نے کس لئے مگر چھوڑا تھا؟"

"میرے لئے سب کچھ نہیں چھوڑا تھا۔" جلال نے بات کاٹی۔

"آپ کے لئے نہیں چھوڑا تھا، مگر جن وجوہات کی بنا پر چھوڑا تھا کیا ایک مسلمان کے طور پر آپ

کو اس کی مدد نہیں کرنی چاہئے جب کہ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ لڑکی آپ سے بہت محبت کرتی ہے۔ آپ سے بہت انس پڑا ہے۔"

"میں دنیا میں کوئی واحد مسلمان نہیں ہوں اور نہ ہی مجھ پر یہ فرض کر دیا گیا ہے کہ میں اس کی مدد ضرور کروں۔ میری ایک ہی لڑکی ہے اور میں اسے کسی اور سہارے کی وجہ سے تو خراب نہیں کر سکتا اور پھر

تم بھی مسلمان ہو۔ تم کیوں نہیں شادی کرتے اس سے؟ میں نے تو جب بھی تم سے کہا تھا کہ تم اس سے شادی کر لو۔ تم ویسے بھی اس کے لئے نرم گوشہ رکھتے ہو۔"

جلال اصرار نے قدرے جیسے ہوئے انداز میں کہا۔ سالار اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ وہ اسے بتا نہیں سکتا تھا کہ وہ اس سے شادی کر چکا ہے۔

"شادی؟" وہ مجھے پرند نہیں کرتی۔" اس نے کہا۔

"میں اس سلسلے میں اسے سمجھا سکتا ہوں۔ تم میرا اس سے رابطہ کر دو اور تو میں اسے تم سے شادی پر چار کر لوں گا۔ اچھے بکرمی ہو تم۔۔۔۔۔ اور خاندان وغیرہ بھی ٹھیک ہی ہو گا تمہارا۔ پھر تو بڑھ سال پہلے

بھی بی بی شانہ اور رکھی ہوئی تھی تم نے۔ اس کا مطلب ہے روپیہ و کچن ہو گا تمہارے پاس۔ ویسے یہاں کس لئے ہو؟"

"ذمہ داری اے کر رہا ہوں۔"

"پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ جاب تمہیں مل جائے گی۔ روپیہ ویسے بھی تمہارے پاس ہے۔ لڑکیوں کو اور کیا چاہئے۔ ابا تو ویسے بھی تمہیں جانتی ہے۔" جلال نے جھنجھکی جاتے مسئلہ حل کیا تھا۔

"سارا مسئلہ تو اسی "جانتے" نے ہی پیدا کیا ہے۔ وہ مجھے ضرورت سے زیادہ جانتی ہے۔" سالار نے جلال کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

"وہ آپ سے محبت کرتی ہے۔" سالار نے جیسے اسے یاد دلایا۔

"اب اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ لڑکیاں کچھ زیادہ جذباتی ہوتی ہیں اس معاملے میں۔" جلال نے قدرے بیزارگی سے کہا۔

"یہ دن سائیڈ ڈیو الیمیر تو نہیں ہو گا۔ آپ کسی نہ کسی حد تک اس میں انوکھو تو غور ہوں گے۔" سالار نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

"میں تو ذرا بہت انوکھو تھا، مگر وقت اور حالات کے ساتھ ساتھ ترجیحات بھی بدلتی رہتی ہیں انسان کی۔"

"اگر آپ کو وقت اور حالات کے ساتھ اپنی ترجیحات بدلتی نہیں تو آپ کو اس کے بارے میں ابا کو انوکھو ہوتے ہوئے ہی بتا دینا چاہئے تھا۔ تم اگر کم اس سے یہ ہو تا کہ وہ آپ سے مدد کی توقع رکھتے۔"

ہی آپ پر اس قدر انصاف کرتی۔ میں امید کرتا ہوں آپ یہ تو نہیں کہیں گے کہ آپ نے اس سے شادی کئے ہوئے سے کبھی کوئی بات یاد نہ کیا ہی نہیں تھا۔

جلال کچھ کہنے کے بجائے خشکیں آنکروں سے اسے دیکھتا رہا۔

”تم مجھے کیا جتانے اور بتانے کی کوشش کر رہے ہو؟“ اس نے چند لمحوں کے بعد اکڑے ہوئے انداز میں اس سے کہا۔

”اس نے جب مجھ سے پہلی بار رابطہ کیا تھا تو آپ کا خون گہرا اور ایلے رہیں دے کر اس نے مجھ سے کہا تھا کہ میں آپ سے پوچھوں آپ نے اپنے جوش سے شادی کی بات کر لی ہے۔ میں نے اسے اپنا فون دیا تھا کہ وہ آپ سے یہ بات خود پوچھ لے۔ یقیناً اسلام آباد آنے سے پہلے آپ نے اس سے یہ کہا ہو گا کہ آپ اس سے شادی کے لئے اپنے جوش سے بات کریں گے۔ آپ نے یقیناً پہلے محبت وغیرہ کے وکھار کے بعد اسے پروپوز کیا ہو گا۔“

جلال نے کچھ برہمی سے اس کی بات کالی۔ ”میں نے اسے پروپوز نہیں کیا تھا۔ اس نے مجھ پر پوز کیا تھا۔“

”مان لیتا ہوں اس نے پروپوز کیا۔ آپ نے کیا کیا؟“ انکار کر دیا۔ ”وہ پہنچ کرنے والے انداز میں پوچھ رہا تھا۔“

”انکار نہیں کیا ہو گا۔“ سالار عجیب سے انداز میں منکر لایا۔

”اس نے مجھے بتایا تھا کہ آپ نسبت بہت اچھی پڑھتے ہیں اور آپ کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی بہت محبت ہے۔ آپ کو بھی بتایا ہو گا اس نے کہ وہ آپ سے محبت کیوں کرتی تھی مگر آپ سے مل کر اور آپ کو جان کر مجھے بہت مایوسی ہوئی۔ آپ نسبت بہت اچھی پڑھتے ہوں گے مگر جہاں تک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا تعلق ہے میں نہیں سمجھتا کہ آپ کو ہے۔ میں خود کوئی بہت اچھا آدمی نہیں ہوں اور محبت کے بارے میں زیادہ بات نہیں کر سکتا۔ خاص طور پر اللہ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کے بارے میں مگر اتنا میں ضرور جانتا ہوں کہ پوچھیں اللہ یا اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے یا لوگوں کو یہ ایجنڈا دیتا ہے کہ وہ دوسرے کے لئے پیچھے ہوئے ہاتھ کو نہیں جھک سکتا۔ یہ وہ کسی کو دھوکا اور فریب دے گا۔“ سالار اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”اور میں تو آپ سے دیکوئسٹ کر رہا ہوں اس کی مدد کے لئے۔ یہ ہو سکتا ہے اس نے بھی لڑچک سال پہلے کی ہو پھر بھی اگر آپ انکار پر مصر ہیں تو..... میں یا کوئی آپ کو مجبور تو نہیں کر سکتا مگر آپ سے مل کر اور آپ سے بات کر کے مجھے بہت مایوسی ہوئی۔“

اس نے الوداعی مصافحہ کے لئے جلال کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ جلال نے اپنا ہاتھ نہیں بڑھایا۔ وہ

مگر بھرے انداز میں ہاتھ پر مل گئے است و کھتا رہا۔

”خدا حافظ۔“ سالار نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ جلال اسی انداز میں اسے جان دیکھتا رہا اور پھر اس نے غور کا ذی کی۔ ”It's really an idiot's world out there.“

وہ وہ بار دہی لڑے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کا سونے پر عذرا آف ہو رہا تھا۔

.....

جلال انصر سے ملاقات کے بعد وہ اپنے احساسات کو کوئی نام دینے میں کامیاب نہ رہا تھا۔ کیا اسے اپنے دلچسپانہ سے آزاد ہو جانا چاہئے؟ کیونکہ جلال نے یہ کہا تھا کہ سالار رنج میں نہ آتا تو بھی وہ انصر سے شادی نہیں کرتا اور جلال انصر سے بات کرنے کے بعد اسے یہ انداز ہو گیا تھا کہ انصر کے لئے اس کے احساسات میں کوئی گہرائی نہیں تھی مگر یہ شاید اس کے لئے بہت سے نئے سوال پیدا کر رہا تھا۔ وہ جلال سے آج ملا تھا۔ ایک سال پہلے اس نے جلال کے ساتھ اس طرح بات کی ہوئی تو شاید اس پر ہونے والا اثر مختلف ہو گا۔ جب انصر کے لئے اس کے احساسات کا پیمانہ مختلف ہو گا اور شاید انصر سال پہلے وہ انصر کے بارے میں اس بے حس کا مظاہرہ نہ کرتا جس کا مظاہرہ اس نے آج کیا تھا وہ ایک ایسی رو میں اپنے کندھوں سے یہ جو بظاہر محسوس کرتا اور اچھی ذہنی رواست پھر انجمن کا شکار کر رہی تھی۔

.....

ایک ملی اے کا دوسرا سال بہت پر سکون گزرا تھا۔ پڑھائی کے علاوہ اس کی زندگی میں اور کوئی سرگرمی نہیں رہی تھی۔ وہ تیسرے صرف لکچھروں میں ہی اپنے کلاس فیلوز کے ساتھ کھٹکھٹو کرتا یا پھر گروپ پروڈکٹس کے سلسلے میں ان کے ساتھ وقت گزارتا۔ باقی کا سارا وقت وہ لاہور کی میز گزاردینا دیکھ ایڈ پر اس کی واحد سرگرمی اسلامک سینٹر جانا تھا جہاں وہ ایک عرب سے قرآن پاک تلاوت کرنا سیکھا کرتا تھا پھر وہ قرآن پاک کے ان اسباق کو دہرایا کرتا پھر اسی عرب سے اس نے عربی زبان سیکھنا شروع کر دی۔

خالد عبدالرحمن ثانی وہ عرب بنیادی طور پر ایک میڈیکل سائنس دان تھا اور ایک ہسپتال سے وابستہ تھا۔ وہ ایک ایڈ پر وہاں آکر عربی زبان اور قرآن پاک کی کلاس لیا کرتا تھا۔ وہ اس کام کا کوئی معاوضہ نہیں لیا کرتا تھا بلکہ اسلامک سینٹر کی لاہور بری میں موجود کتابوں کی ایک بڑی تعداد بھی اسی کے دوستوں اور رشتہ داروں کی طرف سے ہی عطیہ کی جاتی تھی۔

قرآن پاک کی اس عربی کلاس کے دور میں ایک دن اس نے سالار سے کہا۔

”تم قرآن پاک حفظ کیوں نہیں کرتے؟“ سالار اس کے اس جواب پر کچھ دیر حیرانی سے اس کا منہ دیکھنے لگا۔

"میں... میں کیسے کر سکتا ہوں؟"

"کیوں... تم کیوں نہیں کر سکتے؟" خالد نے دوبارہ اس سے پوچھا۔

"یہ بہت مشکل ہے اور پھر میرے جیسے آدمی، تمہیں میں نہیں کر سکتا۔" سالار نے چند لمحوں کے

بعد کہا۔

"تمہارا ذہن بہت اچھا ہے بلکہ میں اگر یہ کہوں کہ میں نے اپنی آج تک کی زندگی میں تم سے زیادہ ذہین آدمی نہیں دیکھا۔" جتنی تیز رفتاری سے تم نے اسے مختصر عرصہ میں اتنی چھوٹی بڑی سوچیں یاد کی ہیں کوئی اور نہیں کر سکتا۔ جتنی تیز رفتاری سے تم عربی سیکھ رہے ہو میں اس پر بھی حیران ہوں جب ذہن اس قدر زور پزیر ہو اور دنیا کی ہر چیز سیکھ لینے اور یاد رکھنے کی خواہش ہو تو قرآن پاک کیوں نہیں۔ تمہارے ذہن پر اللہ کا بھی حق ہے۔" خالد نے کہا۔

"آپ میری بات نہیں سمجھتے۔ مجھے سمجھنے پر کوئی اعتراض نہیں مگر یہ بہت مشکل ہے۔ میں اس علم میں یہ نہیں سیکھ سکتا۔" سالار نے وضاحت کی۔

"جب کہ میرا خیال ہے کہ تمہیں قرآن پاک حفظ کرنے میں بہت آسانی ہوگی۔ تم ایک بار اسے حفظ کرنا شروع کر دو، میں تمہیں اور کے بارے میں قویہ و مونی نہ کرنا تمہارے بارے میں، میں اذیت سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ تم نہ صرف بہت آسانی سے اسے حفظ کر لو گے بلکہ بہت کم عرصے میں۔"

سالار نے اس دن اس موضوع کے بارے میں مزید کوئی بات نہیں کی۔ مگر اس رات اپنے پارٹنر پر واپس آنے کے بعد وہ خالد عبدالرحمان کی باتوں کے بارے میں غی سوچتا رہا۔ اس کا خیال تھا خالد عبدالرحمان وہ بارہا اس کے بارے میں اس سے بات نہیں کرے گا۔ مگر اگلے دن خالد عبدالرحمان نے ایک بار پھر اس سے یہی سوال کیا۔

سالار بہت ادب سے جواب دیا اور دیکھتا رہا پھر اس نے مدغم آواز میں خالد سے کہا۔

"مجھے خوف آتا ہے۔"

"کس چیز سے؟"

"قرآن پاک حفظ کرنے سے؟" خالد نے قدرے خیرانی سے پوچھا۔

سالار نے اثبات میں سر ہلادیا۔

"کیوں؟" وہ بہت دیر خاموش رہا پھر کادہ بہت پر اپنی انگلی سے گھیریں سمجھنے اور انہیں دیکھتے ہوئے اس نے خالد سے کہا۔

"میں بہت گناہ کر چکا ہوں، اتنے گناہ کہ مجھے انہیں گناہ بھی مشکل ہو جائے گا۔ صغیرہ، کبیرہ ہر گناہ جو انسان سوچ سکتا ہے یا کر سکتا ہے۔ میں اس کتاب کو اپنے سینے یا ذہن میں محفوظ کر کے کا سوچ بھی نہیں

سکتا۔ میرا سینہ اور ذہن پاک تو نہیں ہے۔ میرے سینے لوگ اسے اسے حفظ کرنے کے لائق نہیں دیتے۔ میں تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

خالد کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ "ابھی بھی گناہ کرتے ہو؟" سالار نے نفی میں سر ہلادیا۔

"تو پھر کس چیز کا خوف ہے تم اگر قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہو، اپنے ان سارے گناہوں کے باوجود تو پھر اسے حفظ بھی کر سکتے ہو اور پھر تم نے گناہ کے مگر تم اب گناہ نہیں کرتے۔ یہ کافی ہے۔ اگر اللہ یہ نہیں چاہے گا کہ تم اسے حفظ کرو تو تم اسے حفظ نہیں کر سکو گے چاہے تم کاکھ کو خشک کر لو اور اگر تم خوش قسمت ہو گے تو تم اسے حفظ کر لو گے۔" خالد نے ہلکی سی بات ہوئے کیلئے یہ مسئلہ حل کر دیا تھا۔

سالار اس رات جاگتا رہا، آدمی رات کے بعد اس نے پہلا بار کھول کر کھاتے ہاتھوں اور زبان کے ساتھ حفظ کرنا شروع کیا۔ اسے حفظ کرتے ہوئے اسے احساس ہونے لگا کہ خالد عبدالرحمان ٹیکہ کھاتا تھا۔ اسے قرآن پاک کا بہت سا حصہ پہلے ہی یاد تھا۔ خوف کی وہ کیفیت جو اس نے قرآن پاک حفظ کرنا شروع کرتے ہوئے محسوس کی تھی وہ زیادہ دیر نہیں رہی تھی۔ اس کے دل کو کہیں سے استقامت ملنا رہی تھی۔ کیا اس سے؟ کوئی اس کی زبان کی ٹوکھا بہت دور کر رہا تھا، کون...؟ کوئی اس کے ہاتھوں کی پکچیا بہت ختم کر رہا تھا کیوں؟

پھر کی غماز سے کچھ دیر پہلے وہ اس وقت بے حواس رہا جب اس نے پچھلے پانچ مہینے میں یاد کئے ہوئے سبق کو پہلی بار مکمل طور پر دہرایا۔ وہ کبھی نہیں انکارتا۔ وہ کچھ نہیں بھولا تھا۔ پھر پھر کی کوئی غلطی نہیں، آخری چند جملوں پر اس کی زبان پہلی بار پکچیا لگی تھی۔ آخری چند جملے اور کرتے ہوئے اسے وقت ہوئی تھی کیونکہ وہ اس وقت آٹھ سوڑوں سے رو رہا تھا۔

"اگر اللہ یہ چاہے گا اور تم خوش قسمت ہو گے تو تم قرآن پاک حفظ کر لو گے اور کچھ بھی کو لو۔" نہیں کر پاؤ گے۔ اسے خالد عبدالرحمان کی بات یاد آ رہی تھی۔

پھر کی تیار ہوا کرتے کے بعد اس نے کبست پر اپنی زندگی کے اس پہلے سبق کو یاد کر لیا تھا۔ ایک بار پھر اسے کبھی وقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ اس کی آواز میں پہلے سے زیادہ زور ملی اور کچھ میں پہلے سے زیادہ وضاحت تھی۔

اس کی زندگی میں ایک ہی چیز شامل ہو گئی تھی۔ اس پر ایک اور احسان کر دیا گیا تھا خیرات کا پربیشن لقمہ نہیں ہوا تھا۔ وورات کو سلپنگ پلو کے بغیر نیند کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا وہ سلپنگ پلو لینے کے باوجود وہ کبھی اپنے کمرے کی لائٹس آف نہیں کر سکتا تھا۔ وہ تاریکی سے خوف کھاتا تھا۔

یہ پھر خالد عبدالرحمان ہی تھا جس نے ایک دن اس سے کہا تھا۔ وہ اسے قرآن پاک کا سبق زبانی شمار ہوتا تھا، اسے احساس ہو رہا تھا کہ خالد عبدالرحمان مسلسل اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھا

جب اس نے اپنا سبق ختم کیا اور پانی کا گلاس اٹھا کر اپنے ہونٹوں سے لگا دیا تو اس کے خالہ کو کہتے تھے۔

"میں نے کل رات تھیں خواب میں جج کرتے دیکھا ہے۔"

سالار سندھ میں لے جانے والا اپنی مطلق سے اٹار نہیں سکا۔ گاڑی پیچے رکھتے ہوئے خالہ کو کہتے تھے۔

"اس بہالی تمہارا ایم بی اے ہو جائے گا۔ اگلے سال ہی تم جج کرو۔"

خالہ کا لہجہ بہت بری تھا۔ سالار نے منہ میں موجو پانی پیر محسوس انداز میں مطلق سے پیچھے اٹار لیا۔

وہ اس دن اس سے کوئی سوال جواب نہیں کر سکا تھا۔ اس کے پاس کوئی سوال تھا ہی نہیں۔

ایم بی اے کے فائنل سیشن سے دو ہفتے پہلے اس نے قرآن پاک پچھلے بار حفظ کر لیا تھا۔ فائنل سیشن

کے چار ہفتے کے بعد سارا سے تیس سال کی عمر میں اسے اپنی زندگی کا پہلا جج کیا تھا۔ وہاں جاتے ہوئے

وہاں سے آتے ہوئے اس کے دل و دماغ میں کچھ بھی نہیں تھا۔ کوئی تکبر، کوئی فخر، کوئی شک، کچھ بھی

نہیں۔ اس کے ساتھ یہ سستی کی کپ میں ساتھ جانے والے شاید وہ لوگ ہوں گے جو خوش قسمت ہوں

گے۔ انہیں ان کی نیکیوں کے عوض وہاں بلایا گیا تھا۔ وہ اپنے نامہ اعمال سے واقف تھا۔ اسے صرف

ملائی اور وضاحتوں کے لئے بلایا گیا تھا۔ وہ قرآن پاک حفظ نہ کر پا ہوا تو جج کرنے کا سوچنا بھی نہیں۔

جو شخص حرم شریف سے دور اہل کا سامنا کرنے کی ہمت نہ رکھتا ہو اس سے یہ توقع رکھنا کہ وہ کپ کے

ساتھ پہنچ کر اہل کا سامنا کر لے گا وہ ہر جگہ جانے کو تیار ہو جاتا مگر خانہ کعبہ جانے کی جرأت نہیں کر

سکتا تھا۔

مگر خالہ عبد الرحمان کے ایک بار کہنے پر اس نے جیسے کھلے پیکتے ہوئے جج پر جانے کے لئے بچہ ز

منع کر دیا ہے۔

لوگوں کو جج پر جانے کا موقع جب ملا تھا جب ان کے پاس گناہ نہیں ہوتے۔ ٹیکسوں کا حق اٹھا دینا

ہے۔ سالار سندھ کو یہ موقع جب ملا تھا جب اس کے پاس گناہوں کے علاوہ ابھی کچھ بھی نہیں تھا۔

"پان لیک ہے، اگر میں کچھ کرنے سے خوف نہیں کھاتا تو پھر اب مجھے اللہ کے سامنے جانے

اور معذرت کرنے سے بھی خوف نہیں کھانا چاہئے۔ صرف یہاں ہے کہ میں وہاں سر نہیں اٹھا سکوں گا۔

ظہریں ہو پر نہیں کر سکوں گا۔ منہ سے معافی کے علاوہ اور کوئی لفظ نہیں نکال سکوں گا تو لیک ہے مجھے یہ

سزا بھی ملنی چاہئے۔ میں تو اس سے زیادہ شرمندگی اور بے عزتی کا مستحق ہوں۔ ہر بار جج پر کوئی نہ کوئی

شخص ایسا آتا ہو گا، جس کے پاس گناہوں کے علاوہ اور کچھ ہو گا ہی نہیں۔ اس بار وہ شخص میں سے کسی دھنکار

سندھ دی سکا۔" اس نے سوچا تھا۔

☆.....☆.....☆

گناہ کا یہ جو کیا ہو تا ہے اور آدمی اپنے گناہ کے بارے میں کس طرح قیامت کے دن اپنی پشت سے اٹار

پھینکنا چاہے گا کس طرح اس سے دور بھاگنا چاہے گا کس طرح اسے دوسرے کے گنہگار سے پر ڈال دینا

چاہے گا۔ یہ اس کی سمجھ میں حرم شریف میں پہنچ کر ہی آیا تھا۔ وہاں کھڑے ہو کر وہ اپنے پاس موجود اور

آنے والی ساری زندگی کی دولت کے عوض بھی کسی کو وہ گناہ دینا چاہتا تو کوئی یہ تجارت نہ کر تا۔ کاش

آدمی کسی مال کے عوض اپنے گناہ بچ سکتا۔ کسی اجرت کے طور پر دوسروں کی نیکیاں مانگنے کا حق رکھتا۔

لاکھوں لوگوں کے اس جھوم میں وہ سفید چادر میں اوڑھے کون جاتا تھا سالار سندھ کون تھا؟ اس

کا آئی کیو لیول کیا تھا، کسے پڑھا تھا۔ اس کے پاس کون سی اور کہاں کی ڈگری تھی، کسے ہوش تھا۔ اس نے

زندگی کے میدان میں کتنے تعلیمی، لٹری، فزکس اور دماغی کھیل کئے تھے، کسے خبر تھی وہ اپنے ذہن سے کون سے

میدان اختیار کرنے والا تھا، کون رشتہ کرتے والا تھا۔

وہ وہاں اس جھوم میں ٹھوکر کھا کر کر تا۔ جگہ جگہ میں روئے اجاتا۔ اس کے اوپر سے بگڑنے والی

خلقت میں سے کوئی بھی یہ نہیں سوچتا کہ انہوں نے کیسے دماغ کو کھو دیا تھا۔ کس آئی کیو لیول کے تالیاب

آدمی کو کس طرح ختم کر دیا تھا۔

اسے دنیا میں اپنی اوقات، اپنی اہمیت کا پتا چل گیا تھا۔ اگر کچھ مخالفت رہ بھی گیا تھا تو اب ختم ہو گیا

تھا۔ اگر کچھ شب باتی تھا تو اب دور ہو گیا تھا۔

فخر، تکبر، رشک، انار، غور، پند ہی بخود مستحق کے ہر پہنچے ہوئے ٹکڑے کو پہنچ کر اس کے اندر سے

پھینک دیا گیا تھا۔ وہ ان حق آلائشوں کو دور کر دینے کے لئے وہاں آیا تھا۔

☆.....☆.....☆

ایم بی اے میں اس کی شاندار کامیابی کسی کے لئے بھی حیران کن نہیں تھی۔ اس کے اچھا وقت

میں ہر ایک کو پہلے سے ہی اس کا اندازہ تھا۔ اس کے اور اس کے گلاس ٹیوڈ کے پڑھنے اور اسے سننے

میں اتنا فرق ہوتا تھا کہ اس کے پروفیسرز کو یہ ماننے میں کوئی حار نہیں تھا۔ وہ متاثرین کی اس دوزخ میں دس

گزار آئے و دوزخ ہوا تھا اور ایم بی اے کے دوسرے سال میں اس نے اس کا مسئلہ کو دور بڑھایا تھا۔

اس نے وٹرن شپ، انعام، حمد، وی ایک، ایجنسی میں کی تھی اور اس کا ایم بی اے مکمل ہونے سے پہلے

ہی اس ایجنسی کے علاوہ اس کے پاس سات مختلف ایلی میٹیل کمپنی کی طرف سے آفرز موجود تھیں۔

"تم اب آگے کیا کرنا چاہتے ہو؟" اس کے رزلٹ کے متعلق جاننے کے بعد سندھ عثمان نے اپنے

پاس ہا کر پوچھا تھا۔

"میں وہاں امریکہ جا رہا ہوں۔ میں پوتا ہائڈ نیشنز کے ساتھ جی کام کرنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم اپنا بزنس شروع کرو یا میرے بزنس میں شامل ہو جاؤ۔" سندھ عثمان

نے اس سے کہا۔

"پاپا! میں برنس نہیں کر سکتا۔ برنس والا نمبر اسٹ نہیں ہے میرا۔ میں چاہ کرنا چاہتا ہوں اور میں پاکستان میں رہنا بھی نہیں چاہتا۔" سکندر عثمان حیران ہوئے۔ "تم نے پہلے کسی ذکر نہیں کیا کہ تم پاکستان میں رہنا نہیں چاہتے۔ تم مستقل طور پر امریکہ میں بسنا چاہتے ہو؟"

"پہلے میں نے امریکہ میں بسنا ہونے کے بارے میں نہیں سوچا تھا لیکن اب میں وہیں رہنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں؟"

وہ ان سے یہ کہنا نہیں چاہتا تھا کہ پاکستان میں اس کا ڈپریشن بڑھ جاتا ہے۔ وہ مسلسل امامہ کے بارے میں سوچتا رہتا تھا۔ وہیں ہر جگہ اسے امامہ کی یاد دلاتی تھی۔ اس کے چہرے اور احساس جرم میں اضافہ ہو جاتا تھا۔

"میں یہاں ایک جسٹ نہیں ہو سکتا۔" سکندر عثمان کچھ دیر اسے دیکھتے رہے۔

"ملا لکھ میرا خیال ہے تم ایک جسٹ ہو سکتے ہو۔"

سالار جانتا تھا ان کا اشارہ کس طرف تھا مگر وہ خاموش رہا۔

"جواب کرنا چاہتے ہو؟ ٹھیک ہے، چند سال جواب کر لو لیکن اس کے بعد آکر میرے برنس کو دیکھو۔ یہ سب کچھ میں تم لوگوں کے لئے ہی سمجھایا کر رہا ہوں، دوسروں کے لئے نہیں۔"

وہ کچھ دیر اسے سمجھاتے رہے، سالار خاموشی سے ان کی باتیں سنتا رہا۔

☆ — ☆ — ☆

ایک ہفتہ کے بعد وہ دوبارہ امریکہ آگیا تھا اور اس کے چند ہفتے کے بعد اس نے یو سی بیٹ میں جواب شروع کر دی۔ وہ خود بیٹن سے نو پارک چلا گیا تھا۔ یہ ایک نئی زندگی کا آغاز تھا اور وہاں آنے کے چند ہفتے بعد اسے یہ اندازہ بھی ہو گیا تھا کہ وہ کہیں فرار حاصل نہیں کر سکتا تھا وہ اسے وہاں بھی اسی طرح یاد آ رہی تھی، اس کا احساس جرم وہاں بھی اس کا ساتھ چھوڑنے پر تیار نہیں تھا۔

وہ سولہ سے اٹھا دیکھتے تک کام کرنے لگا۔ وہ ایک دن بھی نہیں چار گھنٹے سے زیادہ کبھی نہیں سویا اور دن رات کی اس مصروفیت نے اسے اپنی حد تک نارمل کر دیا تھا اگر ایک طرف کام کے اس اہل نے اس کے ڈپریشن میں کمی کی تھی تو دوسری طرف وہ اپنے اور اس کے لمبا ترین ورکرز میں شمار ہونے لگا تھا۔ یو سی بیٹ کے مختلف پروجیکٹس کے سلسلے میں وہ انٹیرنیشنل اور لائسنس امریکہ کے ممالک جاتے تھے غریب اور بیماری کو وہ پہلی دیکھائی آنکھوں سے دیکھتے قریب سے دیکھ رہا تھا۔ ریورس اور اخباروں میں چھپنے والے حقائق میں اور ان حقائق کو اپنی تمام ہولناکی کے ساتھ کلی آنکھ سے دیکھنے میں بہت فرق ہو جاتا ہے اور یہ فرق اسے اس جاب میں ہی کچھ میں آیا تھا۔ ہر روز بھوکے سوتے والے لوگوں کی تعداد کروڑوں

میں تھی۔ ہر رات پیٹ بھر کر ضرورت سے زیادہ کھا لینے والوں کی تعداد بھی کروڑوں میں تھی۔ صرف تین دقت کا لکنا، سر پر صحت اور جسم پر لٹائی بھی تھی بڑی طبیعتیں تھیں، اسے تب سمجھ نہیں آیا تھا۔ وہ یو سی بیٹ کی ٹیم کے ساتھ چارٹرڈ طیاروں میں سفر کرتے ہوئے اپنی زندگی کے بارے میں سوچتا۔ اس نے زندگی میں ایسے کون سے کارنامے انجام دیے تھے کہ اسے وہ پر آسان زندگی دی گئی تھی جو وہ گزار رہا تھا اور ان لوگوں سے کیا کہہ سکتے تھے کہ وہ زندگی کی تمام بنیادی ضروریات کے محروم صرف زندگی کے خواہش میں خوراک کے ان دیکھنے کے کچھ بھگتے بھرتے تھے۔

وہ ساری ساری رات جاگ کر اپنے اور اسے کے لئے ممکنہ ایکسپنس اور پلان بنا رہا تھا۔ کہاں خوراک کی دسری پیش کیے ہو سکتی ہے، کیا بھری لائی جاسکتی ہے، کہاں مزید امداد کی ضرورت ہے، کن علاقوں میں کس طرح کے پروجیکٹس درکار تھے، وہ بعض وعدہ اڑتا نہیں سمجھتا بغیر سونے کام کر رہا تھا۔

اس کے دماغ میں وہ پوزیشن اور ریورس عثمانی لحاظ سے اسے مربوط ہوتے تھے کہ ان میں کوئی خفا یا حسرت نہ تھی۔ اسے ممکن نہیں رہتا تھا اور اس کی یہ خصوصیات، اس کی ساتھ اور نام کو اور بھی معلوم کرتی جا رہی تھیں اگرچہ اللہ نے دوسروں سے بہتر ذہن اور صلاحیتیں دی ہیں تو مجھے ان صلاحیتوں کو دوسروں کے لئے استعمال کرنا چاہئے۔ اس طرح استعمال کرنا چاہئے کہ میں دوسروں کی زندگی میں زیادہ سے زیادہ آسانی لاسکوں، دوسروں کی زندگی کو بہتر کر سکوں۔ وہ کام کر رہے ہوئے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچتا تھا۔

یو سی بیٹ کے لئے کام کرنے کے دوران ہی اس نے ایم فل کرنے کا سوچا تھا اور پھر اس نے ایم فل میں اینڈیشن لے لیا تھا۔ اب تک کام کو جوائن کرتے ہوئے اسے قطعاً کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں تھا کہ وہ اپنے آپ کو ایک باہر ضرورت سے زیادہ مصروف کر رہا تھا مگر اس کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ کام اس کا جنون بن چکا تھا شاید اس سے بھی دو قدم آگے بڑھ کر ایک مشین۔

☆ — ☆ — ☆

فرقان سے سالار کی پہلی ملاقات امریکہ سے پاکستان آتے ہوئے فلائٹ کے دوران ہوئی۔ وہ اس کے ساتھ دہلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا اور امریکہ میں ڈاکٹری کی کسی کانفرنس میں شرکت کر کے واپس آ رہا تھا جبکہ سالار سکندر اپنی بہن امتی کی شادی میں شرکت کے لئے پاکستان آ رہا تھا۔ اس لمبی ملاقات کے دوران دونوں کے درمیان ابتدائی اختلاف کے بعد گفتگو کا سلسلہ تھا نہیں۔

فرقان، عمر میں سالار سے کافی بڑا تھا، وہ پچیس سال کا تھا ان کی ملاقات ان کی ملاقات کرنے کے بعد وہ انہیں پاکستان آگیا تھا وہ وہاں ایک بائٹل میں کام کر رہا تھا وہ شادی شدہ تھا اور اس کے دو بچے بھی تھے۔ چند گھنٹے آپس میں گفتگو کرتے رہنے کے بعد فرقان اور وہ سونے کی تیاری کرنے لگے۔ سالار نے

معمول کے مطابق اپنے بریف کيس سے سلپنگ جاکے ایک گولی پانی کے ساتھ نگلی۔ فرقان نے اس کی اس تمام کارروائی کو خاموشی سے دیکھا۔ جب اس نے بریف کيس بند کر کے دوبارہ دیکھا تو فرقان نے کہا۔

”اکثر لوگ غلامت کے دوران سلپنگ جاکے بغیر نہیں سو سکتے۔“

سالار نے گہروں میں ہونے والی باتوں سے دیکھا اور کہا۔

”میں سلپنگ جاکے بغیر نہیں سو سکتا۔ غلامت میں ہونے والی باتوں سے فرق نہیں پڑتا۔“

”سو نے میں مشکل پیش آتی ہے؟“ فرقان کو ایک دم کچھ تجسس ہوا۔

”مشکل؟“ سالار مسکرایا۔ ”میں برس سے سو ہی نہیں سکتا۔ میں سلپنگ جاکے لیتا ہوں اور تین چار گھنٹے سو لیتا ہوں۔“

”انسو میڈیا؟“ فرقان نے پوچھا۔

”شاید میں نے اکثر سے چیک اپ نہیں کروایا مگر شاید یہ وہی ہے۔“ سالار نے قہر سے

لا پرواہی سے کہا۔

”جس پر چیک اپ کروانا چاہئے تھا، اس عمر میں انسو میڈیا۔ یہ کوئی بہت صحت مند علامت نہیں

ہے۔ میرا خیال ہے تم کام کے جیسے ڈیوٹی ہو چکے ہو اور اسی وجہ سے تم نے اپنا سونے کی نازل روٹھیں کو

خراب کر لیا ہے۔“

فرقان اب کسی ڈاکٹر کی طرح بول رہا تھا۔ سالار مسکراتے ہوئے سنا رہا۔ وہ اسے نہیں بتا سکتا تھا کہ

وہ اگر رات دن مسلسل کام نہ کرے تو وہ اس احساس جرم کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتا تھا جسے وہ محسوس

کر رہا ہے۔ وہ اسے یہ بھی نہیں بتا سکتا تھا کہ وہ سلپنگ جاکے بغیر سونے کی کوشش کرے تو وہ امان کے

بارے میں سوچنے لگتا ہے۔ اس حد تک کہ اسے اپنا سر درد سے بچتا ہوا محسوس ہونے لگتا ہے۔

”کتنے گھنٹے کام کرتے ہو ایک دن میں؟“ فرقان اب پوچھ رہا تھا۔

”اندر دیکھو، بعض وقت تو نہیں۔“

”کافی گھنٹیں؟ اور کب سے؟“

”دو تین سال سے۔“

”اور جب ہی سے نیند کا مسئلہ ہو چکا جس میں نے ٹھیک اندازہ لگایا۔ تم نے خود اپنی روشنی خراب

کر لی ہے۔“ فرقان نے اس سے کہا۔ ”زندہ اسٹے کھٹے کام کرنے والے آدمی کو تو ذہنی تھکن ہی ایک لمبی

اور پرسکون نیند ملنا ہوتی ہے۔“

”یہ میرے ساتھ نہیں ہوتا۔“ سالار نے دم لگے میں کہا۔

”جی تو جس میں جانے کی کوشش کرنی چاہئے کہ اگر یہ تھکاہٹ کے ساتھ نہیں ہوتا تو کیوں نہیں ہو جاتا۔“

سالار اس سے یہ نہیں کہہ سکا کہ وہ دیکھ جانتا ہے۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد فرقان نے اس

سے کہا۔

”میں اگر جس میں کچھ آنتیں بتاؤں رات کو سونے سے پہلے تو تم چند سو گئے؟“

”کیوں نہیں پڑھ سکوں گا۔“ سالار نے گردن موڑ کر اس سے کہا۔

”نہیں، اصل میں تمہارے اور میرے جیسے لوگ جو زیادہ پڑھ لیتے ہیں اور خاص طور پر تعلیم

مغرب میں حاصل کرتے ہیں وہ ایسا چیزوں پر یقین نہیں رکھتے یا انہیں پریشان نہیں سمجھتے۔“ فرقان نے

وضاحت کی۔

”فرقان! میں حافظ قرآن ہوں۔“ سالار نے اسی طرح لیتے ہوئے پرسکون آواز میں کہا۔

فرقان کو جیسے کرمٹ لگا۔

”میں روز رات کو سونے سے پہلے ایک پارہ پڑھ کر سوتا ہوں، میرے ساتھ یقین یا اعتقاد کا کوئی

مسئلہ نہیں ہے۔“ سالار نے باج چاری رکھی۔

”میں بھی حافظ قرآن ہوں۔“

فرقان نے شاید سالار نے گردن موڑ کر مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔ یہ یقیناً ایک خوشگوار

الحاق تھا۔ اگرچہ فرقان نے ڈرامائی دھجی ہوئی تھی مگر سالار کو پھر بھی یہ اندازہ نہیں ہوا یا تھا کہ وہ حافظ

قرآن ہے۔

”پھر تو جس میں اس طرح کا کوئی مسئلہ ہو چکی نہیں چاہئے۔ قرآن پاک کی تلاوت کر کے سونے

وہ انسان کو نیند آئے یہ مجھے کچھ عجیب لگتا ہے۔“

سالار نے فرقان کو بڑبڑاتے سنا۔ وہ اب اپنے حواس کو بالکل مطلق پارہ تھا۔ نیند اس پر غلبہ پا رہی

تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

”جس میں کوئی پریشانی ہے؟“ اس نے فرقان کی آواز سنی۔ وہ نیند کی گولیوں کے زیر اثر نہ ہوتا تو

خبردار کہ انکار کر دیتا مگر وہ جس حالت میں فرقان میں دھانکار نہیں کر سکتا۔

”ہاں، مجھے بہت زیادہ پریشانی ہے۔ مجھے سکون نہیں ہے، مجھے لگتا ہے میں مسلسل کسی صحرا میں

مگر رہا ہوں، پیچھے سے۔ اور احساس جرم مجھے چھوڑنے ہی نہیں۔ مجھے کبھی کسی جہ کمال کی تلاش

ہے جو مجھے اس تکلیف سے نکالے، جو مجھے میری زندگی کا استحواذ ہے۔“

فرقان دم بخود اس کا کچھ دیکھ رہا تھا۔ سالار کی آنکھیں بند تھیں، مگر وہ اس کی آنکھوں کے کونوں

سے لپٹی نمی کو دیکھ سکتا تھا۔ اس کی آواز میں بھی بے رہی اور لڑکھاہٹ تھی۔ وہ اس وقت لاشعوری طور

پر سلیپنگ باکر کے ذریعہ بول رہا تھا۔

دو اب خاموش ہو چکا تھا۔ فرقان نے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔ بہت دیر انداز میں چلنے والی اس کی سانس چار ہی تھی کہ وہ نیند میں جا چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

جہاز میں ہونے والی دو ملاقات وہیں ختم نہیں ہوئی۔ دو دنوں جاگنے کے بعد بھی آپس میں گفتگو کرتے رہے۔ فرقان نے سالار سے ان چند لمحوں کے بارے میں نہیں پوچھا تھا، جو اس نے نیند کی آغوش میں سماتے ہوئے بولے تھے۔ خود سالار کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ اس نے سونے سے پہلے اس سے کچھ کہا تھا مگر کیا تھا تو کیا کیا تھا۔

سفر ختم ہونے سے پہلے ان دونوں نے آپس میں کانٹیکٹ نمبرز اور ایڈریس کا تبادلہ کیا پھر سالار نے اسے اپنی شادی پر اذیت کیا۔ فرقان نے آلے کا وعدہ کیا مگر سالار کو اس کا یقین نہیں تھا۔ ان دونوں کی خلافت کراچی تک تھی پھر سالار کو اسلام آباد کی خلافت ملنی تھی جبکہ فرقان کو لاہور کی۔ اخیر پورٹ پر فرقان نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ اس سے الوداعی مصافحہ کیا۔

اپنی شادی تین دن بعد تھی اور سالار کے پاس ان تین دنوں کے لئے بھی بہت سے کام تھے۔ کچھ شادی کی مصروفیات اور کچھ اس کے اپنے مسئلے۔

دو اگلے دن شام کو اس وقت جے این ہو جب فرقان نے اسے فون کیا۔ دس پندرہ منٹ دونوں کی گفتگو ہوئی رہی۔ فون بند کر لے سے پہلے سالار نے ایک بار پھر اسے اپنی شادی کے بارے میں یاد دلایا۔ "یہ کوئی یاد دلانے والی بات نہیں ہے، مجھے ابھی طرس یاد ہے۔ میں ویسے بھی اس دیک ایڈ پر اسلام آباد میں ہی ہوں مجھ۔" فرقان نے جواب دیا۔ "توہاں مجھے اپنے گاؤں میں اپنا اسکول دیکھنے بھی جانا ہے۔ اس کی بلڈنگ میں کچھ اضافی تعمیر ہو رہی ہے، اسی سلسلے میں۔" تو اسلام آباد میں اس بار میرا قیام کچھ لمبا ہی ہو گا۔" سالار نے اس کی بات کو کچھ دیکھیں سے سنا۔

"گھاؤں..... اسکول..... کیا مطلب؟"

"ایک اسکول چار بابوں میں وہاں اپنے گاؤں میں۔" فرقان نے اسلام آباد کے نواحی علاقوں میں سے ایک کا نام لیا۔ "تاکہ کئی سالوں سے۔"

"میں نے؟"

"میں نے؟" فرقان کو اس کے سوال نے حیران کیا۔ "لوگوں کی مدد کے لئے اور کس لئے۔"

"جھپٹی ہو کر ہے؟"

"نہیں، جی جی، اور کس نہیں ہے۔ یہ میرا فرض ہے۔ یہ کسی پر کوئی احسان نہیں ہے۔" فرقان نے

بات کرتے کرتے موضوع بدل دیا۔ اسکول کے بارے میں مزید گفتگو نہیں ہوئی اور فون بند ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

فرقان اپنی شادی پر واقعی آگیا تھا۔ وہ خاصا دیر وہاں رکھا مگر سالار کو حضور ہوا کہ وہ کچھ حیران تھا۔

"تمہاری فیملی تو خاصی مغرب زدہ ہے۔"

سالار کو یک دم اس کی ابھرن اور حیرانی کی وجہ سمجھ میں آگئی۔

"میرا خیال تھا کہ تمہاری فیملی کچھ سکروینوی ہوگی کیونکہ تم نے بتایا تھا کہ تم حافظہ قرآن ہو اور جہاد الاکف اسٹائل جیسے کچھ سادہ جاکو مگر یہاں آکر مجھے حیرانی ہوئی۔ تم اور جہاد فیملی میں بہت فرق ہے۔" "I think you are the odd one out۔"

وہ اپنے آخری قتلے پر خود ہی مسکرایا۔ دو دنوں اب فرقان کی گاڑی کے قریب پہنچ چکے تھے۔ "میں نے صرف دو سال پہلے قرآن پاک حفظ کیا اور وہ تین سال سے ہی میں odd one out رہا ہوں۔ پہلے میں اپنی فیملی سے بھی زیادہ مغرب زدہ تھا۔" اس نے فرقان کو بتایا۔

"دو سال پہلے قرآن پاک حفظ کیا۔ امریکہ میں اپنا اسٹڈیز کے دوران مجھے یقین نہیں آ رہا۔" فرقان نے بے یقینی سے سر ہلایا۔

"کتنے عرصے میں کیا؟"

"تقریباً آٹھ ماہ میں۔"

فرقان بہت دیر تک کچھ نہیں کہہ سکا، اور صرف اس کا چہرہ دیکھا رہا پھر اس نے ایک کمر اسانس لے کر سٹائٹلی انگوروں سے اسے دیکھا۔

"تم پر کوئی اللہ کا خاص ہی کرم ہے اور نہ جو کچھ تم مجھے بتا رہے ہو یہ آسان کام نہیں ہے۔ میں خلافت میں بھی تمہارے کارناموں سے بڑا متاثر ہوا تھا۔ کیونکہ میں غریبوں پر نیشکوں میں جس بیٹ پر تم کام کر رہے ہو ہر کوئی نہیں کر سکتا۔"

اس نے ایک بار پھر بڑی گرم جوشی کے ساتھ سالار سے ہاتھ ملا دیا۔ چند لمحوں کے لئے سالار کے چہرے کا رنگ تبدیل ہوا۔

"اللہ کا خاص کرم؟ اگر میں اسے یہ بتا دوں کہ میں ساری زندگی کیا کر چکا ہوں تو یہ....." سالار نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے سوچا۔

"تم پر ہر کسی اسکول کی بات کر رہے تھے۔" سالار نے بے لوث طور پر موضوع بدلا۔

"تم اسلام آباد میں نہیں رہتے؟"

”نہیں، میں اسلام آباد میں ہی رہتا ہوں مگر میرا ایک گاؤں ہے۔ آگاہی گاؤں، وہاں ہماری کچھ زمین ہے، ایک گھر بھی تھا۔“ فرقان اسے تفصیل بتانے لگا۔ ”کئی سال پہلے میرے والدین اسلام آباد منتقل ہو گئے تھے۔ میرے والد نے فیڈرٹی سروس سے ریٹائرمنٹ کے بعد وہاں اپنی زمینوں پر ایک اسکول بنالیا۔ اس گاؤں میں کوئی اسکول نہیں تھا۔ انہوں نے پرانے اسکول کو اپنا تھا۔ سات آٹھ سال سے میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ اب وہ سینکڑی اسکول بن چکا ہے۔ چار سال پہلے میں نے وہاں ایک اسپتاری بھی بنوائی۔ قسم اس اسپتاری کو دیکھ کر حیران رہ جاؤ گے۔ بہت جدید سامان ہے اس میں۔ میرے ایک دوست نے ایک ایسپتال بھی گفت کی ہے اور اب صرف میرے گاؤں کے ہی نہیں بلکہ ارد گرد کے بہت سارے گاؤں کے لوگ بھی اسکول اور اسپتاری سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔“

سالار اس کی باتیں سنا کر حیران رہ گیا۔ ”تم ایک سرجن ہو، تم یہ سب کیسے کر لیتے ہو اور اس کے لئے بہت پیسے کی ضرورت ہے۔“

”میں کر رہا ہوں۔“ تو میں نے اپنے آپ سے بھی نہیں پوچھا۔ میرے گاؤں میں اتنی غربت تھی کہ یہ سوال پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ ہم لوگ بچپن میں بھی کھانا اپنے گاؤں جایا کرتے تھے۔ یہ ہمارے لئے تفریح تھی۔ ہماری حوصلی کے علاوہ گاؤں کا کوئی مکان پکا نہیں تھا اور سڑک کا تو مال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہم سب کو لوہے لگنا تھا جیسے ہم جنگل میں آگے ہیں، اب اگر ہم جانور ہوتے تو ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ شہر کی طرح ہم جنگل میں دوڑتے پھرتے۔ یہی سوچ کر کہ سب وہم سب سے مرعوب ہیں اور کوئی بھی ہمارے جیسا نہیں کوئی ہماری طرح رہتا ہے۔ وہ ہمارے جیسا کھاتا ہے۔ وہ ہمارے جیسا پہنتا ہے مگر انسان ہو کر یہ برداشت کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ ہمارے ارد گرد کے انسان جانوروں جیسی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ ہو سکتا ہے کچھ انسانوں کو اس سے خوشی محسوس ہوتی ہو کہ انہیں ہر نعمت میسر ہے اور باقی سب ترس رہے ہیں مگر ہمارا شمار ایسے انسانوں میں نہیں ہوتا تھا۔ اب ہمارے والد نے یہاں آکر رہنا شروع کیا تھا۔ میرے پاس کوئی چادر کی چھتری تو تھی نہیں کہ میں اسے جاتا اور کبھی کبھار بدل دیتا۔ یہاں بے شمار سامان تھا۔ ہمیں میں نے بتایا ہے تاکہ میرے والد سول سروس تھے، ایمان دار قسم کے سول سروسٹ۔ میں اور میرا بھائی دونوں شروائے ہی اس کا رشتہ پر پڑھتے رہے، اس لئے ہم پر ہمارے والدین کو زیادہ خرچ نہیں کرنا پڑا۔ خود وہ بھی کوئی قبول خرچ نہیں تھے۔ اس لئے توڑن بہت بچت ہوتی رہی۔ ریٹائرمنٹ کے بعد میرے والد نے سوچا کہ لاہور یا اسلام آباد کے کسی گھر میں اخبار پڑھ کر دوکے کے پانی وی کچھ کر زندگی گزارنے کے بجائے انہیں اپنے گاؤں جانا چاہئے۔ وہاں کچھ بہتری لانے کی کوشش کرنی چاہئے۔“

دونوں گاڑی کے اندر بیٹھے ہوئے تھے۔

”مشکلات کا ہم اندازہ نہیں کر سکتے گاؤں میں نہ بجلی تھی نہ صاف پانی، کچھ بھی نہیں تھا۔ بابا نے بتا نہیں کہاں کہاں بھاگ کر یہ ساری چیزیں منظر کروائیں۔ جب وہاں پر انگری اسکول بن گیا، ایک سڑک بھی آگئی، بجلی اور پانی جیسی سہولتیں بھی آئیں تو گورنمنٹ کو پانچ وہاں ایک اسکول بنانے کا خیال آیا۔ میرے والدین کی خواہش تھی کہ گورنمنٹ ان کے اسکول کو اپنی ذمہ نہ لے لے۔ اس میں اپنے پیارے بچوں اور کچھ خرچے کے بعد اس اسکول کو اپ کر لے کر اپنے گھر ملک تعلیم کے ساتھ چند راتوں میں ہی بابا کو اندازہ ہو گیا کہ ایسا ہونے کی صورت میں ان کی ساری محنت پر پانی بھر جائے گا۔ بابا وہاں بچوں کو سب کچھ دیتے تھے۔ کتابیں، کاپیاں، یو پیغام اور ایسی کچھ دوسری چیزیں۔ انہوں نے باقاعدہ اس کے لئے فنڈز جمع کئے ہوئے تھے، مگر تم اندازہ کر سکتے ہو کہ گورنمنٹ کے پاس ملے جانے کے بعد اس اسکول کا کیا حشر ہوتا۔ سب سے پہلے وہ فنڈز جاتے پھر باقی سب کچھ۔ اس لئے بابا خود ہی اس اسکول کو چلاتے رہے۔“

ملک تعلیم نے وہاں اسکول پھر بھی کھولا مگر وہاں ایک بچہ بھی نہیں گیا پھر پادمان کر انہوں نے وہ اسکول بند کر دیا اور ہمارے اسکول کو اپ کر لے کر دیا۔ بابا کے کچھ دوستوں نے اس خطے میں ان کی مدد کی، اسی طرح اس کی اپ کر لے کر لے گئی۔ میں ان دنوں لندن میں چڑھتا تھا اور میں روپے بچا بچا کر بھیجا کر تھا۔ ابھی بھی ہم اس کو اور قرضے دے رہے ہیں، تو اس کے گاؤں کے لوگ بھی اپنے بچوں کو ہمارے پاس بھیجتے ہیں۔ میں جب پاکستان واپس آیا تو میں نے وہاں ایک باضابطہ قسم کی اسپتاری قائم کی۔ گاؤں کی آبادی بھی اب بہت زیادہ گئی ہے لیکن گاؤں میں غربت ابھی بھی مکمل طور پر ختم نہیں ہوئی۔ تعلیم سے اتنا ضرور ہوا ہے کہ گاؤں کے کچھ بچے باہر شہر میں آگے پڑھنے کے لئے جاتے گئے ہیں۔ کچھ مختلف ہنر سیکھ رہے ہیں۔ دو جو غربت کا ایک چکر تھا وہ ختم ہو رہا ہے۔ ان کی یہ سلیس نہیں تو انکی سلیس شاید تمہارے اور میرے جیسے تعلیمی اداروں سے اعلیٰ ذکر بنے کر رہیں۔ کون کہہ سکتا ہے۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

”میں ہر ماہ ایک ایک اینڈرنگ لے گاؤں جاتا ہوں، وہاں دو کپڑاؤں ہیں مگر کوئی اکثر نہیں ہے۔ ایک ایک اینڈرنگ میں وہاں جاتا ہوں، باقی تین ایک اینڈرنگ پر بھی ہم کسی نہ کسی کو وہاں بھجوا دیتے ہیں، پھر میں وہاں ہر تین ماہ ایک میڈیکل کیمپ لگواتا ہوں۔“

”اور اس سب کے لئے روپیہ کہاں سے آتا ہے۔“

”شروع میں تو یہ بابا کا روپیہ تھا۔ ان کی زمین پر اسکول بنانے کی گرجی تھی اس کی تعمیر ہوئی۔ میری انی نے بھی اپنے پاس موجود رقم سے ان کی مدد کی، پھر بابا کے کچھ دوست بھی مالی امداد

کرنے لگے۔ اس کے بعد میں اور میراں بھی اس میں شامل ہو گئے پھر میرے کچھ دوست بھی۔ میں اپنی اگم کا ایک خاص حصہ ہر ماہ گاؤں کو لے جاتا ہوں۔ اس سے ڈیسنری بڑے آرام سے چلتی رہتی ہے جو ڈاکٹر زوہاں میپینے کے تین ویک اینڈ پر جاتے ہیں وہ کچھ چارج نہیں کرتے۔ ان کے لئے یہ سوشل ورک ہے۔ سینکڑی کیسپس بھی اسی طرح کے لگ جاتے ہیں اور اسکول کے پاس اب اپنے اپنے فکسڈ ہاؤس ہو چکے ہیں کہ ان سے آنے والی رقم پنچر کی تنخواہ اور دوسرے اخراجات کے لئے کافی ہوتی ہے۔ ہم چند سالوں میں وہاں میپینگی کیسپس کے لئے بھی کچھ کام کرنا چاہتے ہیں۔

”تم کب جا رہے ہو وہاں؟“

”میں تو صبح نکل رہا ہوں۔“

”اگر میں تمہارے ساتھ جاتا جاؤں؟“ سالار نے کہا۔

”موسم دیکھ۔ ٹھیک تو دیکھ ہو گا، تم یہاں مصروف ہو گے۔“ فرقان نے اسے یاد دلایا۔

”وہیجہ تو رات کو ہے، سالار ان تو میں چار بجے ہی ہوں گا۔ کیا رات تک وہاں پہنچنا مشکل ہو گا؟“

”نہیں، بالکل بھی نہیں۔ تم بہت آسانی سے وہاں پہنچ سکتے ہو۔ صرف صبح کچھ جلدی لگانا پڑے گا۔“

”اگر تم واقعی وہاں چلے گئے تو پھر تم وہاں آکر خالصہ تک جاؤ گے۔“ فرقان نے اس سے کہا۔

”میں نہیں تنہا جاؤں گا، میں تو صبح کی سڑک کے ساتھ کیسے کیسے ملے گا توں میں کتنا لپا سڑک چار ہاؤس۔“

”میں اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ میں فجر کے بعد تیار رہوں گا، تم مجھے وقت بتا دو۔“

”ساز سے پانچ۔“

”اڈا کے، تم کھرتے نکلے ہوئے مجھے ایک بار سو پائل پر کال کر لینا اور دو تین بار بارن ویکار میں آ کر میں نکل آؤں گا۔“

اس نے فرقان سے کہا اور پھر خدا حافظ کہتا ہوا اندر چلا گیا۔

اگلی صبح فرقان ٹھیک لگاڑ سے پانچ بجے اس کے گیٹ پر بارن دے دیا تھا اور سالار پہلے ہی بارن پر

باہر تھا۔

”تم وہاں پاکستان کیوں آ گئے؟ تم اگلیڈ میں بہت آگے جا سکتے تھے؟“ کھڑی شہر سے باہر والی

سڑک پر ہمارے دہلی تھی۔ انہیں سڑک کرتے تو حاکم ہو گیا تھا، جب سالار سے اجازت اس نے پوچھا۔

”اگلیڈ کو میری ضرورت نہیں تھی، پاکستان کو تھی، اس لئے میں پاکستان آ گیا۔“ فرقان نے بڑے

بارن اندر میں کہا۔

”وہاں ایک ڈاکٹر فرقان کے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہاں ایک ڈاکٹر فرقان کے نہ

ہونے سے بہت فرق پڑ جاتا۔ یہاں میری خدمات کی ضرورت ہے۔“ اس نے اپنے آخری جملے پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”مگر وہاں اتنے سالوں میں تم بہت آگے جا سکتے تھے پھر یہ بھٹائی بھی تم بہت کچھ سیکھتے۔“

”میں تم اس پر چیکنٹ کے لئے زیادہ دیر حاصل کر سکتے تھے، جو تم نے شروع کیا ہوا ہے۔“

پاکستان میں تمہارے کامیاب نہیں ہو سکتے۔“ سالار نے کہا۔

”اگر کامیابی سے تمہاری مراد پاؤنڈز کی تعداد اور سہولتوں سے ہے تو ہاں، دونوں جگہوں کا کوئی

مقابلہ نہیں ہے لیکن اگر تمہارا اشارہ علاقہ کی طرف ہے تو میں یہاں زیادہ لوگوں کو زندگی بانت رہا ہوں

یہاں اہمیتان ڈاکٹر اپنے صحت یاب ہونے والے مریض کو دیکھ کر حاصل کرنا ہے تم اس کا اندازہ نہیں کر

سکتے۔“ اگلیڈ دو گوا جسٹ سے بھرا ہوا ہے۔ پاکستان میں ان کی تعداد اگلیڈ پر مبنی جا سکتی ہے۔ میں

وہاں رہ کر روپے کا ذخیرہ بھی یہاں بھرا ہوا بتاؤ تو کوئی فرق نہ پڑتا۔ جہاں ایک فرد کی کمی ہوتی ہے وہاں اس

فرد سے حق دو کی برائی ہوتی ہے۔ روپیہ یا دوسری کوئی چیز اس کی جگہ نہیں لے سکتا۔ میں بہت قانع ہوں

سالار! میری پوری بھٹائی بہت قانع ہے۔ اگر میں نے کوئی چیز پھینکی ہے تو وہ سب سے پہلے میرے اپنے

لوگوں کے کام آتی چاہئے۔ میں اپنے لوگوں کو مرنا چھوڑ کر دوسرے لوگوں کی زندگی نہیں بچا سکتا۔

پاکستان میں کچھ بھی صحیح نہیں ہے، سب کچھ خراب ہے، کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے، لیکن سب لوگوں سے خالی ہاتھ لو

ہد سے زیادہ بر اور کپڑے، جس برائی اور خالی کا سوچو وہ یہاں ہے مگر میں اس جگہ کو نہیں

چھوڑ سکتا۔ ان لوگوں کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر میرے ہاتھ میں قضا ہے تو پھر سب سے پہلے یہ قضا میرے

اپنے لوگوں کے جیسے میں آتی چاہئے۔“

سالار بہت دیر تک کچھ نہیں بول سکا۔ گاڑی میں ایک دم خاموشی چھا گئی تھی۔

”تم نے مجھ سے تو یہ سوال پوچھ لیا کہ میں پاکستان کیوں آ گیا، کیا اب میں تم سے یہ سوال

پوچھوں کہ تم پاکستان کیوں نہیں آ جاتے؟“ فرقان نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد مسکراتے ہوئے کہا۔

”میں یہاں نہیں رہ سکتا۔“ سالار نے بے اختیار کہا۔

”تم جیسے اور سہولتوں کی وجہ سے یہ کہہ رہے ہو؟“

”نہیں، جیسے یہ سہولتیں میرا مسئلہ نہیں ہیں، اب وہ ہی پہلے کہیں۔ تم میرا فکری ایک گراؤ نہ جان

چکے ہو۔“

”پھر؟“

”پھر..... کچھ بھی نہیں۔ اس میں یہاں نہیں آ سکتا۔“ اس نے نقلی لہجے میں کہا۔

”یہاں تمہاری ضرورت ہے۔“

”کس کو؟“

”اس ملک کو۔“

”سارے اعیانہ مسکرایا۔“ میں تہذیبی طرح کی سب اوٹنی نہیں رکھتا۔ میرے بغیر بھی سب کچھ ٹھیک ہے یہاں۔ ایک ڈاکٹر کی اور بات ہے مگر ایک کالوسٹ تو کسی کو زندگی اور موت نہیں دے سکتا۔“

باب ۶

”تم جو سرحدوں میں رہے ہو، وہ یہاں کے لواؤں کو بے سکتے ہو جو کچھ اپنے گھر زمین وہاں کی پونے رشتہ میں سکھار رہے ہو، یہاں کی پونے رشتہ میں سکھائے گئے ہوں۔“
اس کا دل چاہا وہ فرقان سے کہے کہ وہ یہاں آکر کچھ بھی سکھانے کے قابل نہیں رہ سکے گا، مگر وہ عاجز و بیچارہ اس کی بات سنا رہا۔
”تم نے افریقہ کی غربت، بھوک اور بیماری دیکھی ہے۔ تم یہاں کی غربت، بھوک اور بیماری دیکھو گے تو حیران رہ جاؤ گے۔“

”یہاں سونے والے ان ملکوں کی طرح خراب نہیں ہے فرقان! یہاں اتنی پسماندگی نہیں ہے۔“
”اسلام آباد کے جس سیکٹر میں تم پلے پڑے ہو، وہاں رہ کر ارد گرد کی زندگی کا اندازہ لگاتا بہت مشکل ہے۔ تم اسلام آباد کے قریبی گاؤں میں چلے جاؤ تو جیسے انوار ہو جائے گا کہ یہ ملک کتنا

فرقہ ہاں ہے۔

"فرقان ایسے قہار سے اس پر دھچکت میں کچھ کنٹری بیوشن کرنا چاہتا ہوں۔" سالار نے ایک دم بات کا موضوع بدلتا ہوا۔

"سالار! میرے اس پر دھچکت کوئی اگمال کسی حد کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اگر ایسا کوئی کام کرنا چاہتے ہو تو تم خود ایسے ہی کسی گاؤں میں اس طرح کا کام شروع کرو، قہار بے پاس فنڈز کی کمی نہیں ہوگی۔" "میرے پاس وقت نہیں ہے، میں امریکہ میں بیٹھ کر یہ سب کچھ نہیں چلا سکتا۔ تم اگر یہ چاہتے ہو تو کہ کسی دوسرے گاؤں میں بھی کوئی اسکول قائم کیا جائے تو میں اسے سپورٹ کرنے کو تیار ہوں۔ میرے لئے ذاتی طور پر وقت دینا مشکل ہے۔"

فرقان اس بار خاموش رہا۔ شاید اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ سالار اب اس کے اصرار پر کچھ سمجھتا رہا تھا۔ بات کا موضوع ایک بار پھر فرقان کے گاؤں کی طرف مڑ گیا۔

وہ دن سالار کی زندگی کے یادگار ترین دنوں میں سے ایک تھا۔ وہ اس اسکول کو دیکھ کر واقعی بہت متاثر ہوا تھا مگر اس سے بھی زیادہ متاثر وہ اس ڈپٹری کو دیکھ کر ہوا تھا جہاں وہ گیا تھا۔ اسے ایک جھوٹا اسکول کہنا زیادہ بہتر تھا۔ اکثر بچے نہ ہونے کے باوجود وہ بڑے منظم طریقے سے چلایا جا رہا تھا۔ اس دن فرقان کی آمد متوقع تھی اور اس کے انتظار میں مریضوں کی ایک بڑی تعداد بھی موجود تھی فرقان آتے ہی مصروف ہو گیا۔ ہاسپٹل کا احاطہ مریضوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہاں ہر عمارت ہر طرح کے مریض تھے۔ نوڑا تھکے ہوئے، عورتیں، بوڑھے، نوجوان۔

سالار احاطے میں لاشعوری طور پر چل قہری کر چلا۔ وہاں موجود چند لوگوں نے اسے بھی ڈاکٹر سمجھا اور اس کے قریب چلے آئے۔ سالار ان سے بات چیت کرنے لگا۔

زندگی میں پہلی بار وہ کپڑے کے ایک اسپیشلسٹ کو ایک فریجن کے طور پر چپک اپ کرتے اور نئے لکھتے دیکھ رہا تھا اور اس نے اعتراض کیا۔ اس نے زندگی میں فرقان سے اچھا ڈاکٹر بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ بے حد پروفیشنل اور بے حد نرم مزاج تھا۔ اس تمام عمل میں اس کے چہرے کی سکرابٹ ایک لمحہ کے لئے بھی غائب نہیں ہوئی تھی۔ سالار کو یوں لگ رہا تھا جیسے اس نے اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ کو کسی چیز کے ساتھ چپکایا ہوا تھا۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد اس نے سالار کو ایک آبی کے ساتھ اسکول بھجوا دیا تھا اور وہاں اس کے والدین سے ملا۔

وہ اس کی آمد سے پہلے ہی باخبر تھے، یقیناً فرقان نے ان کو فون پر بتا دیا تھا وہ ان کے ساتھ اسکول میں بھرتا رہا۔ اسکول کی عمارت اس کی توقعات کے برعکس بہت وسیع اور بہت اچھی بنی ہوئی تھی۔ اسے وہاں موجود سچائی کی تعداد کچھ گڑھی حیرت ہو رہی تھی۔

وہاں کچھ تھکے ٹکے کے بعد وہ ان دونوں کے ساتھ ان کی حویلی میں آ گیا، حویلی کے چرونی دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی بے اختیار اس کا دل خوش ہوا تھا۔ اسے اس گاؤں میں اس قسم کے شاندار ان کی توقع نہیں تھی۔ وہاں پودوں کی ہزار ہا قسمی گرنے پر بھی نہیں تھی۔

"بہت شاندار ان ہے، بہت آرٹسٹک۔" وہ تعریف کے بغیر نہیں رہ سکا۔

"یہ ٹھیک سا جب کا شوق ہے۔" فرقان کی اہلی نے کہا۔

"میرا اور تو شین کا۔" فرقان کے والد نے اضافہ کیا۔

"تو شین؟" سالار نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"فرقان کی بیوی۔" یہ آرٹسٹک بچہ اسی کا ہے۔ "انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"فرقان نے مجھے بتایا تھا کہ اس کی پہلی لاجور میں ہوتی ہے۔" سالار کو یاد تھا۔

"اس بار وہ لوگ لاہور میں ہی ہوتے ہیں مگر فرقان سینے میں ایک ویک اینڈ یہاں گزار رہے ہیں۔ اپنی پہلی بھی یہاں آتا ہے۔ یہ سائیڈز اس کے بچوں کے لئے لگوائی ہیں۔ تو شین بھی لاکڑ ہے۔ ابھی بچے چھوٹے ہیں، اس لئے پرنٹس نہیں کرتی مگر جب یہاں آتی ہے تو فرقان کے ساتھ ڈپٹری جاتی ہے۔ اس بار وہ اپنے بھائی کی شادی میں مصروف تھی، اس لئے فرقان کے ساتھ نہیں آ سکی۔" دوا دھر اُدھر نظریں دوڑاتا ان کی باتیں سن رہا تھا۔

وہ ان کے ساتھ چلنے کرنے کے لئے گھر چ آیا تھا اور اس کا خیال تھا کہ کچھ دیر تک فرقان بھی آ جائے گا مگر جب کھانا لگانا شروع ہو گیا تو اس نے فرقان کے بارے میں پوچھا۔

"وہ دھیر دھیر کھانا یہاں نہیں کھا رہا۔ صرف ایک سینڈویچ اور چائے کا کپ لیتا ہے۔ اس میں بھی پانچ صف سے زیادہ چٹنیں لگتے۔ اس کے پاس مریض اسے ہوتے ہیں کہ وہ شام تک بائٹل فارغ نہیں ہو سکتا۔ کھانا بائٹل بھول جاتا ہے۔"

فرقان کی اہلی نے اس سے کہا۔ وہ ان کے ساتھ بائیں کرتے ہوئے کھانا کھانے لگا۔ فرقان کے والد غرضی لوجین میں ہی کام کرتے رہے تھے اور بیسیوں گریٹ میں رہنا شروع ہوئے تھے۔ یہ جان کر کہ سالار کا تعلق بھی فائرس سے ہی تھا۔ ان کے جوش میں کچھ اضافہ ہو گیا تھا۔ سالار کو ان سے باتیں کرتے ہوئے وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا۔ سالار نے ان سے اس اسکول کے حوالے سے بات کی۔

"اسکول کے لئے ہمیں فی الحال کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے پاس خاصے فنڈز ہیں۔

فرقان کا ایک دوست ایک نیا لاک بھی ہوا ہے بلکہ میں بھی چکا ہے، تم نے تو دیکھا تھا ہے۔ ہاں، تم اگر کچھ کرنا چاہتے ہو تو ڈپٹری کے لئے کرو۔ ہمیں ایک مستقل ڈاکٹر کی ضرورت ہے اور ہم اس کے لئے ہیلتھ سنٹری میں بہت دغہ درخشاں ہیں دے چکے ہیں۔ فرقان نے اپنے تعلقات بھی استعمال کئے ہیں مگر

کوئی بھی ڈاکٹر یہاں مستقل طور پر آکر رہنے کو تیار نہیں اور ہمیں ایک ڈاکٹر کی آمد ضرورت ہے۔ تم نے مریموں کی تعداد خود دیکھی ہی ہو گی۔ ایک قریبی گاؤں میں ایک ڈپنٹری اور ڈاکٹر ہے۔ مگر ڈاکٹر مستقل نہیں رہتا ہے اور انڈیا ڈاکٹر بھی آنے سے پہلے ہی پھلتی پھولتا ہوا ہے۔

”میں اس مسئلے میں جو کچھ کر سکا ضرور کروں گا لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس اسکول کے لئے بھی کچھ کروں۔ میں وہیں جاننے کے بعد کوشش کروں گا کہ آپ کو پانچ سو کی طرف سے کسی این جی او کے ذریعے بر مال کچھ گرانٹ بھی ملتی ہے۔“

”لیکن ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سب کچھ جو تم نے دیکھا ہے یہ سب ہم لوگوں نے خود کیا ہے۔ ہماری فیملی نے، رشید دادوں نے، فیملی فرینڈز نے، میرے واقف کاروں نے، میرے بچوں کے دوستوں نے۔ ہمیں کبھی کسی ملکی سستی یا بین الاقوامی ایجنسی کی گرانٹ کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ کب تک پوچھ سکو آکر ہمارے لوگوں کی ہجو، بچاوت اور بنیادی ختم کرتی رہے گی۔ جو کام ہم اپنے دماغوں سے کر سکتے ہیں وہ ہمیں اپنے دماغوں سے ہی کرنے چاہئیں۔“

”میں صرف یہ چاہتا تھا کہ آپ اس پر وجہ تک کو اور بڑھائیں۔“ سالار بے اختیار بولنے ہوئے لڑکھڑایا۔

”یہ بہت بڑھ جائے گا، تم جیسے دو سال بعد یہاں آکر دیکھو گے تو یہ گاؤں ہمیں ایک مختلف گاؤں لگے گا۔ جتنی غریب تم نے آج یہاں دیکھی ہے وہ تب نہیں ہو گی۔ ان کا کل ”کل“ آج سے مختلف ہو گا۔“

فرقان کے والد نے بے حد امداد سے کہا۔ سالار چپ چاپ انہیں دیکھتا رہا۔

سہ پہر کے قریب اسے فرقان نے ڈپنٹری سے فون کیا۔ کچھ دیر بعد گفتگو کے بعد اس نے سالار سے کہا۔

”اب ہمیں اسلام آباد کے لئے نکل جانا چاہئے۔ میں چاہتا تھا کہ خود ہمیں واپس چھوڑ کر

آؤں مگر یہاں بہت دشمن ہے جو لوگ وہاں سے آئے ہیں اگر میں انہیں آج چیک نہیں کر سکتا تو

انہیں بہت زحمت ہو گی، اس لئے میں اپنے ڈپنٹر کو بجوارا ہوں۔ وہ گاڑی میں جیسے اسلام آباد چھوڑ

آئے گا۔ اس نے پروگرام بٹل کیا۔

”اوکے۔“ سالار نے کہا۔

”جائے سے پہلے ڈپنٹری آکر مجھ سے مل لینا۔“ اس نے فون بند کرتے ہوئے کہا۔

سالار نے ایک بار پھر فرقان کے والدین کے ساتھ چائے پی۔ گاڑی تب تک وہاں آہنگی تھی، پھر

وہاں سے گاڑی میں فرقان کے پاس چلا گیا۔ سب والی بیٹیاں اب کم ہو چکی تھیں۔ وہیں اب صرف بیٹیاں

تھیں کے قریب لوگ تھے۔ فرقان ایک بوڑھے آدمی کا مکان پر رہتا تھا۔ سالار کو کچھ کھانا ملتا تھا۔

”میں دو منٹ میں انہیں چھوڑ کر آتا ہوں۔“

اس نے مریموں سے کہا اور پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ سالار کے ساتھ چلا ہوا وہ باہر گاڑی تک آیا۔

”تم کب تک پاکستان میں ہو گے؟“ اس نے سالار سے پوچھا۔

”لڑ بڑ وقت۔“

”پھر تو وہ بار ملاقات نہیں ہو سکے گی تم سے کیونکہ میں تو اب اگلے ہی ماہ اسلام آباد اور یہاں

آؤں گا لیکن میں تمہیں فرقان کروں گا، تمہاری شناخت کب ہے؟“

سالار نے اس کے سوال کو نظر انداز کیا۔

”ملاقات کیوں نہیں ہو سکتی، میں لاہور آ سکتا ہوں، مگر تم انوائٹ کرو۔“ فرقان کچھ حیران انداز

میں مسکرایا۔

سالار اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گیا۔

سالار نہیں جانتا تھا اسے کون کیا چیز اس طرح اچانک فرقان کے اسٹے قریب لے آئی تھی۔ وہ یہ

بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ فرقان کو کیوں اتنا پسند کر رہا تھا۔ وہ اس کی وجہ دیکھنے سے قاصر تھا۔

فرقان کے ساتھ اس کا گاؤں دیکھنے کے چار دن بعد وہ لاہور گیا۔ وہ وہاں ایک دن کے لئے گیا

تھا اور اس نے فرقان کو فون پر اس کی اطلاع دی۔ فرقان نے اسے اسٹیل پورٹ پر چک کر لے اور اپنے

ساتھ رہنے کی آفر کی، مگر اس نے انکار کر دیا۔

وہ فرقان سے ملے شدہ پروگرام کے مطابق چار بجے کے قریب اس کے گھر پہنچا۔ وہ ایک اچھے

حالات میں ایک عمارت کے گراؤنڈ فلور کے ایک فلیٹ میں رہتا تھا۔ دروازے کے ساتھ موجود لکڑی کا

کر دو خاصوٹی سے کھڑا ہو گیا۔ اندر سے ایک دم کبھی بچے کے بھاگنے کی آواز آئی۔ ایک چارپائی سرائی کی

بچی دوڑ بھین کی وجہ سے دروازے میں آنے والی جھری سے اس کو کچھ روکھی۔

”آپ کو کس سے ملنا ہے؟“ سالار اسے دیکھ کر دوستانہ انداز میں مسکرا رہا تھا مگر اس بچی کے چہرے

پر کوئی مسکراہٹ نہیں آئی۔ وہ بڑی سنجیدگی سے سالار سے پوچھ رہی تھی۔

”بیٹا! مجھے آپ کے پیارے ملنا ہے۔“

اس بچی اور فرقان کے چہرے میں اتنی مماثلت تھی کہ اس کے لئے یہ انداز لگانا مشکل نہیں تھا کہ

وہ فرقان کی بیٹی تھی۔

”پاپا! میں تم سے نہیں ملنے۔“ اسے بڑی سنجیدگی سے اطلاع دی گئی۔

”مجھ سے مل لیں گے۔“ سالار نے قدرے معھولا ہوتے ہوئے کہا۔

”آپ سے کیوں مل لیں گے؟“ نوراجواب آیا۔

”یہ تو میں تمہیں راستے میں ہی بتاؤں گا۔“ وہ عجیب سے انداز میں مسکرایا۔

☆ ☆ ☆

”میں وہاں جا کر کروں گا کیا؟“ سالار نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے فرقان سے پوچھا۔

”اوی جو میں گھر گیا ہوں۔“ وہ نکتل پر گاڑی روکنے ہوئے بولا۔

”اور تم وہاں کیا کرتے ہو؟“

”یہ تم وہاں پہنچ کر دیکھ لیجئے۔“

فرقان اسے کسی ڈاکٹر سید سید علی کے پاس لے کر جا رہا تھا جس کے پاس وہ خود بھی جایا کرتا تھا۔ وہ کوئی مذہبی عالم تھے اور سالار کو مذہبی علماء سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ پچھلے چند سالوں میں مذہبی علماء کے واسطے چرے دیکھ چکا تھا کہ وہ اب مزید ان جگہوں پر وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

”فرقان! اس وقت تک فرقان! میں اس ناپ کا ہوں نہیں جس ناپ کا تم مجھے سمجھ رہے ہو۔“ اس نے دیکھ کر خاموش رہنے کے بعد فرقان کو مخاطب کیا۔

”کس ناپ کے؟“ فرقان نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

”یہی جی سی ریڈی۔“ ڈیپٹی منڈو نے۔ ”یہ بھی تم سمجھ لو۔“ اس نے قدرے صاف کوئی سے کہا۔

”اسی لئے تو میں تمہیں وہاں لے جا رہا ہوں، تمہیں مدد کی ضرورت ہے نا سالار! سنے چوٹ کر اسے دیکھا۔ وہ سڑک کو دیکھ رہا تھا۔

”کیسی مدد؟“

”اگر کوئی جاننے والا رات کو ایک پارہ چرے اور پھر بھی نیند لانے کے لئے اسے نیند کی گولیاں کھائی پڑیں تو پھر کہیں نہ کہیں جو نہ کچھ غلط ضرور ہے۔ کئی سال پہلے مجھے بھی ایک بار بہت پریشانی ہوئی تھی۔ میرا ذہن بھی بہت الجھ گیا تھا پھر کوئی مجھے ڈاکٹر صاحب کے پاس لے کر گیا تھا۔ آٹھ دس سال ہو گئے ہیں مجھے اب وہاں جاتے۔ تم سے مل کر مجھے احساس ہوا کہ تمہیں بھی میری طرح کسی کی مدد کی ضرورت ہے۔ وہ بھائی کی ضرورت ہے۔“ فرقان نے نرم لہجے میں کہا۔

”تم کیوں میری مدد کرنا چاہتے ہو؟“

”کیونکہ میں کہتا ہوں کہ تم میرے بھائی ہو۔“ اس نے موڑ موڑتے ہوئے کہا۔ سالار نے گردن سیدھی کر لی۔ وہ اس سے مزید کیا پوچھتا۔

اسے مذہبی علماء سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ہر عالم اپنے فرقے کی تعریف میں زمین اور آسمان کے تقابے ملانے میں ماہر تھا۔ ہر عالم کو اپنے علم پر غرور تھا۔ ہر عالم کا لب لباب یہی ہوتا تھا۔ میں اچھا ہوں، ہائی سب برے ہیں۔ میں کامل ہوں باقی سب نامکمل ہیں۔ ہر عالم کو کچھ کر لیا اس نے علم کتابوں سے

نہیں۔ برادر راست وحی کے ذریعے حاصل کیا ہے جس میں لفظی کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔ اس نے آج تک ایسا عالم نہیں دیکھا تھا جو اپنے علم پر تنقید کرنے اور برداشت بھی کرے۔

سالار خود اپنی ملت مسلک سے تعلق رکھتا تھا مگر جو آخری چیز وہ کسی سے ڈسکن کرنا چاہتا تھا وہ مسلک اور فرقہ تھا اور ان مذہبی علماء کے پاس ڈسکن کرنے کے لئے سب سے پہلی چیز مسلک اور فرقہ ہی تھا۔ ان علماء کے پاس جاتے جاتے وہ فرقہ فرقہ ان سے برکتی ہو گیا تھا۔ ان کی پوچھی میں صرف علم بھرا ہوا تھا۔ عمل نہیں۔ وہ ”نہایت ایک گناہ“ پر لبا چڑا لگھڑا دیتے، قرآنی آیات اور احادیث کے حوالے دیتے اور اعلیٰ علمی سائنس میں وہ اپنے کسی ہم عصر عالم کا نام لے کر اس کا مذاق اڑاتے۔ اس کی علمی جہالت کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے۔

وہ اپنے پاس آنے والے ہر ایک کا پورا پورا بخود بخود جانتے اور پھر اگر وہ بخود بخود ان کے کام کا ہوتا تو مطالعوں اور مشاہدوں کا ایک لمبا سلسلہ شروع ہو جاتا اور اس بخود بخود اپنے پاس آنے والوں کو متاثر کرنے کے لئے بھی استعمال کرتے کہ ان کے پاس کس وقت، کون آیا تھا۔ کس طرح کون ان کے علم سے فیض یاب ہوا تھا۔ کون بڑا آدمی ہر وقت ان کی جوتیاں سیدھی کرتے رہتے کو تیار رہتا ہے۔ کس نے انہیں سکھایا اور کس طرح خدمت کی۔ وہ اب تک جن عالموں کے پاس ایک بار گیا تھا وہ بارہ نہیں گیا اور اب فرقان اسے پھر ایک عالم کے پاس لے کر جا رہا تھا۔

وہ شہر کے اچھے علاقوں میں سے ایک میں جا پہنچے تھے۔ وہ علاقہ اچھا تھا، مگر بہت ہاش نہیں تھا۔ اس سڑک پر پہلے بھی بہت سی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ فرقان نے بھی ایک مناسب جگہ پر گاڑی سڑک کے کنارے پارک کر دی، پھر وہ گاڑی سے پیٹے اتر گیا۔ سالار نے اس کی پیروی کی۔ تین چار منٹ چلتے رہنے کے بعد وہ ان جگہوں میں سے ایک نہایت سادہ مگر پر وقار اور پھولے بنگلے کے سامنے پہنچ گئے۔ نیم چٹائی پر ڈاکٹر سید سید علی کا نام تحریر تھا۔ فرقان بٹا جھک اندر داخل ہو گیا۔ سالار نے اس کی پیروی کی۔

بنگلے کے اندر موجود بنگلے سے لان میں ایک بالی اپنے کام میں مصروف تھا۔ فرقان نے پورے میں ایک ملازم کے ساتھ دوسرا ملازم کا ہاتھ لیا پھر وہ مزید کچھ آگے چلا وہاں ایک دروازے کے سامنے پہنچ گیا اور وہاں اس نے اپنا ہاتھ دیا۔ وہاں پہلے بھی بہت سے جوتے چڑے تھے۔ اندر سے باتوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ سالار نے بھی دیکھا تو بھی اپنے جوتے اتار دیے۔ سالار نے ایک قدم اس کے پیچھے اندر دیکھتے ہوئے ایک ہی نظر میں پورے کمرے کا جائزہ لے لیا۔ وہ ایک کشادہ کمرے میں تھا جس کے فرش پر کارپٹ بچھا ہوا تھا اور بہت سے طور کشٹن بھی پڑے ہوئے تھے۔ کمرے میں فرنیچر کے نام پر صرف چند مہموں کی چیزیں تھیں اور وہ یو اوروں پر کچھ قرآنی آیات کی گرائی کی صورت میں لگی ہوئی تھیں۔ کمرے میں تین بیچیں کچھ قریب مرادھے جو آپس میں جھگڑوں میں مصروف تھے۔ فرقان نے اندر

”کیونکہ میں ان کا دوست ہوں، آپ انہیں جا کر بتائیں گی کہ سالار انکل آئے ہیں تو وہ مجھ سے مل لیں گے۔“ سالار نے نرمی سے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ اس کی مسکراہٹ سے متاثر نہیں ہوئی۔

”لیکن آپ میرے انکل تو نہیں ہیں۔“

سالار کو بے اختیار ہنسی آگئی۔

”آپ نہیں۔“ وہ بے اختیار ہنسی کے سالار بچوں کے گل اس کے مقابلہ میں کیا۔

”اچھا میں نہیں جانتا۔“ اس نے چہرے کی مسکراہٹ کو چھپایا۔

”آپ اس خراک میں بہت اچھی لگ رہی ہیں۔“ وہ اب کچھ قریب سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ اس کی قریب نے دروازے کی جھری میں سے جھانکی ہوئی تحرت کے تاثرات اور مول میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

”لیکن آپ مجھے اچھے نہیں لگے۔“

اس کے پہلے سے زیادہ اس کے تاثرات نے سالار کو محظوظ کیا۔ وہ اب کچھ دور سے حقیقت کے اندر کسی کے قدموں کی آواز سن رہا تھا۔ کوئی دروازے کی طرف ہی آ رہا تھا۔

”میں، میں کیوں اچھا نہیں لگا؟“ اس نے مسکراتے ہوئے اطمینان سے پوچھا۔

”میں نہیں اچھے لگے۔“ اس نے ناگوار سی سے گردن کو جھکا۔

”نام کیا ہے آپ کا؟“ وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

”ایسا۔“ سالار کے چہرے کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ اس نے دروازے کی جھری میں سے ایسا کے مقب میں فرقان کو دیکھا۔ وہ اس کو اٹھاتے ہوئے دروازہ کھول رہا تھا۔

سالار کھڑا ہو گیا۔ فرقان نہا کر اٹھا تھا اس کے بال کھیلے اور بے ترتیب تھے۔ سالار نے مسکرائے کی کوشش کی وہ فوری طور پر کامیاب نہیں ہو سکا۔ فرقان نے اس سے ہاتھ ملایا۔

”میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔“ وہ اس کے ساتھ اندر بھاگتے ہوئے بولا۔ وہ دونوں اب درانگ روم میں داخل ہو رہے تھے۔

ایسا، فرقان کی کمر میں چڑھی ہوئی تھی اور اسے مسلسل کان میں کچھ تانے کی کوشش کر رہی تھی۔ جسے فرقان مسلسل نظر انداز کر رہا تھا۔

”انکل سالار سے ملی ہیں آپ؟“ فرقان نے سالار کو پچھنے کا اشارہ کرتے ہوئے ایسا سے پوچھا۔ وہ اب خود بھی صوفے پر بیٹھ رہا تھا۔

”یہ مجھے اچھے نہیں لگتے۔“ اس نے باپ تک اپنی ٹانہ نہ لگی بیٹھائی۔

”بہت بری بات ہے ایسا۔ ایسے نہیں کہتے۔“ فرقان نے سر دھنسنے والے انداز میں کہا۔

”آپ انکل کے پاس جائیں اور ان سے ہاتھ ملائیں۔“

اس نے ایسا کو پیچے آگاہ کیا۔ وہ سالار کی طرف جانے کے بجائے یک دم بھاگتے ہوئے باہر چلی گئی۔

”جیرانی کی بات ہے کہ اسے تم اچھے نہیں لگے۔“ وہ اس کو ہر اہر دوست اچھا لگتا ہے۔ آج اس کا مود بھی کچھ آف ہے۔“ فرقان نے مسکراتے ہوئے وضاحت کی۔

”یہ نام کا اثر ہے مجھے جیرانی ہوتی اگر اسے میں اچھا لگتا۔“ سالار نے سوچا۔

چائے پیتے ہوئے وہ دونوں آپس میں باتیں کرتے رہے اور باقیوں کے دوران سالار نے اس سے کہا۔

”ایک دو ہفتے تک تم لوگوں کی ڈھنسی میں ڈاکٹر آ جائے گا۔“ اس نے سرسری انداز میں کہا۔

”یہ تو بہت اچھی خبر ہے۔“ فرقان یک دم خوش ہوا۔

”اور اس بار وہ ڈاکٹر وہاں رہے گا۔ اگر نہ رہے تو مجھے بتانا۔“

”میری کچھ بھی نہیں آتا میں تمہارا شکریہ کیسے ادا کروں۔“ ڈھنسی میں ایک ڈاکٹر کی دستیابی سے بے حد مسرور رہا۔

”اس کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ اس کا۔“ وہاں جانے سے پہلے مجھے توقع نہیں تھی کہ تم اور تمہاری چچی اس کام کو اس اسکیل پر لے آؤ گے۔“ وہ اس کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی اس بات سے حقیقت

بہت متاثر ہوا اور میری آفر بھی اچھی سی ہے۔ میں اس پروجیکٹ کے سلسلے میں تمہاری مدد کرنا چاہوں گا۔“

اس نے سنجیدگی سے فرقان سے کہا۔

”سالار! میں نے تم سے پہلے بھی کہا ہے کہ میں چاہوں گا کہ تم اسی طرح کا کوئی پروجیکٹ وہاں لائیں۔“

دوسرے گاؤں میں شروع ہو کر وہ تمہارے پاس مجھ سے زیادہ ذرا آج ہیں اور تم مجھ سے زیادہ اچھے طریقے سے یہ پروجیکٹ چلا سکتے ہو۔“

”میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا میرا مسئلہ وقت ہے۔ میں تمہارے جتنا وقت نہیں دے سکتا اور بحر میں پاکستان میں رہ بھی نہیں سکتا۔ تمہاری طرح میرے کچھ ممبر بھی اس معاملے میں پیری مدد نہیں کر سکتے۔“ سالار نے اسے اپنا مسئلہ بتایا۔

”چلو اس پر بعد میں بات کریں گے، ابھی تو تم چائے پچھ میں نہیں اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا۔“ فرقان نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

”میں؟“

داخل ہوتے ہی بلند آواز میں سلام کیا اور پھر چند لوگوں کے ساتھ کچھ غیر مقدس کلمات کا چنوا کر کیا پھر وہ ایک جالی کوٹے میں بیٹھ گیا۔

"راکٹر سید سید علی کہاں ہیں؟" سالار نے اس کے قریب بیٹھے ہوئے مدیم آواز میں پوچھا۔

"آٹھ بیٹھے ہی وہ اندر آ جائیں گے، ابھی تو صرف سات بجیں ہوئے ہیں۔" فرقان نے اس سے کہا۔

سالار گردن ہلاتے ہوئے بیٹھے ہوئے لوگوں کا جائزہ لینے لگا، ہاں ہر عمر کے افراد تھے۔ چند نیشنل ایئر لائن کے، اس کے ہم عمر افراد، فرقان کی عمر کے لوگ، اور جڑی۔ اور کچھ عمر رسیدہ بھی۔ فرقان اپنی دائیں طرف بیٹھے کسی آدمی کے ساتھ مصروف گفتگو تھا۔

ٹھیک آٹھ بجے اس نے ساتھ بیٹھنے والے سالار کے ایک آدمی کو ایک اندر دہلی دوڑا دیا۔ کچھ لمحوں کے بعد داخل ہوئے دیکھا۔ اس کی توقع کے برعکس وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے کوئی بھی انتظار کے لئے احرام کھڑا نہیں ہوا۔ آنے والے نے ہی سلام میں پہل کی تھی جس کا جواب وہاں موجود لوگوں نے دیا۔ آنے والے کے احرام میں کھڑا ہونے کے باوجود سالار اب اپنا یک دم بیٹھے ہوئے لوگوں کی نشست کے انداز میں احرام دیکھ رہا تھا۔ وہ سب یک دم بہت چوکے اور تھکا نظر آنے لگے تھے۔

آنے والے پھر راکٹر سید سید علی تھے۔ وہ کمرے کی ایک دہلی کے ساتھ اس شخص کو جگہ پر بیٹھ گئے جنہیں شاید ان ہی کے لئے چھوڑا گیا تھا۔ وہ سفید شلوار قمیص میں ملبوس تھے۔ ان کی رنگت سرخ و سفید تھی اور یقیناً جوانی میں وہ بہت خوبصورت ہوں گے۔ ان کے چہرے پر موجود ڈاڑھی بہت لمبی نہیں تھی مگر بہت کٹنی اور نکاست سے تراشی گئی تھی۔ ڈاڑھی کھل طور پر سفید نہیں ہوئی تھی اور کچھ لمبی حال ان کے سر کے بالوں کا بھی تھا۔ سفید اور سیاہ کے امتزاج نے ان کے چہرے اور سر پر موجود بالوں کو بہت ہموار کر دیا تھا۔ وہ وہاں بیٹھے کمرہ میں طرف موجد کسی آدمی کا سال اور دریافت کر رہے تھے۔ شاید وہ کسی بیماری سے اٹھ کر آیا تھا۔ سالار نے چند ہی لمحوں میں ان کے سر پر کاجا تھوڑے لیا تھا۔ وہ اور فرقان باقی لوگوں کے عقب میں دہلی کے ساتھ ٹھیک لگائے بیٹھے تھے۔

راکٹر سید علی نے اپنے ٹیگٹر کا آغاز کیا۔ ان کا لب و لہجہ بے حد شائستہ تھا اور ادب و دیانت تھا۔ کمرے میں مکمل سکوت تھا۔ وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے کوئی بھی حرکت نہیں کر رہا تھا۔ سالار کو ان کے ابتدائی چند جملوں سے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ ایک غیر معمولی عالم کے سامنے تھا۔

راکٹر سید سید علی شکر کے بارے میں بات کر رہے تھے۔

"انسان اپنی زندگی میں بہت سے شیب و فراز سے گزرتا ہے۔ کبھی کمال کی بلندیوں کو جا چھوڑتا ہے۔ کبھی زوال کی گہرائیوں تک جا پہنچتا ہے۔ ساری زندگی وہ ان ہی دونوں انتہاؤں کے درمیان سفر

کر رہتا ہے اور جس راستے پر وہ سفر کرتا ہے وہ شکر کا ہوتا ہے یا شکر کی کمی کا۔ کچھ خوش قسمت ہوتے ہیں وہ زوال کی طرف جائیں یا کمال کی طرف وہ صرف شکر کے راستے پر ہی سفر کرتے ہیں۔ کچھ ایسے ہوتے ہیں جو صرف نا شکر کی کے راستے پر سفر کرتے ہیں، اچانک وہ زوال حاصل کریں یا کمال اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو ان دونوں راستوں پر سفر کرتے ہیں۔ کمال کی طرف جاتے ہوئے شکر کے اور زوال کی طرف جاتے ہوئے نا شکر کی کے۔ انسان اللہ کی ان نعمت مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے۔ اشرف المخلوقات ہے مگر مخلوق ہی ہے۔ وہ اپنے خالق پر کوئی حق نہیں رکھتا، صرف فرض رکھتا ہے۔ دوزخ میں رہے ایسے کسی فریک، پکاؤ کے ساتھ نہیں آتا، یہاں کہ وہ اللہ سے کسی بھی چیز کو اپنا حق سمجھ کر مطالبہ کر سکے مگر اس کے باوجود اس پر اللہ نے اپنی رحمت کا آغاز نہایت سے کیا، اس پر نعمتوں کی بارش کر دی گئی اور اس سب کے بدلے اس سے صرف ایک چیز کا مطالبہ کیا گیا شکر کا۔ کیا محسوس کرتے ہیں آپ؟ اگر آپ بھی زندگی میں کسی پر کوئی احسان کریں اور وہ شخص اس احسان کو یاد رکھنے اور آپ کا احسان مند ہونے کے بجائے آپ کو ان مواقع کی یاد دلانے وجہ آپ نے اس پر احسان نہیں کیا تھا یا آپ کو یہ بتانے کے آپ کا احسان اس کے لئے کافی نہیں تھا، اگر آپ اس کے لئے "مکر دینے یا" "مکر دینے تو زیادہ خوش ہوتا۔ کیا کریں گے آپ ایسے شخص کے ساتھ؟ وہ بارہ احسان کرنا تو ایک طرف، آپ تو شاید اس سے تعلق رکھنا تک پسند نہ کریں۔ ہم اللہ کے ساتھ بھی کرتے ہیں۔ اس کی نعمتوں اور رحمتوں پر اس کا شکر ادا کرنے کے بجائے ہم ان چیزوں کے لئے پرکڑھتے رہتے ہیں۔ جنہیں ہم حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اللہ پھر بھی رحیم ہے وہ ہم پر اپنی نعمتیں نازل کرتا رہتا ہے۔ ان کی تعداد میں ہمارے اعمال کے مطابق کمی بیشی کرتا رہتا ہے مگر ان کا سلسلہ کبھی کبھی مکمل طور پر قطع نہیں کرتا۔"

سالار چٹکیں چمکائے بغیر ان کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"شکر ادا کرنا بھی ایک پیاری بات ہے، اسکی پیاری جہان ہے انوں گوروں پر روز کشاؤ گی سے عقل کی طرف لے جاتی ہے جو ہماری زبان پر شکوہ کے علاوہ اور کچھ آگے ہی نہیں جاتی۔ اگر ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنے کی عادت نہ ہو تو ہمیں افسانوں کا شکر یہ ادا کرنے کی بھی عادت نہیں پڑتی۔ اگر ہمیں خالق کے احسانوں کو یاد رکھنے کی عادت نہ ہو تو ہم کسی مخلوق کے احسان کو بھی یاد رکھنے کی عادت نہیں سمجھ سکتے۔"

سالار نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ نا شکر کی کیا ہوتی ہے، کوئی اس سے زیادہ اچھی طرح نہیں جان سکتا تھا۔ اس نے ایک بار پھر آنکھیں کھول کر ڈاکٹر سید سید علی کو دیکھا۔

پورے ایک گھنٹے کے بعد انہوں نے اپنا ٹیگٹر ختم کیا، کچھ لوگوں نے ان سے سوال کے پھر لوگ باری باری اٹھ کر جانے لگے۔

باہر سڑک پر لوگ اپنی گاڑیوں پر بیٹھ رہے تھے۔ وہ بھی اپنی گاڑی میں آکر بیٹھ گئے۔ رات اب

میری دوری تھی۔ سالار کے کانوں میں ابھی بھی ڈاکٹر سید علی کی باتیں گونجنے لگی تھیں۔ فرقان گاڑی اسٹارٹ کر کے واپسی کا سفر شروع کر چکا تھا۔

سات دن پہلے وہ فرقان نامی کسی شخص سے واقف تک نہیں تھا اور سات دن میں اس نے اس کے ساتھ تعلقات کی بہت سی بیڑیاں بٹھ کر لی تھیں۔ اسے حیرت تھی وہ لوگوں کا عادی نہیں تھا۔ کچھ تعلقات اور روابط نامہ کیسے بٹھے جاتے ہیں۔ کس وقت۔ کون کسے۔ کہاں۔ کس لئے بٹھے گا اور زندگی میں کیا تبدیلی لائے گا یہ سب۔

وہ صرف ایک دن کے لئے لاہور آیا تھا، مگر وہ پاکستان میں اپنے قیام کے باقی دن اسلام آباد کے بجائے لاہور میں قیام رکھنا اور باقی کے دن وہ ہر روز فرقان کے ساتھ ڈاکٹر سید علی کے پاس جاتا رہا۔ وہ ایک دن بھی ان سے براہ راست نہیں ملا۔ صرف ان کا پیچھا کرتا اور آٹھ کر آ جاتا۔

ڈاکٹر سید علی کی زندگی کا بڑا حصہ مختلف یورپی ممالک کی پیوٹیشن میں اسلام آباد اور اسلام آباد کی تعلیم دینے گزارا تھا۔ پچھلے دس بارہ سال سے وہ پاکستان میں یہاں کی ایک پیوٹیشن سے وابستہ تھے اور فرقان تقریباً سبھی عمر سے انہیں جانتا تھا۔

جس دن اسے لاہور سے اسلام آباد اور پھر وہاں سے واپس واپس جانا تھا اس رات پہلی بار وہ پیچھے کے ٹیم بولے کے بعد فرقان کے ساتھ وہاں ٹھہر گیا۔ باری باری تمام لوگ کمرے سے نکل رہے تھے۔ ڈاکٹر سید علی کمرے سے اترے اور کچھ لوگوں سے الوداعی مصافحہ کر رہے تھے۔

فرقان اس کے ساتھ ڈاکٹر سید علی کی طرف بڑھ آیا۔

ڈاکٹر سید علی کے چہرے پر فرقان کو دیکھ کر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ وہ کمرے میں موجود آخری آدمی کو رخصت کر رہے تھے۔

"کیسے ہیں آپ فرقان صاحب؟" انہوں نے فرقان کو مخاطب کیا۔ "بڑے دنوں کے بعد تو آپ یہاں پر۔"

فرقان نے کوئی وضاحت دی بھر سالار کا شمار کر دیا۔

"یہ سالار سیکر ہیں، میرے دوست ہیں۔"

سالار نے اپنا نام سننے پر انہیں ایک دم چونکے دیکھا اور پھر وہ کچھ حیران ہوئے مگر اگلے ہی لمحوں کے چہرے پر ایک بار پھر پہلے والی مسکراہٹ تھی۔ فرقان اب اس کا تھیں بلکہ تعارف کر دیا تھا۔

"آئیے بیٹھیں۔" ڈاکٹر سید علی نے فرش نشست کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ فرقان اور وہ ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئے۔ وہ فرقان کے ساتھ اس کے پڑا جیکٹ کے حوالے سے بات کر رہے تھے۔ سالار خاموشی سے باری باری ان دونوں کے چہرے دیکھتا رہا۔ گفتگو کے دوران ہی ان کا ملازم اندر

آیا اور انہوں نے اسے کہا لانے کے لئے کہا۔

ملازم نے اس کمرے میں دسترخوان بچا کر رکھا۔ فرقان بیٹھا پہلے بھی وہاں کئی بار کھانا کھا رہا تھا۔

وہ جب ہاتھ دھو کر کھانا کھانے کے لئے واپس کمرے میں پہنچا اور دسترخوان پر بیٹھا تو ڈاکٹر سید علی نے اچانک اسے مخاطب کیا۔

"آپ مسکراتے ہیں؟" سالار "۴" وہ ان کے سوال سے زیادہ سوال کی نوعیت پر گزریا۔ کچھ باوقی سا وہ انہیں دیکھتا رہا۔

"اس عمر میں اتنی سنجیدگی تو کوئی بہت مناسب بات نہیں۔" سالار کچھ حیرانی سے مسکرایا۔ پھر وہ بیٹھ بیٹھ کی ملاقات میں وہ یہ کیسے جان گئے تھے کہ وہ مسکراتے کا عادی نہیں رہا تھا۔ وہ فرقان کی طرف اکتھ کر کچھ دھینچا پھر اس نے مسکراتے کی کوشش کی۔ یہ آسان کام بات نہیں ہوا۔

"کیا سیرانچہ میرے ہر احساس کو ظاہر کرنے لگا ہے کہ پہلے فرقان اور اب ڈاکٹر سید علی مجھ سے میری سنجیدگی کی وجہ جاننا چاہتے ہیں۔" اس نے سوچا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں اتنا سنجیدہ نہیں ہوں۔" اس نے ڈاکٹر سید علی سے زیادہ جیسے خود کو بتایا۔

"ممکن ہے ایسا ہی ہو۔" ڈاکٹر سید علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

کھانے کے بعد دونوں کو رخصت کرنے سے پہلے وہ اندر گئے۔ واپسی پر ان کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی وہ کتاب انہوں نے سالار کی طرف بڑھا دی۔

"آپ کا تعلیمی معاشیات سے ہے، کچھ عمر سے پہلے میں نے اسلامی اقتصادیات کے بارے میں یہ کتاب لکھی ہے۔ مجھے خوشی ہو گی اگر آپ اسے پڑھیں تاکہ آپ کو اسلامی اقتصادیات کا ہمارے میں بھی کچھ واقفیت حاصل ہو۔"

سالار نے کتاب ان کے ہاتھ سے پکڑ لی، کتاب پر ایک نظر ڈالنے ہوئے اس نے دم آواز میں ڈاکٹر سید علی سے کہا۔

"میں واپس جا کر بھی آپ سے رابطہ رکھنا چاہتا ہوں۔ میں آپ سے صرف اقتصادیات کے بارے میں نہیں سیکھنا چاہتا اور بھی بہت کچھ جانتا چاہتا ہوں۔" ڈاکٹر سید علی نے نرمی سے اس کا کاندھا تھپتھپایا۔

☆ ☆ ☆

"ڈاکٹر سید علی صاحب کے پاس بیٹھنے لوگ بھی آتے ہیں وہ سمجھتی تھیں کہ حوالے سے کیونٹی ورک سے وابستہ ہیں۔ کچھ پہلے ہی اس کام میں انہیں انہوں نے ہیں اور جو پہلے نہیں ہوتے وہ بعد میں ہو جاتے ہیں۔"

ڈاکٹر سیٹا علی سے پہلی ملاقات کے بعد فرقان نے اسے بتایا۔

"ان کے پاس آنے والے زیادہ تر لوگ بہت کوالیفائیڈ ہیں۔ بڑے بڑے اداروں سے وابستہ ہیں۔ میں بھی اتفاقاً ہی ان کے پاس چلا شروع ہوا۔ لندن میں ایک بار ان کا ایک گھر گئے کا اتفاق ہوا پھر پاکستان آنے پر ایک دوست کے قریب سے ان سے ملنے کا موقع ملا اور اس کے بعد سے میں ان کے پاس جا رہا ہوں اور مجھے محسوس ہوتا ہے کہ زندگی کے بارے میں میرے نظریات پہلے کی نسبت اب بہت صاف اور واضح ہیں۔ آہلی طور پر بھی میں پہلے کی نسبت اب زیادہ مضبوط ہو گیا ہوں تم اس پروجیکٹ کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ اس پروجیکٹ میں میری بہت زیادہ ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے آئے والے لوگوں نے بھی کی۔ بہت ساری سہولیات انہیں لوگوں نے فراہم کیں اور میں یہاں اس قسم کے پروجیکٹ پر کام کرنے والا واحد شخص ہوں اور ہم ایک دوسرے کی مدد بھی کرتے ہیں۔ اس مدد کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔ مگر مقصد ایک ہی ہوتا ہے۔ ہم اس ملک کو تھریل کرنا چاہتے ہیں۔"

سالار نے اس کے آخری جملے پر عجیب سی نظروں سے استدیکھا۔ "یہ اتنا آسان تو نہیں ہے۔" "ہاں ہم جانتے ہیں یہ آسان کام نہیں ہے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں یہ سب ہماری زندگیوں میں نہیں ہو گا مگر ہم وہ زیادہ ضروری کام کرنا چاہتے ہیں۔ جن پر ہمارے بچے اور ان کے بعد والی نسل تعمیر کرتی رہے۔ وہ اندھیرے میں ناک ٹوکیاں نہ مارتی رہے۔ کم از کم مرنے والے ہم لوگوں کو یہ احساس تو نہیں ہو گا کہ ہم انہیں نے قیادت کی زندگی گزار دی۔ دوسرے بہت سے لوگوں کی طرح ہم بھی صرف تھکے کرتے رہے۔ غرابوں پر انگلیاں اٹھاتے رہے۔ اسلام کو صرف مسجد کی حد تک ہی محدود کر کے بیٹھے رہے۔ اپنے اور دوسروں کی زندگیوں میں ہم نے کوئی تبدیلی لانے کی کوشش نہیں کی۔"

وہ حیرانی سے فرقان کا چہرہ دیکھتا رہا تھا۔ امام باقر، جلال العصر، سعد کے بعد وہ ایک اور مسلمان کو دیکھ رہا تھا۔ ایک اور پریکٹیکل مسلمان کو وہ مسلمانوں کی ایک اور قسم سے آگاہ ہو رہا تھا۔ وہ مسلمان جو دین اور دنیا کو ساتھ لے کر چلنا چاہتے تھے، جو دونوں دنیاؤں کے سچ کے راستے کو پیچھتے تھے اور ان پر چلنے کا طریقہ جانتے تھے وہ بری طرح اچھا تھا۔

"تم نے میری آفر کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" اس نے فرقان سے کہا۔

"میں نے تمہیں بتایا تھا میں تم سے کیا چاہتا ہوں۔ تمہاری ضرورت ہے اس ملک کو۔ یہاں کے لوگوں کو یہاں کے اداروں کو، تمہیں یہاں آکر کام کرنا چاہیے۔"

سالار اس بات پر ہلکے سے ہنسا "تم بھی اس ناپک کو نہیں سمجھو سکتے۔ اچھا میں اس پر سوچوں گا۔ پھر تم میری آفر کے بارے میں کیا کہو گے۔"

"میرے گاؤں کے قریب ہی ایک اور گاؤں ہے۔۔۔ اسی حالت میں جس حالت میں دس پندرہ

سال پہلے میرا گاؤں تھا۔ میں آج کل کوشش کر رہا تھا کہ کوئی وہاں پر اسکول بناوے۔ پرائمری اسکول تو موجود نہ تھا وہاں ہے مگر آگے کچھ نہیں ہے۔ اگر تم وہاں اسکول شروع کرو تو یہ زیادہ بہتر ہو گا۔ میں اور میری فیملی تمہاری غیر موجودگی میں اسے دیکھیں گے۔ ہم اسے قائم کرنے میں بھی تمہاری مدد کریں گے مگر پھر تمہیں خود ہی اسے چلانا ہو گا۔ صرف روپیہ فراہم کر دینا کافی نہیں ہو گا۔" فرقان نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہا۔

"نکل چل سکتے ہو۔ میرے ساتھ وہاں؟" سالار نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"تمہاری قیادت ہے کل صبح۔"

"نہیں میں دو دن کے بعد چلا جاؤں گا۔ ایک بار میں چلا گیا تو فوری طور پر میرے لئے واپس آنا ممکن نہیں رہے گا اور میں جانے سے پہلے یہ کام شروع کر دینا چاہتا ہوں۔"

اس نے فرقان سے کہا۔ فرقان نے سر ہلا دیا۔

☆.....☆.....☆

وہ اس رات کی ملاقات سے اسلام آباد گئے اور پھر رات کو ہی فرقان کے گاؤں چلے گئے۔ رات وہاں قیام کرنے کے بعد صبح بھر کے وقت فرقان کے ساتھ وہ اس گاؤں میں گیا۔ دو پہر بارہ بجے تک وہ اس گاؤں کے لوگوں سے ملے اور وہاں پھرتے رہے۔ وہاں موجود پرائمری اسکول کو دیکھ کر سالار کو یقین نہیں آیا تھا۔ دو انہی حالت سے کچھ بھی لگا تھا مگر اسکول نہیں۔ فرقان کو اس کی طرح کوئی شک نہیں لگا تھا۔ وہ وہاں کے حالات سے پہلے ہی بہت اچھی طرح باخبر تھا۔ وہ سالانہ نمونہ چار مرتبہ مختلف دیہات میں ملنے بھی کیسے لگوایا کرتا تھا اور وہ دیہات کی زندگی اور وہاں کی حالت سے سالار کی نسبت بہت اچھی طرح واقف تھا۔ فرقان کو شام کی ملاقات سے واپس لا چور چاہا تھا۔ وہ لوگ دوپہے کے قریب وہاں سے اسلام آباد جانے کے لئے روانہ ہو گئے۔

☆.....☆.....☆

اسکول کے اس پروجیکٹ کو شروع کرنے سے پہلے سکندر عثمان سے اس کی بات ہوئی تھی۔ اس نے مختصر اختلاط میں انہیں اس پروجیکٹ کے بارے میں بتایا تھا۔ وہ کسی مددگاری کے بغیر اس کی بات سننے سے پھر انہوں نے بڑی شجیدگی سے اس سے کہا۔

"یہ سب کچھ کیوں کر رہے ہو تم؟"

"پاپا! میں اس کام کی ضرورت محسوس کرتا ہوں لوگوں کو۔" انہوں نے سالار کی بات کاٹ دی۔

"میں اسکول کی بات نہیں کر رہا۔"

"پھر آپ کس چیز کی بات کر رہے ہیں؟" وہ حیران ہوا۔

"میں تمہارے لائف اسٹائل کی بات کر رہا ہوں۔"

"میرے لائف اسٹائل کو کیا ہوا؟" سکندر دھنن اسے دیکھتے رہے۔

"تم نے قرآن پاک حفظ کرنے کے بارے میں ہمیں اس وقت بتایا جب تم حفظ کر چکے تھے، اوکے فائن، میں نے کچھ نہیں کہا۔ تم حج پر جانا چاہتے تھے میرے اس سلیب میں کچھ خطکات تھے مگر میں نے تمہیں نہیں روکا۔ تم نے ہر طرح کی سوشل لائف فٹم کر دی۔ میں نے اعتراض نہیں کیا۔ تم مذہب میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لینے لگے، نماز شروع کر دی وہ بھی مسجد میں۔ میں نے پھر بھی کچھ نہیں کہا۔ تم نے پرنس کرنے کے بجائے جاب کرنا چاہی وہ بھی یہاں نہیں امریکا میں۔ میں نے تمہیں کرنے دی۔ اب تم ایک اسکول کھولنا چاہو رہے ہو۔ آپ ضروری ہو گیا ہے کہ ہم اس تمام معاملے پر کچھ تنقید کی سے بات کریں۔" سکندر دھنن بے حد سنجیدہ تھے۔

"تمہیں اندازہ ہے کہ تمہارا یہ لائف اسٹائل تمہیں ہمارے سوشل سرکل کے لئے ناقابل قبول بنا دے گا۔ پہلے تم ایک انچارج تھے اب تم دوسری انچارج ہو۔ چھپیں، چھپیں سال کی عمر میں جن کاموں میں تم اپنے آپ کو ڈالو کر رہے ہو وہ غیر ضروری ہیں۔ تمہیں اپنے کیریئر پر دھیان دینا چاہئے اور اپنے لائف اسٹائل میں تبدیلی لانی چاہئے۔"

ہم جس کا اس سے تعلق رکھتے ہیں وہاں مذہب سے ایسا وابستگی بہت سے مسائل پیدا کر دیتی ہے۔ "دوسرے حکام ان کی باتیں سن رہا تھا۔

"اور صرف تمہارے لئے ہی نہیں، ہمارے لئے بھی بہت سے مسائل پیدا ہو جائیں گے۔ تم خود سوچو تم لوگوں کو کیا امپریشن دینے کی کوشش کر رہے ہو۔ کل کو ہم یا تم خود سب اپنی کلاس کی کسی دلچسپی کی لڑکی کے ساتھ شادی کرنا چاہو گے تو تمہاری یہ لڑکیاں وہاں بھی تمہارے لئے کتنے مسائل پیدا کرے گی تمہیں اندازہ ہے۔ کوئی بھی فیملی سکندر دھنن کا کام دیکھ کر اپنی تمہاری کو انٹیلیجنٹ دیکھ کر اپنی بیٹی کی شادی تم سے نہیں کر دے گی۔ دوسرے سے تم نے اس عمر میں سوشل ورک شروع کرنے کی ٹھان لی ہے جب تمہاری عمر کے لوگ اپنے کیریئر کے چھپے بھاگ رہے ہوتے ہیں تو پوسٹ میں بہت سوشل ورک کرتے رہے ہوا اتنا کافی ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ تم یہ سب کچھ اپنی پرسل لائف میں بھی شروع کر دو۔ جو چیز تم اس اسکول پر اور لوگوں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لئے ضائع کرو گے اسے تم اپنی آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ کر دو۔ انہیں آسائشیں دینے کے لئے ایک آرام دہ لائف اسٹائل دینے کے لئے۔ اپنے آپ پر خرچ کرو، عین سو سال کی زندگی نہیں ہے تمہاری، پھر اتنی ہی عمر میں بیٹے چاہے کہ کیوں سوار کر لیا ہے تم نے اپنے اعصاب پر۔ ایک حادثہ ہوا، براہ کرم تم نے سنی سیکھا، بہت اچھا کیا۔ بس اتنا کافی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم اس عمر میں فیصلہ پکڑ لو۔" سکندر دھنن نے کہا۔

کچھ رہے ہو؟" تمہیں نے پوچھا۔

"پاپا! میں نے فیصلہ نہیں پکڑی ہے۔" سکندر نے ان کے سوال کا جواب دینے کے بجائے کہا۔ "آپ نے زندگی میں قوانین رکھنے کی بات کی میں وہ قوانین ہی رکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ میں اپنے کیریئر میں کہاں پر کھڑا ہوں آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔ میری کارکردگی سے آپ واقف ہیں۔"

"میں واقف ہوں اور اسی لئے تم سے کہہ رہا ہوں کہ اگر تم اس طرح کی سرگرمیوں میں خود کو ڈالو تو تم بہت آگے جا سکتے ہو۔" سکندر نے کہا۔

"میں کبھی نہیں جا سکتا۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں یہ سب کچھ چھوڑ دوں تو کیریئر کی کسی مائنٹ اپورسٹ تک پہنچ جاؤں گا، تو ایسا نہیں ہے۔" اس نے توقف کیا۔

"تم اپنے مستقبل کے بارے میں کچھ سوچو۔ اپنی شادی کے بارے میں، ایسی کامیابی رکھنے پر تم کو کہاں قبول کیا جائے گا۔"

"میں اپنے سوچا ہے پاپا! میں شادی کرنا ہی نہیں چاہتا۔"

سکندر ہنسے۔

"بچکانہ سوچ ہے۔ ہر ایک یہی کہتا ہے۔ تمہیں تو اپنا "ایڈولٹ" یاد رکھنا چاہئے۔"

ان کا اشارہ دس طرف تھا، وہاں تھا وہ بہت دیر کچھ نہیں کہہ سکا۔ یہ بھی نہیں کہ وہ اس ایڈولٹ پر کڑی نظر سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"مجھے یاد ہے۔" بہت دیر بعد اس نے دم توڑ میں کہا۔

"میں آپ کے سوشل سرکل میں بہت پہلے ہی کس فٹ ہو چکا ہوں اور میں یہاں جگہ بنانے کی کوشش نہیں کروں گا۔ مجھے اس سوشل سرکل میں کوئی نیا حصہ پر مشتمل بھی قائم نہیں کرنا۔

مجھے پورا نہیں کہ لوگ، میرے بہن بھائی، میرا مذاق ٹھیک ہے یا مجھ پر نہیں ہے۔ میں اس سب کے لئے ذہنی طور پر تیار ہوں۔ جہاں تک سوال اس پر وجہیت کا ہے پاپا مجھے اسے شروع کرنے دیں۔ میرے پاس بہت پیسہ ہے۔ اس پر وجہیت کو شروع کرنے کے بعد بھی مجھے فٹ پانچ پر رہنا نہیں پڑے گا۔ کچھ لوگوں کو جسم کی بیماری ہوتی ہے، کچھ کو روہ کی۔ جسم کی بیماری کے لئے لوگ ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں۔ روح کی بیماری کے لئے لوگ وہی کرتے ہیں جو میں کر رہا ہوں۔ جو میں کرنا چاہتا ہوں۔ میں اس پیسے سے سب کچھ خرید سکتا ہوں صرف سکون نہیں خرید سکتا۔ زندگی میں پہلی بار میں سکون حاصل کرنے کے لئے اس پیسے کو ازبست کر رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے مجھے سکون مل جائے۔" سکندر دھنن کی سمجھ میں نہیں آیا وہاں تک سے کیا کہیں۔

وایسے دانشمندانہ شخص پہنچ کر وہ ایک بار پھر پہلے کی طرح معصوف ہو گیا تھا مگر اس بار فرق یہ تھا کہ وہ مسلسل پاکستان میں فرقان اور ڈاکٹر سبط علی کے ساتھ رابطے میں تھا۔ فرقان اسے اسکول کے بارے میں جاننے والی تفصیلات سے آگاہ کر رہا تھا۔

یو سی سیٹ میں اس طرح کا کام اس کی جانب کا حصہ تھا۔ اسے اس کام کے لئے بہت اچھا معاوضہ دیا جاتا تھا مگر پاکستان کے ان گاؤں میں اس طرح کے کام کا آغاز اور وہ بھی اپنے وساکس سے۔ چند سال پہلے کے سالار سکندر کو جاننے والے بھی اس بات پر یقین نہیں کرتے۔ خود اسے بھی یقین نہیں آتا تھا کہ وہ بھی اس طرح کا کام کرنے کا سوچ سکتا تھا مگر یہ صرف اس پر وجہیت کے لئے اپنے اکاؤنٹ سے چند اکائے ہوئے اسے اندازہ ہوا تھا کہ اس کے لئے یہ پروجنیکٹ کم از کم کہانی لگانا سے مشکل نہیں تھا۔

بچپنے تین سال میں اس کے اخراجات میں بہت کمی آگئی تھی۔ بہت ساری وہ چیزیں اس کی زندگی سے اٹھ گئی تھیں جن پر وہ اندھا دھند ویر خرچ کرتا تھا۔ وہ اپنے بچک اکاؤنٹ میں تین رقم جان کر حیران ہو گیا تھا۔ وہ اپنا نقش نہیں تھا جس سے یہ رقم کرنے کی توقع کی جا سکتی۔ ایم فل کے لئے اس کے پاس اسکا رشپ تھا اسے کم از کم اس کے لئے اپنے پاس سے کچھ خرچ نہیں کرنا پڑا تھا۔ اس دن اپنے پارٹنرٹ میں چلتے پھرتے اس نے سیکھا پارہاں موجود تمام چیزوں کو خود سے دیکھا تھا۔ اس کے پارٹنرٹ میں کہیں بھی کوئی بھی سبکی چیز نہیں تھی بلکہ سامان بھی بہت اندوہ تھا۔ اس کا ہنسنے لگا تھا کہ اپنے کی چیزوں سے تقریباً خالی تھا۔ کتنی چاہئے، دو دو اور اپنی طرح کی چند دوسری چیزیں۔ اس کا اپنے پارٹنرٹ میں بہت کم وقت گزارنا تھا جو وقت گزارنا تھا وہ سونے میں گزارتا۔

یو سی سیٹ میں اپنا جانب پر جاتے ہوئے بھی اس کے پاس پہلے سے موجود چیزوں اور دوسری اشیاء کا اتنا انبار موجود تھا کہ وہ اس معاملے میں بھی لاپرواہی برقرار رکھتا تھا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ اس نے آخری بار اس طرح کی کوئی چیز خریدی تھی۔ اپنے ساتھ کام کرنے والوں اور یونٹوں میں اپنے کچھ کلاس فیلوز کے علاوہ بیوی پارک میں کسی کو نہیں جانتا تھا یا پھر وائسٹ طور پر اس سبب خود کو ایک محدود سرکل میں رکھتا تھا اور ان لوگوں کے ساتھ بھی اس کی دوستی بہت رکی قسم کی تھی۔

واحد چیز جس پر وہ رقم خرچ کرتا تھا وہ کتابیں تھیں۔ اس لائف اسٹائل کے ساتھ اگر اس کے اکاؤنٹ میں اتنی رقم جمع ہو گئی تھی تو یہ کوئی غلاف توقع بات نہیں تھی۔ آفس ویلے نہ رہی، حقیقت اس کی زندگی کے معمولات میں ہرچیز کوئی نہیں تھی۔

☆ ☆ ☆

ایم فل کے دور ان سالار نے یو سی سیٹ چھوڑ کر پونجی بوائے بن کر لیا۔

ایم فل کرنے کے بعد سالار کی پونجی جیس میں ہو گئی۔ اس سے پہلے وہ ایک فیلڈ آفس میں کام

کر رہا تھا مگر اب اسے پونجی بوائے کو انٹرن میں کام کرنے کا موقع مل رہا تھا۔ وہ گنڈ شیٹ سالوں میں لٹاؤ تھا جسے بونے پر اپنیس کے حلقے میں جیس جا رہا تھا مگر اس بار وہ پہلی دفعہ ایک لمبے عرصے کے لئے وہاں جا رہا تھا۔ ایک آئینا دیکھا، اس دیکھا تھا جہاں وہ زبان تک سے واقف نہیں تھا۔ نو پارک میں اس کے بہت سے دوست تھے، یہاں پر ایسا کوئی بھی نہیں تھا جسے وہ بہت اچھی طرح جانتا ہو۔

یو سی سیٹ میں گئے جانے والے ان تھک کام کی طرح وہ یہاں آکر ایک بار پھر اسی طرح کام کرنے کا حق مگر اسلام آباد کے قریبی علاقے میں شروع کیا جانے والا وہ اسکول یہاں بھی اس کے ذہن سے محو نہیں ہوا تھا۔ بعض دفعہ اسے حیرت ہوتی کہ اپنی جانب میں تعلیم سے اتنا گہرا تعلق ہونے کے باوجود آخر اسے بھی فرقان کی طرح وہ اسکول کو گئے کا خیال کیوں نہیں آتا اگر اس اسکول کے بارے میں وہ کئی سال پہلے سوچ لیتا تو شاید آج یہ اسکول بہت مستحکم بنیادوں پر کھڑا ہو جاتا۔

"مجھے پاکستان سے زیادہ محبت نہیں ہے، نہ ہی اس کے لئے میں کوئی گہری السیت دیکھتا ہوں۔ اس نے شروع کی بات تھی میں ایک بار فرقان سے کہا تھا۔

"کیوں؟" فرقان نے پوچھا تھا۔

"کیوں کا جواب تو میں نہیں دے سکتا، میں پاکستان کے لئے کوئی خاص احساسات میرے دل میں نہیں ہیں۔" اس نے کہہ دیا۔

"یہ جاننے کے باوجود کہ یہ تمہارا ملک ہے؟"

"بالا ہوجا جانے کے باوجود۔"

"امریکہ کے لئے خاص احساسات ہیں، امریکہ سے محبت ہے؟" فرقان نے پوچھا۔

"نہیں، اس کے لئے بھی میرے دل میں کچھ نہیں ہے۔" اس نے مطمئن لے کہا۔

فرقان نے اس بار حیرت سے اسے دیکھا۔ "دراصل میں واقعی پر یقین نہیں رکھتا۔" اس نے فرقان کو حیران دیکھ کر وضاحت کی۔

"پھر مجھے ان بچوں کے لئے محبت پیدا کرنے میں وقت محسوس ہوتی ہے، یہاں میں رہتا ہوں۔ میں کل کسی تیسرے ملک میں رہنے لگوں گا تو امریکہ کو بھی یاد نہیں کروں گا۔"

"تم جہاں بھی آؤ گے وہ سالار؟" فرقان نے بے اختیار کہا۔ "کیا یہ ممکن ہے کہ آدمی اپنے ملک کے لئے پاس جگہ کے لئے کوئی خاص احساسات ہی نہ دے جہاں وہ رہتا ہے۔"

فرقان کو اس کی بات پر یقین نہیں آیا تھا مگر اس نے کچھ لگاؤ نہیں کیا تھا۔ جس آنے کے بعد اسے نو پارک کی کوئی چیز یاد نہیں آئی تھی۔ نو بیوں سے نو پارک آئے ہوئے بھی اسے وہاں اپنا جرنلٹ کا

کوئی مسئلہ نہیں ہوا تھا۔ وہ ہریالی کی چھٹی تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ ان دنوں یونائیٹڈ نیشنز کے زیرِ اہتمام ہونے والی کسی ریجنل کانفرنس کے سلسلے میں پاکستان آیا ہوا تھا۔ وہ پرل کائی نیشنل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اسے وہاں ایک پرنسٹنٹ کے ادارے میں کچھ پچھڑا دینے تھے اور فرانک کے ساتھ اپنے اسکول کے سلسلے میں کچھ امور کو بھی طے کرنا تھا۔

وہ لاہور میں اس کے قیام کا تیسرا دن تھا۔ اس نے رات کا کھانا کچھ جلدی کھا لیا اور اس کے بعد وہ کسی ضروری کام سے ہوئی تھے باہر نکل آیا۔ شام کے ساڑھے سات ہو رہے تھے۔ مال روڈ پر جاتے ہوئے اچانک اس کی گاڑی کا ٹائر پھٹ کر پڑ گیا۔ ڈرائیور گاڑی سے اتر کر ٹائر کو دیکھنے لگا۔ چند منٹوں کے بعد اس نے سالار کی کھڑکی کے پاس آکر کہا۔

”سر! گاڑی میں دوسرا ٹائر موجود نہیں ہے۔ میں آپ کے لئے کوئی ٹیکسی لاتا ہوں۔ آپ اس پر چلے جائیں۔“ سالار نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔

”نہیں، میں خود ٹیکسی روک لیتا ہوں۔“ وہ کہتا ہوا اتر گیا۔ کچھ دور ایک پارکنگ میں کچھ ٹیکسیاں نظر آ رہی تھیں۔ سالار کاغذیں اسی طرف تھامب ایک کار نے پکڑا۔ اس کے پاس آکر بریک لگائی۔ گاڑی سامنے سے آئی تھی اور اس کے رکنے پر سالار نے فٹ پاتھ پر چلے ہوئے اس میں بیٹھے شخص کو ایک نظر میں ہی پہچان لیا۔

وہ عاکف تھا۔ وہ اب گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سے اتر رہا تھا۔ لاہور میں کچھ سال پہلے اس کی سرگرمیوں کا وہ ایک مرکزی کردار تھا۔ عاکف اور اکل۔ وہ ان ہی دنوں کے ساتھ اپنا یادداشت گزارا کرتا تھا اور اس سے سالار کی دوبارہ ملاقات کئی سالوں کے بعد ہو رہی تھی۔ وہ ان سب کو چھوڑ چکا تھا۔ پاکستان یا لاہور آئے پر بھی اس نے کبھی ان کے ساتھ رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ان لوگوں نے پچھلے کئی سالوں میں بار بار اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر ان کی ان کو خشوں کے باوجود سالار ان سے بچنے کی کوششوں میں کامیاب رہا تھا۔

اور اب اسنے سالوں کے بعد وہ ایک دم اس طرح اچانک اس کے سامنے آ گیا تھا۔ سالار کے اعصاب پکے دم تن گئے۔ عاکف بڑے جوش و خروش کے عالم میں اس کی طرف بڑھا۔

”سالار! مجھے یقین نہیں تھا کہ یہ تم ہو۔“ کہاں عاکف تھے اتنے سالوں سے؟ تم تو کدو کے سر سے سینک کی طرح عاکف ہو گئے تھے۔ کہاں تھے یاد؟ وہ اب یہاں کیا کر رہے ہو۔ طبعی حیا بدل گیا ہے، کہاں گئے وہ ہال، لاہور میں کب آئے ہو، آنے کی اطلاع کیوں نہیں دی؟“

اس نے کچے بعد دیکر بے حوصلات کی پوچھا کر دی۔ اس نے سالار کے انداز میں جھٹکنے والی

سر دھری پر غور نہیں کیا تھا۔ سالار کے جواب دینے سے پہلے ہی عاکف نے دوبارہ پوچھا۔

”یہاں مال پر کیا کر رہے ہو؟“

”گھاڑی خراب ہو گئی تھی، میں ٹیکسی کی طرف جا رہا تھا۔“ سالار نے کہا۔

”کہاں جا رہے ہو، میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔“ عاکف نے بے تکلفی سے کہا۔

”نہیں، میں چلا جاتا ہوں۔ ٹیکسی پس ہی ہے۔“ سالار نے جیڑی سے کہا۔

عاکف نے اس کی بات سن کر ان کی گودی۔

”چلا اندر بیٹھو۔“ اس نے پتو کچڑ کھینچ لیا۔ سالار ٹپٹن پا لکین اس کی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

اس کا موڈ اب بہت خراب ہونے لگا تھا۔

”تم تو ایشیاس پڑنے چلے گئے تھے اور پھر مجھے بتا چکا کہ تم نے وہاں جاب کر لی ہے پھر اچانک پاکستان کیسے؟“ عاکف نے گاڑی اشارے کرتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں! سالار نے مختصر کہا۔ وہ اس طرح اس سے جان چھڑا سکتا تھا۔

”کیا کر رہے ہو آج کل؟“ عاکف نے گاڑی چلاتے ہوئے پوچھا۔

”یونائیٹڈ نیشنز کی ایک ایجنسی میں کام کر رہا ہوں۔“

”یہیں لاہور میں کہاں ٹھہر رہے ہو؟“

”نی سی میں۔“

”اُسے نی سی میں کیوں ٹھہرے ہو، میرے پاس آئے یا مجھے فون کرتے۔ کب آئے یہاں؟“

عاکف نے کہا۔

”نکل۔“

”بس تو پھر تم میرے ساتھ، میرے گھر رہو گے۔ ضرورت نہیں ہے ہوئی میں رہنے کی۔“

”نہیں، میں کل صبح اسلام آباد واپس جا رہا ہوں۔“ سالار نے دوبارے جھوٹ بولا۔ وہ عاکف

سے ہر قیمت پر جان بچھڑا لیتا چاہتا تھا۔ اسے اس سے انکھن ہو رہی تھی یا پھر شاید یہ اس کے ساتھ گزارا

جاننے والا ماضی تھا جو اسے تکلیف میں مبتلا کر رہا تھا۔

”اگر کل اسلام آباد واپس جا رہے ہو تو پھر آج میرے ساتھ رہو۔“ کہاں کھانا میرے ساتھ گھر

نکل کر۔“ عاکف نے آفر کی۔

”گھانا میں وہی صحت پہلے ہی کہا کر لگا ہوں۔“

”پھر بھی میرے ساتھ گھر چلو۔“ عاکف اپنی جیڑی سے لاؤنڈا گا۔

”شادی ہو گئی تھادی؟“

"ہاں، تین سال ہوئے۔" عاکف نے کہا۔ پھر پوچھا۔

"اور تم؟ تم نے شادی کر لی؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"میں کچھ مصروفیت تھی اس لئے۔" سالار نے کہا۔

"گڈ! ابھی آزاد ہو چکے ہو۔" عاکف نے ایک کمرہ اسانس لیا۔ "غرض قسمت ہو۔" سالار

نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ عاکف نے اس سے بات کرتے ہوئے گلوکپارٹمنٹ کھول کر اندر سے ایک

کیسٹ نکالتی پاتھی۔ اس کا درجہ اعلیٰ اور کلاسٹ نکالتے نکالتے گلوکپارٹمنٹ سے بہت سی چیزیں

سالار کی گواہ بننے لگیں۔ اس کے ہر دوں میں کمرہ تھیں۔

"Iron bad" عاکف نے بے اختیار کہا۔ سالار ہنک کر چیزیں اٹھانے لگا۔ عاکف نے گاڑی کے

اندروں کی لائن چلا دی۔ وہ ان چیزوں کو سمیٹ کر گلوکپارٹمنٹ میں رکھنے لگا۔ عاکف نے ہنک کر کہا کہ

اس کے جسم میں جیسے کھنٹ سا وہ ڈاؤن لیا۔ گلوکپارٹمنٹ کے ایک کونے میں وہ ایررنگز پڑے تھے۔ سالار کے

ہاتھوں میں بے اختیار کمرہ لگ گیا۔ بایاں ہاتھ بڑھا کر اس نے ان ایررنگز کو باہر نکال لیا۔ وہ اب اس کے

ہاتھ کی پتیلی پر گاڑی کے اندر رہتی ہوئی ہاتھوں میں چمک رہے تھے۔ وہ بے چینی کے عالم میں انہیں دیکھ رہا تھا۔

بہت سال پہلے اس نے ان ایررنگز کو کسی کے کانوں میں دیکھا تھا۔ ایک بار..... دو بار..... تین

بار..... چوتھی بار وہ انہیں اب دیکھ رہا تھا۔ اسے کوئی شبہ نہیں تھا۔ وہ ہمارے ہاتھ میں ایررنگز تھے۔ وہ

آنکھیں بند کر کے کاغذ پر ان کا ڈیزائن اُتار سکتا تھا۔ ہر پچھوٹم کو عاکف نے اس کی پتیلی سے وہ

ایررنگز اُٹھائیں۔ کسی نے جیسے سالار کا سنکٹ توڑ دیا تھا۔ عاکف ان ایررنگز کو ایک بار پھر گلوکپارٹمنٹ میں

رکھ رہا تھا۔

"یہ ایررنگز....." وہ اچھے ہوئے بولا۔ "یہ تمہاری بیوی کے ہیں؟" سالار نے اچے سوال کو

کھل کیا۔

"بیوی کے؟" عاکف ہنسنا۔ "وہم! ہاں! بیوی کے دوست تو ہیں یہاں نہ کتا۔" سالار جھپکیں

بچکائے بغیر اسے دیکھتا رہا۔

"پھر؟" اس نے سرسراہٹ ہوئی تو اس میں کہا۔

"یہ ہے ایک کمرہ فریڈ میری۔ کچھ رات میرے ساتھ تھی۔ یہ ایررنگز میرے ہیڈ روم میں

چھوڑ گئی۔ کچھ ایررنگز میں ہی جانا پڑا۔ اسے کیونکہ وہ پورا جس آگئی تھی۔ میں نے یہ ایررنگز لا کر گاڑی میں

رکھ دیے کیونکہ آج میرا کسی طرف جانے کا ارادہ ہے۔" عاکف بڑی جلدی سے اُسے بتا رہا تھا۔

"کمرہ فریڈ؟" سالار کے حلق میں جیسے پھنسا لگا۔

"ہاں، کمرہ فریڈ۔ ریڈ لائن امپریا کی ایک لڑکی ہے۔ اب وہ حوضِ نقیض میں شفٹ ہوئی ہے۔"

"کیا..... کیا نام ہے اس کا؟" سالار نے لائٹ امپریا کی لڑکی تو کبھی نہیں ہو سکتی۔ پتہ چلے گا۔ غلط

ہوئی ہے۔ اس نے عاکف کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

"صوبہ؟" عاکف نے اس کا نام بتایا۔ سالار نے چہرہ موڑ کر ہاتھ میں بکری چیزیں گلوکپارٹمنٹ

میں رکھ کر اسے بند کر دیا۔ اسے واقعی ملا جھی ہوئی تھی۔ عاکف گاڑی کی لائٹ آف کر چکا تھا۔ سیٹ کی

پشت سے ایک لگا کر سالار نے کمرہ اسانس لیا۔

"کمرہ؟" اس کا اصلی نام نہیں ہے۔" عاکف نے بات جاری رکھی۔ "اصلی نام اس کا امام ہے۔"

سالار کے کانوں میں کوئی دھماکہ ہوا تھا یا پھر یہ پگھلا ہوا سیسر تھا جو کسی نے اس کے کانوں میں اٹھریل

دیا تھا۔

عاکف اب اسٹیرنگ پر تھوڑا آگے ہٹکے ہوئے تھے۔ وہ گاڑی میں دبا سگریٹ لائٹ سے جلا رہا تھا۔

"تم نے؟ تم نے؟..... کیا کہا؟" سالار کی آواز میں لرزش تھی۔

"کیا کہا؟" عاکف نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے اسے دیکھا۔

"نام بتاؤ۔ تم اس کا؟"

"ہاں امام..... تم جانتے ہو اسے؟" عاکف نے عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ سالار کو دیکھا۔

کڑی کا شیش اب نے کھول دیا تھا۔ سالار ایک تک اسے دیکھتا رہا۔ جیسے وہ عاکف کو بکلی بار دیکھ رہا تھا۔

ایررنگز اب اس کی پتیلی کی گرفت میں تھیں۔

"میں کیا پوچھ رہا ہوں یا تم جانتے ہو اسے؟"

عاکف نے ہونٹوں سے سگریٹ اٹھایوں میں غفلت کرتے ہوئے کہا۔

"میں..... میں....." سالار نے کچھ بولنے کی کوشش کی۔ اپنی آواز اسے کسی کھائی سے آتی محسوس

ہوئی۔ ریڈ لائن امپریا وہ آخری جگہ تھی جہاں اس نے کبھی امام کے ہونے کا تصور کیا تھا۔

گاڑی کے اندر بیٹے والی روشنی میں عاکف نے بہت غور سے دیکھا۔ اس کے دروازے پر ہونے

پہرے کو اس کے ہاتھ کی بندھن کی کو اس کے کپکپاتے ہونٹوں کو اس کے بے زبانی سے معنی لفظوں کو۔

عاکف مسکرایا۔ اس نے اس کے کندھے پر قلی آئینہ انداز میں جھکی دی۔

"ڈونٹ ڈری پار! کیوں گھبرا رہے ہو، وہ صرف کمرہ فریڈ ہے۔ میری۔ اگر تمہارے اوڑاس کے

درمیان بھی کچھ ہے تو کوئی بات نہیں، ہم تو پہلے بھی بہت کچھ شیئر کیا کرتے تھے۔ یاد ہے نہیں۔" عاکف

نے قہقہہ لگا پھر اس نے بارود میں تلی پیچھی۔

”یہ تو پھر لڑکی ہے۔“

مال روڈ پر کتنا رش تھا۔ عاکف سختی رفتار سے گاڑی چلا رہا تھا۔ ان دو سواہلوں کے ساتھ ساتھ سالار نے یہ بھی نہیں سوچا کہ اسٹریٹ پر موجود شخص پر پھینکے کی صورت میں خود اس کے ساتھ کیا ہو سکتا تھا۔ اس نے ہلک جھپٹنے میں عاکف کو تھکے سے بکڑ لیا۔ عاکف کا پاؤں بے اختیار بریک پر آیا۔ گاڑی ایک جھٹکے سے رکی۔ وہ دونوں پوری قوت سے ڈش بورڈ سے ٹکرائے۔ سالار نے اس کے کار کو نہیں چھوڑا۔ عاکف کو اس ہانپنے کی حالت میں چلایا۔

”کیا کر رہے ہو تم؟“ اس نے سالار کے ہاتھوں سے اپنا کچا پھرانے کی کوشش میں اسے دور ہٹانے کی کوشش کی۔ ”پاکا ہو گئے ہو؟“

”How dare you talk like that.“

سالار جو اب غرایب اس کے ہاتھ ایک بار پھر عاکف کی گردن پر تھے۔ عاکف کا سانس رکنے لگا۔ اس نے کچھ لمحے اور کچھ حواس بالنگنی کے عالم میں سالار کے منہ پر سکا مارا۔ سالار بے اختیار جھٹکا کھانے بیچے ہنسا۔ اس کے دونوں ہاتھ اب اپنے منہ پر تھے۔ عاکف کی گاڑی کے پیچھے موجود گاڑیاں بارن پر بارن اسے رہی تھیں۔ دو سڑک کے وسط میں کھڑے تھے اور یہ ان دونوں کی خوش قسمتی تھی کہ اس طرح اچانک گاڑی رکنے پر بیچھے آنے والی گاڑی ان سے نہیں ٹکرائی۔

سالار دونوں ہاتھوں سے اپنا جیڑا بکڑے ہوئے اپنی سیٹ پر دہرا ہوا تھا۔ عاکف نے اپنے ہوش حواس کو قابو میں رکھتے ہوئے گاڑی کو کچھ آگے ایک سنیان واپسی سڑک پر موڑتے ہی ایک طرف روک لیا۔ سالار جب تک سیدھا ہو چکا تھا اور اپنی ایک ہاتھ کی ہنگنی سے ہونٹوں اور جڑے کو دبا رہے دنگرین سے باہر نکلی رہا تھا۔ چند منٹ پہلے کا اشتعال اب ٹکاپ ہو چکا تھا۔

عاکف نے گاڑی روکی۔ سیٹ پر بیٹھے بیٹھے اس کی طرف حرا اور کہا ”کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ۔ میرے گلے کیوں پڑ رہے تھے، میں نے کیا کیا ہے؟“

بلند آواز میں ہات کرتے کرتے اس نے ڈش بورڈ سے نشتر پاس آٹھا اور سالار کی طرف بڑھایا۔ اس نے سالار کی شرٹ پر خون کے چند قطرے دیکھ لئے تھے۔ سالار نے یکے بعد دیگرے دو نشتر نکال لئے اور جو ٹٹ کے اس کو نے کو صاف کرنے لگا جہاں سے خون برس رہا تھا۔

”گاڑی کا ایکسٹرنٹ ہو جاتا ہے۔“ عاکف نے کہا۔ سالار کو ہاتھ صاف کرتے ہوئے وہ دہرا دہرا کر رہا تھا۔

ایر رنکڑ کا خیال آیا۔ اس نے یک دم جھٹک کر پائید ان میں ایر رنکڑ ڈھونڈنا شروع کر دیا۔

”لٹ پاتھ پر گاڑی چڑھ جاتی ہے۔“

عاکف بات اور موری چھوڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

”کیا ڈھونڈ رہے ہو؟“

”وہ ایر رنکڑ۔“ سالار نے مختصر کہا۔

عاکف بے اختیار چلایا۔

”کیا پرالم ہے سالار! میری گرل فرینڈ ہے، اس کے ایر رنکڑ ہیں، میرا پرالم ہے یہ ایر رنکڑ پاس کا پرالم ہے تمہارا نہیں۔“ سالار یک دم رُک گیا۔ اسے اپنی ناقابل حرکت کا احساس ہوا۔ وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ انٹر کو کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے اسے دم گھٹتا محسوس ہو رہا تھا۔

عاکف ہاتھ پر مل لئے اس کو کچھ رہا تھا۔

”تمہارا ایر رنکڑ کا کوئی....“ عاکف ہات کرتے کرتے عطا احمد میں رُک گیا۔ وہ اندازہ نہیں کر پا رہا تھا کہ پچھلی بار اس کے جیسے میں ایسا کون سا لفظ تھا جس نے اسے مشتعل کیا تھا۔ وہ دوبارہ غلطی نہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔

”آئی ایم سوری۔“ سالار نے اس کے رکنے پر کہا۔

”اوکے ٹائی۔“ عاکف کچھ مطمئن ہوا۔ ”تم اور رنکڑ۔“ وہ پھر رُک گیا۔

”تم نے کیا قرار اس کا نام امارہ ہے۔“ سالار نے گردن موڑ کر اس کا پیروہ دیکھا۔ عاکف کو بے اختیار اس کی آنکھوں سے خوف آیا۔ وہ کئی بار مل شخص کی آنکھیں نہیں تھیں۔ وحشت..... بے چارگی..... خوف..... وہ ہر تاثر لئے ہوئے تھیں۔

”ہاں، اس نے ایک بار مجھے بتایا تھا۔ شروع میں، ایک بار اپنے بارے میں بتا رہی تھی، تب اس نے مجھے بتایا۔“

”اس کا حالہ جانتے ہو مجھے؟“ سالار نے موجود مئی اُمید کے ساتھ کہا۔

”ہاں، کیوں نہیں۔“ عاکف گڑ بڑایا۔ ”بہت خوب سوچتا ہے۔“ Fair..... I am..... عاکف اب دیکھنے لگا۔ ”مکانی آنکھیں ہیں، ہاں ابھی پہلے کالے تھے اب ڈائی گئے ہوئے ہیں اس نے اور کیا بتاؤں۔“ وہ زچ ہوا۔

سالار نے آنکھیں بند کر کے دھڑا سکرین کی طرف چرو کر لیا۔ ممکن کچھ اور بتا دے گی تھی۔

”امام باقرؑ ہے اس کا نام؟“ وہ ڈھانڈا سکرین سے باہر دیکھتے ہوئے بڑ بڑایا۔

”چائیکین، ہاپ کا نام تو نہیں بتایا اس نے۔ نہ ہی میں نے پوچھا۔“ عاکف نے کہا۔

”امام باقرؑ ہی ہے وہ۔“ وہ بڑ بڑایا۔ اس کا پیروہ حواس و حواس ہو رہا تھا۔ ”یہ سب میری وجہ سے ہوا۔ سب..... میں ذمہ دار ہوں اس سب کچھ کا۔“

”کس چیز کے ذمہ دار ہو تم؟“ عاکف کو تجسس ہوا۔ سالار خاموشی سے دنگرین سے باہر دیکھتا

رہا۔ عاکف جواب کا انکار کر جا رہا۔ چند منٹ کی خاموشی کے بعد سالار نے گہروں میں موز کر اس سے کہا۔
 ”میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ ابھی اور اسی وقت۔“

عاکف کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر وہ ٹیبل بورڈ سے موبائل اٹھا کر ایک کال مائل لگا۔ کچھ دیر تک وہ کوشش کر رہا تھا پھر اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

”اس کا موبائل آف ہے۔ چائیں دو گھر پر ملے یا نہ ملے کیونکہ اب رات ہو رہی ہے اور وہ۔“
 عاکف چپ ہو کر بیٹری اشارت کرنے لگا۔ ”لیکن میں تمہیں لے جاتا ہوں اس کے گھر۔“

تو وہ کھلے کے بعد دو دو گھنٹوں ڈیٹس کے ایک بنگلے کے باہر کھڑے تھے۔ وہاں ٹیبلٹ تک دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ عاکف اب اس وقت کو گوس رہا تھا جب اس نے سالار کو لٹ دی تھی۔

چند بار بان دینے پر اندر سے ایک موبی ہائر نکل آیا، وہ پوچھ رہا تھا۔

”صویر گھر پر ہے؟“ عاکف نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

”نہیں! بی بی صاحبہ تو نہیں ہیں۔“

”وہ کہاں ہے؟“

”مجھے پتا نہیں۔“ عاکف نے سالار کو دیکھا اور پھر گاڑی کا دروازہ کھولنے سے کہا۔

”تم بیٹھو، میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔“ عاکف اس آدمی کے ساتھ اندر چلا گیا۔

”اس کی داہلی دس منٹ کے بعد ہوئی۔“

”تم کو اس سے بات کرنی ہے؟“ اس نے اندر بیٹھے ہی پوچھا۔

”مجھے اس سے ملنا ہے۔“ عاکف دوبارہ گاڑی اشارت کرنے لگا۔

سفر پھر اسی خاموشی سے طے ہونے لگا۔ ٹویج رہے تھے جب وہ ریل لائن ایریا میں پہنچے تھے۔

سالار کے لئے دو چوکائی نہیں تھی۔ صرف اس تکلیف کا احساس تھا جو اسے اس بار ہو رہا تھا۔

”آج یہاں ہی ہے وہ۔“ کسی آدمی نے یہاں کی کچھ لڑکیوں کو کبک کر دیا ہے کسی فنکشن کے لئے۔ دو بھی ان ہی کے ساتھ جا رہی ہے۔“

عاکف نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔

”تم بھی تو اترو۔ بہت اندر جاتا ہے۔ اب صویر کو تو میں تم سے ملانے کے لئے یہاں نہیں لا سکتا۔“ سالار باہر نکل آیا۔

وہ عاکف کے ساتھ ایک پار پھر ان کھیلوں میں جاتے دکھا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا وہ اس طرح کا جگہ میں آخری بار وہاں کب آیا تھا۔ وہاں کچھ بھی نہیں بولا تھا۔ انسانی کوشش کی تجارت جب بھی اسی ”دھکے چھپے“ انداز میں ہو رہی تھی۔

اسے بہت اچھی طرح یاد تھا وہ پہلی بار اٹھارہ سال کی عمر میں وہاں آیا تھا پھر وہ کئی بار وہاں آتا رہا تھا۔ کئی بار۔ بعض دفعہ دھس دیکھنے، بعض دفعہ کسی مشہور ایکٹریس کی کسی محفل میں شرکت کے لئے۔ بعض دفعہ ان کھیلوں کے دروازوں، کھڑکیوں، چوہاروں سے لٹکی جھانگنی نیم پر بند عورتوں کو دیکھنے۔ (اسے عجیب سی خوشی ملتی تھی ان کھیلوں سے گزرتے ہوئے۔ وہ وہاں کھڑکی کسی بھی عورت کی بھی شکل کی لڑکی کو چند لمحوں کے لئے خرید سکتا تھا۔ والے سے لٹکے والے پتھر لٹ وہاں کھڑکی کسی بھی لڑکی کو سر سے چھٹک اس کا کر دیتے۔) چاروں کے بچے اور کائنات بھی میں ہوتا اور کسے کہتے تھے، اسے سرشاری کا احساس ہوتا۔) اور بعض دفعہ وہاں رات گزارنے کے لئے، ان عورتوں کے ساتھ جن سے وہ نفرت کرتا تھا پھر وہاں کی خاطر جسم فروخت کرنے والوں کے لئے وہ اس کے علاوہ کیا جذبات رکھ سکتا تھا اور نفرت کے باوجود وہ انہیں خریدتا تھا کیونکہ وہ خرید سکتا تھا۔ اٹھارہ انیس سال کی عمر میں اسے یقین تھا ان عورتوں میں کبھی کوئی ایسی عورت نہیں ہو سکتی تھی جس سے اس کا کوئی تعلق ہو جو بخوبی رشتہ ہو یا بہت ہو تو۔

اس کی بیٹی اور سہیلیٹ کلاس کی فراموشی۔ اس کی بیٹی کو بھی اسی کلاس کے کسی گھر سے آتا تھا۔ اس کی بیٹی بھی اسی کلاس سے ہوتی۔ ریل لائن ایریا کی عورتیں۔ انہیں اسی کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اسے یقین تھا کہ لڑکی گردن، ماتھی ہوئی تھوڑی اور سٹے ہوئے اردوؤں کے ساتھ وہ اس ظلوں سے جتنی نفرت کرتا، کم تھی۔ جتنی تذلیل کر رہا تھا کانی تھی۔

اور اب..... اب قسمت نے کیا کیا تھا۔ سات پردوں میں رہنے والی اس عورت کو جس کے جسم پر وہ کسی کی الٹی کے لمس تک کو برداشت نہیں کر سکتا تھا، اسے اس بازار میں پھینک دیا گیا تھا۔ اس سے چند قدم آگے وہ کچھ چل رہا تھا جو اس کا کبک تھا اور سالار کے لئے وہاں کھولنے کے قابل تک نہیں تھا۔ آواز بلند نہیں کر سکتا تھا۔ حلقہ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ کسی سے کیا کہتا۔ کیا وہ اللہ سے کہہ سکتا تھا کہ اس کے ساتھ ایسا کیوں ہوا۔ آخر اس نے ایسا کیا کیا تھا؟ اس نے اپنے ہونٹ کھینچ لئے۔ اس کی کچھکارت کو کیسے روکنا۔ ان کھیلوں میں آنے والا کوئی نہیں بھی دعوے کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کے اپنے گھر اپنے خاندان کی عورت کبھی اس بازار میں نہیں آئے گی۔ کسی دوسرے مرد کی جبین میں پڑے ہوئے نوٹوں کے عوض نہیں کبک سکے گی۔ اس نہیں!..... بہن؟..... یا بیوی؟..... بیٹی؟..... پوتی؟..... نواسی؟..... آئے وہی نسلوں میں سے کوئی۔

سالار کھنگھڑی زبان حلق سے سمجھتی گئی تھی۔ اگاہ ہاشم اس کی بیوی تھی اس کی سکرور۔ ایلیٹ کلاس کی وہ عورت جس کا اس بازار سے کبھی واسطہ نہیں پڑتا۔ سالار سکندر نے ایک بار پھر خود کو مار گلاہ کی پہاڑیوں پر رات کی تاریکی میں اور صبح کے ساتھ بندھ پایا۔..... بے بسی کی انتہا تھی۔

"صاحب! میرے ساتھ چلو، ہر عمر کی لڑکی ہے میرے پاس۔ اس علاقے کی سب سے اچھی لڑکیاں، قیمت بھی زیادہ نہیں ہے۔" اس کے ساتھ ایک آدمی چلتے لگا۔

"میں اس لئے یہاں نہیں آیا ہوں۔" سالار نے دم آواز میں اس پر نظر اڑائے بغیر کہا۔

"کوئی لڑکی چاہئے، کوئی ڈرگ، میں سب کچھ سیلائی کر سکتا ہوں۔"

عاکف نے ٹپکے دم قدم روک کر قدم سے اکڑے ہوئے انداز میں اس آدمی سے کہا۔ "تمہیں ایک بار کہنا ہے تاکہ ضرورت نہیں پھر پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔"

اس آدمی کے قدم ٹھم گئے۔ سالار خاموشی سے چلا رہا۔ اس کا ذہن کسی آدمی کی زندگی میں آیا ہوا تھا۔ امام، ہاشم، ہاں، کب۔ کیوں، کیسے آگئی تھی۔ ماضی ایک ظلم کی طرح اس کی نظروں کے سامنے آیا تھا۔

"پلیز، تم ایک بار۔ ایک بار اس کو جا کر میرے بارے میں سب کچھ بتاؤ، اسی سے کہو مجھ سے شادی کر لے۔ اس سے کہو مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے، صرف ایک نام ہے۔ اس کو تم حضرت عمر

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ دو گئے تو وہ انکار نہیں کرتے گا۔ وہ اتنی محبت کرنا ہے ان چٹکتے ہیں۔"

اس نے بہت سال پہلے اپنے بچے پر نیم دراز چھیں کھاتے ہوئے مہیا کی فون پر بڑے اطمینان کے ساتھ

اس کو جلتے سنا تھا۔

"ہاں! راتوں۔ تم امام کے کیا کہتے ہو؟"

"میں..... میں اور امام بہت گہرے اور پرانے فریڈز ہیں۔" اہلال انصر کے ہاتھ پر ہل پڑ گئے تھے۔ سالار نے عجیب سی سرشاری محسوس کی۔ جلال اس وقت امام اور اس کے بارے میں کیا سوچ رہا ہو گا۔ وہ اچھی طرح اندازہ کر سکتا تھا۔

"اس سے جا کر صاف صاف کہہ دو کہ میں اس سے شادی نہیں کروں گا۔"

وہ جلال انصر کا یہ پیغام سننے ہوئے امام، ہاشم کا چہرہ دیکھنا چاہتا تھا۔ اس نے جو تکم کے نکل بناتے

ہوئے امام کو مہیا کیل پر خیر زنی تھی۔

"تم نے مجھ پر اتنے احسان کیے ہیں، ایک احسان اور کرو۔ مجھے خلافت دے دو۔" وہ فون پر

مزید بولی تھی۔

"نہیں، میں تم پر احسان کرتے کرتے تھک گیا ہوں، اب اور احسان نہیں کر سکتا اور یہ والا احسان۔" یہ تو انہی ممکن ہے۔ "اس نے جوا کہا تھا۔

"تم طلاق چاہتی ہو، کورٹ میں جا کر لے لو مگر میں تو تمہیں طلاق نہیں دوں گا۔"

سالار کے حلق میں پھنسے تھے۔

"ہاں! میں نے یہ سب کچھ کیا تھا لیکن میں نے، میں نے جلال انصر کی غلط فہمی کو دور کر دیا تھا۔ میں

نے اسے سب کچھ بتا دیا تھا، کچھ بھی نہیں چھپایا، میں نے صرف ایک مذاق کہا تھا، ایک ہر ٹیکسل جو کہ

میں یہ تو نہیں چاہتا تھا کہ امام کے ساتھ یہ سب کچھ ہو۔" وہ جیسے کسی عدالت میں آکر کھڑا ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے، میں نے اس کے ساتھ زیادتی کی اسے طلاق نہیں دے کر۔ مگر..... مگر..... میں نے پھر

بھی یہ خواہش تو نہیں کی تھی کہ وہ یہاں آجئے۔ میں نے..... میں نے اسے گھر بھرنے سے روکا تھا،

میں نے مذاق میں ہی کسی گھر اسے مدد کی آخر بھی کی تھی۔ میں تو اس کو یہاں لے کر نہیں آیا تھا۔ کوئی ٹھکے

تو ذمہ دار نہیں ٹھہرا سکتا اس سب کا۔"

وہ بے رہا جملوں میں وضاحتیں دے رہا تھا۔ اس کے سر میں سستائیت ہونے لگی تھی۔ وردی ایک

نیو مگرناؤس سی ٹریسنگ (آدھے مگر کا وہ لگا ایک اور ایک۔ وہ پلٹے پلٹے دکا، بوٹ بچتے ہوئے اس

پلٹے بے اختیار اپنی پٹلی کو سلا، وردی گھر گھر مکی تھی۔ آنکھیں کھول کر اس نے گلی کے پتھر کو دیکھا۔

وہ اندھی گلی تھی، کم از کم اس کے لئے اور امام ہاشم کے لئے۔ اس نے قدم آگے بڑھائے۔ عاکف ایک

چوہا سے نما گھر کے سامنے ٹوک گیا تھا۔ اس نے مڑ کر سالار کو دیکھا۔

"سنبی مگر ہے۔" سالار کا چہرہ کچھ اور زرد پڑ گیا۔ قیامت کب اور کتنی دور رہ گئی تھی۔

"اور یہ کی منزل پر جانا ہے، صوبہ لاہور ہی ہو گی۔" عاکف کہتے ہوئے ایک طرف موجود تھک اور

تاریک سی سڑکیاں چڑھنے لگا۔ سالار کو ٹیکسی سڑکی پر ہی ٹھوکر لگی۔ وہ بے اختیار بھٹکا، عاکف نے مڑ کر

اسے دیکھا اور ٹوک گیا۔

"احتیاط سے آؤ، میٹر جیول کی حالت زیادہ اچھی نہیں ہے۔ اوپر سے یہ لوگ پلٹ گوارے کے بھی

روادار نہیں۔" سالار سیدھا ہو گیا۔ اس نے پوچھ کر اسہار آلے کر اوپر والی سڑکی پر قدم رکھا۔ میٹر جیول

ہل کھا کر گولا کی صورت میں اوپر جا رہی تھیں اور اتنی تھک تھیں کہ صرف ایک وقت میں ایک ہی

آدمی گزر سکتا تھا۔ ان کی سیٹ بھی اکٹری ہوئی تھی۔ وہ بوٹ پیسے کے باوجود ان کی پشت حالت کو جانچ

سکتا تھا جس روپ کا اسہار آلے کر وہ میٹر جیول چڑھ رہا تھا۔ اس روپ کی سیٹ بھی اکٹری ہوئی تھی۔ سالار

اندر صحن کی طرح دوچار ٹولتے ہوئے میٹر جیول چڑھنے لگا۔

پہلی منزل کے ایک دروازے کے کھلے ہوئے پیٹ سے آنے والی روشنی نے سالار کی رہنمائی کی

تھی۔ عاکف وہاں کہیں نہیں تھا۔ دھینا وہ دروازہ پار کر کے آگے چلا گیا تھا۔ سالار چند گھنٹوں کے لئے وہاں

زکا پھر اس نے دلچیز کے پار قدم رکھا۔ وہ اب ایک چوہا سے میں تھا۔ ایک طرف بہت سے کمروں کے

دروازے تھے۔ دوسری طرف پیسے گلی نظر آ رہی تھی۔ برآمدے لڑا ہوا بارہ بالکل خالی تھا۔ تمام کمروں

کے دروازے اسے وہاں کھڑے بند ہی لگ رہے تھے۔ عاکف کہاں گیا تھا وہ نہیں جانتا تھا۔ اس نے بہت

ناتوا انداز میں اپنے قدم آگے بڑھائے۔ یوں جیسے وہ کسی بھوت چٹھے میں آ گیا تھا۔ ابھی کوئی دروازہ

دوبارہ اسی طرح بھاگتے ہوئے بیڑ حیاں اترنے کی کوشش کی۔ چند بیڑ حیاں اترنے کے بعد لٹائی جانے والی چٹانگ نے اسے پھر زمین پر گرنے کا حکم دیا۔ اس بار اس کا سر بھی دیوار سے ٹکرایا۔ وہ خوش قسمت تھا کہ اس کی ہڈی نہیں ٹوٹی۔ شاید بیڑ حیاؤں کی تعداد زیادہ ہوتی تو وہ پھر تیسری بار اٹھ کر اس طرح بیڑ حیاں اترنے کی کوشش کرنا لیکن دوسری بار بیڑ حیاؤں سے گرنے کے بعد وہ نیچے والی بیڑ حیاؤں پر آ گیا تھا۔ سامنے لگی کی روشنی نظر آرہی تھی۔ وہ بیڑ حیاؤں سے نکل آیا مگر آگے نہیں جا سکا۔ چند قدم آگے چل کر اس ٹکڑے کے باہر تھمے پڑا۔ اسے سختی محسوس ہو رہی تھی۔ سر کو تھامتے ہوئے بے اختیار اسے اٹھائی آنی وہ تھمے پر بیٹھنے بیٹھنے چک گیا۔ وہ ابا کیس کرتے ہوئے بھی اسی طرح دوبارہ اٹھائی گئی میں سے گزرنے والے لوگوں کے لئے یہ سین یا ٹیبلٹ تھا۔ یہاں بہت سے شرابی اور ننگی عورتوں سے زیادہ نظر استعمال کرنے کے بعد یہاں سب کچھ کیا کرتے تھے۔ صرف سالار کا لباس اور جلد تھا جو اسے کچھ مہذب دکھاتا تھا اور اس کے آسواور وہ یاد کسی طوائف کی بے وفائی کا نتیجہ تھا شاید۔ وہاں کئی پارٹی مرد ایسے ہی مہذب اور معزز نظر آنے والے مرد اسی طرح دھڑکتے ہوئے چلتے تھے۔ طوائف کا کوئی گھر بھی نہیں تھا۔ گزرنے والے طریقے سکرانٹ کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے گزر رہے تھے۔ کوئی اس کے پاس نہیں آتا تھا۔ اس بار وہ زمین حال احوال جاننے کا دروازہ نہیں تھا۔

حاکم نیچے نہیں آیا تھا۔ آج تو شاید سالار کے پاس رُک جاتا۔ اباہم ہاں نہیں تھی۔ صنوبر، اباہم ہاں نہیں تھی۔ کتنا بڑا بوجھ اس کے کندھوں سے اٹھایا گیا تھا، کسی ذہن سے اسے بچایا گیا تھا۔ تکلیف دے کر اسے آگئی نہیں دی گئی۔ صرف تکلیف کا احساس دے کر اسے آگئی سے شکا کر دیا گیا تھا۔ اسے وہاں نہ دیکھ کر وہ اس حالت میں چاہتا تھا۔ وہ اسے وہاں دیکھ لیتا تو اس پر کیا گزرتی۔ اسے اللہ سے خوف آ رہا تھا۔ پناہ خوف۔ وہ کسی قدر طاقتور تھا کیا نہیں کر سکتا تھا۔ وہ کسی قدر مہربان تھا۔ کیا نہیں کرتا تھا۔ انسان کو انسان دیکھنا اسے آتا تھا۔ کبھی غضب سے، کبھی احسان سے۔ وہ اسے اس کے دائرے میں ہی رکھتا تھا۔

اسے کبھی اپنی زندگی کے اسی سیاہ باب پر اکتانہ تھا۔ اپنی فطرت نہیں ہوئی جتنی اس وقت ہو رہی تھی

"کیوں؟ کیوں؟ کیوں؟ آتا تھا میں یہاں پر.....؟ کیوں خریدتا تھا میں ان عورتوں کو.....؟ کیوں کتا کا اجاس میرے اندر نہیں جا سکتا تھا؟" وہ جو ترے پر بیٹھا دونوں باتوں سے سر جکڑے چک رہا تھا۔

"اور اب.....؟ اب جب میں یہ سب کچھ جھوڑ چکا ہوں تو اب.....؟ اب کیوں.....؟ یہ تکلیف.....؟ یہ جھین ہو رہی ہے مجھے۔ میں چاہتا ہوں۔ چاہتا ہوں مجھے اپنے پرچل کے لئے جو اب وہ ہوتا

ہے، مگر یہ حساب یہیں..... اس طرح نہ لے۔ جس عورت سے میں محبت کرتا ہوں اسے کبھی اس بازار میں نہ بیچک۔"

اور روتے روتے زکاء کون سا انکشاف کہاں ہو رہا تھا۔

"محبت؟ تو وہ لگی سے گزرتے لوگوں کو دیکھتے ہوئے بے چینی سے بڑبڑایا۔

"یہاں میں..... میں اس سے محبت کرتا ہوں؟" کوئی لڑائی کے سرے پر وہاں تک گزری تھی۔

"کیا یہ تکلیف صرف اس لئے ہو رہی ہے مجھے کہ میں اس سے....." اس کے چہرے پر سامنے لہرائے تھے۔ "کیا وہ میرا بیٹا تھا؟ نہیں ہے۔ کچھ اور ہے.....؟"

اسے لگا وہ وہاں سے کبھی اٹھ نہیں جائے گا۔

"تو یہ بیچتا تھا؟ نہیں محبت ہے، جس کے پیچھے میں بھاگتا پھر رہا ہوں۔" اسے اپنے جسم ریت کا بنا ہوا لگا۔

"امام، مجھے نہیں ہے روگ ہے؟" آٹھ سو اب بھی اس کے گالوں پر رہے تھے۔

"اور اس بازار میں اس عورت کی تلاش میں آئے میرے قدموں میں لرزش اس لئے تھی کیونکہ میں نے اسے اپنے دل کے بہت اندر نہیں بہت اونچی جگہ پر رکھا تھا۔ وہاں جہاں خود میں بھی اس کو محسوس نہیں کر رہا تھا۔ چپک بیٹھ۔"

"۱۵۰۰ تھی کیوں کا وہ مردانہ کے بل زمین پر گر گیا تھا۔ وہ ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ کون سا زخم تھا وہاں بیٹھا ہوا ہوا تھا۔ کون سی تکلیف تھی جو سانس لینے نہیں دے رہی تھی۔ آہستہ آہستہ اسے کہاں رہہ نہ گیا تھا۔ اسے کیا دیا تھا؟ کیا لیا تھا؟ وہ اٹھ کر وہاں سے چلے گا۔ اسی طرح ملک ملک کر روتے ہوئے اسے خود پر قابو نہیں تھا۔ اسے پاس سے گزرنے والوں کی نظروں کی بھی پروا نہیں تھی۔ اسے اپنے وجود کے کبھی زندگی میں اپنی فطرت محسوس نہیں ہوئی تھی جتنی اس وقت ہو رہی تھی۔ وہ ریلا لائٹ ایسا اس کی زندگی کا سب سے سیاہ باب تھا۔ ایسا سیاہ باب جسے وہ کمرچ کر اپنی زندگی سے علیحدہ نہیں کر پایا تھا۔ وہ ایک بار پھر اس کی زندگی میں آکر کھڑا ہو گیا تھا۔ کئی سال پہلے وہاں گزری تھی راتیں اب باتوں کی طرح اسے گھیرے ہوئے تھیں اور وہاں سے فرار حاصل نہیں کر رہا تھا اور اب جس خوف نے اسے اپنے حصار میں لیا تھا وہ تو.....

"اگر..... اگر..... امام اس بازار میں آگئی ہوئی تو.....؟ صنوبر، امام ہاں نہیں تھی مگر کوئی اور.....؟ اس کے ہجر میں دردی ایک اور لہر اٹھی۔ مگر اب شدت اختیار کرنا چاہتا تھا۔ اس کا وہاں ماؤف ہو رہا تھا وہ اسے کبھی ٹھیک سے دیکھ نہیں پاتا تھا۔ اب اس کا سر درو سے چھٹ رہا تھا پھر وہ کہیں چلے گیا تھا۔ کچھ عورتوں کے ہاتھ لاد لائیں نے اس کے درد کو اور بڑھایا تھا پھر اس کا دل کسی تاریکی میں

"اسلام آباد تمہارے گھر والوں۔۔۔"

سالار نے اسے بات مکمل کرنے نہیں دی۔

"نہیں اطلاع مت کرنا۔ میں جب سو کر اٹھوں گا تو اسلام آباد چلا جاؤں گا۔"

"اس حالت میں؟"

"تم نے کہا ہے میں ٹھیک ہوں۔"

"ٹھیک ہو مگر اسے بھی ٹھیک نہیں ہو۔ دو چار دن آرام کرو۔ یہیں رہو لاہور میں، پھر چلے جانا۔"

"اچھا پھر تمہیں کیا کمانی گواہی ملے گی؟"

فرقان نے کچھ اچھے ہوئے انداز میں اسے دیکھا۔ اس کے ہاتھ پر چھو جلی آگئے۔ "اچھا۔"

اول۔۔۔ کچھ۔۔۔؟"

"فریقہ لا تر۔۔۔۔۔"

فرقان اسے سوچتے ہوئے دیکھنے لگا۔

"تمہارے بچے کیا ہے پاس۔۔۔؟"

"قائد۔۔۔؟ میں تو ابھی سو جاؤں گا۔ تم جاؤ۔ جب میں آؤں گا تو تمہیں کال کروں گا۔"

اس نے بازو کے ساتھ اپنی آنکھیں دھسائی لیں۔ اس کے انداز میں سوچو روکے ہیں اور

مرد مہری نے فرقان کو کچھ اور پریشان کیا۔ اس کا رویہ بہت اداکارانہ تھا۔

"میں سمجھتا ہوں، مگر فریقہ لا تر چاہئے تو پہلے تمہیں کچھ کھانا ہوگا۔" فرقان نے

اٹھتے ہوئے وہ نوک انداز میں کہا۔ سالار نے آنکھوں سے بازو نہیں ہٹایا۔

دوبارہ اس کی آنکھ جس وقت کھلی اس وقت شام ہو رہی تھی۔ کمرہ خالی تھا۔ اس کے پاس کوئی بھی

نہیں تھا۔ وہ جسمانی طور پر صبح سے زیادہ تھکاوٹ محسوس کر رہا تھا۔ باقی ناگوں سے کمر کو پرے پیچک کر

اس نے لینے لینے بائیں تختے کو رکھنے میں اٹھتی ہوئی ٹیبلت کو نظر انداز کرتے ہوئے ناگوں کو سیکڑ لیا۔

اسے اپنے اندر ایک عجیب سی محسوس ہو رہی تھی۔ اتنی محنت جیسے کسی نے اس کے سینے کو جکڑ لیا ہو۔

وہ ایسی طرح لیٹے لیٹے جھٹ کو گھور رہا تھا جیسے اسے کوئی خیال آیا۔

☆۔۔۔۔۔☆

وہ جو کسی آکر اپنا سامان پیک کر رہا تھا جب فرقان نے دروازے پر دستک دی۔ سالار نے دروازہ

کھول دیا۔ فرقان کو کچھ کمرہ خیران ہوا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی اس کے پیچھے آجائے گا۔

"عجیب انسان ہو تم سالار۔۔۔۔۔" فرقان اسے دیکھتے ہی ناراضی سے بولنے لگا۔

"کیوں کسی کو بتائے بغیر تمہارے کلینک سے چلے آئے، مجھے پریشان کر دیا۔ اوپر سے سو بائیں کو بھی

"تلف کر رہا ہے۔"

سالار نے کچھ نہیں کہا۔ وہ لنگڑا ہوا ایک بار پھر اپنے بیک کے پاس آگیا۔ ٹیبلٹ میں وہ اپنی چیزیں

پیک کر رہا تھا۔

"تم جا رہے ہو؟" فرقان بیک و کچ کر پوچھا۔

"ہاں۔۔۔۔۔" سالار نے ایک نفسی جواب دیا۔

"کہاں۔۔۔؟" سالار نے بیک کی ڈپ بند کر دی اور بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"اسلام آباد؟" فرقان اس کے سامنے موندنے پر آکر بیٹھ گیا۔

"نہیں۔۔۔؟" سالار نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"پھر۔۔۔؟"

"کراچی جا رہا ہوں۔"

"کس لئے؟" فرقان نے خیرانی سے پوچھا۔

"ٹھکانہ ہے میری۔"

"بوس کی؟"

"ہاں۔۔۔!"

"چار دن بعد ہے تمہاری خلافت، ابھی جا کر کیا کرو گے؟" فرقان اسے دیکھنے لگا۔ سمیر کا اندازہ

ٹھیک تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بے حد عجیب تھے۔

"کام ہے مجھے وہاں۔"

"کیا کام ہے؟"

وہ جواب دینے کے بجائے بیڈ پر بیٹھا ٹیبلٹ بجھانے بغیر چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔ فرقان

ماریکا لو جھٹ نہیں تھا۔ پھر بھی سامنے بیٹھے ہوئے شخص کی آنکھوں کو پڑنے میں اسے کوئی مشکل نہیں

ہوئی۔ سالار کی آنکھوں میں کچھ بھی نہیں تھا۔ صرف مرد مہری تھا۔ یوں جیسے وہ کسی کو جانتا ہی نہ ہو۔

اسے اور اپنے آپ کو بھی۔ وہ دل پر بس تھا۔ فرقان کو کوئی شبہ نہیں تھا مگر اس کا ڈپریشن اسے کہاں لے جا

رہا تھا۔ فرقان یہ جاننے سے قاصر تھا۔

"تمہیں تو عمر کیا پریشانی ہے سالار؟" وہ پوچھتے بیٹھ نہیں رہ سکا۔

سالار نے توقف کیا۔ پھر کندھے جھٹکے۔

"کوئی پریشانی نہیں ہے۔"

"تو پھر۔۔۔۔۔" سالار نے فرقان کی بات کاٹ دی۔

"تم جانتے ہو مجھے میگرین ہے۔ کبھی کبھار اس طرح ہو جاتا ہے مجھے۔"
 "میں ڈاکٹر ہوں سالار! فرقان نے جمید کی سے کیا۔" میگرین کو کوئی مجھ سے زیادہ بہتر نہیں جانتا۔ یہ سب کچھ صرف میگرین کی وجہ سے نہیں تھا۔

"تو تم بتاؤ وار کیا وجہ ہو سکتی ہے؟" سالار نے اناس سے سوال کیا۔
 "کبھی لوکی کا پر اٹھ ہے؟" سالار پلٹیں پلٹیں نہیں سکا۔ فرقان کہاں چاہتا تھا۔
 "ہاں۔۔۔" نہیں نہیں جانتا اس نے "نہیں" کیوں نہیں کیا تھا۔
 "کسی میں دوا تو ہو تم؟" فرقان کو اپنے اندازے کے صحیح ہونے پر جیسے یقین نہیں آیا۔
 "ہاں۔۔۔"

فرقان بہت دیر چپ بیٹھا ہے دیکھتا رہا۔ یوں جیسے اپنی سیدھی پر تھوڑے پانے کی کوشش کر رہا ہو۔
 "کس کے ساتھ دوا تو ہو؟"

"تم سے نہیں جانتے۔"
 "شادی نہیں ہو سکی تمہاری اس کے ساتھ؟" سالار اسے دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔
 "ہو گئی تھی۔" اس کے لہجے میں آج تھی۔
 "شادی ہو گئی تھی؟" فرقان کو پھر یقین نہیں آیا۔

"ہاں۔۔۔"
 "پھر۔۔۔ طلاق ہو گئی؟" اس نے پوچھا۔
 "نہیں۔۔۔"

"تو۔۔۔؟" سالار کے پاس آگے بٹانے کے لئے کچھ نہیں تھا۔
 "تو بس۔۔۔"

"بس کیا۔۔۔؟" سالار اس کے چہرے سے نظریں ہٹا کر اپنے بائیں ہاتھ کی انگلی دائیں ہاتھ میں جو دو دل کی ٹکڑی پر پھیرتا رہا۔
 "کیا نام ہے اس کا؟" فرقان نے مدھم آواز میں اس سے پوچھا۔ وہ ایک ہلکا سا پھر اسی طرح ٹکڑی کو پھیرتے ہوئے بہت دیر خاموش رہا۔ بہت دیر۔۔۔ پھر اس نے کہا۔

"امام باشم۔۔۔" فرقان نے بے اختیار سانس لیا۔ اسے اب کچھ میں آیا کہ وہ اس کی بیوی بنی تو دھیروں کے خلاف سے تھے جنات کیوں دیا کرتا تھا۔ کچھ عرصے میں جب سے سالار سے اس کی شناسائی ہوئی تھی اور سالار کا اس کے گھر آنا شروع ہوا تھا سالار اور امام کی بہت دوستی ہو گئی تھی۔ وہ پاکستان سے جانے کے بعد بھی اسے وہاں سے کچھ نہ کچھ بھجواتا رہتا تھا مگر فرقان کو اکثر صرف ایک بات

جبرانی ہوتی تھی۔ وہ کبھی امام کا نام نہیں لیتا تھا اور خود اس سے بات کرتا تو اسے نام کے بغیر مخاطب کرتا۔ جبریتاً۔ فرقان کو چند ایک بار یہ بات محسوس ہوئی تھی مگر اس نے اسے نظر انداز کر دیا تھا لیکن اب امام باشم کا نام سن کر وہ جان گیا تھا کہ وہ کیوں اس کا نام نہیں لیتا تھا۔

وہ اب ایک ایک کر کے دروازے جھلکیں میں مدھم آواز میں اسے اپنے اور امام کے بارے میں بتا رہا تھا۔ فرقان دم سادھے سن رہا تھا۔ جب وہ سب کچھ بتانے کے بعد خاموش ہو تو دیر تک فرقان بھی کچھ نہیں بول سکا۔ اس کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔ تسلی دینے یا پھر کچھ اور کہے۔ کوئی سمجھت۔
 "تم اسے بھول جاؤ۔" اس نے بالآخر کہا۔ "سوچ لو کہ وہ جہاں بھی ہے خوش اور مظلوم ہے۔ ضروری نہیں اس کے ساتھ کوئی ساموئی ہو؟ ہو سکتا ہے وہ بالکل مظلوم ہو۔" فرقان کہہ رہا تھا۔ "تم نے اس کی مدد کی تھی، جس مدد تک تم کر سکتے تھے۔ پچھتاووں سے اپنے آپ کو نکال لو۔ اللہ مدد کر رہا ہے۔ تمہارے بعد ہو سکتا ہے اسے تم سے بہتر کوئی اور مل گیا ہو۔ تم کیوں اس طرح کے دھم لئے بیٹھے ہو۔ میں نہیں سمجھتا کہ جلال ہے اس کی شہوری نہ ہونے کی وجہ تم تھے جو کچھ تم نے مجھے جلال کے بارے میں بتایا ہے میرا اندازہ تو کسی کے لیے وہ کبھی بھی سمور سے میں امام سے شادی نہ کرتا۔ چاہے تم جہنم میں آتے نہ آتے۔ کوشش کرتے نہ کرتے۔ جہاں تک امام کو طلاق نہ دینے کا سوال ہے اسے چاہئے تھا وہ تم سے دوبارہ رابطہ کرتی۔ وہ ایسا کرتی تو تم یقیناً اسے طلاق دے دیتے۔ اگر اس معاملے میں تم سے کوئی غلطی ہوئی بھی ہے تو اللہ تمہیں معاف کر دے گا کیونکہ تم بچتا رہے ہو۔ تم اللہ سے معافی بھی مانگتے آ رہے ہو۔ یہ کافی ہے مگر اس طرح پر ریش کا فکار ہونے سے کیا ہو گا۔ تم اپنے آپ کو اس کیفیت سے نکالنے کی کوشش کرو۔" وہ بڑی اطمینان سے اسے سمجھا رہا تھا۔ سالار کی خاموشی سے اسے امید نہ تھی کہ شاید اس کی کوشش رنگ لاری تھی مگر ایک لمبی تقریر کے بعد جب وہ خاموش ہوا تو سالار اٹھ کر اپنا ہریٹ کیس کھولنے لگا۔
 "مہیا کر رہے ہو؟" فرقان نے پوچھا۔

"میری فحاشیت کا نام بھڑکا ہے۔" وہ اب اپنے ہریٹ کیس میں سے کچھ بچہ نکال رہا تھا۔ فرقان کی سمجھ میں نہیں آیا وہ اس سے کیا کہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

وہ پچھلے کئی سالوں میں کئی بار پاکستان آتا جا رہا تھا اسے کبھی واپس جاتے ہوئے اس قسم کی کیفیات کا شکار نہیں ہوا تھا جو اس نے اپنے اندر اتنے محسوس کیا تھا۔ اس نے جہاز کی ککڑی سے باہر نکلا۔ بہت دور تک پہلے ہوئے اس غلطی میں نہیں امام باشم نام کی ایک ٹرکی بھی تھی۔ وہ وہاں رہتا تو کبھی نہیں کسی وقت کسی روپ میں وہاں سے نظر آ جاتی۔ اسے مل جاتی۔ یا کوئی ایسا شخص اسے مل جاتا جو اس سے واقف ہو تا لیکن

"میں اب پاکستان میں کام کرنا چاہتا ہوں۔ بس اسی لئے چاہہاؤں۔" بزنس میں نہیں کر سکتا اور بینک کی آخر میرے پاس بہت عرصے سے تھی۔ دو مجھے پاکستان لو مت کرنے پر تیار ہیں، اس لئے میں اسے قبول کر رہا ہوں۔" اس نے تمام سوالوں کا اٹھنا جواب دیا۔

"پھر بینک کو بھی جو اتنی مدت کرو، میرے ساتھ آنکر کام کرو۔"

"میں نہیں کر سکتا لپا مجھے مجبور نہ کریں۔"

"تو پھر وہیں پر رہو۔ پاکستان آنے کی کیا تکلفی ہے؟"

"میں یہاں پر رہ نہیں پا رہا۔"

"جب الوطنی کا کوئی دورہ نہ ہے تو نہیں؟"

"نہیں۔"

"تو پھر۔۔۔۔۔"

"میں آپ لوگوں کے پاس رہنا چاہتا ہوں۔" اس نے بات بدلی۔

"خیر یہ فیصلہ تم اپنے ہم جہاز سے تو نہیں کیا کیا۔" سکندر عثمان کا لہجہ نرم ہوا۔

سالار خاموش رہا۔ سکندر عثمان بھی کچھ دیر خاموش رہے۔

"فیصلہ تو تم کری چکے ہو۔ میں اب اس کے بارے میں تو کچھ نہیں کر سکتا۔ ٹھیک ہے آنا چاہتے ہو؟"

سالار کچھ عرصہ بینک میں کام کر کے بھی دیکھ لو لیکن میری خواہش یہی ہے کہ تم میرے ساتھ میرے

بزنس کو دیکھو۔" سکندر عثمان نے جیسے اچھا لگاتے ہوئے کہا۔

"تمہارا تو فی الحال اتنی کامیابی کا بھی ارادہ تھا۔ اس کا کیا ہونا؟" سکندر عثمان کو بات ختم کرتے کرتے پھر

یاد آیا۔

"فی الحال میں مزید اشتیاق نہیں کرنا چاہ رہا۔ ہو سکتا ہے کچھ مہینوں کے بعد پلٹ آجڑی کے لئے

دوبارہ باہر چلا جاؤں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ پلٹ آجڑی کروں ہی نہ۔" سالار نے دم آواز میں کہا۔

"تم اس اسکول کی وجہ سے آ رہے ہو؟" سکندر عثمان نے اہانک کہا۔ "شاید۔۔۔۔۔" سالار نے

مزید نہیں کی۔ وہ اگر اسکول کو اس کی واپسی کی وجہ سمجھ رہے تھے تو بھی کوئی حرج نہیں تھا۔

"ایک بار پھر سوچ لو سالار۔۔۔۔۔" سکندر کے بغیر نہیں رہ سکے۔

"بہت کم لوگوں کو کیریئر میں اس طرح کا اشارت ملتا ہے جس طرح کا تمہیں ملا ہے۔ تم میں

رہے ہو؟"

"جی۔۔۔۔۔" اس نے صرف ایک لفظ کہا۔

"واقی تم سمجھو ہو، اپنے فیصلے خود کر سکتے ہو۔" انہوں نے ایک طویل کال کے اختتام پر فون بند

کرنے سے پہلے کہا۔

سالار نے فون رکھنے کے بعد اپارٹمنٹ کی دیواروں پر ایک نظر دوڑائی۔ اٹھارہ دن کے بعد اسے

یہ اپارٹمنٹ بیٹھ کے لئے چھوڑ دینا تھا۔

☆.....☆.....☆

بزنس سے واپسی پر اس کی زندگی کے ایک نئے فیر کا آغاز ہوا تھا۔ ابتدائی طور پر وہ اسلام آباد

میں اس جمرنگی بینک میں کام کر رہا تھا۔ پھر کچھ عرصے کے بعد وہ آئی بینک کی ایک نئی برانچ کے ساتھ

لاہور چلا آیا۔ اسے کراچی کے واقعہ بھی مل رہا تھا مگر اس نے لاہور کا انتخاب کیا تھا۔ اسے یہاں

لاکڑی سیاحی کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع بھی مل رہا تھا۔

پاکستان میں اس کی مصروفیات کی نوعیت تبدیل ہو گئی تھی مگر ان میں کمی نہیں آئی تھی۔ وہ یہاں

بھی دن رات مصروف رہتا تھا۔ ایک exceptional ماہر معاشیات کے طور پر اس کی شہرت اس کے

ساتھ ساتھ مسلم دنیا بھی تھی۔ حکومتی حلقوں کے لئے اس کا نام بنائیں تھا مگر پاکستان آ جانے کے بعد

فننس منسری مختلف مواقع پر مقافوں اپنے ذمہ تربیت آفیسر کو دے جانے والے لیکچرر کے لئے اسے

بلوائی رہتی۔ لیکچرر کا سلسلہ بھی اس کے لئے نیا نہیں تھا۔ وہ ان میں ذمہ تعلیم رہنے کے بعد وہاں مختلف

کامز کو لیکچرر دیتا رہا تھا۔ سلسلہ نیوٹنک منتقل ہو جانے کے بعد بھی جاری رہا۔ جہاں وہ کوئی ایوانہ رہتی میں

چونکہ ڈیوٹی منٹ پر ہونے والے سیمینارز میں حصہ لیتا رہا بعد میں اس کی توجہ ایک بار پھر انکس کی

طرف مبذول ہو گئی۔

پاکستان میں بھی بہت جلد وہ ان سیمینارز کے ساتھ انوار ہو گیا تھا۔ جو FAST، LUMS، IBA اور

جیسے ادارے کر رہا رہے تھے۔ انکس اور بوسن ڈیولپمنٹ و ایمر موضوعات تھے جن پر وہ خاموشی اختیار

نہیں کیا کرتا تھا۔ وہ ان کے پیسر پر موضوع گفتگو تھے اور سیمینارز میں اس کے لیکچرر کا فیڈ بیک ہمیشہ

بہت زیادہ مست رہا تھا۔

وہ سمجھتے کہ ایک ایک ایڈ کاؤں میں اپنے اسکول میں گزار کر تا تھا اور وہاں رہنے کے دوران وہ

انکس کے ایک نئے رخ سے آشنائی حاصل کر رہا تھا۔

"تم نے اپنا غربت اپنے دیہات میں چھپا دی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے لوگ مٹی کو گارنٹ کے

نیچے چھپا دیتے تھے۔"

"اس اسکول کی تعمیر کا آغاز کرتے ہوئے فرقان نے ایک بار اس سے کہا تھا اور وہاں گزارے

جانے والے دن اسے اس جیلے کی ہولناکی کا احساس دلاتے۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ پاکستان میں غربت کی

موجودگی سے نا آشنا تھا۔ وہ نیچو اور پونی۔ کیف میں کام کے دوران دو نرے انیشیائی ممالک کے ساتھ

ساتھ پاکستان کے بارے میں بھی بہت ساری رپورٹس دیکھنا ہوتا تھا مگر پاکستان میں غربت کی آخری حدود کو بھی پار کر جاتے والے لوگوں کو وہ پہلی بار ذاتی طور پر دیکھ رہا تھا۔

"پاکستان کے دس پندرہ بڑے شہروں سے نکل جائیں تو احساس ہوتا ہے کہ چھوٹے شہروں میں رہنے والے لوگ تیسری دنیا میں نہیں، دوسری بارہویں دنیا میں رہتے ہیں۔ وہاں تو لوگوں کے پاس نہ روزگار ہے، نہ تعلیم، نہ اپنی آدمی زندگی گزارنے میں گزارے ہیں اور آدھی حسرت میں جھکا ہوا کرکون سی اعلیٰ قیامت کھٹکتے ہیں آپ اس شخص کو جس کا دل سوچی روٹی سے شروع ہوتا ہے اور فالتے پر قسم ہو جاتا ہے اور ہم۔۔۔ ہم لوگوں کی بھوک مٹانے کے بجائے مسجدیں بکھیریں قیصر کرتے ہیں۔ مالی شان مسجدیں، پر شکوہ مسجدیں، مارعلی سے آرامت مسجدیں۔ بعض دفعہ تو ایک ہی سوک پر دس دس مسجدیں کھڑی ہوتی ہیں۔ نمازیوں سے خالی مسجدیں۔"

فرقان کئی سے کہتا تھا۔

"اس ملک میں اتنی مسجدیں ہو چکی ہیں کہ اگر پورا پاکستان ایک وقت کی نماز کے لئے مسجدوں میں اکٹھا ہو جائے تو بھی بہت سی مسجدیں خالی رہ جائیں گی۔ مگر مسجدیں بنانے پر یقین نہیں رکھتا جہاں لوگ بھوک سے خود کشیاں کرتے پھر رہے ہوں جہاں کچھ خاص طبقوں کی پوری پوری نسل جہالت کے اندھیروں میں جھکتی پھر رہی ہو وہاں مسجد کے بجائے مدرے کی ضرورت ہے۔ اسکول کی ضرورت ہے، تعلیم اور شعور ہو گا اور روزی کھائے کے مواقع تو ملے سے محبت ہو گی وہ نہ صرف شکوہ ہی ہو گا۔"

وہ فرقان کی باتیں خاموشی سے سنتا رہتا تھا۔ اس نے مستقل طور پر گھاؤں میں جانا شروع کیا تو اسے اندازہ ہوا فرقان ٹھیک کہتا تھا۔ غربت لوگوں کو کھربک لے گئی تھی۔ چھوٹی چھوٹی ضرورتیں ان کے اعصاب پر سوار تھیں اور جو ان معمولی ضرورتوں کو پورا کر دیتا وہ جیسے اس کی غلامی کرنے پر تیار ہو جاتے۔ اس نے جس ایک اینڈر گراؤں جانا ہوتا اسکول میں لوگ اپنے چھوٹے موٹے کاموں کے لئے جمع ہوتے۔ بعض دفعہ لوگوں کی نظائریں ہوتیں۔

"جیسے کہ شہر کی کسی جگہ پر کام پر رکھوا دیں۔ چاہے ہزار روپیہ مل جائے مگر کچھ پیسہ تو آئے۔"

"وہ ہزار روپیہ مل جاتے تو میں اپنی بیٹی کی شادی کر دیتا۔"

"بارش نے ساری فصل خراب کر دی۔ اگلی فصل لگانے کے لئے بیج خریدنے تک کے لئے پیسے

نہیں ہیں۔ آپ تو بڑے پیسے قرض کے طور پر دے دیں، میں فصل کٹنے کے بعد دے دوں گا۔"

"جیسے کوئی پیسے نے کچل لیا ہے، قصور بھی نہیں جانتے، پس کہتے ہیں ہماری مرضی جب تک چاہیں

اندروں بھیں، تم آئی جی کے پاس جاؤ۔"

"پندرہویں مہینہ زمین پر جھلا کر رہا ہے۔ کسی اور کو الٹ کر رہا ہے۔ کہتا ہے میرے کاغذ جھلی ہیں۔"

"بیٹا کام کے لئے پاس کے گاؤں جاتا ہے۔ روز آٹھ میل پل پل کر آتا جانا پڑتا ہے۔ آپ ایک سائیکل لے دیں تو مہربانی ہوگی۔"

"مگر میں پانی کا بیڑا پپ لگواتا ہے۔ آپ مدد کریں۔"

وہ تعجب سے ان درخواستوں کو سنتا تھا۔ کیا لوگوں کے یہ معمولی کام بھی ان کے لئے پھاڑ بن چکے ہیں۔ ایسا بیڑا بننے چھوڑ کرنے کے لئے وہ زندگی کے کئی سال ضائع کر دیتے ہیں۔ وہ سوچتا۔

میں نے کے ایک ایک اینڈر پپ جب وہ وہاں آتا تو اپنے ساتھ کسی چند ہزار روپے زیادہ لے کر آتا اور وہ پچھلے چھوٹے ٹھکانوں میں بہت سے لوگوں کو بظاہر بڑی لیکن حقیقتاً بہت چھوٹی ضرورتیں پوری کر دیتے۔ ان کی زندگی میں کچھ آجاتا ہاں لے آتے اس کے کھینے ہوئے چند سفارشی رہتے اور فون کا لڑکھن لوگوں کے کتہ حوں کے بوجھ اور بھاری میں پڑی نہ نظر آنے والی چیزوں کو کھینے اٹار دیتے۔ اس کا احساس شاید سالار کو خود بھی نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

لاہور میں اپنے قیام کے دوران وہ باقاعدگی سے ڈاکٹر سیٹھ علی صاحب کے پاس جاتا تھا۔ ان کے ہاں ہر رات عشاء کی نماز کے بعد کچھ لوگ جمع ہوتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کسی نہ کسی موضوع پر بات کیا کرتے تھے۔ بعض دفعہ اس موضوع کا انتخاب وہ خود کرتے بعض دفعہ ان کے پاس آنے والے لوگوں میں سے کوئی ان سے سوال کرتا اور پھر یہ سوال اس رات کا موضوع گفتگو بن جاتا۔ عام اسکرلز کے برعکس ڈاکٹر سیٹھ علی صرف خود نہیں بولتے تھے، وہ بی انہوں نے اپنے پاس آنے والے لوگوں کو صرف سامع بنا دیا تھا بلکہ وہ اکثر اپنی بات کے دوران ہی چھوٹے موٹے سوالات کرتے رہتے اور پھر ان سوالات کا جواب دینے کے لئے نہ صرف لوگوں کی حوصلہ افزائی کرتے بلکہ ان کی رائے کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ان کے اعتراضات کو بڑے تحمل اور بردباری سے سنتے۔ ان کے پاس آنے والوں میں صرف سالار سکندر تھا، جس نے ان سے کبھی سوال کیا تھا نہ کبھی ان کے کبھی سوال کا جواب دینے کی کوشش کی تھی۔ وہ کبھی کسی بات پر متنازعہ کرنے والوں میں شامل ہوا نہ کسی بات پر رائے دینے والوں میں۔

وہ فرقان کے ساتھ آتا۔ فرقان نہ آتا تو اکیلا چلا آتا، کمرے کے آخری حصے میں اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ جاتا، خاموشی سے ڈاکٹر صاحب اور وہاں موجود لوگوں کی گفتگو سنتا۔ بعض دفعہ اپنے دائیں ہاتھیں آہستہ سے دالے لوگوں کے احتضار پر اپنا ایک ہلکا تعارف پیش کرتا۔

"میں سالار سکندر ہوں، ایک بینک میں کام کرتا ہوں۔"

وہ جب تک امریک میں رہا تب تک ہر بیٹے ایک بار وہاں سے ڈاکٹر سیٹھ علی کو فون کرنا ہوا مگر فون پر ڈاکٹر صاحب کے ساتھ چوبے والی اس کی گفتگو بہت مختصر اور ایک ہی نوعیت کی ہوتی تھی۔ وہ کال

کر تاؤ اکثر صاحب کمال رہیبو کرتے تو ایک ہی سوال کرتے۔

وہ پہلی بار اس سوال پر جب چہ کا جواب وہ پاکستان سے چند دن پہلے ہی امریکہ آیا تھا اور ڈاکٹر صاحب اس کی وہی کہی کا پوچھ رہے تھے۔ اسے جواب دیا تھا۔

”ابھی تو نہیں۔“ اس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا تھا۔ بعد میں وہ سوال اسے کبھی عجیب نہیں لگا کیونکہ وہ لاشعوری طور پر جان گیا تھا کہ وہ کیا پوچھ رہے تھے۔

آخری بار انہوں نے وہ سوال اس سے جب کیا تھا جب وہ لاپتہ کی تلاش میں ریلوے لائن پر ایسا نہیں پہنچا تھا۔ جس دن وہیں پہنچنے کے ایک ہفتے کے بعد اس نے بیوی کی طرح انہیں کال کیا تھا۔ بیوی جیسی گفتگو کے بعد گفتگو اسی سوال پر آ پہنچی تھی۔

”وہاں تک پاکستان کب آ رہے ہیں؟“

بے اختیار سالار کا دل بھر آیا۔ اسے خود کو کیوں کرنے میں کچھ دیر لگی۔

”اگلے ماہ آپاؤس گا۔ میں روزانہ کر رہا ہوں۔ وہاں آکر پاکستان میں ہی کام کروں گا۔“

”بھریک ہے آپ سے اگلے ماہ ملاقات ہو گی۔“ ڈاکٹر صاحب نے جب کہا تھا۔

”وہاں پہنچے گا۔“ سالار آخر میں کہتا۔

”کروں گا کچھ اور۔۔۔۔۔“

”اور کچھ نہیں۔ اللہ حافظ۔“ وہ کہتا۔

”اللہ حافظ۔“ وہ جواب دیتے۔ گفتگو کا یہ سلسلہ پاکستان آنے تک جاری رہا جب وہ ان کے پاس باقاعدگی سے جانے لگا تو یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

لاہور آنے کے بعد وہ باقاعدگی سے ان کے پاس جانے لگا تھا۔ اسے ان کے پاس سکون ملتا تھا۔ صرف ان کے پاس گزارا ہوا وقت ایسا ہوتا تھا جب وہ کچھ دیر کے لئے مکمل طور پر اپنے ذہن میں سے آزادی حاصل کر لیتا تھا۔ بعض دفعہ ان کے پاس خاموش بیٹھے بیٹھے بے اختیار اس کا دل جاتا وہ ان کے سامنے وہ سب کچھ اگل دے جسے وہ اپنے ساتھیوں سے اپنے اندر دہر کی طرح بھرتے پھر رہا تھا۔ بچپن کا، احساسِ جرم۔ بے چینی، بے بسی، شرمندگی، ندامت، ہرجیز۔ پھر اسے خوف پیدا ہوتا ڈاکٹر صاحب کی اس کو پتا نہیں کہ بچپن سے وہ کیسی گے۔ اس کی بہت دم توڑ جاتی۔

ڈاکٹر سپر۔ بطور علی ایہام کو دور کرنے میں کمال رکھتے تھے۔ وہ ان کے پاس خاموش بیٹھا رہتا۔ صرف سنتا، صرف سمجھتا، صرف غصے اٹھ کر نہ۔ کوئی وحشیہ نہ کرتا، کوئی جھجھکی نہ کرتا، کوئی جھجھکی نہ کرتا۔ جن سوالوں کو وہ کئی سالوں سے ہر روز کی صورت میں لے پھر رہا تھا ان کے پاس ان کے جواب تھے۔

”اسلام کو کچھ کر سکیں تو آپ کو پتا چلے گا کہ اس میں کتنی وسعت ہے۔ یہ تنگ نظری اور تنگ دل کا دین نہیں ہے نہ ہی ان دونوں چیزوں کی اس میں گنجائش ہے۔ یہ میں سے شروع ہو کر ہم پر جاتا ہے۔ فرد سے معاشرے تک۔ اسلام آپ سے یہ نہیں کہتا کہ آپ چھ نہیں سمجھتے سر پر ٹوپی، ہاتھ میں سبز کپڑے ہر جگہ۔ مسئلے بچھائے بیٹھے رہیں۔ ہر بات میں اس کے جواب لے دیتے رہیں۔ نہیں، یہ تو آپ کی زندگی سے۔ آپ کی اپنی زندگی سے حوالہ چاہتا ہے۔ یہ تو آپ سے راست ہادی اور پار سالی کا مطالبہ کرتا ہے۔ دیانت داری اور نکلنا چاہتا ہے۔ اخلاص اور استقامت مانگتا ہے۔ ایک اچھا مسلمان اپنی باتوں سے نہیں اپنے کردار سے دوسروں کو متاثر کرتا ہے۔“

سالار ان کی باتوں کو ایک جھوٹے سے دیکارہ میں دیکارہ کر لیتا پھر گہرا کر بھی سنتا رہتا۔ اسے ایک دھیر کی تلاش تھی، ڈاکٹر صاحب کی صورت میں اسے دور بھر مل گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”سالار! آداب آج بھی جاؤ۔ کتنی باتیں کرواؤ گے؟“ انہوں نے اس کا بازو کھینچتے ہوئے ناراضی سے کہا۔ وہ عمار کی شادی میں شرکت کے لئے اسلام آباد آیا ہوا تھا۔ تین دن کی چھٹی لے کر حالانکہ اس کے گھر والوں کا اصرار تھا کہ وہ ایک ہفتے کے لئے آئے۔ شادی کی تقریبات کئی دن پہلے شروع ہو چکی تھیں۔ وہ ان تقریبات کی ”ایمپت“ اور ”نومیت“ سے واقف تھا۔ اس لئے گھر والوں کے اصرار کے باوجود وہ تین دن کی رخصت لے کر آیا اور آداب وہ عمار کی ہمدی کے فنکشن میں شرکت کر رہا تھا جو عمار اور ان کے سسرال والے مل کر کر رہے تھے۔ عمار اور اس کی دونوں کے عزیز واقارب اور وہ سب مختلف قلمی اور باپ کاٹوں پر رقص کرنے میں مصروف تھے۔ ایک ٹھونڈا بدتمیزی تھا وہاں رہا تھا۔ سلیو لیس شرٹس، کھلے کھلے جسم کے ساتھ چپکے ہوئے کپڑے، ہار ایک لمبوسات، سنک اور شیطانی کی ساز حیاں، میٹ کے بلاؤ، اس کی ٹیلی کی عورتیں بھی دوسری عورتوں کی طرح اسی طرح کے لمبوسات پہنے ہوئے تھیں۔

مکملہ کیونکہ تھی اور وہ تقریب شروع ہونے پر اس بنگا سے کائی ہو کر کچھ ایسے لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا تھا جو کارپوریٹ یا بینکنگ سیکٹر سے تعلق رکھتے تھے اور سکندر یا اس کے اپنے بھائیوں کے ساتھ تھے۔

مگر پھر ہمدی کی رسمات کا آغاز ہونے لگا اور ایسا اسے اس کی طرف لے گئی۔ اس کی اور عمار بے تکلفی سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھتے تھے۔ وہ پہلی بار اس کی تل رہا تھا۔ عمار نے اس کا اور اس کی کا تعارف کروایا۔ ہمدی کی رسومات کے بعد اس نے وہاں سے جانے کی کوشش کی مگر کامران اور طیبہ نے اسے زبردستی روک دیا۔

"بھائی کی مہندی ہو رہی ہے اور تم اس طرح وہاں کونے میں بیٹھے ہو۔" طیبہ نے اسے ڈانٹا تھا۔
"جسمیں پیال ہونا چاہئے۔"

وہ ان کے کہنے پر دین کا مران اور اس کی بیوی کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اس کے ایک کزن نے ایک بار پھر وہ دودھ چنے اس کے گلے میں ڈالنے کی کوشش کی جو وہ سب ڈالے ہوئے تھے۔ اس نے ایک بار پھر قدرے ناگوار کی ہے اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے اسے تنبیہ کی۔

اگلے چند منٹوں کے بعد وہاں رقص شروع ہو چکا تھا۔ غار سمیت اس کے سارے بہن بھائی اور کنزیر رقص کر رہے تھے اور اچھا بننے اسے بھی کھینچنا شروع کر دیا تھا۔
"نہیں اچھا میں نہیں کر سکتا۔ مجھے نہیں آتا۔"

اس نے اچھا ہاتھ پھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے معذرت کی مگر اس کی معذرت قبول کرنے کے بجائے وہ اور غار اسے کھینچ کر رقص کرنے والوں کے جھوم میں لے آئے تھے۔ کامران اور بیوی کی شادی میں وہ بھی ایسے ہی رقص کرتا رہا تھا مگر غار کی مہندی پر وہ پچھلے سات سالوں میں اتنا لہذا ہی جھڑپے کر چکا تھا کہ وہاں اس جھوم کے درمیان خالی بازو کھڑے کرنا بھی اس کے لئے دشوار تھا۔ قدرے سب سے مل مسکراہٹ کے ساتھ وہ اسی طرح جھوم کے درمیان کھڑا ہوا پھر اس نے اچھا کے کان میں کہا۔

"اچھا میں ڈانس بھول چکا ہوں۔ Please let me go۔ (برادری بھائی مجھے جانے دو)"
"تم کرنا شروع کر دو۔ آجائے گا۔" اچھا نے جواباً اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اب اسرئی بھی اس جھوم میں شامل ہو چکی تھی۔

"میں نہیں کر سکتا۔ تم لوگ کرو۔ میں انجوائے کر رہا ہوں۔ مجھے جانے دو۔"
اس نے مسکراتے ہوئے لٹکے کی کوشش کی۔ اسرئی کی آغوش نے اسے اس کوشش میں کامیاب کر دیا۔
"مروج ہر قوم، ہر نسل کا خواب ہو ہے اور پھر وہ قومیں جن پر الہامی کتابیں نازل ہوئی ہوں وہ تو مروج کو اپنا حق سمجھتی ہیں مگر کبھی بھی کسی قوم پر مروج صرف اس بنا پر نہیں آیا کہ اسے ایک کتاب اور نبی ملے دیا گیا جب تک اس قوم نے اپنے ایمان اور افعال سے مروج کے لئے اپنی طبیعت ثابت نہیں کر دی وہ کسی مروجہ کسی مقام، کسی فضیلت کے حامل نہیں ٹھہریں۔ مسلمان قوم یا امت کے ساتھ بھی ایسا ہوتا رہا ہے اور ہو رہا ہے۔ ان کا مسئلہ یہ ہے کہ ان کے اعلیٰ تعلقات، تعلیم اور نفس پرستی کا فکاہ ہیں۔ یہ دونوں چیزیں دبا کی طرح جھوٹی ہیں۔ ایک سے دوسرے، دوسرے سے تیسرے اور پھر یہ سلسلہ نہیں ٹکنا نہیں۔" اسے وہاں کھڑے ان ناچتی ہوئے عورتوں اور مردوں کے جھوم کو دیکھتے ہوئے بے اختیار ڈاکٹر سہیل علی کی باتیں یاد آنے لگیں۔

"مومن عیاش نہیں ہوتا نہ تب جب وہ رعایا ہوتا ہے نہ تب جب وہ بھگوان ہوتا ہے۔ اس کی

زندگی کسی جانور یا کیڑے کی زندگی جیسی نہیں ہوتی۔ کھانا پینا، اپنی نسل کو آگے بڑھانا اور فکا ہونا۔ یہ کسی جانور کی زندگی کا اندازہ تو ہو سکتا ہے مگر کسی مسلمان کی نہیں۔" سالار بے اختیار مسکرایا۔ وہ آج پھر "جانوروں" اور "حشرات الارض" کا ایک گروہ دیکھ رہا تھا۔ اسے خوشی ہوئی وہ بہت عرصہ پہلے ان میں سے کھنچکا تھا۔ وہاں ہر ایک خوش باش، پرسکون اور مطمئن نظر آ رہا تھا۔ بلند قبضے اور چمکدار چہرے اور آنکھیں۔ اس کے سامنے طیبہ غار کے سر کے ساتھ رقص کر رہی تھیں۔ اچھا اپنے سب سے بڑے بھائی کامران کے ساتھ۔

سالار نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں سے دائیں کینٹی کو مسلا۔ شاید یہ میز میز رک تھا یا پھر اس وقت اس کا ذہنی اضطراب اسے اپنی کینٹی میں ہلکی سی درد کی لہر گزرتی محسوس ہوئی۔ اپنے گھاسنا اتار کر اس نے ہائیں ہاتھ سے اپنی دونوں آنکھیں مسلیں۔ دوبارہ گھاسنا آنکھوں پر لگاتے ہوئے اس نے مڑ کر راست تلاش کرنے کی کوشش کی، کچھ جدوجہد کے بعد وہ اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے اس دائرے سے لٹکے میں کامیاب ہو گیا۔ اسے خوشی راست دے دیا گیا۔

"کدھر جا رہے ہو؟" بے تلام شور میں طیبہ نے بلند آواز میں جانے سے پہلے اس کا بازو پکڑ کر پوچھا تھا۔ وہ ابھی رقص کرتے کرتے کچھ تھک کر اس کے پاس کھڑی ہوئی تھیں ان کا سانس پھوڑا ہوا تھا۔
"مئی! میں ابھی آتا ہوں۔ نماز پڑھ کر۔"

"آج رہنے دو۔۔۔"

سالار مسکرایا مگر اس نے جواب میں کچھ کہا نہیں بلکہ لٹی میں اپنا سر ہلاتے ہوئے ٹری سے ان کا ہاتھ اپنے بازو سے ہٹا دیا۔

وہ اب باہر نکلنے کی جگہ دو کر رہا تھا۔

"یہ کبھی نارمل نہیں ہو سکتا۔ زندگی کو انجوائے کرنا بھی ایک آرٹ ہے اور یہ آرٹ اس بے وقوف کو کبھی نہیں آئے گا۔" انہوں نے اپنے تیسرے بیٹے کی پشت کو دیکھتے ہوئے قدرے انسو سے سوچا۔
سالار نے اس جھوم سے غلٹ کر بے اختیار سکون کی سانس لی تھی۔

وہ جس وقت نماز پڑھنے کے لئے اپنے گھر کے گیٹ سے باہر نکل رہا تھا۔ پچھرا اس وقت بھی گانے میں مصروف تھا۔ اس وقت مسجد کی طرف جانے والا دو اکیلا تھا۔ شاید گاڑیوں کی کمی غظاروں کے درمیان سے سڑک پر چلے ہوئے وہ مسلسل ڈاکٹر سہیل علی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ "سینکڑوں" کے اس مجمع کے بارے میں بھی سوچ رہا تھا جو اس کے گھر پر طاق گانے میں مصروف تھے۔ مسجد میں کل "چودہ" لوگوں نے باجماعت نماز ادا کی تھی۔

ستان آنے کے بعد اسلام آباد اپنی پوشاک کے دوران وہ سکندر عثمان کے گھر پر ہی رہتا رہا۔ لاہور آنے کے بعد بھی کسی پوش خانے میں کوئی پوشاکرہاگل کے لئے منتخب کرنے کے بجائے اس نے فرقان کی بلڈنگ میں ایک غلیٹ کرائے پر لینے کو ترجیح دی۔

فرقان کے پاس غلیٹ لینے کی ایک وجہ اگر یہ تھی کہ وہ لاہور میں اپنی عدم موجودگی کے دوران غلیٹ کے بارے میں کسی عدم تحفظ کا خیال نہیں ہوتا تھا تو دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ غلیٹ کے بجائے کوئی گھر لینے پر اسے دو چار ملازم مستقل رکھنے پڑتے جب کہ اس کا بہت کم وقت غلیٹ پر گزارنا تھا۔ فرقان کے ساتھ آہستہ آہستہ لاہور میں اس کا سوشل سرکل بہت وسیع ہونے لگا تھا۔ فرقان بہت سوشل آدمی تھا اور اس کا حلقہ احباب بھی خاصا لمبا پڑا تھا۔ وہ سالار کے دو ڈاؤر ٹیپرائٹ کو بھرتے کے باوجود اسے وٹا فونکے ساتھ مختلف جگہوں پر کھینچتا رہتا۔

وہ اس رات فرقان کے ساتھ اس کے کسی ڈاکٹر دوست کی ایک پارٹی اور محفل غزل میں شرکت کے لئے گیا تھا۔ وہ ایک فارم پر ہونے والی پارٹی تھی۔ اس نے سالار کو مدعو کر لیا اور محفل غزل کا سن کر وہ انکار نہیں کر سکا۔

فارم پر شہر کی ایلیٹ کلاس کا اجتماع تھا۔ وہ ان میں سے اکثریت کو جانتا تھا۔ وہ اپنے شناسا کچھ لوگوں کے ساتھ باتیں کرنے لگا۔ انرجیل رہا تھا اور ان ہی باتوں کے دوران اس نے فرقان کی تلاش میں نظر دوڑائی تھی وہ کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ سالار ایک بار پھر کھانے میں مصروف ہو گیا۔ کھانے کے بعد اسے چند لوگوں کے ساتھ فرقان کھڑا نظر آ گیا۔ وہ بھی اس طرف بڑھ آیا۔

"آؤ سالار! میں تجھ کو تعارف کروا دوں۔" فرقان نے اس کے قریب آنے پر چند جملوں کے تبادلے کے بعد کہا۔ "یہ ڈاکٹر صاحب ہیں۔ گنکارام ہاسٹل میں کام کرتے ہیں۔ چائے گھر اسٹیلٹ ہیں۔"

سالار نے ہاتھ ملایا۔ "یہ ڈاکٹر جلال انصاری ہیں۔" سالار کو اس شخص سے تعارف کی ضرورت نہیں تھی۔ فرقان اب کیا کہہ رہا تھا وہ سن نہیں پایا۔ اس نے جلال انصاری کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ دونوں کے درمیان بہت دیر سی مصافحہ ہوا۔ جلال انصاری نے بھی یقیناً اسے پہچان لیا تھا۔

سالار وہاں ایک اچھی شام گزارنے آیا تھا مگر اس وقت ابھی محسوس ہوا کہ وہ ایک اور بری رات گزارنے آیا تھا۔ یادوں کا ایک سیلاب تھا جو ایک بار پھر ہر بند توڑ گراں پر چڑھائی کر رہا تھا۔ وہ سب اب اس طرف جا رہے تھے جہاں بیٹھے کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک فرقان تھا۔ جلال انصاری اب اس سے کچھ آگے دوسرے ڈاکٹر کے ساتھ تھا۔ سالار نے اسے ہونے چہرے کے ساتھ اس کی پشت کو دیکھا۔

دشٹ خجائی میں اسے جان جانا

لہذاں ہیں

تیری آواز کے سامنے

تیرے ہاتھوں کے سراپ

اقبال بانو کا شروع کر چکی تھیں۔

دشٹ خجائی میں

دوری کے

خس و خاشاک سے

کھل رہے ہیں

تیرے پیلوں کے سن اور گلاب

اس کے ارد گرد بیٹھے لوگ اپنا سر دھن رہے تھے۔ سالار چند لمحوں کے فاصلے پر بیٹھے ہوئے اس

عقل کو دیکھ رہا تھا جو اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے لوگوں کے ساتھ خوش گیموں میں مصروف تھا۔ اسے زندگی

میں کبھی کسی شخص کو دیکھ کر رقت نہیں آیا تھا۔ اس دن پہلی بار آرام تھا۔

آؤ حاکمہ گزر جانے کے بعد اس نے فرقان سے کہا۔

"میں چلیں؟" فرقان نے پوچھ کر اسے دیکھا۔

"ہاں؟"

"گھر؟"

"ابھی تو پروگرام شروع ہوا ہے۔ تمہیں بتایا تو تھا رات ورتک یہ محفل چلے گی۔"

"ہاں، مگر میں جانا چاہتا ہوں۔ کسی کے ساتھ بیجو اور۔ تم بعد میں آ جاؤ۔"

فرقان نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔

"تم کیوں جانا چاہتے ہو؟"

"مجھے ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے۔" اس نے مسکراتے ہی کو پیش کی۔

"اقبال باجو کو سنتے ہوئے بھی کوئی دوسرا کام یاد آ گیا ہے؟" فرقان نے قدرے ملے جی ادھر

میں کہا۔

"تم بیٹھو میں چلا جاؤں۔" سالار نے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے کھڑے ہونے سے کہا۔

"میں باتیں کرتے ہو۔ یہاں سے کیسے جاؤ گے۔ فارم اتنا دور ہے۔ چلو اگر اتنی ہی جلدی ہے تو

چلتے ہیں۔" فرقان بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

میزبان سے اجازت لیتے ہوئے وہ دونوں فرقان کی گاڑی میں آ بیٹھے۔
 ”اب ہٹاؤ۔ بول اچانک کیا ہوا ہے؟“ گاڑی کو فارم سے باہر لاتے ہوئے فرقان نے کہا۔

”میرا وہاں ٹھہرنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔“

”کیوں؟“ سالار نے جواب نہیں دیا۔ وہ باہر بڑک کود نکلتا رہا۔

”وہاں سے اٹھ آئے کی وجہ جلال ہے؟“

سالار نے بے اختیار گردن موڑ کر فرقان کو دیکھا۔ فرقان نے ایک گہرا سانس لیا۔

”یعنی میرا اندازہ ٹھیک ہے۔ تم جلال انصر کی وجہ سے ہی ٹکشن سے بھاگ آئے ہو۔“

”تمہیں کیسے پتا چلا؟“ سالار نے ہتھیار اڑانے والے انداز میں کہا۔

”تم دونوں بڑے خوب انداز میں آپس میں ملے تھے۔ جلال انصر نے غارت معمول تمہیں کوئی

اہمیت نہیں دی جب کہ تمہارے جیسی شہرت والے بینکر کے سامنے تو اس جیسے آدمی کو مکمل اٹھنا چاہیے

تھا۔ وہ تعلقات چلانے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا، خود تم بھی مسلسل اسے دیکھ رہے تھے۔“ فرقان بہت

آرام سے کہہ رہا تھا۔

”تم جلال انصر کو جانتے ہو؟“

سالار نے گردن سیدھی کر لی۔ وہ ایک بار پھر سڑک کو دیکھ رہا تھا۔

”ابا۔ اسی شخص سے شادی کرنا چاہتی تھی۔“ بہت دیر بعد اس نے مدھم آواز میں کہا۔ فرقان کچھ

بول نہیں۔ بلکہ اسے توقع نہیں تھی جلال اور سالار کے درمیان اس طرح کی شناسائی ہو گی ورنہ وہ شاید یہ

سوال بھی نہ کرتا۔

گاڑی میں بہت دیر خاموشی رہی پھر فرقان نے ہی اس خاموشی کو توڑا۔

”مجھے یہ جان کر ناپس ہوئی ہے کہ وہ جلال جیسے آدمی کے ساتھ شادی کرنا چاہتی تھی۔ یہ تو بڑا

غارت آدمی ہے۔ ہم لوگ اس کو ”قصائی“ کہتے ہیں۔ اس کی واحد دلچسپی پیسہ ہے۔ مریض کیسے لاکر

دے گا، کہاں سے لاکر دے گا، اسے دلچسپی نہیں ہوتی۔ تم دیکھنا آٹھ دس سال میں یہ اسی رفتار کے ساتھ

پیسہ کماتے ہوئے ابور کا سب سے امیر لاکر ہو گا۔“

فرقان اب جلال انصر کے بارے میں شجرہ کر رہا تھا۔ سالار خاموشی سے سن رہا تھا۔ جب فرقان

نے اپنی بات ختم کر لی تو اس نے کہا۔

”اس کو قسمت کبھی نہیں۔“

”تمہیں اس پر رعب آ رہا ہے؟“ فرقان نے قدرے جرات سے کہا۔

”مسد تو میں کر نہیں سکتا۔“ سالار عجیب سے انداز میں مسکرایا۔ ”یہ جو کچھ تم مجھے اس کے بارے

میں بتا رہے ہو۔ یہ سب کچھ مجھے بہت سال پہلے پتا تھا۔ تب تو جب میں امام کے حلیے میں اس سے مل

تھا۔ یہ کیسا ڈاکٹر بننے والا تھا، مجھے اندازہ تھا مگر آج اس ٹکشن میں اسے دیکھ کر مجھے اس پر بے حاشا شک

آیا۔ کچھ بھی نہیں ہے اس کے پاس۔ معمولی شکل و صورت ہے۔ خاندان بھی خاص نہیں ہے۔ اس جیسے

چراغوں لاکر نہ ہوتے ہیں۔ لاپٹی مادہ پرست بھی ہے مگر قسمت دیکھو کہ امام ہاشم بھی لڑکی اس کے

عشق میں جٹا ہوئی۔ اس کے پیچھے خواہ ہو تو بھری۔ میں اور تم اسے قصائی کہہ لیں۔ کچھ بھی کہہ لیں،

صرف ہماری باتوں سے اس کی قسمت تو نہیں بدل جائے گی نہ اس کی نہ میری۔“

اس نے بات اور مددنی چھوڑ دی۔ فرقان نے اس کے چہرے کو دھواں دھواں ہوتے دیکھا۔

”کوئی نہ کوئی خولی تو ہو گی اس میں کہ..... کہ امام ہاشم کو اور کسی سے نہیں صرف اسی سے محبت

ہوتی۔“ وہ اب اپنا وہ نون آنکھوں کو مسلسل رہا تھا۔

”مجھے اگر پتا ہو تاکہ یہاں تم جلال انصر سے ملو گے تو میں تمہیں بھی اپنے ساتھ یہاں نہ لا جا۔“

فرقان نے گاڑی بڑا دیر کر کے ہٹے ہوئے کہا۔

”مجھے بھی اگر یہ پتا ہو تاکہ میں یہاں اس کا سامنا کروں گا تو میں بھی کسی قیمت پر یہاں نہ آتا۔“

سالار نے دغا سکرین سے نظر آنے والی تاریک سڑک کو دیکھتے ہوئے انصر کی سے سوچا۔

کچھ اور سڑے حد خاموشی سے ملے ہوا پھر فرقان نے ایک بار بگڑاتے خطاب کیا۔

”تم نے اسے بھی اصرار کرنے کی کوشش نہیں کی؟“

”امام کو.....؟ یہ ممکن نہیں ہے۔“

”کیوں؟“

”میں اسے کیسے اصرار نہ کر سکتا ہوں۔ کئی سال پہلے ایک بار میں نے کوشش کی تھی کوئی ناکہ نہ کھینچا ہوا

اور اب..... اب تو یہ اور بھی مشکل ہے۔“

”تم یوں بھیڑی نہ دسلے سکتے ہو۔“

”اشیاد دوں اس کے بارے میں؟“ سالار نے قدرے ٹھنک سے کہا۔ ”وہ تو پتا نہیں ملے پاتے ملے

تھیں اس کے گھر والے مجھ تک خبردار بھیج جائیں گے۔ شک تو ان کو مجھ پر پہلے بھی خفاور فرض کرو میں

ایسا کچھ کر بھی لوں تو نہ زچہ میں کیا شہزادوں۔ کیا کوس؟“ اس نے سر ہٹکتے ہوئے کہا۔

”پھر اسے بھول جاؤ۔“ فرقان نے بڑی سہولت سے کہا۔

”کوئی سائنس لینا بھول سکتا ہے؟“ سالار نے حری یہ ترکی کہا۔

”سالار اب بہت سال گزر گئے ہیں۔ تم آخر کتنی دیر اپنی طرح اس لامعاصل عشق میں جتا رہے

ہے۔ تمہیں اپنی زندگی کو دوبارہ دیکھنا کرنا چاہیے۔ تم اپنی ساری زندگی امام ہاشم کے لئے فضا نہیں

کر سکتے۔"

"میں کچھ بھی ضائع نہیں کر رہا ہوں۔ نہ زندگی کو نہ وقت کو نہ اپنے آپ کو۔ میں اگر اہم ہاشم کو یاد رکھے ہوئے ہوں تو صرف اس لئے کیونکہ میں اسے بھلا نہیں سکتا۔ یہ میرے دماغ میں نہیں ہے۔ مجھے اس کے بارے میں سوچنے سے بہت تکلیف ہوتی ہے لیکن میں اس تکلیف کا عادی ہو چکا ہوں۔ ہوں۔ وہ میری پوری زندگی کو dominate کرتی ہے۔ وہ میری زندگی میں نہ آتی تو میں آج یہاں پاکستان میں تمہارے ساتھ نہ بیٹھا ہوتا۔ سالار سکندر کہیں اور ہوتا یا شاید جھوٹا ہی نہ۔ مجھ پر اس کا قرض بہت ہے۔ جس آدمی کے مقروض ہوں اس کو جنگی سے بچ کر اپنی زندگی سے کوئی باہر نہیں کر سکتا۔ میں بھی نہیں کر سکتا۔"

سالار نے وہ لوگ انداز میں کہا۔

"فرض کرو دو پارہ ملے پھر.....؟" فرقان نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔ "یگھت گاڑی میں خاموشی بھاگتی۔ بہت دیر بعد سالار نے کہا۔

"میرے پاس اسی سوال کا کوئی جواب نہیں ہے۔ کسی اور موضوع پر بات کرتے ہیں۔" اس نے بڑی سہولت سے بات بدل دی۔

☆.....☆.....☆

چند سالوں میں فرقان کی طرح میں نے بھی گاؤں میں بہت کام کیا تھا اور فرقان کی نسبت زیادہ حیرت فزائی سے کیونکہ فرقان کے برعکس وہ بہت زیادہ اثر و سوجھ بھٹکا تھا۔ اس نے چند سالوں میں اس گاؤں کی حالت بدل کر رکھی تھی۔ صاف پانی، بجلی اور بڑی سڑک تک جاتی ایک پختہ سڑک اس کے پہلے دو سالوں کی کارکردگی تھی۔ تیسرے سال وہاں ڈاک خانہ، محکمہ ذراعت کا دفتر اور فون کی سہولت آئی تھی اور چوتھے سال میں اسے اپنے بانی اسکول میں سہ ہجرت میں ایک این جی او کی مدد سے لڑکوں کے لئے دستکاری سکھانے کا آغاز کیا گیا۔ گاؤں کی ڈپنٹری میں ایس بی ایس آگئی۔ وہاں کچھ اور مشینری نصب کی گئی۔ فرقان کی طرح یہ ڈپنٹری بھی اس نے اپنے وسائل کے اسکول کے ساتھ ہی شروع کی تھی اور اسے مزید بہتر بنانے میں فرقان نے اس کی مدد کی تھی۔

فرقان کے برعکس اس کی ڈپنٹری میں ڈاکٹری عدم دستیابی کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اس کی ڈپنٹری کا باقاعدہ آغاز ہونے سے بھی پہلے ایک ڈاکٹر اس کی کوششوں کی وجہ سے وہاں موجود تھا۔

اسکول پر ہونے والے تمام اخراجات تقریباً ہی اسی تھے لیکن ڈپنٹری کو قائم کرنے اور اسے چلانے کے لئے ہونے والے اخراجات اس کے کچھ دوست برداشت کر رہے تھے۔ یو سیف میں کام کے دوران ہانے سونے کا ٹیکہ اور دوستیاں اب اس کے کام آ رہی تھیں اور وہ انہیں استعمال کر رہا

تھا۔ وہ یو سیف اور یو نیسکو میں اپنے بہت سے دوستوں کو پاکستان آنے پر وہاں لایا تھا۔ وہ اب وہاں یو نیسکو ٹریننگ کی پلاننگ کرنے میں مصروف تھا۔ مگر چوتھے سال میں صرف کئی کچھ نہیں ہوا تھا کچھ اور بھی ہوا تھا۔

☆.....☆.....☆

سکندر حنی اس دن سہ پہر کے قریب اسلام آباد آئے ہوئے گاڑی کا ٹائر پچھڑ ہونے پر سڑک پر ٹوک گئے۔ ڈرائیور کا ٹائر بدلنے لگا اور وہ سڑک کے اطراف نظر میں دوڑانے لگے۔ تب ان کی نظر ایک سائین بورڈ پر پڑی۔ وہاں لکھے ہوئے گاؤں کے نام نے ان کی توجہ اپنی جانب مبذول کر لی۔ سالار سکندر کے حوالے سے وہ نام ان کے لئے نا آشنا نہیں تھا۔

ڈرائیور جب ہارڈ بدل کر وہاں ڈرائیو تک سیٹ پر آکر بیٹھا تو سکندر حنی نے اس سے کہا۔

"اس گاؤں میں چلو۔" انہیں اچانک ہی تجسس پیدا ہوا تھا۔ اس اسکول کے بارے میں جو سالار سکندر دیکھنے لگی باتوں سے وہاں چلا رہا تھا۔

کئی سڑک پر حیرت فزائی سے گاڑی چلاتے ہوئے دس منٹ میں وہ گاؤں کے اندر موجود تھے۔ آبادی شروع ہو چکی تھی۔ کچھ کچی کچاں کی دکانیں نظر آنے لگی تھیں۔ شاید یہ گاؤں کا "مرشل ایریا" تھا۔

"یہاں نیچے اتر کر کسی سے پوچھو کہ سالار سکندر کا اسکول کہاں ہے۔" سکندر حنی نے ڈرائیور کو ہدایت دی۔ اس وقت انہیں یاد آیا تھا کہ اس نے کبھی ان کے سامنے اسکول کا نام نہیں لیا تھا اور جہاں ان کی چھڑی موجود تھی وہاں اس پاس کسی اسکول کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ گاؤں کے لوگوں کے لئے چند سال پہلے سکندر حنی کی گاڑی بے حد اشتیاق یا تجسس کا باعث بنی مگر دیکھنے کچھ سالوں میں سالار اور فرقان کی وجہ سے وہیں دھما دھما گاڑیوں کی آمد ہوئی رہتی تھی۔ یہ پہلے کی طرح ان کے لئے تعجب انگیز نہیں رہی تھی مگر وہ گاڑی وہاں سے ہمیشہ کی طرح گزر جانے کے بجائے جب وہیں ٹھہری ہو گئی تو کچھ دم لوگوں میں تجسس پیدا ہوا۔

سکندر حنی کی ہدایت پر ڈرائیور نیچے اتر کر پاس کی ایک دکان کی طرف گیا اور وہاں بیٹھے چند لوگوں سے اسکول کے بارے میں پوچھنے لگے۔

"یہاں سالار سکندر صاحب کا کوئی اسکول ہے؟" علیک سلیک کے بعد اس نے پوچھا۔

"ہاں جی ہے۔ یہ اسی سڑک پر آگے دائیں طرف موڑنے پر چوتھی عمارت ہے۔" ایک آدمی نے بتایا۔

"آپ ان کے کوئی دوست ہیں؟" اس آدمی نے جواب کے ساتھ ساتھ سوال بھی کیا۔

"نہیں میں ان کے والد کے ساتھ آیا ہوں۔"

"والد؟" اس آدمی کے قدم سے بے ساختہ نکلا اور وہاں بیٹھے ہوئے قلام لوگ ایک دم سکندر جہان کی گاڑی کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر اس آدمی نے اُٹھ کر ڈرائیور سے ہاتھ ملایا۔

"سالار صاحب کے والد آئے ہیں بڑی خوش قسمتی ہے۔" اس آدمی نے کہا اور پھر ڈرائیور کے ساتھ گاڑی کی طرف آئے نکلا۔ وہاں بیٹھے ہوئے باقی لوگ بھی کسی معمول کی طرح اس کے پیچھے آئے۔ سکندر جہان نے دور سے انہیں ایک گروپ کی شکل میں اپنی طرف آتے دیکھا تو دیکھ کر انہیں کچھ اطمینان کا دکھار ہو گئے۔ ڈرائیور کے پیچھے آنے والے آدمی نے بڑی عقیدت کے ساتھ کھڑکی سے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ سکندر جہان نے کچھ تذبذب کے عالم میں اس سے ہاتھ ملایا جب کہ اس آدمی نے بڑے جوش و خروش سے دونوں ہاتھوں کے ساتھ ان سے مصافحہ کیا۔ اس کے ساتھ آنے والے دوسرے آدمی بھی اب بکلی کر رہے تھے۔ سکندر کچھ اطمینان کے انداز میں ان سے ہاتھ مل رہے تھے۔

"آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ہے۔ صاحب۔"

پہلے اور پھر اس آدمی نے عقیدت بھرے انداز میں کہا۔

"آپ کے لئے جانے لائیں یا پھر یوں۔۔۔" وہ آدمی اسی جوش و خروش سے پوچھ رہا تھا۔

ڈرائیور اب گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا۔

"نہیں۔۔۔ کوئی ضرورت نہیں۔ بس راستہ ہی پوچھنا تھا۔" انہوں نے جلدی سے کہا۔

ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ وہ آدمی اور اس کے ساتھ کھڑے دوسرے لوگ وہیں کھڑے گاڑی کو آگے جاتے دیکھتے رہے پھر اس آدمی نے قدم سے پیچھے ہٹ کر سر ہٹا لیا۔

"سالار صاحب کی اور بات ہے۔"

"ہاں سالار صاحب کی اور بات ہے، وہ کبھی کبھار اچھے بھیرے یہاں سے اس طرح جاتے تھے۔" ایک دوسرے آدمی نے تاکید کی۔ دو لوگ اب وہاں قدم بڑھانے لگے۔

سالار گاؤں میں موجود ان چند کانٹوں کے پاس ہی اپنی گاڑی کھڑی کر دیا کرتا تھا اور پھر وہاں موجود لوگوں سے ملنے ان کی خوش کردہ چھوٹی موٹی چیزیں کھاتا تھا وہاں سے پیدل دس منٹ میں اپنے

اسکول چلا جاتا تھا۔ وہ لوگ مایوس ہوئے تھے۔ سکندر جہان نے تو گاڑی سے اُترنے تک کا تکلف نہیں کیا تھا، کھانا پینا تو وہاں کی بات تھی۔

گاڑی اب موڑ بڑی تھی اور موڑ مزے سی ڈرائیو سے مزید کچھ کہتے کہتے سکندر جہان خاموش

ہو گئے۔ ٹیبلٹ میٹ پر بیٹھے دیکھ سکرین کے پار نظر آنے والی وسیع و عریض عمارت ان جھوٹے چھوٹے

کچے کچے مکانوں اور کھلے کھیتوں کے درمیان دور سے بھی حیرت میں ڈالنے کے لئے کافی تھی۔ سکندر کو

الغداد نہیں تھا کہ وہ وہاں اتنا بڑا اسکول چلا رہا تھا مگر ان کو دم بخود اس اسکول کی دور تک پہنچی ہوئی عمارت

نے نہیں کیا تھا بلکہ اسکول کی طرف جاتی ہوئی سڑک پر گئے اسی سائیں بورڈ نے کیا جس پر تیر کے ایک نشان کے اوپر چلی حروف ہیں اردو میں تحریر تھا۔ سکندر جہان ہائی اسکول، ڈرائیور گاڑی اسکول کے سامنے روک چکا تھا۔

سکندر جہان نے گاڑی سے اُتر کر اس عمارت کے گیٹ کے پار عمارت کے ماتھے پر چپکے ہوئے اپنے نام کو دیکھا، ان کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تیر گئی۔ سالار سکندر نے ایک بار پھر انہیں کچھ بولنے کے قائل نہیں رکھا تھا۔ گیٹ بند تھا مگر اس کے دوسری طرف چوکیدار موجود تھا جو گاڑی کو وہاں رکنے دیکھ کر گیٹ کھول رہا تھا۔ ڈرائیور صاحب تک گاڑی سے اُتر چوکیدار باہر آ گیا۔

"صاحب شہر سے آئے ہیں ڈرائیور اسکول دیکھنا چاہتے ہیں۔" ڈرائیور نے چوکیدار سے کہا۔ سکندر جہان ہنوز اس اسکول پر لگے اپنے نام کو دیکھ رہے تھے۔

"سالار صاحب کے حوالے سے آئے ہیں؟" چوکیدار نے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔۔۔" ڈرائیور نے بلا توقف کہا۔ "ویسے ہی آئے ہیں۔" سکندر جہان نے پہلی بار اپنی

نظریں ہٹا کر ڈرائیور اور پھر چوکیدار کو دیکھا۔

"میں سالار سکندر کا باپ ہوں۔" سکندر جہان نے مستحکم عکس بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ڈرائیور

نے حیرانی سے ان کو دیکھا۔ چوکیدار ایک دم ہلکا گیا۔

"آپ۔۔۔ آپ سکندر جہان صاحب ہیں؟" سکندر کچھ کچے بغیر میکا کی انداز میں گیٹ کی طرف

بڑھ گئے۔

☆ ☆ ☆

وہ تمام گرجا ٹریک پر عذاب موہا میں پر سکندر جہان کی کال آئی۔ اپنی بے تحیش سانس پر

قابو پاتے ہوئے وہ جالنگ کرتے کرتے رُک گیا اور ٹریک کے پاس ایک تھپا پر بیٹھ گیا۔

"یہو یایا! السلام علیکم"

"وعلیہم السلام۔۔۔۔۔ ٹریک پر ہو؟" انہوں نے اس کے پھولے ہوئے سانس سے اندازہ لگایا۔

"جی۔۔۔۔۔ آپ کیسے ہیں؟"

"میں ٹھیک ہوں۔۔۔۔۔"

"محمی کیسی ہیں؟"

"وہ بھی ٹھیک ہیں۔" سالار ان کی طرف سے کچھ مزید کہنے یا پوچھنے کا انتظار کرتا رہا۔ دوسری طرف

اب خاموشی تھی پھر چند لمحوں کے بعد وہ بولے۔

"میں آج تمہارا اسکول دیکھ کر آیا ہوں۔"

"رہی۔۔۔ سالار نے بے ساختہ کہا۔

"کیسا کہ آپ کو؟"

"تم نے سب کیسے کیا ہے سالار؟"

"کیا۔۔۔"

"وہ سب کچھ جو وہاں پر ہے۔"

"جانتا نہیں۔۔۔" جیسے بنا ہوتا تو میں آپ کو خود ساتھ لے جاتا۔ کوئی پر اہم تو نہیں ہوئی؟ سالار کو تشویش ہوئی۔

"وہاں سالار سکندر کے باپ کو کوئی پر اہم ہو سکتی ہے؟" انہوں نے جواب کہا۔ سالار جانتا تھا وہ اس کی نہیں تھا۔

"تم کس طرح کے آدمی ہو سالار؟"

"جانتا نہیں۔۔۔ آپ کو بتانا چاہئے۔ میں آپ کا بھائی ہوں۔"

"نہیں مجھے۔۔۔ مجھے تو کبھی بھی پتا نہیں چل سکا۔" سکندر کا لہجہ عجیب تھا۔ سالار نے ایک گھبرا

سنا سن لیا۔

"مجھے بھی کبھی پتا نہیں چل سکا۔ میں تو اب بھی اپنے آپ کو بانی کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"تم۔۔۔ تم سالار ایک انتہائی احمق۔ کہتے اور ٹھیکے انسان ہو۔"

سالار ہنسا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں، میں واقعی ایسا ہوں۔ اور کچھ۔۔۔"

"اور۔۔۔ یہ کہ میں بڑا خوش قسمت ہوں کہ تم میری ادا ہو۔" سکندر مٹھن کی آواز لڑ رہی

تھی۔ اس بار چپ رہنے کی جادوئی سالار کی تھی۔

"مجھے اس اسکول کے ہر ماہ کے اخراجات کے بارے میں بتاؤ۔ میری فرم ہر ماہ اس رقم کا چیک تمہیں بھجوا کر دے گی۔"

اس سے پہلے کہ سالار کچھ کہتا تو بند ہو چکا تھا۔ سالار نے پارک میں جھکی تاریکی میں ہاتھ میں ٹکڑے موبائلی کی روشنی اسکرین کو دیکھا۔ پھر جاگنگ ٹریک پر گئی وہ شبنوں میں دھاندا دوڑتے لوگوں کو کچھ دور دھوڑیں، پھر خالی لذت کے عالم میں ان لوگوں کو دیکھا، پھر اٹھ کر لمبے لمبے ڈگ پھرتے ہوئے ٹریک پر آگیا۔

☆۔۔۔☆۔۔۔☆

رمو سے سالار کی پہلی ملاقات لاہور آنے کے ایک سال بعد ہوئی تھی۔ وہ لندن اسکول آف

اکنامکس کی گرجویٹ تھی اور سالار کے بینک میں اس کی تعیناتی ہوئی تھی۔ اس کے والد بہت عرصے سے

اس بینک کے سٹورڈین سے تھے اور سالار انہیں ذاتی طور پر جانتا تھا۔

رمو بہت خوب صورت، ڈچن اور خوش مزاج لڑکی تھی اور اس نے وہاں آنے کے کچھ عرصے کے بعد ہی ہر ایک سے خاصا بے تکلفی پیدا کر لی تھی۔ ایک کو ایک کے طور پر سالار کے ساتھ بھی اس کی اچھی سیام دیا تھی اور کچھ اس کے والد سے حوالے سے بھی وہ اس کی خاصی عزت کرتا تھا۔ بینک میں کام کرنے والی چند دوسری لڑکیوں کی نسبت رمو سے اس کی کچھ زیادہ بے تکلفی تھی۔

لیکن سالار کو قطعاً اندازہ نہیں ہوا کہ کس وقت رمو نے اسے کچھ زیادہ پیچیدگی سے لینا شروع کر دیا۔ وہ سالار کا ضرورت سے زیادہ خیال رکھنے لگی تھی۔ وہ اس کے آفس میں بھی زیادہ آنے جانے لگی تھی اور آفس کے بعد بھی اکثر اوقات اسے کال کرتی رہتی۔ سالار کو چند بار اس کا رویہ کچھ خلاف معمول لگا لیکن اس نے اپنے ذہن میں الجھنے والے شبہات کو جھٹک دیا مگر اس کا یہ اطمینان پر رے ایک سوال کے بعد ایک واقعے کے ساتھ رخصت ہو گیا۔

☆۔۔۔☆۔۔۔☆

سالار صبح آفس میں داخل ہوا اور داخل ہوتے ہی پوچھنے لگا۔ اس کی ٹھیل پر ایک بہت بڑا اور خوب صورت کیے پڑا ہوا تھا۔ لہنا پریٹ کیس ٹھیل پر رکھتے ہوئے اس نے وہ کیے اٹھا کر اس پر موجود کارڈ کھولا۔

"پتی برتھ ڈے نو سالار سکندر"

رمو بدلتی

سالار نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ آج اس کی سالگرہ تھی مگر رمو یہ کیسے جانتی تھی وہ کچھ دیر کسی سوچ میں گم ٹھیل کے پاس کھڑا رہا پھر اس نے کیے ٹھیل پر ایک طرف رکھ دیا۔ اپنا کوٹ اُتار کر اس نے ریلوے ٹھیک چھتری پر پست چڑھایا اور چھتری پر بیٹھ گیا۔ کیے کے نیچے ٹھیل پر بھی ایک کارڈ پڑا ہوا تھا۔ اس نے بیٹھنے کے بعد اس کارڈ کو کھولا۔ چند لمبے ٹیک وہ اس میں ابھی ہوئی تحریر دیکھتا رہا پھر کارڈ بند کر کے اس نے اپنی درواز میں رکھ دیا۔ وہ نہیں جانتا تھا اس کارڈ اس کے پر کس درجہ کا اعتبار کرے۔ چند لمبے وہ کچھ سوچتا رہا پھر اس نے کندھے سے جھٹک کر اپنا بریف کیس کھولا شروع کر دیا۔ وہ اس میں سے اپنا لپ ٹاپ نکال کر بریف کیس کو نیچے کارپٹ پر اپنی ٹھیل کے ساتھ رکھ رہا تھا جب رمو اندر داخل ہوئی۔

"پتی برتھ ڈے سالار۔" اس نے اندر داخل ہوتے ہی کہا۔

سالار مسکرایا۔

”تھینکس۔۔۔۔۔“ رومہ اب بچل کے سامنے پڑی کر سی سمجھ کر بیٹھ رہی تھی، جب کہ سالار لیپ ٹاپ کو کھولنے میں مصروف تھا۔

”بیکے اور گارڈ کے لئے بھی شکریہ۔ یہ ایک خوشگوار سربراہ تھا۔“

سالار نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا وہ اب اپنا فون لیپ ٹاپ کے ساتھ بیچ کرنے میں مصروف تھا۔

”مگر تمہیں میری برتھ ڈے کے بارے میں بتا کیسے چلا؟“ وہ پوچھنے بغیر نہیں رہ سکا۔

”جناب یہ تو میں نہیں بتاؤں گی۔ بس پتا چلانا تھا۔ چلا لیا۔“ رومہ نے غلطی سے کہا۔ ”اور ویسے بھی دوست آپس میں یہ سوال بھی نہیں کرتے۔ اگر دوستوں کو ایسی چیزوں کا بھی پتہ نہیں ہوگا تو پھر وہ دوست تو نہیں ہوئے۔“

سالار لیپ ٹاپ کی اسکرین پر نظریں جمائے مسکراتے ہوئے اس کی بات سن رہا تھا۔

”اب میں شمارے اشاف کی طرف سے پارٹی کی ڈیمانڈ کے لئے آئی ہوں۔ آج کا ذکر نہیں ارے؟“

”سالار نے لیپ ٹاپ سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف دیکھا۔

”رومہ! میں اپنی برتھ ڈے سلیمیرٹ نہیں کرتا۔“

”کیوں.....؟“

”ویسے ہی۔۔۔۔۔“

”کوئی وجہ تو ہوگی۔“

”کوئی خاص وجہ نہیں ہے۔ بس میں ویسے ہی سلیمیرٹ نہیں کرتا۔“

”پہلے نہیں کرتے ہو گے مگر اس بار تو کرنی پڑے گی۔ اس بار تو سارے اشاف کی ڈیمانڈ ہے۔“

رومہ نے بے تکلفی سے کہا۔

”میں کسی بھی دن آپ سب لوگوں کو کھانا کھلا سکتا ہوں۔ میرے گھر پر، ہوش میں، جہاں آپ چاہیں مگر میں برتھ ڈے کے سلسلے میں نہیں کھلا سکتا۔“ سالار نے صاف گوئی سے کہا۔

”یعنی تم چاہتے ہو کہ ہم تمہارے لئے پارٹی ارنج کر دیں۔“ رومہ نے کہا۔

”میں نے ایسا نہیں کہا۔“ وہ کچھ حیران ہوا۔

”اگر تم پورے اشاف کو پارٹی نہیں بھی دے سکتے تو کم از کم مجھے ذرا تر تو لے جاسکتے ہو۔“

”رومہ! میں آج رات کچھ مصروف ہوں اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ۔“ سالار نے ایک بار پھر

معذرت کی۔

”کوئی بات نہیں، میں بھی آج آؤں گی۔“ رومہ نے کہا۔

”میں یہ مناسب نہیں ہوگا۔“

”کیوں.....؟“

”وہ سب مرد ہیں اور تم ان سے واقف بھی نہیں ہو۔“ اس نے بیانا بھلا۔

”میں سمجھتی ہوں۔“ رومہ نے کہا۔

”پھر کل چلتے ہیں؟“

”کل نہیں..... پھر کبھی چلیں گے۔ میں تمہیں بتا دوں گا۔“

رومہ کچھ مایوس ہوئی مگر اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ اسے فی الحال باہر نہیں لے جائے گا اور وہ انہیں دیکھتا۔

”اوکے.....“ وہ گھبراہٹ سے ہوتے ہوئے بولی۔

”مجھے امید ہے، تم نے ہنڈ نہیں کیا ہوگا۔“ سالار نے اسے اُٹھنے کو کہہ کر کہا۔

”نہیں بالکل نہیں۔ It's alright“ وہ مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ سالار اپنے کام میں

مصروف ہو گیا۔ اس کا خیال تھا سالار کا وہ معاملہ وہیں ختم ہو گیا۔ یہ اس کی غلط فہمی تھی۔

لچ آؤر کے دوران اس کے لئے ایک سربراہ پارٹی تیار تھی۔ اس کے پاس مسٹر پال ہارنے بڑی

مکرم جوش سے سالار کو پر مبارکبادی تھی۔ وہ پارٹی رومہ کے لئے پارٹی کی تھی اور ایک اور دو سرے لوازمات

کو دیکھتے ہوئے وہ پہلی بار کچھ محسوس میں تشویش میں مبتلا ہوا تھا کہ پہلے رومہ ڈھکے چھپے الفاظ میں دینی

پسندیدگی ظاہر کر رہی تھی تو اس دن اس نے بہت واضح انداز میں یہ بات ظاہر کر دی تھی۔ وہ لچ آؤر کے

بعد تقریباً آدھ گھنٹہ اپنے آفس میں بیٹھا پہلی بار رومہ کے بارے میں سوچتا رہا۔ وہ اندازہ کرنے کی کوشش

کر رہا تھا کہ اس سے کون سی ایسی لفظی ہوئی تھی، جس سے رومہ کو اس میں دلچسپی پیدا ہوئی۔

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ بہت خوب صورت تھی۔ پچھلے کچھ عرصے میں اگلے والی چند اچھی

لڑکیوں میں سے ایک تھی مگر وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ امن میں الوداعی ہونے لگے۔ وہ پچھلے کچھ عرصے سے

رومہ کے اپنے لئے خاص رویے کو اس کی خوش اخلاقی سمجھ کر مانا رہا تھا مگر اس دن آفس سے نکلنے

ہونے اس کی طرف سے دینے جانے والے چند سیٹس کو گھر جا کر کھولنے پر اس کے چہرہ میں روشن ہو

گئے تھے۔ وہ ابھی ان تحائف کو دیکھ کر تشویش میں مبتلا ہو رہا تھا، جب فرقان آگیا۔ ڈرائنگ روم میں

پڑنے والی ٹیکس فور اس کی نظر میں آگئے۔

”واؤ! آج تو خاصے تحائف کھٹے ہو رہے ہیں۔ دیکھ لو!“ فرقان نے مسودہ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

سالار نے صرف سر ہلایا، گھڑی، پرفیومر، ہائیڈر، شیشے کے بعد دیکھے ان چیزوں کو نکال

نکال کر دیکھا۔

”یہ تمہاری بری کامیابی! انہیں نہیں ہو گیا؟“ فرقان نے مسکراتے ہوئے جبرہ کیا۔ ”خاصا دل

”تم تبھی اپنی شادی کے بارے میں سوچتے نہیں ہو؟“

”نہیں اپنی شادی کے بارے میں نہیں سوچتا؟“ سالار نے مدھم آواز میں کہا۔ ”میں بھی سوچتا ہوں مگر میں اس طرح نہیں سوچتا جس طرح تم سوچتے ہو۔ چائے پیو گے؟“

”آخری جملے کے بجائے تمہیں کہنا چاہئے تھا کہ کیو اسی بند کرو۔“

فرقانہ کے بار اٹھنے سے کہا۔ سالار نے مسکرا کر کہہ دیا اچھا ہے وہ اب چیزیں سمیٹ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

دعوت نے خیرانی کے اپنے سامنے پڑے ان پیکس کو دیکھا۔ "لیکن سالار ایو سب چیزیں تمہارا برتھ ڈے گفٹ ہیں۔"

مسئلہ اور اگلی صفحہ ایک نئی چیزیں دیکھیں اٹھایا تھا اور اب دور بڑھ گئے آفس میں تھا۔

”میں کسی سے اچھا نہیں تھا تو نہیں لیا مگر تالہ ایک ہال کی کافی ہے۔“

”سالار، میں اپنے فرزند زکواۃ سے ہی مقلدِ مخلص بنتی ہوں۔“ رومو نے وضاحت کی کوشش کی۔

”یقیناً تم باقی ہو گی مگر میں نہیں لیتا..... اگر تم نے زیادہ اصرار کیا تو میں دو ٹوٹی بھی لا کر داجوں

تمہیں دے دوں گا....." ہالار نے کہا اور اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر کمرے سے نکل آیا۔ رمدی

مجھے چہرے کے ساتھ اسے لکڑے سے لگا دیکھتی رہی۔

”سکھول کر لٹائیں، بچے ہیں تمہارے کو لیکھنے۔“

”صرف ایک کو لیک لے۔“ سارا نے دعا اٹھاتے کی۔

”یہ سب کچھ ایک نے دیا ہے؟“ فرقان کچھ تھراں ہوا۔

100

100

فرقان نے اپنے ہوش سنبھال لئے۔

”تم جانتے ہو یہ تمام مجلس ایک ڈیڑھ لاکھ کی رینج میں ہوں گے۔“ وہ اب دوبارہ ان چیزوں پر

نظروا الى ربهم

صرف یہ گھڑی ہی پچاس ہزار کا ہے۔ کوئی حرف کو ایک سمجھ کر تو اتنی منہجی چیزیں نہیں دے گا۔ تم

لوگوں کے درمیان کوئی۔۔۔ ”فرقان بات کرتے کرتے رنگ گیا۔

”ہم دونوں کے درمیان کچھ نہیں ہے۔ کم از کم میری طرف سے، اگر آج میں آپکا بار پریشان ہو گیا

ہوں۔ مجھے لگتا ہے کہ رمبو... مجھ میں کچھ ضرورت سے زیادہ دلچسپی لے رہی ہے۔" سالار نے ان

چیتروں پر ظلم و زیادتی ہوئے کہا۔

بہت اچلی بات ہے۔ چورم میں دہلی کی سڑکیں دیکھیں۔ لڑکانے ان جہتوں کو دیکھیں

یہ سب کچھ دیکھ کر وہ بے ہوش ہو گیا۔

”اب مجھے شادی نہیں کرنی تو میرا رشتہ کون سے گھرانے کا ہے؟“

"سالار دین ہے دن تم بہت impractical کیوں ہوتے جا رہے ہو؟ تمہیں

ے میں خمیدگی سے سوچنا چاہئے۔ ہر لڑکی سے کب تک اس طرح بھگتے پھرو گے۔ تمہیں اپنی

ایک فیملی شروع کر لینی چاہئے۔ رمعوں اچھی لڑکی ہے۔ میں اس کی فیملی کو جانتا ہوں۔ کچھ ماڈرن ضرور ہے

مگر اچھی لڑکی ہے اور چلو اگر دم نہ دے تو پھر تم کسی اور کے ساتھ شادی نہ کرو۔ میں اس سلسلے میں

تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔ تم اپنے چہرے کی مدد کے بجائے ہو مگر اب تمہیں اس معاملے کے بارے میں

شعبہ کی سے سوچنا چاہئے۔ ہمیں ان تمام باتوں کے بارے میں غور کرنا چاہئے اور کم از کم دوسرے کیا

بات کے جواب میں چمکہ کہ ضرور دینا چاہئے۔

فرقانے آخر کی جگہ پر زور دیتے ہوئے کہ

ان سے دوسرے کو یہ پتہ چلا کہ وہ ان کے ساتھ کس طرح رہا۔

باب ۷

سالہاں اس دن ہمیشہ کی طرح ڈاکٹر صاحب کے پاس آیا ہوا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے ابھی اپنا بیکچر شروع نہیں کیا تھا جب ان کے پاس بیٹھے ایک ادبیز عمر آدمی نے کہا۔
 ”ڈاکٹر صاحب! آدمی کو حیر کا بل مل جائے تو اس کی تقدیر بدلی جاتی ہے۔“
 سالار نے گردن موڑ کر اس شخص کو دیکھا، وہ وہاں پہلے چند دن سے آ رہا تھا۔
 ”اس کی تسلیں سنو جاتی ہیں۔ میں جب سے آپ کے پاس آنے لگا ہوں، مجھے لگتا ہے میں ہدایت پا گیا ہوں۔ میرے اگلے کام سیدھے ہوئے لگے ہیں۔ میرا دل کہتا ہے کہ مجھے حیر کا بل مل گیا ہے۔ میں..... میں آپ کے ہاتھوں پر بیعت کرنا چاہتا ہوں۔“

وہ بڑی عقیدت مندی سے ڈاکٹر صاحب کا ہاتھ پکڑے ہوئے کہنے لگا۔ کمرے میں مکمل خاموشی چھا گئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے نرمی سے اس شخص کے ہاتھ پر چھکی دیتے ہوئے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

”حقی صاحب! میں نے زندگی میں آج تک کسی سے بیعت نہیں لی۔ آپ کے منہ سے حیر کا بل کا ذکر سنا۔ حیر کا بل کون ہوتا ہے..... حیر کا بل کس کو کہتے ہیں..... وہ کیا کرتا ہے..... اس کی ضرورت کیوں ہوتی ہے؟“

وہ بڑی سچیدگی سے اس شخص سے پوچھ رہے تھے۔

”آپ حیر کا بل ہیں۔“ اس شخص نے کہا۔

”نہیں، میں حیر کا بل نہیں ہوں۔“ ڈاکٹر سید علی نے کہا۔

”آپ سے مجھے ہدایت ملتی ہے۔“ اس شخص نے اصرار کیا۔

”ہدایت تو استاد بھی دیتا ہے، ماں باپ بھی دیتے ہیں، لیڈر بھی دیتے ہیں، دوست احباب بھی دیتے ہیں، کیا وہ حیر کا بل ہو جاتے ہیں؟“

”آپ..... آپ گناہ نہیں کرتے۔“ وہ آدمی گڑبڑا گیا۔

”ہاں، دانش طور پر نہیں کرتا، اس لئے نہیں کرتا، کیونکہ گناہ سے مجھے خوف آتا ہے۔ یہاں پر بیٹھے بہت سے لوگ دانش طور پر گناہ نہیں کرتے ہوں گے، کیونکہ میری طرح انہیں بھی گناہ سے خوف آتا ہو گا مگر نادانستی میں مجھ سے کیا سرزد ہو جاتا ہے، اسے میں نہیں جانتا۔ ہو سکتا ہے نادانستی میں مجھ سے بھی گناہ سرزد ہو جاتے ہوں۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آپ کی دعا قبول ہوتی ہے۔“ وہ آدمی اپنے موقف سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

”دعا تو ماں باپ کی بھی قبول ہوتی ہے، محبوب اور مظلوم کی بھی قبول ہوتی ہے اور بھی بہت سے لوگوں کی قبول ہوتی ہے۔“

”لیکن آپ کی تو ہر دعا قبول ہو جاتی ہے۔“ اس نے اصرار کیا۔

ڈاکٹر سید علی صاحب نے انکار میں سر ہلایا۔

”نہیں، ہر دعا تو قبول نہیں ہوتی۔ میں کئی سالوں سے ہر روز مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کی دعا کرتا ہوں، ابھی تک تو قبول نہیں ہوئی۔ ہر روز میری کی جانے والی کئی دعائیں قبول نہیں بھی ہوتیں۔“

”لیکن آپ کے پاس جو شخص دعا کروانے کے لئے آتا ہے، اس کے لئے آپ کی دعا ضرور قبول ہو جاتی ہے۔“

ڈاکٹر صاحب کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

”آپ کے لئے کی جانے والی دعا قبول ہو گئی ہو گی، یہاں بہت سے ایسے ہیں جن کے لئے میری

دعا قبول نہیں ہوتی یا نہیں ہوئیں۔“

وہ اب کچھ بول نہیں سکا۔

”آپ میں سے اگر کوئی بتائے کہ حیر کا دل کون ہوتا ہے؟“
وہاں موجود لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے پھر ایک نے کہا۔
”حیر کا دل ایک شخص ہوتا ہے، عبارت گزار شخص ہمارا آدمی۔“
ڈاکٹر سید علی نے سر ہلایا۔

”بہت سے لوگ تنگ ہوتے ہیں، عبارت گزار ہوتے ہیں، ہمارا سا ہوتے ہیں۔ آپ کے ارد گرد ایسے بہت سارے لوگ ہوتے ہیں تو کیا وہ سب حیر کا دل ہوتے ہیں؟“
”نہیں، حیر کا دل وہ آدمی ہوتا ہے جو دکھانے کے لئے عبارت نہیں کرتا۔ دل سے عبارت کرنا ہے، صرف اللہ کے لئے۔ اس کی تنگی اور پار سائی دھوکہ نہیں ہوتی۔“ ایک اور شخص نے اپنا اے آئی۔
”اپنے حلقہ احباب میں آپ میں سے ہر ایک کسی نہ کسی ایسے شخص کو ضرور جانتا ہو گا، جس کی عبارت کے بارے میں اسے یہ شبہ نہیں ہو تا کہ وہ دھوکہ ہے۔ جس کی تنگی اور پار سائی کا بھی آپ کو یقین ہو تا ہے تو کیا وہ شخص حیر کا دل ہے؟“
کچھ دیر جا موٹی رہتی پھر ایک اور شخص نے کہا۔
”حیر کا دل ایک ایسا شخص ہوتا ہے، جس کے الفاظ میں تاثیر ہوتی ہے کہ وہ انسان کا دل بدل دیتے ہیں۔“

”تاثیر بھی بہت سے لوگوں کے الفاظ میں ہوتی ہے۔ کچھ کے منہ سے نکلنے والے الفاظ میں، کچھ کے قلم سے نکلنے والے الفاظ میں، تاثیر تو اس کے کھڑے ایک کپیٹر اور اخبار کا کالم لکھنے والے ایک جرنلسٹ کے الفاظ میں بھی ہوتی ہے تو کیا وہ حیر کا دل ہوتے ہیں؟“

ایک اور شخص بولا۔
”حیر کا دل وہ ہوتا ہے جسے الہام اور وجدان ہو، جو مستقبل کو دیکھ سکے۔“
”ہم میں سے بہت سارے لوگ ایسے خواب دیکھتے ہیں جن میں مستقبل میں درپیش آنے والے حالات سے ہمیں آگاہی ہو جاتی ہے۔ کچھ لوگ استعارہ بھی کرتے ہیں اور چیزوں کے بارے میں کسی حد تک جان جاتے ہیں۔ کچھ لوگوں کی چھٹی حس بہت تیز ہوتی ہے وہ خطرہ کو جانپ جاتے ہیں۔“
”حیر کا دل کون ہوتا ہے؟“ ڈاکٹر صاحب کچھ دیر خاموش رہے انہوں نے پھر اپنا سوال دہرایا۔
”حیر کا دل کون ہو سکتا ہے؟“ سالار انجمن آجیو انداز میں ڈاکٹر سید علی کے چہرے کو دیکھتے لگا۔
”کیا ڈاکٹر سید علی کے علاوہ کوئی اور حیر کا دل ہو سکتا تھا اور اگر وہ نہیں تھے تو پھر کون تھا اور کون ہو سکتا ہے؟“

وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں کے دل و دماغ میں ایک سی گونج تھی۔ ڈاکٹر سید علی ایک ایک کا چہرہ دیکھ رہے تھے، پھر ان کے چہرے کی شکل بہت آہستہ آہستہ معدوم ہو گئی۔

”حیر کا دل میں کاملیت ہوتی ہے۔ کاملیت ان تمام چیزوں کا مجموعہ ہوتی ہے جو آپ کہہ رہے تھے۔ حیر کا دل وہ شخص ہوتا ہے جو دل سے اللہ کی عبادت کرتا ہے، تنگ اور پار سا ہوتا ہے۔ اس کی ہر دعا قبول ہوتی ہے۔ اس حد تک جس حد تک اللہ چاہے۔ اس کے الفاظ میں تاثیر بھی ہوتی ہے۔ وہ لوگوں کو حیرت بھی دیتا ہے مگر اسے الہام نہیں ہو تا، اسے وجدان ہوتا ہے۔ وہی آفرقی ہے اس پر اور وہی کسی عام انسان پر نہیں آفرتی۔ صرف تاثیر پر آفرتی ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار تاثیروں میں سے ہر تاثیر کا دل تھا مگر حیر کا دل وہ ہے جس پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا جاتا ہے۔“

ہر انسان کو زندگی میں بھی نہ کسی کسی حیر کا دل کی ضرورت ضرور پڑتی ہے۔ بھی نہ کبھی انسانی زندگی اس سوز پر آکر ضرور کڑی ہو جاتی ہے جب یہ لگتا ہے کہ ہمارے لیوں اور دل سے نکلنے والی دعائیں بے اثر ہو گئی ہیں۔ ہمارے بچے اور ہمارے پچھلے بچے ہمارے ہاتھ دھوئیں اور نعتوں کو اپنی طرف مولا نہیں پار ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے کوئی تعلق تھا جو ٹوٹ گیا ہے پھر آدمی کا دل چاہتا ہے اب اس کے لئے کوئی اور ہاتھ اٹھائے، کسی اور کے لب اس کی دعا اللہ تک پہنچائیں، کوئی اور اللہ کے سامنے اس کے لئے گونگڑا کرے، کوئی ایسا شخص جس کی دعائیں قبول ہوتی ہوں، جس کے لیوں سے نکلنے والی دعائیں اس کے اپنے نظموں کی طرح دلیں نہ موڑ دی جاتی ہوں پھر انسان حیر کا دل کی تلاش شروع کرتا ہے دیکھتا ہے پھر تاہم ادنیٰ میں کسی ایسے شخص کے لئے جو کاملیت کی کسی نہ کسی چیز میں پکڑا ہو۔

حیر کا دل کی یہ تلاش انسانی زندگی کے ارتقاء سے اب تک جاری ہے۔ یہ تلاش وہ خواہش ہے جو اللہ خود انسان کے دل میں پیدا کرتا ہے۔ انسان کے دل میں یہ خواہش، یہ تلاش نہ اُٹاری جاتی تو وہ تاثیروں پر کبھی یقین نہ لاتا۔ کبھی ان کی حیر دی اور اغاعت کرنے کی کوشش نہ کرتا۔ حیر کا دل کی یہ تلاش ہی انسان کو ہر زمانے میں اُٹارے جانے والے تاثیروں کی طرف لے جاتی رہی پھر تاثیروں کی موجودیت کا یہ سلسلہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ختم کر دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی اور حیر کا دل کی تلاش نہیں رہی تھی۔
کون ہے جسے اب یا آئندہ آنے والے زمانے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کوئی مقام دیا جائے؟

کون ہے جسے آج یا آئندہ آنے والے زمانے میں کسی شخص کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کاملیت دے دی جائے؟
کون ہے جو آج یا آئندہ آنے والے زمانے میں کسی شخص کے لئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر شفاعت کا دعویٰ کر سکے؟

جاد اور مستقل خاموشی کی صورت میں آنے والا فی میں یہ جواب ہم سے صرف ایک سوال

کرتا ہے۔

حیر کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر ہم دنیا میں اور کس وجہ کو کھو جتے نکل کھڑے ہوئے ہیں؟ حیر کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیعت شدہ ہوتے ہوئے ہمیں دوسرے کس شخص کی بیعت کی ضرورت رہ گئی ہے؟

حیر کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستے پر چلنے کے بجائے ہمیں دوسرا کون سا راستہ اپنی طرف متوجہ رہا ہے؟

کیا مسلمانوں کے لئے ایک اللہ، ایک قرآن، ایک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی سنت کافی نہیں؟

اللہ اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کی کتاب کے علاوہ اور کون سا شخص کون سا کلام ہے جو ہمیں دنیا اور آخرت کی تکلیفوں سے بچائے گا؟

جو ہماری دعاؤں کو قبولیت بخشے، جو ہم پر نعمتیں اور رحمتیں نازل کر سکے؟

کوئی حیر کامل کافر بنا سکتا ہے؟ نہیں بنا سکتا۔

ڈاکٹر سید علی کہہ رہے تھے۔

"وہ صرف مسلمان تھے، وہ مسلمان جو یہ یقین رکھتے تھے کہ اگر وہ صراطِ مستقیم پر نہیں گئے تو وہ جنت میں جائیں گے، اس راستے سے نہیں گئے تو اللہ کے عذاب کا نشانہ بنیں گے۔

اور صراطِ مستقیم وہ راستہ ہے جو اللہ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے قرآن پاک میں بتاتا ہے۔ صاف، دو ٹوک اور واضح الفاظ میں۔ وہ کام کریں جس کا حکم اللہ اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے دیتا ہے اور اس کام سے رک جائیں جس سے منع کیا جاتا ہے۔

اللہ، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کسی بات میں کوئی ابہام نہیں رکھتے۔ قرآن کو کھولنے، اگر اس میں کہیں دو ٹوک اور غیر مبہم الفاظ میں کسی دوسرے حیر کامل یا پیغمبر کا ذکر ملے تو اس کی تلاش کرتے رہنے اور اگر ایسا کچھ نظر نہیں آتا تو پھر صرف خوف کھائیے کہ آپ اپنے پیروں کو کس

دلدل میں لئے جا رہے ہیں۔ اپنی پیاس ساخہ سالہ زندگی کو کس طرح اپنی ابدی زندگی کی چابی کے لئے استعمال کر رہے ہیں کس طرح خسارے کا سودا کر رہے ہیں۔ ہدایت کی تلاش ہے، قرآن کھولنے، کیا ہے جو وہ آپ کو نہیں بتا رہا، وہ آپ کو معصوم، انجمن اور بے خبر نہیں رہنے دیتا۔ آپ کا اصل آپ کے

منہ پر دے مارا ہے۔ کیا اللہ انسان کو نہیں جانتا ہو گا؟ اس مخلوق کو جو اس کی اربوں کھربوں تخلیقات میں سے ایک ہے۔

زعا قبول نہیں ہوتی تو آخرے اور ذلیلے تلاش کرنے کے بجائے صرف ہاتھ اٹھا لیجئے، اللہ سے

خود مانگیں۔ دے دے تو شکر کریں، دے تو صبر..... مگر ہاتھ آپ خود ہی اٹھائیں۔

زندگی کا قرینہ اور سلیقہ نہیں آ رہا تو اسوۂ حسنہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف چلے جائیں، سب کچھ مل جائے گا آپ کو۔

احقرام ہر ایک کا کریں۔ ہر ولی کا، ہر مومن کا، ہر بزرگ کا، ہر شہید کا، ہر صالح کا، ہر پارہ ساکا.....

مگر اپنی زندگیوں میں ہدایت اور رہنمائی صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیں کیونکہ انہوں نے آپ تک اپنے ذاتی احکامات نہیں پہنچائے جو کچھ بتایا ہے وہ اللہ کا نازل کردہ ہے۔

ڈاکٹر سید سید علی کون ہے؟ کیا ہے؟ کون جانتا ہے اسے؟ آپ؟ آپ کے علاوہ چند سو لوگ..... چند بڑے لوگ مگر جس حیر کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کر رہا ہوں انہیں تو ایک ارب کے قریب لوگ اپنا روحانی پیشوا مانتے ہیں۔ میں تو یہی کچھ کہتا، وہ ہر تاجپور، ہادیوں، جو چودہ سو سال پہلے

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما چکے ہیں۔ کیا نئی بات کہی میں نے؟

ڈاکٹر سید علی خاموش ہو گئے تھے۔ کمرے میں موجود ہر شخص پہلے ہی خاموش تھا، انہوں نے وہاں بیٹھے ہر شخص کو جیسے آئینہ دکھایا تھا اور آئینے میں نظر آنے والا عکس کسی کو بولا رہا تھا، کسی کو گویا زار ہا تھا۔

وہاں سے باہر آکر سالہ بہت دیر تک اپنی گاڑی کی سیٹ پر چپ چاپ بیٹھا رہا۔ اس کی آنکھوں پر بندھی آخری بیٹی بھی آج سکول دی گئی تھی۔

کئی سال پہلے جب امام ہاشم سوچے کچھ بغیر کمرے نکل پڑی تھی تو وہ اس ننگن کو سمجھ نہیں پایا تھا۔ اس کے نزدیک وہ حقائق تھی۔ بعد میں اس نے اپنے خیالات میں ترمیم کر لی تھی۔ اسے یقین آ گیا تھا کہ

کوئی بھی واقعی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اس حد تک گرفتار ہو سکتا ہے کہ سب کچھ چھوڑ دے۔ اس نے اسلام کے بارے میں جانتا شروع کیا تو اسے پتا چلا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی اسی

طرح کی قربانیاں دیا کرتے تھے۔ حضرت جلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت امیر قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک ان گنت لوگ تھے اور پڑمانے میں تھے اور سالہ اسکا سکندر نے اقرار کر لیا تھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اتنی طاقت تھی کہ وہ کسی کو بھی کچھ بھی چھوڑنے پر مجبور کر دیتا۔ اس نے بھی اس محبت کا

تجزیہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ آج وہاں بیٹھا چلی بار یہ کام کر رہا تھا۔

یہ صرف پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں تھی، جس نے امام ہاشم کو کھر چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ صراطِ مستقیم کو کچھ کر اس طرف چلی گئی تھی۔ اس صراطِ مستقیم کی طرف جسے وہ کسی زمانے میں اندھوں کی طرح ڈھونڈتا چھڑتا تھا۔ وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اسی صراطِ مستقیم کی طرف جاتے تھے۔

امام ہاشم نے کئی سال پہلے حیر کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پایا تھا۔ وہ بے خوفی اسی ہدایت اور رہنمائی کی عطا کر رہے تھے جو اسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے ملی تھی۔ وہ آج تک

پیر کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خود شناخت نہیں کر پایا تھا اور امام ہاشم نے ہر کام خود کیا تھا۔ شناخت سے اعطاعت تک۔ اس کو سالار سکندر کی طرح دوسروں کے کندھوں کی ضرورت نہیں پڑی۔

سالار سکندر نے پچھلے آٹھ سالوں میں امام ہاشم کے لئے ہر جذبہ محسوس کیا تھا۔ حقارت، تنہیک، پچھتاوا، نفرت، محبت، سب کچھ۔۔۔ مگر آج وہاں بیٹھے جہلی بار سے امام ہاشم سے جھگڑ رہا تھا۔ تھی کیا وہ۔۔۔ ایک عورت۔ ذرا اسی عورت۔۔۔ آسمان کی عورت تھی۔ سالار سکندر جیسے آدمی کے سامنے کیا اوقات تھی اس کی۔

کیا میرے جیسا آئی کیو تھا اس کا؟

کیا میرے جیسی کامیابیاں تھیں اس کی؟

کیا میرے جیسا کام کر سکتی تھی وہ؟

کیا میرے جیسا نام کما سکتی تھی؟

کچھ بھی نہیں تھی وہ اور اس کو سب کچھ پلٹ میں دکھا کر دے دیا اور میں۔۔۔ میں جس کا آئی کیو ۱۵۰+ ہے مجھے سامنے کی چیزیں دیکھنے کے قابل نہیں رکھا؟

وہ اب آنکھوں میں نمی لے لے اندھیرے میں ونڈا سکرین سے باہر دیکھتے ہوئے بڑبڑا رہا تھا۔
”مجھے بس اس قابل کر دیا کہ میں باہر نکلوں اور دنیا فتح کر لوں۔ وہ دنیا جس کی کوئی وقت ہی نہیں ہے اور وہ۔۔۔ وہ۔۔۔“

وہ نرک کہلا اے امام پر خضر آ رہا تھا۔ آٹھ سال پہلے کا وقت ہو چکا تو وہ اسے ”بچ“ کہتا، اب امام پر خضر آئے پر وہ اسے بھی کہا کرتا تھا مگر آٹھ سال کے بعد آج وہ زبان پر اس کے لئے گالی نہیں لاسکتا تھا۔ وہ امام ہاشم کے لئے کوئی برا لفظ نکالنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ صراطِ مستقیم پر خود سے بہت آگے نہ گزری اس عورت کے لئے کون سا زبان سے برا لفظ نکال سکتا تھا؟

اپنے کلامِ سزاوار کر اس نے اپنی آنکھیں مسلیں۔ اس کے انداز میں خشک نمود کی تھی۔
”پیر کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ صراطِ مستقیم۔“ آٹھ سال لگے تھے، مگر حاشِ ختم ہو گئی تھی۔

جواب مل چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

دو دنوں ایک رات سحران میں بیٹھے ہوئے تھے۔ رمضہ آج خاص طور پر جادو کر آئی تھی۔ دو خوش تھی اور کوئی بھی اس کے چہرے سے اس کی خوشی کا اندازہ لگا سکتا تھا۔ سالار بھی۔

ویتر سے مبلغ کارڈ لے کر سالار نے بل کر کے بھل پر رکھ دیا۔ رمضہ نے خیر معنی سے اسے دیکھا۔ وہ ہنسا کر ڈکھولے ہوئے تھی۔

”گج میری طرف سے ہے مگر مبلغ آپ ملے کریں۔“ سالار نے مدھم مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
”اوکے۔“ رمضہ بے اختیار مسکرائی پھر وہ سینو کا ڈپر نظر دوڑانے لگی اور سالار قرب و جوار میں۔

رمضہ نے ویتر کو کچھ دشمنوت کروائیں۔ جب ویتر چلا گیا تو اس نے سالار سے کہا۔
”تمہاری طرف سے گج کی یہ دعوت بلا اچھا سر پر اثر ہے میرے لئے۔ پہلے تو بھی تم نے ایسی کوئی

دعوت نہیں دی؟ بلکہ میری دعوت بھی رد کرتے رہے۔“
”ہاں لیکن اب ہم دونوں کے لئے کچھ باتیں کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ مجھے اسی لئے تمہیں یہاں بلانا

پڑا۔“ سالار نے کہا۔

رمضہ نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

”کچھ باتیں؟۔ کون سی باتیں؟“

”پہلے گج کر لیں، اس کے بعد کریں گے۔“ سالار نے اسے ٹالتے ہوئے کہا۔
”مگر گج آنے اور کھانے میں کافی وقت لگے گا۔ کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم دو باتیں ابھی کر لیں؟“

رمضہ نے قدم سے بے تابی سے کہا۔
”نہیں، یہ بہتر نہیں ہے۔ گج کے بعد۔“ سالار نے مسکرائے ہوئے مگر حقیقت انداز میں کہا۔

رمضہ نے اس بار اصرار نہیں کیا۔ وہ دونوں بجلی بجلی گفتگو کرنے لگے پھر گج آ گیا اور دونوں گج میں مصروف ہو گئے۔

گج سے فارغ ہونے میں تقریباً پون گھنٹہ لگا، پھر سالار نے ویتر سے کافی مشکوٰۃ لیں۔
”میرا خیال ہے اب بات شروع کرنی چاہئے۔“

رمضہ نے کافی کا پہلا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ سالار اب بہت سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ دوسرے جھکائے اپنی کافی میں گج بلا رہا تھا۔ رمضہ کی بات پر اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

”میں تم سے اس کارڈ کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں، جو تم نے دو دن پہلے مجھے بھیجا ہے۔“
رمضہ کا چہرہ قدم سے سرخ ہو گیا۔

دو دن پہلے جب وہ شام کو اپنے قلیت پر پہنچا تو وہاں ایک کارڈ اور کے اس کا انتظار تھا۔ وہ ایک ہنر بانگ کنگ میں بینک کے کسی کام کے لئے رہا تھا اور اسی شام وہ ایسی آیا تھا۔ کارڈ رمضہ کا بھیجا ہوا تھا۔

”تمہیں وہ کارڈ کچھ کر مجھے کتنی خوشی ہو گی اس کا اظہار تا ممکن ہے۔“
سالار کارڈ پر لکھے پیغام کو پڑھ کر چند لمحوں کے لئے ہنسٹ رہ گیا۔ اس کے بدترین خدشات

درست ثابت ہوئے تھے۔ رمضہ اس کے لئے اپنے احساسات کا اظہار کر رہی تھی۔
سالار نے اگلے دو دن اس کارڈ کے بارے میں رمضہ سے کوئی تذکرہ نہیں کیا لیکن اس نے ویک

ایڈیٹر اسے لڑکی و عورت وے ڈالی۔ رمہ کے ساتھ اب ان تمام باتوں کو کلپٹر کرنا ضروری ہو گیا تھا۔
”تمہیں کارڈ برا لگا؟“ رمہ نے کہا۔

”نہیں، بیوقوف۔“

رمہ کچھ شرمندہ ہو گئی۔

”آئی ایم سوری، مگر میں صرف۔۔۔ سالار! میں تمہیں بتانا چاہ رہی تھی کہ میں نے تمہیں کتنا پس کیا۔“

سالار نے کافی کا ایک گھونٹ لیا۔

”تم مجھے اچھے لگتے ہو، میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔“

رمہ نے چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا۔

”ہو سکتا ہے۔ یہ پروپوزل تمہیں عجیب لگے لیکن میں بہت عرصے سے اس سلسلے میں تم سے بات کرنا چاہ رہی تھی۔ میں تم سے غلط نہیں کر رہی ہوں جو کچھ کارڈ میں نے لکھا ہے میں واقعی تمہارے لئے وہی جذبات رکھتی ہوں۔“

سالار نے اسے بات مکمل کرنے دی۔ اب وہ کافی کا کپ نیچے رکھ چکا تھا۔

”لیکن میں تم سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔“ جب وہ خاموش ہو گئی تو اس نے دو ٹوک انداز میں کہا۔
”کیوں؟“

”کیا اس سوالی کا جواب ضروری ہے؟“ سالار نے کہا۔

”نہیں، ضرور کی نہیں ہے مگر بتانے میں کیا حرج ہے۔“

”تم مجھ سے شادی کیوں کرنا چاہتی ہو؟“ سالار نے جواب پوچھا۔

”کیونکہ تم مختلف ہو۔“

سالار ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔

”عام مردوں جیسے نہیں ہو، وقار ہے تم میں، کلچر، ذوق اور کردار۔“

”میں ایسا نہیں ہوں۔“

”جانت کرو۔“ رمہ نے اسے جیسے چیلنج کیا۔

”کر سکتا ہوں مگر نہیں کروں گا۔“ اس نے کافی کا کپ دوبارہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

”ہر مرد سالار سنگھ سے بہتر ہے۔“

”کس لحاظ سے؟“

”ہر لحاظ سے۔“

”میں نہیں مانتی۔“

”تمہارے مناسک سے حقیقت نہیں بدلے گی۔“

”میں تمہیں جانتی ہوں، ڈیڑھ سال سے تمہارے ساتھ کام کر رہی ہوں۔“

”مردوں کے بارے میں اتنی جلدی کی رائے پر پہنچنا مناسب نہیں ہو گا۔“

”تمہاری کوئی بات تمہارے بارے میں میری رائے کو تبدیل نہیں کر سکتی۔“ رمہ اب بھی اپنی بات پر قائم تھی۔

”تم جس کیلئے تعلق رکھتی ہو، جس سوسائٹی میں نمود کرتی ہو، وہاں تمہیں مجھ سے زیادہ اچھے مرد مل سکتے ہیں۔“

”تم مجھ سے صرف اپنی بات کرو۔“

”رمہ! میں کسی اور سے محبت کرتا ہوں۔“

اس نے بالآخر کہہ دیا۔ اس ساری گفتگو میں پہلی بار رمہ کی راحت زد ہو گئی۔

”تم نے۔۔۔ تم نے کبھی۔۔۔ کبھی نہیں بتایا۔“

سالار آہستہ سے مسکرایا۔ ”ہمارے دو میان اتنی بے تکلفی تو کبھی بھی نہیں رہی۔“

”تم اس سے شادی کر رہے ہو؟“

دونوں کے درمیان اس بار خاموشی کا ایک طویل وقفہ آیا۔

”ہو سکتا ہے کچھ مشکلات کی وجہ سے میری وہاں شادی نہ ہو سکے۔“ سالار نے کہا۔

”میں تمہاری بات سمجھ نہیں سکی۔ تم کسی سے محبت کر رہے ہو، یہ جانتے ہوئے کہ وہاں تمہاری شادی نہیں ہو سکتی؟“

”کچھ ایسا ہی ہے۔“

”سالار! تم۔۔۔ تم اتنے جذباتی تو نہیں ہو۔ ایک پریکٹیکل آدمی ہو کر تم کس طرح کی عجیب بات کر رہے ہو۔“

رمہ استہزائیہ انداز میں ہنس دی۔

”فرض کیا کہ وہاں تمہاری شادی نہیں ہوئی تو پھر۔۔۔ پھر کیا تم کبھی شادی نہیں کر دے گی؟“

”نہیں۔“

رمہ نے لٹی میں سر ہلایا۔ I can't believe it (مجھے یقین نہیں آ رہا)۔

”مگر ایسا ہی ہے، میں نے اگر کبھی شادی کا سوچا بھی تو دس چھوہ سال بعد ہی سوچوں گا اور دس چھوہ سال تک ضروری نہیں کہ میں زندہ رہوں۔“

اس نے بے حد خشک لہجہ میں کہتے ہوئے ویز کو ہاتھ کے اشارے سے اپنی طرف بلایا۔
 "میں چاہتا ہوں رمہ اگر آج کی اس گفتگو کے بعد ہم دونوں کے درمیان دوبارہ ایسا کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہو۔ ہم اچھے کو لگتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں یہ تعلق ایسے ہی رہے۔ میرے لئے اپنا وقت ضائع مت کرو، میں وہ نہیں ہوں، جو تم مجھے سمجھ رہی ہو۔"
 ویز قریب آگیا تھا۔ سالار اس کا لایا ہوا اٹل ادا کرتے ہوئے۔
 رمہ سالار کا چہرہ دیکھتی رہی۔ وہ اب کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

سالار اس روز کسی کام سے پچھلے ٹریک کے بعد آفس سے نکل آیا۔ دلیپے کراسنگ پر ٹریفک کا اڑدھام دیکھ کر اس نے دودھ سے ہی گاڑی سوڑی۔ وہ اس وقت کسی ٹریفک جام میں پھنس کر وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا۔
 گاڑی کو پیچھے ہٹوا کر اس نے ایک وہ سری سڑک پر ٹران لے لیا۔ وہ اس سڑک پر تھوڑی دیر آگے گیا تھا جب اس نے سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر ایک بوزھی خاتون کو پیٹنے دیکھا۔ وہ ایک بائی روڈ تھی اور اس وقت بالکل سناٹا تھی۔ خاتون اپنے لباس اور چہرے سے کسی بہت اچھے گھرانے کی نظر آ رہی تھیں۔ اس کے ہاتھ میں سونے کی کچھ پوڑیاں بھی نظر آ رہی تھیں اور سالار کو خدشہ ہوا کہ اس اکیلی سڑک پر وہ کسی حادثے کا شکار ہو جائیں۔ اس نے گاڑی ان کے قریب لے جا کر روک دی۔ خاتون کی سفید رنگت اس وقت سرخ تھی اور سانس پھولا ہوا تھا اور شاید وہ اپنا سانس ٹھیک کرتے ہوئے کے لئے ہی سڑک کے کنارے بیٹھی تھیں۔

"السلام علیکم اماں! کیا مسئلہ ہے، آپ یہاں کیوں بیٹھی ہیں؟"

سالار نے اپنے من گھڑا سزا سناتے ہوئے کھڑکی سے سر نکال کر پوچھا۔

"بیٹا! مجھے رکشہ نہیں مل رہا۔"

سالار ان کی بات پر حیران ہوا۔ وہ مین روڈ نہیں تھی۔ ایک رہائشی علاقے کی بائی روڈ تھی اور وہاں رکشہ ملنے کا امکان نہیں تھا۔

"اماں! یہاں سے تو آپ کو رکشہ مل بھی نہیں سکتا، آپ کو جانا کہاں ہے؟"

اس خاتون نے اسے اندرون شہر کے ایک علاقے کا نام بتایا۔ سالار کے لئے بالکل ممکن نہیں تھا کہ وہ انہیں وہاں چھوڑ آتا۔

"آپ میرے ساتھ آجائیں۔ میں آپ کو مین روڈ پر چھوڑ دیتا ہوں۔ وہاں سے آپ کو رکشہ مل جائے گا۔"

سالار نے پچھلے دروازے کا الاک کھولا اور پھر اپنی سیٹ سے اتر گیا مگر اماں ہی اسے خاصی متامل نظر آئیں۔ وہ ان کے اندیشوں کو بھاسپ گیا۔

"اماں! جی اڈار نے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں شریف آدمی ہوں۔ آپ کو نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ میں صرف آپ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ اس سڑک سے تو آپ کو رکشہ ملے گا نہیں اور اس وقت سڑک سناٹا ہے، آپ نے زور پہنا ہوا ہے، کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے آپ کو۔"

سالار نے نرمی سے ان کے اندیشے دور کرنے کی کوشش کی۔ خاتون نے اپنی ٹریفک ورست کرتے ہوئے اپنی پوڑیوں کو دیکھا اور پھر سالار سے کہا۔

"لو۔۔۔ یہ سارا زور تو نکلتی ہے۔"

"چلیں، یہ تو بہت اچھی بات ہے مگر کوئی بھی غلط فہمی کا شکار ہو سکتا ہے۔ کوئی آپ سے یہ تھوڑی پوچھے گا کہ یہ زور اسلی ہے یا نکلتی۔"

سالار نے ان کے جھوٹ کا پردہ دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ اب صوبچ میں پڑ گئیں۔ سالار کو زیر ہو رہی تھی۔

"ٹھیک ہے اماں! جی! آپ اگر مناسب نہیں۔"

اس نے واپس اپنی گاڑی کی طرف قدم بڑھائے تو اماں نے فوراً بول اٹھیں۔

"نہیں۔ نہیں۔ میں چلتی ہوں تمہارے ساتھ۔ پیٹے ہی ٹانگیں ٹوٹ رہی ہیں چل کے۔"

وہ ٹانگوں پر زور دیتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کرنے لگیں۔

سالار نے ان کا بازو کچلا کر انہیں اٹھایا۔ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر انہیں اندر بٹھا دیا۔

بائی روڈ کو تیزی سے کراس کر کے وہ مین روڈ پر آ گیا۔ اب وہ کسی خالی رکشہ کی تلاش میں تھا مگر

اسے رکشہ نظر نہیں آتا۔ وہ آہستہ آہستہ گاڑی چلاتے ہوئے کسی خالی رکشے کی تلاش میں ٹریفک پر نظریں

دوڑائے لگا۔

"نام کیا ہے بیٹا تھار؟" انہوں نے پوچھا۔

"سالار۔"

"سالار؟" انہوں نے جیسے تصدیق جانچی۔ وہ بے اختیار مسکرایا۔ زندگی میں پہلی بار اس نے اپنے جام کو جگڑتے جانا تھا۔ صبح کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ پہلی خاتون تھیں اور اس سے پیشگی ازدواجی بات کر رہی تھیں۔

"جی۔" سالار نے تصدیق کی۔

"یہ کیا نام ہوا، مطلب کیا ہے اس کا؟" انہوں نے یک دم دلچسپی لی۔

سالار نے انہیں اپنے نام کا مطلب اس بار پنجابی میں سمجھایا۔ اماں جی کو اس کے پنجابی بولنے پر خاصی خوشی ہوئی اور اب وہ پنجابی میں گفتگو کرنے لگیں۔

سالار کے نام کا مطلب پوچھنے کے بعد انہوں نے کہا۔

”میری بڑی بہو کے بابا بیٹا ہوا ہے۔“

وہ حیران ہوا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ نام کا مطلب جاننے کے بعد ان کا اگلا جملہ یہ ہو گا۔

”جی..... مبارک ہو۔“ فوری طور پر اسے یہی سوچھا۔

”خیر مبارک۔“

انہوں نے خاصی مسرت سے اس کی مبارکباد وصول کی۔

”میری بہو کا لون آیا تھا پوچھ رہی تھی کہ اہی آپ نام بتائیں۔ میں تمہارا نام دے دوں؟“

اس نے ٹپک دو سر سے کچھ حیران ہو کر انہیں دیکھا۔

”اے ویرا۔“

”چلو یہ مسئلہ تو حل ہوا۔“

اماں جی اب اطمینان سے ٹپک اُتار کر اپنی بڑی سی چادر کے چلو سے اس کے شیشے ساف کرنے لگیں۔ سالار کو ابھی تک کوئی رکشہ نظر نہیں آیا تھا۔

”عمر کتنی ہے تمہاری؟“ انہوں نے گفتگو کا سلسلہ وہیں سے جوڑا جہاں سے توڑا تھا۔

”تیس سال۔“

”شادی شدہ ہو؟“

سالار سوچا میں چڑھی۔ وہ ہاں کہنا چاہتا تھا مگر اس کا خیال تھا کہ اس کی صورت میں سوالات کا

سلسلہ مزید دراز ہو جائے گا اس لئے بہتر یہی تھا کہ انکار کر دے اور اس کا یہ اندازہ اس دن کی سب سے

فلاحی ثابت ہوا۔

”نہیں۔“

”شادی کیوں نہیں کی؟“

”میں ایسے ہی۔ خیال نہیں آیا۔“ اس نے جھوٹ بولا۔

”اچھا۔“

کچھ دیر خاموشی رہی۔ سالار دعا نہیں کرتا کہ اسے رکشہ جلدی مل جائے۔ اسے دیر ہو رہی تھی۔

”کیا کرتے ہو تم؟“

”میں بینک میں کام کرتا ہوں۔“

”کیا کام کرتے ہو؟“

سالار نے لپٹا مہرہ بتایا۔ اسے اندازہ تھا کہ اماں جی کے سر کے اوپر سے گزرے کچھ مرد اس وقت ہکا بکار ہو گیا جب انہوں نے بڑے اطمینان سے کہا۔

”یہ انسر ہوتا ہے نا؟“

وہ بے اختیار ہنسا۔ اس سے زیادہ اچھی وضاحت کوئی اس کے کام کی نہیں دے سکتی تھا۔

”جی اماں جی!“ انسر ہوتا ہے۔“ وہ محفوظ جواب دیا۔

”کتنی بڑے ہو تم؟“

”سولہ جماعتیں۔“

اس بار سالار نے اماں جی کا فارمولہ استعمال کرتے ہوئے اپنی تعلیم کو آسان لفظوں میں پیش کیا۔

اماں جی کا جواب اس بار بھی حیران کن تھا۔

”پہ کیا بات ہے جوئی سولہ جماعتیں.....؟ ایم بی اے کیا ہے یا ایم اے آکٹاکس؟“

سالار نے بے اختیار پلٹ کر اماں جی کو دیکھا۔ وہ اپنی ٹپک کے شیشوں سے اسے گھور رہی تھیں۔

”اماں جی آپ کو بتانا ہے ایم بی اے کیا ہوتا ہے یا ایم اے آکٹاکس کیا ہوتا ہے؟“ وہ واقعی حیران تھا۔

”کو مجھے نہیں پتا ہو گا۔ میرے بڑے بیٹے نے پہلے ایم اے آکٹاکس کیا اور پھر پاکستان سے پھر انجینئر

جا کر اس نے ایم بی اے کیا۔ وہ بھی بینک میں ہی کام کرتا ہے مگر ادھر وہ انجینئر میں۔ اسی کا تو بیٹا ہوا ہے۔“

سالار نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے گردن واپس موڑ لی۔

”تو پھر تم نے بیٹا نہیں؟“

”کیا؟“

سالار کو فوری طور پر یاد نہیں آیا کہ انہوں نے کیا پوچھا تھا۔

”اپنی تعلیم کے بارے میں؟“

”میں نے ایم بی اے کیا ہے۔“

”کہاں سے؟“

”امریکہ سے۔“

”اچھا..... ماں باپ ہیں تمہارے؟“

”جی۔“

”کتنے بہن بھائی ہیں؟“ سوالات کا سلسلہ دراز ہوتا جا رہا تھا۔

”پانچ۔“ سالار کو کوئی جانے فراد نظر نہیں آ رہی تھی۔

"اماں جی ایہ کوئی تعارف نہیں ہوتا۔"

وہ اس کی بات پر برامان ہو گئیں۔

"لو بھلا، اب کیا ہر گھر میں ٹانگ ٹوٹتی ہے کسی نہ کسی کی۔"

سالار چپ چاپ گاڑی سے اتر گیا۔ اس پاس کی دکانوں سے اس نے سعید و اماں کے بتائے ہوئے "کوٹھ" کے مطابق کچلی تلاش کرنا شروع کی، مگر جلد ہی اسے پتہ چل گیا کہ ان لٹاکتوں کے ساتھ وہ کم از کم آج کی پادری میں گھر نہیں ڈھونڈ سکتا۔

وہ مایوس ہو کر واپس لوٹا۔

"اماں جی! گھر میں فون ہے آپ کے؟" گاڑی کے اندر بگھٹتے ہی اس نے پوچھا۔

"ہاں ہے۔"

سالار نے سکون کا سانس لیا۔

"اس کا نمبر بتائیں مجھے۔" سالار نے اپنا سوتا بگھٹا لٹاکتے ہوئے کہا۔

"نمبر کا تو مجھے نہیں پتا۔"

وہ ایک بار بھر دھچک سے رو گیا۔

"فون نمبر بھی نہیں پتا؟" اس نے شدید مدد سے کے عالم میں کہا۔

"بیٹا! میں نے کون سا بھی فون نہیں لیا ہے۔ میرے بیٹے خود کر لیتے ہیں، اور مجھے دار بھی خود کر لیتے ہیں۔"

یہ ضرورت ہو تو جی فون ملا دیتا ہے۔

"اگر ہر ماڈل ٹائمن میں کس کے پاس مکی تھیں؟"

سالار کو ٹیک دم خیال آیا۔

"اوہ! کچھ رشتے دار ہیں میرے۔ پوتے کی مشائی دینے والی تھی۔"

انہوں نے فحریہ بتایا۔

سالار نے سکون کا سانس لیتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی۔

"ٹھیک ہے، اوہ حری پلٹے ہیں۔ وہاں کا پتہ بتائیں۔"

"پتہ تو مجھے نہیں پتا۔"

سالار اس بار مدد سے سے کچھ دیر کے لئے بول بھی نہ سکا۔

"تو پھر کئی کیسے تھیں آپ؟"

"بیٹا! اصل میں جہاں جانا ہو سارے کے بچے چھوڑ آتے ہیں، ان ہی کو گھر کا پتہ ہے۔ پچھلے دس

سال سے مجھے وہی لے کر جا رہے ہیں۔ وہ چھوڑ آتے ہیں اور پھر وہاں سے بلال وغیرہ واپس چھوڑ جاتے

ہیں۔ اصل میں یہ بال و غیرہ بھی پہلے میرے محلے میں ہی رہتے تھے۔ یہی کوئی دس بارہ سال پہلے تو حری گئے ہیں اس لئے میرے پورے محلے کو ان کے گھر کا پتہ ہے۔"

سالار نے کچھ نہیں کہا۔ اسے اب بھی اُمید تھی کہ جہاں سے اس نے ان خاتون کو پک کیا ہے بلال وغیرہ کا گھر وہیں کہیں ہو گا۔

سعید و اماں کی گفتگو جاری تھی۔

"آج تو ایسا ہوا کہ بلال کے گھر پر کوئی تھا ہی نہیں، صرف ملازمہ تھی۔ میں کچھ دیر بیٹھی رہی پھر بھی دو لوگ نہیں آئے تو میں نے سوچا کہ خود گھر چلی جاؤں اور پھر ماشاء اللہ تم مل گئے۔"

"اماں جی! آپ رکشے والے کو کیا بتائیں؟"

"وہی جو تمہیں بتایا ہے۔"

وہ ان کی ذہانت پر باغ باغ ہو گیا۔

"اس سے پہلے کبھی آپ اس طرح پتہ بنا کر گھر پہنچی ہیں؟"

اس نے قدرے افسوس بھرے لہجے میں گاڑی کو روک کر دس کرتے ہوئے پوچھا۔

"نہ۔۔۔ کبھی نہیں۔۔۔ ضرورت ہی نہیں پڑی۔"

سعید و اماں کا اطمینان قابلِ رشک تھا۔ سالار مزید کچھ کہے بغیر گاڑی سڑک پر لے آیا۔

"اب تم کہاں جا رہے ہو؟"

سعید و اماں زیادہ دیر چپ نہیں رہ سکیں۔

"پچھاس سے میں نے آپ کو لیا تھا گھر اسی سڑک پر ہو گا، آپ نے کوئی ٹرن تو نہیں لیا تھا؟"

سالار نے ٹیک دیا اور سر سے انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں، میں نے نہیں لیا۔"

سعید و اماں نے قدرے اُلجھے ہوئے انداز میں کہا۔

سالار نے ان کے لہجے پر غور نہیں کیا۔ اس نے اطمینان کی سانس لی۔ اس کا مطلب تھا گھر اس

سڑک پر ہی کہیں تھا اور گلیوں کی نسبت کالونی میں گھر تلاش کرنا آسان تھا۔ وہ بھی اس صورت میں جب

اسے صرف ایک سڑک کے گھر دیکھتے تھے۔

"تم سگریٹ پیجتے ہو؟"

خاموشی ایک دم ٹوٹی۔ وہ گاڑی ڈرائیو کرتے کرتے چوک گیا۔

"میں۔۔۔۔۔؟"

اس نے ٹیک دیا اور سر میں دیکھا۔ سعید و اماں بھی ٹیک دیا اور سر میں ہی دیکھ رہی تھیں۔

"آ... نہیں۔"

وہ سوال کو سمجھ نہیں سکا تھا۔

"کوئی اور نشر وغیرہ۔"

وہ اس بار سوال سے زیادہ ان کی بے تکلفی پر حیران ہوا۔

"آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

"بس ایسے ہی۔ آپ اپنا سارا ست میں خاموش کیسے رہیں گی۔"

انہوں نے اپنی مجبوری بتائی۔

"آپ کو کیا لگتا ہے، میں کرتا ہوں گا کوئی نشر؟"

سالار نے جواباً ان سے پوچھا۔

"نہیں، کیا اس لئے تو میں پوچھ رہی ہوں... تو پھر نہیں کرتے؟"

ان کے انداز نے اس بار سالار کو محظوظ کیا۔

"نہیں۔" اس نے مختصر کہا۔ وہ اب کشش پر زکے ہوئے تھے۔

"کوئی کرل فریڈ ہے؟" سالار کو لگا آستے سننے میں کوئی غلطی ہوئی ہے۔ اس نے پلٹ کر سعید واماں

کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"آپ نے کیا پوچھا ہے؟"

"میں نے کہا ہے، کوئی کرل فریڈ ہے؟" سعید واماں نے "کرل فریڈ" پر زور دیتے ہوئے کہا۔

سالار کھٹکھٹا کر ہنس پڑا۔

"آپ کو پتا ہے کرل فریڈ کیا ہوتی ہے؟"

سعید واماں اس کے سوال پر ہرمان گئیں۔

"کیوں بھی... دو بچے ہیں میرے، مجھے پتا نہیں ہو گا کہ کرل فریڈ کیا ہوتی ہے۔ جب انہیں

بائبر پڑھنے کے لئے بھیجا تھا تو کہہ کر بھیجا تھا میرے شوہر نے کہ کرل فریڈ نہیں ہوتی چاہے اور بھر سیتے

میں ایک بار فون آج تھا دونوں کا۔"

کشش کھل گیا۔ سالار مسکراتے ہوئے سیدھا ہو گیا اور ایک سیٹیلر پر پاؤں دبا دیا۔

سعید واماں نے ہاتھ جاری رکھی۔

"میں وہ دونوں سے کتنی تنہی کہ قسم کھا کر بتائیں، انہوں نے کوئی کرل فریڈ بتائی تو نہیں۔ جب تک

شادیاں نہیں ہوئیں۔ ہر بار فون پر سب سے پہلے وہ دونوں قسم کھا کر بھی بتاتا کرتے تھے مجھے۔ سلام بھی بعد

میں کیا کرتے تھے۔"

وہ فخریہ انداز میں بتاتی جا رہی تھیں۔

"بڑے تابعدار بنے ہیں مجھے۔ وہ دونوں نے کرل فریڈ نہیں بتائی۔"

"آپ نے اپنی پسند سے دونوں کی کہیں شادیاں کی ہیں؟"

برالار نے پوچھا۔

"نہیں وہ دونوں نے اور میری اپنی پسند سے شادیاں کی ہیں۔"

انہوں نے حادگی سے کہا۔ سالار کے حلق سے بے اختیار قہقہہ نکلا۔

"کیا ہوا؟" سعید واماں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں، آپ کی بہنیں انگریز ہیں؟"

"نہیں، پاکستانی ہیں مگر وہیں رہتی تھیں۔ میرے بیٹوں کے ساتھ کام کرتی تھیں محترم خستے کیوں؟"

سعید واماں نے اپنا سوال دہرایا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔"

سعید واماں کچھ دیر خاموش رہیں پھر انہوں نے کہا۔

"تو تم نے بتایا کہ کرل فریڈ..."

سالار نے بات کاٹ دی۔

"نہیں ہے سعید واماں! کرل فریڈ بھی نہیں ہے۔"

"ماشا اللہ... ماشا اللہ۔" وہ ایک بار پھر اس ماشا اللہ کا سیاق و سباق سمجھنے میں ناکام رہا۔

"کھرا پتا ہے؟"

"نہیں کرا کے کا ہے۔"

"کوئی ملازم وغیرہ ہے؟"

"مستقل تو نہیں ہے مگر صفائی وغیرہ کے لئے ملازم رکھا ہوا ہے۔"

"اور یہ مجازی تو اپنی ہی ہوتی؟"

"جی۔"

"اندر کتنی کتنی ہے؟"

سالار وہ اپنی سے جواب دیتے دیتے ایک بار پھر چوکا۔ کھنگو کس نوعیت پر جاری تھی، فوری طور

پر اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔

"سعید واماں! آپ یہاں اکٹلی کیوں رہتی ہیں۔ اپنے بیٹوں کے پاس کیوں نہیں چلی جاتیں؟"

سالار نے موضوع بدلا۔

”ہاں، میرا بھی ارادہ ہے۔ پہلے تو میرا دل نہیں چاہتا تھا مگر آپ نے سوچا ہے کہ بچی کی شادی کروں تو پھر باہر چل جاؤں گی۔ اکیسے رہتے رہتے تنگ آگئی ہوں۔“

سالار اب اس سڑک پر آگیا تھا جہاں سے اس نے سعید واماں کو پک کیا تھا۔

”میں نے آپ کو یہاں سے لیا تھا۔ آپ بتائیں، ان میں سے کون سا گھر ہے؟“ سالار نے گاڑی کی رفتار آہستہ کرتے ہوئے دائیں طرف کے گھروں پر نظر ڈالی۔

”غیر کا نہیں ہے، گھر کی تو پہچان ہوگی آپ کو؟“

سعید واماں بغور گھروں کو دیکھ رہی تھیں۔

”ہاں..... ہاں گھر کی پہچان ہے۔“

وہ گھر کی نشانیاں بتاتے لگیں جو اتنی ہی مبہم تھیں، جتنا ان کے اپنے گھر کا پتہ۔ وہ سڑک کے آخری سرے پر پہنچ گئے۔ سعید واماں گھر نہیں پہچان سکیں۔ سالار، بال کے والد کا نام پوچھ کر گاڑی سے نیچے اتر گیا اور باری باری دونوں اطراف کے گھروں سے سعید واماں کے بارے میں پوچھنے لگا۔

آدھ گھنٹہ کے بعد وہ اس سڑک پر موجود ہر گھر میں جا چکا تھا۔ مطلوب نام کے کسی آدمی کا گھر وہاں نہیں تھا۔

”آپ کو ان کا نام ٹھیک سے یاد ہے؟“

وہ تھک ہار کر سعید واماں کے پاس آیا۔

”ہاں..... لو بھلا اب مجھے نام بھی پتا نہیں ہوگا۔“

سعید واماں نے پرانا نا۔

”لیکن اس نام کے کسی آدمی کا گھر یہاں نہیں ہے نہ ہی کوئی آپ کے بارے میں جانتا ہے۔“

سالار نے گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھنے ہوئے کہا۔

”ہاں تو..... یہ ساتھ والی سڑک پر دیکھ لو۔“

سعید واماں نے کچھ قاصلے پر ایک اور سڑک کی طرف اشارہ کیا۔

”لیکن سعید واماں! آپ نے کہا تھا کہ گھر اسی سڑک پر ہے۔“ سالار نے کہا۔

”میں نے کب کہا تھا؟“ وہ معترض ہوئیں۔

”میں نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے ٹرن تو نہیں لیا۔ آپ نے کہا نہیں۔“ سالار نے انہیں یاد

کروایا۔

”وہ تو میں نے کہا تھا مگر یہ ہوتا کیا ہے؟“

سالار کا دل زودیا۔

”ٹرن؟“

”ہاں، یہی۔“

”آپ کسی اور سڑک سے سڑک تو یہاں نہیں آئیں؟“

”لو تو اس طرح کہو نا۔“ سعید واماں کو تسلی ہوئی۔

”میں کبھی یہاں بیٹھ گئی تھی۔ تھک گئی تھی چل چل کر اور یہ سڑک تو چھوٹی سی ہے۔ یہاں میں چل کر کیا تھک سکتی تھی؟“

سالار نے گاڑی اسٹارٹ کر لی۔ وہ دن بہت خراب تھا۔

”کس سڑک سے سڑک یہاں آئی تھیں آپ؟“

اس نے سعید واماں سے کہتے ہوئے گاڑی آگے بڑھائی۔

”میرا خیال ہے۔“ وہ پہلی سڑک کو دیکھتے ہوئے الجھیں۔

”یہ ہے۔“ انہوں نے کہا۔

سالار کو یقین تھا وہ سڑک نہیں ہوگی مگر اس نے گاڑی اس سڑک پر سوڑی۔ یہ تو سنے تھا کہ آج اس کا سارا دن اسی طرح ضائع ہوتا تھا۔

انکا ایک لڑکا تھوڑا سا تھا وہاں اس پاس کی مختلف سڑکوں پر سعید واماں کو لے کر پھر بارہا گھر سے کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ سعید واماں کو ہر گھر دور سے شاسا لگتا۔ پاس جانے پر وہ کہنا شروع کر دیتیں۔

”نہ..... نہ..... نہ..... یہ نہیں ہے۔“

وہ پاتا خر کاٹونی میں تلاش چھوڑ کر انہیں واپس اسی محلہ میں لے آیا جہاں وہ پہلے ان کا گھر ڈھونڈ رہا تھا۔

مزید ایک ڈیڑھ گھنٹہ وہاں ضائع کرنے کے بعد جب وہ تھک کر واپس گاڑی کے پاس آیا تو شام ہو چکی تھی۔

سعید واماں اس کے برعکس اطمینان سے گاڑی میں بیٹھی تھیں۔

”لا؟“

انہوں نے سالار کے اندر بیٹھنے ہی پوچھا۔

”نہیں اب تو رات ہو رہی ہے، تلاش بے کار ہے۔ میں پوئیس میں رپورٹ کر دیتا ہوں آپ کی۔ آپ کی بچی یا آپ کے محلے والے آپ کے نہ ملنے پر پوئیس سے رابطہ کر کریں گے ہی۔ پھر وہ لے جائیں گے آپ کو۔“

سالار نے ایک بار پھر گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے تجویز پیش کی۔

"کوئی بات نہیں بھائی تمہارے پاس ہی رولوں کی۔ تم میرے بیٹے کے برابر ہو، مجھے اعتماد ہے تم پر۔"

سعید واماں نے مطمئن لہجے میں کہا۔

"سالار نے صرف مسکراتے پر اکتفا کیا۔

اس نے راستے میں رُک کر ایک ریستورنٹ سے کہا ہالیا۔ بھوک سے اس کا برا حال ہو رہا تھا اور ایک دم اسے احساس ہوا کہ سعید واماں بھی دوپہر سے اس کے ساتھ کچھ کھائے بیٹے بغیر ہی نہیں۔ اسے عدم اطمینان کا احساس ہوا۔ اپنے فلیٹ کی طرف جاتے ہوئے اس نے راستے میں ایک جگہ رُک کر سعید واماں کے ساتھ سیب کا تازہ جوس پیلا۔ وہ زندگی میں پہلی بار کسی بوڑھے شخص کے ساتھ اتنا وقت گزار رہا تھا اور اسے احساس ہو رہا تھا کہ یہ کام آسان نہیں تھا۔

فلیٹ میں پہنچ کر وہ ابھی سعید واماں کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا جب فرقان آ گیا۔

اس نے سعید واماں سے خود ہی اپنا تعارف کروایا اور پھر کھانا کھانے لگا۔ چند منٹوں میں ہی وہ سعید واماں کے ساتھ اتنی بے تکلفی کے ساتھ خیمہ بچھاؤ میں گفتگو کر رہا تھا کہ سالار کو رشک آنے لگا۔ اس نے فرقان سے اچھی گفتگو کرنے والا بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کے گفتگو کے انداز میں کچھ نہ کچھ ایسا ضرور تھا کہ وہ سراپانہ دل اس کے سامنے کھول کر رکھ دینے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ اتنے سالوں سے دوستی کے باوجود وہ فرقان کی طرح گفتگو کرنا نہیں سیکھ سکا تھا۔

دس منٹ کے بعد وہ وہاں خاموشی سے کھانا کھانے والے ایک سامع کی حیثیت اختیار کر چکا تھا جبکہ فرقان اب سعید واماں مسلسل گفتگو میں مصروف تھے۔ سعید واماں یہ جان کر کہ فرقان ڈاکٹر ہے، اس سے طبی مشورے لینے میں مصروف تھیں۔ کھانے کچھ خاتے تک وہ فرقان کو مجبور کر چکی تھیں کہ وہ اپنا میڈیکل باکس لاکر لانا کا چیک اپ کرے۔

فرقان نے انہیں یہ نہیں بتایا کہ وہ دو گولوسٹ تھا۔ وہ بڑی خصل حرامی سے اپنا چیک لے آیا۔ اس نے سعید واماں کا بلڈ پریشر چیک کیا پھر اسلیٹو سکوپ سے ان کے دل کی رفتار کو ماپا اور آخر میں نبض چیک کرنے کے بعد انہیں یقین دلایا کہ وہ بے حد تندرست حالت میں ہیں اور بلڈ پریشر یا دل کی کوئی بیماری انہیں نہیں ہے۔

سعید واماں ایک دم بے حد ہشاش بشاش نظر آنے لگیں۔ سالار ان کے درمیان ہونے والی گفتگو سنتے ہوئے کچھ نہیں جانتے تھے۔ وہ دونوں لاؤنج کے صوفوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

پھر اسی دوران اس نے فون کی گھنٹی سنی۔ فرقان نے فون اٹھایا تھا۔ دوسری طرف ڈاکٹر سید علی تھے۔ سلام دعا کے بعد انہوں نے کہا۔

"جی۔۔۔۔۔ جی۔۔۔۔۔ آج چارٹی پریشان ہو رہی ہوگی۔"

سعید واماں کو اپنی بیٹی کا خیال آگیا۔ سالار کا دل چاہا وہ ان سے کہے کہ وہ ان کی بیٹی سے زیادہ پریشان ہے مگر وہ خاموشی سے ڈرائیج کرتے ہوئے گاڑی پولیس اسٹیشن لے آیا۔

رپوٹ دیکھ کر اس نے بعد وہ اٹھ کر وہاں سے نکلے لگا۔ سعید واماں بھی اٹھ کر چلی ہوئیں۔

"آپ انہیں۔۔۔۔۔ آپ مجھے رہیں گی۔"

سالار نے ان سے کہا۔

"نہیں۔۔۔۔۔ ہم انہیں یہاں کہاں رکھیں گے، آپ انہیں ساتھ لے جائیں، کسی نے ہم سے رابطہ کیا تو ہم انہیں آپ کا پتہ دے دیں گے۔" پولیس انسپکٹر نے کہا۔

"لیکن میں تو انہیں آپ کے حوالے کر دینا چاہتا ہوں۔" سالار معترض ہوا۔

"دیکھیں، بوڑھی خاتون ہیں، اگر کوئی رابطہ نہیں کر تا ہم سے تو راستہ کہاں رہیں گی۔ اور اگر کچھ دن اور گزر گئے۔"

پولیس انسپکٹر کوٹا گیا۔ سعید واماں نے اسے بات مکمل کرتے نہیں دی۔

"نہیں، مجھے اصرار نہیں رہنا۔ بیٹا میں تمہارے ساتھ ہی چلوں گی۔ میں اصرار کہاں بیٹھوں گی آدمیوں میں۔"

سالار نے انہیں کوئی بار گھبراتے ہوئے دیکھا۔

"لیکن میں تو۔۔۔۔۔" اکیلا رہتا ہوں، وہ کہتے کہتے رُک گیا، پھر اسے فرقان کے گھر کا خیال آیا۔

"اچھا ٹھیک ہے، چلیں۔" اس نے ایک گھر اسٹاپ لیتے ہوئے کہا۔

باہر گاڑی میں آکر اس نے موبائل پر فرقان سے رابطہ قائم کیا۔ وہ انہیں فرقان کے ہاں ٹھہرنا چاہتا تھا۔ فرقان ابھی ہاسٹل میں ہی تھا۔ اس نے موبائل پر ساری ضرورت حال اسے بتائی۔

"نوٹیشن لوگاؤں میں ہوئی ہے۔" فرقان نے اسے بتایا۔

"مگر کوئی مسئلہ نہیں، میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔ انہیں اپنے فلیٹ پر لے جاؤں گا۔ وہ کون سی کوئی نوجوان خاتون ہیں کہ مسئلہ ہو جائے گا۔ تم ضرورت سے کچھ زیادہ ہی محتاط ہو رہے ہو۔"

"نہیں، میں ان کے آرام کے حوالے سے کہہ رہا تھا۔ آکر ڈنڈ لگے انہیں۔" سالار نے کہا۔

"نہیں لگنا یا راپوچھ لینا تم ان سے، ورنہ پھر کسی ساتھ والے فلیٹ میں ٹھہرا دیں گے، عالم صاحب کی فیلٹی کے ساتھ۔"

"اچھا، تم تو پھر دیکھتے ہیں۔"

سالار نے موبائل بند کرتے ہوئے کہا۔

"سالار نے پولیس انسپکشن پر کسی سعیدہ نام کی خاتون کے بارے میں اطلاع دی تھی۔"

فرقان حیران ہوا۔

"جی وہ کیسی ہیں، ہمارے پاس۔"

"ایڈنگ کا شکر ہے۔" ڈاکٹر سید علی نے بے اختیار کہا۔

"ہاں، وہ میری عزیزہ ہیں، ہم انہیں تلاش کر رہے تھے چند گھنٹوں سے۔ پولیس سے رابطہ کیا تو

سالار کا نام اور نمبر دے دیا۔ انہوں نے۔"

فرقان نے انہیں سعیدہ ناموں کی بات فون پر ان سے کروائی۔

سالار بھی باہر لاؤنچ میں آ گیا۔

سعیدہ ناموں فون پر گفتگو میں مصروف تھیں۔

"ڈاکٹر صاحب کی عزیزہ ہیں یہ۔"

فرقان نے دھیمی آواز میں اس کے قریب آکر کہا۔

"ڈاکٹر سید علی صاحب کی؟" سالار حیران ہوا۔

"ہاں، وہ ہی کی۔"

سالار نے بے اختیار اطمینان بھر اسٹمس لیا۔

"بھائی صاحب کہہ رہے ہیں تم سے بات کروالے کو۔"

سعیدہ ناموں نے فرقان سے کہا۔

فرقان ٹیڑھی سے ان کی طرف بڑھا اور ریسیور لے کر کالڈ پر کچھ نوٹ کرنے لگا۔ ڈاکٹر سید علی

اسے ایڈریس لکھوا رہا تھا۔

سعیدہ ناموں نے قدرے حیرانی سے لاؤنچ کے دروازے میں کھڑے سالار کو دیکھا۔

"تم کیا کر رہے ہو؟" ان کی نظریں سالار کے اچھلن پر جمی تھیں۔

وہ کچھ شرمندہ ہو گیا۔

"میں۔۔۔ برتن وصول ہوا تھا۔"

سالار وہاں کچن میں آیا اور اس نے اچھلن آٹھو دیا۔ ویسے بھی برتن وہ تقریباً جو چکا تھا۔

"سالار! آؤ پھر انہیں چھوڑ آتے ہیں۔"

اسے اپنے عقب میں فرقان کی آواز آئی۔

"یہ کام بعد میں کر لیتا۔"

"تم گاڑی کی چابی لو، میں ہاتھ دھو کر آتا ہوں۔" سالار نے کہا۔

انگلے دس منٹ میں وہ نیچے سالار کی گاڑی میں تھے۔ فرقان اگلی سیٹ پر تھا اور اس کے باوجود

کچیل سیٹ پر بیٹھی سعیدہ ناموں سے گفتگو میں مصروف تھا۔ ساتھ ساتھ وہ سالار کو راستے کے بارے میں

ہدایات بھی دیتا جا رہا تھا۔

بہت جھڑپوں سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے وہ میں منٹ میں مطلوبہ محلے اور گلی میں تھے۔ بڑی

گلی میں گاڑی کھڑی کرنے کے بعد وہ دونوں انہیں اندر گلی میں ان کے گھر تک چھوڑنے گئے۔ سعیدہ

ناموں کو اب رہنمائی کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اپنی گلی کو پہچانتی تھیں۔

وہ غریب انداز میں کچھ جتاتے ہوئے سالار کو بتاتی تھیں۔

"ملواری کی رکال۔۔۔ گھر کے سینٹ والے ڈھکن۔۔۔ پر پوٹو صاحب کا گھر۔۔۔"

"ہی! سالار مسکراتے ہوئے سر ہلاتا رہا۔

اس نے ان کو یہ نہیں بتایا کہ ان کی بتائی ہوئی ساری نشانیاں صحیح تھیں۔ صرف وہ اسے ایک غلط

طالعے میں لے گئی تھیں۔

"آمنہ بے چاری پریشان ہو رہی ہو گی۔" انہوں نے سرگھٹ کی بنی ہوئی ایک چولی نواہ

منزل مکان کے سامنے رکھتے ہوئے ۲۷۵ نمبر کہا۔

فرقان نے آگے بڑھ کر تیل بھائی۔ سالار قدرے سناٹا انداز میں چولی پر نظریں دوڑاتا رہا۔ وہ

یقیناً کانی پرانی چولی تھی مگر مسلسل دیکھ بھال کی وجہ سے وہ اس گلی میں سب سے باوقار لگ رہی تھی۔

"تم لوگوں کو اب میں نے چائے پینے بغیر جانے نہیں دیتا۔" سعیدہ ناموں نے کہا۔

"میری وجہ سے تم لوگوں کو بہت پریشانی ہو گی۔ خاص طور پر سالار کو۔ کچھ مجھے سارا دن لئے

پھر تار رہا۔" سعیدہ ناموں نے سالار کے کندھے پر ہاتھ چھرتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں، سعیدہ ناموں اچھے ہم بھر بھی نہیں گے، آج ہمیں دیر ہو رہی ہے۔"

"ہاں سعیدہ ناموں! آج چائے نہیں پیئیں گے۔ کبھی آکر آپ کے پاس کھانا کھائیں گے۔"

فرقان نے بھی جلدی سے کہا۔

"دیکھ لیتا، ایسا ہو کہ یاد دہانت رہے نہیں۔"

پولیس، جھلا کھانا کیسے بھولیں گے ہم۔ وہ جو آپ ہانک گوشت کی ترکیب بتا رہی تھیں، وہی ہانک

کھائے گا۔"

فرقان نے کہا۔ اندر سے قدموں کی آواز آرہی تھی۔ سعیدہ ناموں کی بیٹی دروازہ کھولنے آ رہی تھی

اور اس نے دروازے سے کچھ فاصلے پر ہی سعیدہ ناموں اور فرقان کی آوازیں سن لی تھیں، اس لئے اس

نے کچھ بھی پوچھے بغیر دروازے کا بولٹ اندر سے اتارتے ہوئے دروازہ تھوڑا سا کھول دیا۔

”اچھا۔ سعید! ماں! خدا حافظ۔“ فرقان نے سعیدہ امیں کو دڑوا کر بے کی میز صیال چڑھتے ہوئے دیکھ کر کہا۔ سالار اس سے پہلے ہی پلٹ چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

گاڑی میں بیٹھ کر اسے اشارت کرتے ہوئے سالار نے فرقان سے کہا۔
”تمہاری سب سے ناپسندیدہ وادش پانک گوشت ہے اور تم ان سے کیا کہہ رہے تھے؟“
فرقان نے قہقہہ لگایا۔ ”کہنے میں کیا حرج ہے۔ دیکھتے ہو سکتا ہے وہ واقعی اتنا اچھا پانک نہیں کھانے پر مجبور ہو جاؤں۔“
”تم جاؤ گے ان کے گھر؟“

سالار گاڑی میں روڈ پر لاتے ہوئے حیران ہوا۔

”پانک جاؤں گا وہ وعدہ کیا ہے میں نے اور تم؟“

”میں تو نہیں جاؤں گا۔“ سالار نے انکار کیا۔

”جان نہ پہچان رہے! اٹھا کر ان کے گھر کھانا کھانے پہنچ جاؤں۔“

”ڈاکٹر سیٹ علی صاحب کی فرسٹ کزن ہیں وہ اور مجھ سے زیادہ تو تمہاری جان پہچان ہے ان کے ساتھ۔“ فرقان نے کہا۔

”وہ اور معاملہ تھا! انہیں عدوی ضرورت تھی! میں نے مدد کر دی اور بس! اتنا کافی ہے۔ ان کے بیٹے یہاں ہوتے تو اور بات تھی لیکن اس طرح اکیلی عورتوں کے گھر میں تو کبھی نہیں جاؤں گا۔“ سالار سنجیدہ تھا۔

”میں کون سا انگلیا جانے والا ہوں یا بیوی بچوں کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔ جانتا ہوں میرا انگلیا ان کے ہاں جانا مناسب نہیں ہے۔ نو شین بھی ان سے مل کر خوش ہو گی۔“

”ہاں، بھابھی کے ساتھ چلے جانا کوئی حرج نہیں۔“ سالار مطمئن ہوا۔

”میں جاؤں۔؟ تم کو بھی ساتھ چلنا ہے! انہوں نے تمہیں بھی دعوت دی ہے۔“

”میں تو نہیں جاؤں گا۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔ تم ہو آنا کافی ہے۔“ سالار نے لاپرواہی سے کہا۔

”تم ان کے خاص مہمان ہو، تمہارے بغیر تو سب کچھ بیکار ہے گا۔“

سالار کو اس کا لہجہ کچھ عجیب سا لگا۔ اس نے گردن موڑ کر فرقان کو دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

”کیا مطلب؟“

”میرا خیال ہے انہیں تم داماد کے طور پر پسند آگئے ہو۔“

”فضول باتیں مت کیا کرو۔“ سالار نے اسے ناراضی سے دیکھا۔

”اچھا۔۔۔ دیکھ لینا، چروچو زل آئے گا تمہارا اس گھر سے۔ سعیدہ! اس کو تم ہر طرح سے اچھے لگے ہو۔ ہر بات پر چبھی ہے انہوں نے مجھ سے تمہارے بارے میں۔ یہ بھی کہ تمہارا اشادی کا کوئی ارادہ ہے کہ نہیں اور ہے تو سب تک کرنے کا ارادہ ہے۔ میں نے کہا کہ جیسے ہی کوئی اچھا پرہیزگار ملا وہ فوراً کر لے گا پھر وہ اپنی بیٹی کے بارے میں بتانے لگیں۔ اب جتنی تعریفیں وہ اپنی بیٹی کی کر رہی تھیں! ہم اس میں سے بچاس فیصد بھی بچے کچھ لیں تو بھی وہ لڑکی۔ کیا نام لے رہی تھیں۔۔۔ ہاں آف۔۔۔ تمہارے لئے بھرتی ہو گی۔“

”شرم آتی چاہئے تمہیں! ڈاکٹر سیٹ علی صاحب کی رشتہ دار ہیں وہ اور تم ان کے بارے میں فضول باتیں کر رہے ہو۔“ سالار نے اسے جھڑکا۔

فرقان سنجیدہ ہو گیا۔

”میں کوئی غلط بات نہیں کر رہا ہوں، تمہارے لئے تو یہ اعزاز کی بات ہونی چاہئے کہ تمہاری شادی ڈاکٹر سیٹ علی صاحب کے خاندان میں ہو۔“

”جست اسٹاپ! فرقان! یہ مسئلہ کافی ڈسکس ہو گیا! اب ختم کرو۔“ سالار نے سختی سے منہایا۔

”چلو ٹھیک ہے، ختم کرتے ہیں پھر کبھی بات کریں گے۔“

فرقان نے اطمینان سے کہا۔ سالار نے گردن موڑ کر چھٹی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

”ڈرائیونگ کر رہے ہو، سڑک پر دھیان رکھو۔“ فرقان نے اس کا کندھا جھنجھپایا۔ سالار کچھ ناراضی کے عالم میں سڑک کی طرف متوجہ ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

سعیدہ! ماں کے ساتھ ان کا رابطہ وہیں ختم نہیں ہوا۔

کچھ دنوں کے بعد وہ ایک شام ڈاکٹر سیٹ علی کے ہاں تھے جب انہوں نے اپنے لچھر کے بعد ان دونوں کو روک لیا۔

”سعیدہ! آپ لوگوں سے ملنا چاہتی ہیں، مجھ سے کہہ دی تھیں کہ میں آپ لوگوں کے ہاں انہیں لے جاؤں۔ میں نے ان کو بتایا کہ شام کو وہ لوگ میری طرف آئیں گے، آپ یہیں ٹھہریں۔ آپ لوگوں نے شاید کوئی وعدہ کیا تھا ان کے ہاں جانے کا، مگر کئے نہیں۔“

فرقان نے معنی خیز نظروں سے سالار کو دیکھا۔ وہ نظریں چرا گیا۔

”نہیں، ہم لوگ سوچ رہے تھے مگر کچھ مصروفیت تھی اس لئے نہیں جاپاے۔“ فرقان نے جواب دیا۔

دو دنوں ڈاکٹر سیٹ علی کے ساتھ ان کے ڈرائیونگ روم میں پہلے آئے جہاں کچھ دیر بعد سعیدہ! ماں

بھی آجئیں اور آتے ہی ان کی شکایات اور تاراضی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ فرقان انہیں طعن کرنے میں مصروف رہا جبکہ سالار خاموشی سے بیٹھا رہا۔

اگلے ایک اینڈ پر فرقان نے سالار کو سعیدہ اماں کی طرف جانے کے پروگرام کے بارے میں بتایا۔ سالار کو اسلام آباد اور پھر وہاں سے گاؤں جانا تھا۔ اس لئے اس نے اپنی مصروفیت چاکر سعیدہ اماں سے معذرت کر لی۔

ایک اینڈ گزرنے کے بعد لاہور واپسی پر فرقان نے اسے سعیدہ اماں کے پاس گزارنے والے وقت کے بارے میں بتایا۔ وہ اپنی فحشی کے ساتھ وہاں گیا تھا۔

"سالار! میں سعیدہ اماں کی بیٹی سے بھی ملتا تھا۔"

فرقان نے بات کرتے ہوئے اچانک کہا۔

"بہت اچھی لڑکی ہے۔ سعیدہ اماں کے برعکس خاصی خاموش طبع ہے۔ بالکل تمہاری طرح۔ تم دونوں کی بڑی اچھی گزرے گی۔ نو شین کو بھی بہت اچھی لگی ہے۔"

"فرقان! تم صرف دعوت تک ہی رہو تو بھتر ہے۔" سالار نے اسے ٹوکا۔

"میں بہت سیریس ہوں سالار! فرقان نے کہا۔

"میں بھی سیریس ہوں۔" سالار نے اسی انداز میں کہا۔ "ضمیمین بتا ہے فرقان! تم جتنا شادی پر اصرار کرتے ہو، میرا شادی سے اتنا ہی بول اٹھتا جا رہا ہے اور یہ سب تمہاری ان باتوں کی وجہ سے ہے۔"

سالار نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

"میری باتوں کی وجہ سے نہیں۔ تم صاف صاف یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم امامہ کی وجہ سے شادی نہیں کرنا چاہتے۔"

فرقان یک دم سنجیدہ ہو گیا۔

"اوکے۔۔۔۔۔ صاف صاف کہہ دیتا ہوں، میں امامہ کی وجہ سے شادی کرنا نہیں چاہتا پھر۔۔۔۔۔؟"

سالار نے سرد دھڑکی سے کہا۔

"یہ ایک چمکانہ سوچ ہے۔" فرقان اسے بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

"اوکے، فائن۔ چمکانہ سوچ ہے پھر؟" سالار نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

"Then you should get rid of it." (تم ضمیمین اس سے چمکانہ حاصل کرنا چاہتے) فرقان نے نرمی سے کہا۔

"I don't want to get rid of it... so?" (میں اس سے چمکانہ نہیں چاہتا۔۔۔۔۔ پھر؟)

سالار نے ترکی یہ ترکی کہا۔ فرقان کچھ دیر لاجواب ہو کر اسے دیکھ کر رہا۔

"میرے سامنے وہ بارہ تم سعیدہ اماں کی بیٹی کی بات مت کرنا اور اگر تم سے وہ اس بارے میں بات کریں بھی تو تم صاف صاف کہہ دینا کہ مجھے شادی نہیں کرنی، میں شادی شدہ ہوں۔"

"اوکے، نہیں کروں گا اس بارے میں تم سے بات۔ مجھے میں آنکھ کی ضرورت نہیں ہے۔"

فرقان نے دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے صلح جوئی سے کہا۔

.....

"مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں اس لئے تمہیں بلوا رہا ہے۔" سکندر نے مسکراتے ہوئے

سالار کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ طیبہ کے ساتھ اس وقت لاؤنج میں بیٹھے ہوئے تھے اور سالار ان کے فون

کرتے پر اس ایک اینڈ پر اسلام آباد آیا ہوا تھا۔

سکندر عثمان نے قدرے متانتی نظروں سے اپنے تیسرے بیٹے کو دیکھا۔ دو کچھ دیر پہلے ان کے

ساتھ کھانا کھانے کے بعد اب کپڑے تبدیل کر کے ان کے پاس آیا تھا۔ سفید شلوار قمیض اور گھر میں بیٹی

جانے والی سیاہ جینز میں وہ اپنے عام سے علیے کے باوجود بہت ہاد کار لگ رہا تھا۔ شاید پراس کے چہرے کی

سنجیدگی تھی یا پھر شاید وہ آج پہلی بار کئی سالوں کے بعد اسے بڑے غور سے دیکھ رہے تھے اور وہ احترام

کر رہے تھے کہ اس کی شخصیت میں بہت وقار اور ظہور آ گیا ہے۔

انہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ سالار کی وجہ سے انہیں اپنے سوشل سرکل میں اہمیت اور

عزت ملے گی۔ وہ جانتے تھے بہتے جھگڑوں پر اب ان کا تحارف سالار سکندر کے حوالے سے ہوتا تھا اور

انہیں اس پر غور و فکر نہ ہوتی تھی۔ اس نے اپنی پوری ٹین انج میں انہیں بڑی طرح خوار اور پریشان

کیا تھا اور ایک وقت تھا جب انہیں اپنے اس بیٹے کا مستقل سب سے تاریک لگتا تھا۔ اپنی تمام عمر معمولی

ملا جیٹوں اور قابلیت کے باوجود مگر ان کے انداز سے اور خدشات صحیح ثابت نہیں ہوئے تھے۔

طیبہ نے خشک میوے کی پلیٹ سالار کی طرف بڑھائی۔

سالار نے چند کاچو اٹھائے۔

"میں تمہاری شادی کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

کاچو حے میں ڈالتے ہوئے وہ ایک دم رک گیا۔ اس کے چہرے کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ سکندر

عثمان اور طیبہ بہت خوشگوار موڈ میں تھے۔

"اب تمہیں شادی کرنی لینی چاہئے سالار!"

سکندر نے کہا۔ سالار نے غیر محسوس انداز میں ہاتھ میں پکڑے ہوئے کاچو دوبارہ خشک میوے کی

پلیٹ میں دکھ دیئے۔

"میں اور طیبہ تو جبراً انہیں پورے تھے کہ اتنے دیر سے تو تمہارے بھائیوں میں سے کسی کے نہیں آئے

جیسے تہوارے لئے آ رہے ہیں۔“

سکندر نے بڑے گفتگو انداز میں کہا۔

”میں نے سوچا، کچھ بات دات کر رہی تم سے۔“

وہ چپ چاپ انہیں دیکھتا رہا۔

”زادہ ہونا اپنی صاحب کو چاہتے ہو؟“ سکندر عثمان نے ایک بڑی ٹٹنی پیش نہیں کیے بیٹے کا نام لیا۔

”ہی۔۔۔ ان کی بیٹی میری کوئی ہے۔“

”رہ نام ہے شاید؟“

”جی۔“

”کیسی لڑکی ہے؟“

دو سکندر عثمان کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگا۔ ان کا سوال بہت ”واضح“ تھا۔

”انجلی ہے۔“ اس نے چند لمحوں کے بعد کہا۔

”جس میں پسند ہے؟“

”میں لگتا ہے؟“

”میں رعد کے پردہ زلی کی بات کر رہا ہوں۔“ سکندر عثمان نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

”زادہ بچھلے کی ہفتے سے مجھ سے اس مسئلے میں بات کر رہا ہے۔ اپنی والدہ کے ساتھ دو ایک دو

بار ہماری طرف آیا بھی ہے۔ ہم لوگ بھی ان کی طرف گئے ہیں۔ بچھلے ویک اینڈ پر رعد سے بھی ملے

ہیں۔ بچھلے اور طیبہ کو تو بہت اچھی لگی ہے۔ خوب صورت ہے، بہت well behaved ہے اور تہوار سے

ساتھ بھی اس کی اچھی خاصی دوستی ہے۔ ان لوگوں کی خواہش ہے بلکہ اصرار ہے کہ تہوار سے ذرا بعد

دونوں ٹیمپلو میں کوئی رشتہ داری بن جائے۔“

”پاپا! میری رعد کے ساتھ دوستی نہیں ہے۔“ سالار نے مدھم مدھم اور خیرے ہوئے انداز میں کہا۔

”وہ میری کوئی ہے، جان بچیان ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت اچھی لڑکی ہے مگر میں

اس سے شادی نہیں کرتا چاہتا۔“

”تم کہیں اور انٹرنل ہو؟“

سکندر نے اس سے پوچھا۔ وہ خاموش رہا۔ سکندر اور طیبہ کے درمیان نظروں کا تبادلہ ہوا۔

”مگر تمہاری بہنیں اور دلچسپی ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں بلکہ ہمیں خوشی ہو گی وہاں شادی

شادی کی بات کرتے ہوئے اور پھر یہ نام تم پر بھی کوئی رپاؤ نہیں ڈالیں گے اس مسئلے میں۔“

سکندر نے غری سے کہا۔

”میں بہت عرصہ پہلے شادی کر چکا ہوں۔“

ایک لمبی خاموشی کے بعد اس نے اسی طرح سر جھکائے ہوئے مدھم مدھم لہجے میں کہا۔ سکندر کو کوئی

دشواری نہیں ہوتی یہ سمجھنے میں کہ اس کا اشارہ کس طرف تھا۔ ان کے چہرے پر ایک دم سنجیدگی آ گئی۔

”ایمان کی بات کر رہے ہو؟“

وہ خاموش رہا۔ سکندر بہت دیر تک بے چینی سے اسے دیکھتے رہے۔

”اسنے عرصے سے اس لئے شادی نہیں کر رہے؟“

سکندر کو جیسے ایک شاگ لگا تھا۔ ان کا خیال تھا وہ اسے بھلا چکا تھا۔ آخر یہ آٹھ سال پرانی بات تھی۔

”اب تک تو وہ شادی کر چکی ہو گی، اپنی زندگی آرام سے گزار رہی ہو گی۔ تمہاری اور اس کی

شادی تو سب کی ختم ہو چکی۔“

سکندر نے اس سے کہا۔

”میں پاپا اس کے ساتھ میری شادی ختم نہیں ہوئی۔“ اس نے کبلی بار سر اٹھا کر کہا۔

”تم نے اسے نکاح سے میں طلاق کا اختیار دیا تھا اور۔۔۔ مجھے یاد ہے تم اسے ڈھونڈنا چاہتے تھے

تا کہ طلاق دے سکو۔“

سکندر نے جیسے اسے یاد کر دیا۔

”میں نے اسے ڈھونڈا تھا مگر وہ مجھے نہیں ملی اور وہ یہ بات نہیں جانتی کہ اس کے پاس طلاق کا

اختیار ہے۔ وہ جہاں بھی ہو گی انجلی تک میری ہی بیوی ہو گی۔“

”سالار! آٹھ سال گزر چکے ہیں۔ ایک دو سال کی بات تو نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے وہ یہ جان گئی ہو

کہ طلاق کا اختیار اس کے پاس ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اب بھی تمہاری بیوی ہی ہو۔“

سکندر نے قدرے مضطرب ہو کر کہا۔

”میرے علاوہ کوئی وہ سرا تو اسے یہ نہیں بتا سکتا تھا اور میں نے اسے اس حق کے بارے میں نہیں

بتایا اور جب تک وہ میرے نکاح میں ہے مجھے کہیں اور شادی نہیں کرنی۔“

”تمہارا نکاح کیا ہے اس کے ساتھ؟“ سکندر نے بہت مدھم مدھم آواز میں کہا۔

”نہیں۔“

”آٹھ سال سے اس سے تمہارا رابطہ نہیں ہوا۔ اگر ساری عمر وہ اب تم کی لڑکے؟“

وہ خاموش رہا۔ اس کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

سکندر عثمان کچھ دیر اس کے جواب کا انتظار کرتے رہے۔

”تم نے مجھ سے بھی یہ نہیں کہا کہ تم اس لڑکی کے ساتھ ایسا مشعلی الوداع ہو۔ تم نے تو مجھے یہی بتایا

تھا کہ تم نے صرف وقتی طور پر اس کی مدد کی تھی وہ کسی اور لڑکے سے شادی کرنا چاہتی تھی وغیرہ وغیرہ۔"

سالار اس بار بھی خاموش رہا۔

سکندر عثمان چپ چاپ اسے دیکھتے رہے۔ وہ اپنے اس قہر سے بے کوکھی نہیں جان سکتے تھے۔ اس کے دل میں کیا تھا وہ اس تک بھی نہیں سمجھ سکتے تھے۔ جس لڑکی کے لئے وہ آٹھ سال ضائع کر چکا تھا اور باقی کی زندگی ضائع کرنے کے لئے تیار تھا، اس کے ساتھ اس کے جذباتی تعلق کی شدت سمجھی ہو سکتی تھی یہ اب شاید اسے لاشکوں میں بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کمرے میں خاموشی کا ایک لمبا وقفہ آیا پھر سکندر عثمان اٹھ کر اپنے باوریکنگ روم میں چلے گئے۔ ان کی داہلی چندلشوں کے بعد ہوئی۔ صوف پر بیٹھنے کے بعد انہوں نے سالار کی طرف ایک لفاظی بڑھا دیا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے وہ لفاظی پکڑ لیا۔

"اما۔ نے مجھ سے رابطہ کیا تھا۔"

دو سافٹ ٹیش لے سکا۔ سکندر عثمان ایک بار پھر جوبانے پر بیڑ بٹکے تھے۔

"یہ پانچ گھنٹے سال پہلے کی بات ہے وہ تم سے بات کرنا چاہتی تھی۔" فون ناصر نے اٹھایا تھا اور

اس نے امامہ کی آواز پہچانی تھی۔ "تب تم پاکستان میں تھے ناصر نے تمہاری بی بیائے مجھ سے اس کی بات کر دلی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں تم سے اس کی بات کرواؤں۔ میں نے اس سے کہا کہ تم مر چکے ہو۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ تم سے رابطہ کرے اور جس مصیبت سے ہم بچنا چاہتے ہیں اس میں وہ بارہ پڑیں۔ مجھے یقین تھا کہ وہ میری بات پر یقین کر لے گی کیونکہ تم کئی بار خودکشی کی کوشش کر چکے تھے۔ وہ دہیم کی لیکن تھی تمہارے بارے میں یہ سب کچھ جانتی ہو گی۔ کم از کم ایک ایسی کوشش کی تو وہ خودکواہ تھی۔ میں اسے انکار ہائے میں موجود طلاق کے اعتبار کے بارے میں نہیں بتا۔ کار ہی اس طلاق نامے کے بارے میں جو میں نے تمہاری طرف سے تیار کروایا تھا۔ تمہیں جہاں میں نے امریکہ بھیجا تھا تو تم سے ایک سادہ کاغذ پر سائن لئے تھے، میں چاہتا تھا کہ مجھے ضرورت پڑے تو میں خود ہی طلاق نامہ تیار کروا لوں۔ یہ قانونی یا جائز تھا کہ نہیں اس کا پتہ نہیں مگر میں نے اسے تیار کروا لیا تھا اور میں امامہ کو اس کے بارے میں بتانا چاہتا تھا اور اسے تمام پیچھے رکھتی دینا چاہتا تھا مگر اس نے فون بند کر دیا۔ میں نے نمبر ٹریس آؤٹ کروا لیا وہ کئی ہی سی او کا تھا۔ اس کے کچھ دنوں بعد میں ہزار کے کچھ فریو لارڈ چیک بیچھے اس نے ڈاک کے ذریعے بھیجوائے اس کے ساتھ ایک خط بھی تھا۔ شاید تم نے اسے کچھ دے دی تھی۔ اس نے وہ واہسی کی تھی۔ میں نے تمہیں اس لئے نہیں بتایا کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ تم دوبارہ اس معاملے میں انوائو ہو۔ میں امامہ کی فیملی سے خوفزدہ تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ وہ جب بھی تمہاری تاک میں ہوں گے اور میں چاہتا تھا تم اپنا کیریئر بناتے رہو۔"

وہ لفاظی ہاتھ میں پکڑے دھجک بدلتے ہوئے چہرے کے ساتھ سکندر عثمان کو دیکھ رہا، کئی سال بہت آہستگی کے ساتھ اس کے وجود سے جان نکال لی تھی۔ اس نے لفاظی کو نیل پر رکھ دیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ طیبہ اور سکندر اس کے ہاتھ کی کپکپاہٹ کو دیکھ سکیں۔ وہ دیکھ چکے تھے مگر اس کے خواہش چند لمحوں کے لئے بالکل کام کرنا چھوڑ گئے تھے۔ اپنے سامنے پڑی نیل پر رکھے اس لفاظی پر ہاتھ رکھے وہ کچھ دیر رہا۔ دیکھتا رہا پھر اسے نیل پر رکھے رکھے اس نے اس کے اندر موجود کاغذ کو نکال لیا۔

ڈنیر اگل سکندر!

مجھے آپ کے بیٹے کی موت کے بارے میں جان کر بہت افسوس ہوا۔ میری دلچسپی سے آپ لوگوں کو چند سال پہلے بہت پریشانی کا سامنا کرنا پڑا، میں اس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ مجھے سالار کو کچھ رقم ادا کرنی تھی۔ وہ میں آپ کو بھوکا رہی ہوں۔

خدا حافظ

امامہ ٹاشم

سالار کو لگا وہ واقعی مر گیا ہے۔ سفید چہرے کے ساتھ اس نے کاغذ کے اس ٹکڑے کو دوبارہ لفاظی میں ڈال دیا۔ کچھ بھی کہے بغیر اس نے لفاظی تھانا اور اٹھ کر کھڑا ہوا۔ سکندر اور طیبہ دم بخود اسے دیکھ رہے تھے جب وہ سکندر کے پاس سے گزرنے لگا تو وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"سالار۔۔۔"

وہ زک گیا۔ سکندر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"جو کچھ بھی ہوا۔۔۔ نادانگی میں ہوا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ تم۔۔۔ اگر تم نے کبھی مجھے امامہ کے بارے میں اپنی فیکٹوری بتائی ہو تو میں کبھی یہ سب نہ کرتا۔ میں اس سارے معاملے کو کسی اور طرح وینڈل کرنا چاہتا تھا کہ ساتھ تمہارا رابطہ کروا دیتا۔ میرے بارے میں اپنے دل میں کوئی شکایت یا گدہ مت رکھنا۔"

سالار نے سر نہیں اٹھایا۔ ان سے نظر نہیں ملانی مگر سر کو ہلکی سی جنبش دی۔ اسے ان سے کوئی شکوہ نہیں تھا۔ سکندر نے اس کے کندھے سے ہاتھ ہٹا لیا۔

وہ تیزی سے کمرے سے نکل گیا، سکندر چاہتے تھے وہ وہاں سے چلا جائے۔ انہوں نے اس کے ہونٹوں کو کسی بچے کی طرح کپکپاتے دیکھا تھا۔ وہ بار بار انہیں سمجھتی کر خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ چند منٹ اور وہاں رہتا تو شاید پھوٹ پھوٹ کر روئے لگتا۔ سکندر اپنے دلچسپانہ سے میں مزید اضافہ نہیں چاہتے تھے۔

طیبہ نے اس ساری مصیبت میں کوئی مداخلت نہیں کی، مگر سالار کے باہر جانے کے بعد انہوں نے

سکندر کی دل دہی کرنے کی کوشش کی۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ نے جو کچھ کیا اس کی بھڑکی کے لئے کیا۔ وہ سمجھ جائے گا۔"

وہ سکندر کے چہرے سے ان کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگا سکتی تھیں۔ سکندر ایک سگریٹ سلگاتے ہوئے کمرے میں چکر لگا رہے تھے۔

"یہ میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ مجھے ساآرات پر جیسے بغیر اس کو بتاتے بغیر یہ سب کچھ نہیں کرنا چاہئے تھا۔ مجھے اندازہ ہے اس طرح کا جھوٹ بھی نہیں بولنا چاہئے تھا۔۔۔۔۔ مجھے۔۔۔۔۔"

وہ بات اوصوری جھوڑ کر جسٹ آئیز انداز میں ایک ہاتھ کو ٹٹنی کی صورت میں پیچھے ہونے کوڑکی میں جا کر کمرے ہو گئے۔

☆.....☆.....☆

گاڑی بڑھنے مقام انداز میں اس سڑک پر پھسل رہی تھی۔ ساآرات کی سال بعد پہلی بار اس سڑک پر رات کے اس پہر گاڑی چلا رہا تھا۔ وہ رات اس کی آنکھوں کے سامنے کسی ظلم کی طرح چل رہی تھی۔ اسے لگا آٹھ سال آؤ کر غائب ہو گئے تھے۔ سب کچھ وہی تھا۔ وہیں تھا۔ کوئی بڑی تبدیلی سے اس کے برابر میں آ بیٹھا۔ اس نے اپنے آپ کو فریب کی گڑبٹ میں آنے دیا۔ گروں موز کروں والی سیٹ کو نہیں دیکھا۔ الوڑوں کو حقیقت بنے دیا۔ جانتے بوجھتے کھلی آنکھوں کے ساتھ۔ کوئی اب سسکیوں کے ساتھ دور رہا تھا۔

"ذخیرہ اکل سکندر"

مجھے آپ کے بیٹے کی موت پر بہت افسوس ہوا۔ چند سال پہلے میری وجہ سے آپ کو بہت تکلیف اٹھانی پڑی، میں اس کے لئے آپ سے معذرت خواہ ہوں۔ مجھے سالار کو کچھ رقم ادا کرنی تھی۔ وہ اب میں آپ کو بھیج رہی ہوں۔"

خدا حافظ
ابامہ ہاشم

ایک بار پھر اس خط کی تحریر اس کے ذہن میں گونجنے لگی تھی۔

وہ سکندر عثمان کے پاس سے آکر بہت دیر تک خط لکھے اپنے کمرے میں بیٹھا رہا۔

اس نے ابامہ کو کوئی رقم نہیں دی تھی مگر وہ چاہتا تھا اس لئے اس کا کون سا قرض لوہا تھا۔ سو بائیل فون کی قیمت اور اس کے بڑے وہ خالی الذہنی کے عالم میں اپنے بیٹے پر بیٹھے شیم ہارک کمرے کی کڑکیوں سے باہر اس کے گھر کی عمارت کو دیکھتا رہا۔ ساری دنیا ایک دم جیسے ہر ذرہ جسے سے خالی ہو گئی تھی۔

اس نے خط پر تیار شاخ پڑھی، وہ ابامہ کے گھر سے جانے کے تقریباً دو سال بعد بھیجا گیا تھا۔ ڈھائی سال کے بعد اگر وہ بیس ہزار روپے اسے مجبور دی تھی تو اس کا مطلب تھا وہ خیریت سے تھی۔ کم از کم اس کے ابامہ کے بارے میں بدترین اندیشے درست ثابت نہیں ہوئے تھے۔ اسے خوش تھی لیکن اگر اس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ سالار مرچکا تھا تو پھر وہ اس کی زندگی سے بھی گھٹ گیا تھا اور اس کا کیا مطلب تھا وہ یہ بھی جانتا تھا۔

کئی بجے وہ اسی طرح وہیں بیٹھا رہا پھر بتائیں اس کے دل میں کیا آیا، اپنا بیک بیک کر کے وہ گھر سے نکل آیا۔

اور اب وہ اس سڑک پر تھا۔ اسی دھند میں، اسی موسم میں، اسی سب کچھ جیسے دھواں میں رہا تھا یا پھر وہ چند چھتوں کے بعد وہ اسی ہوٹل فرانسس اسٹیشن کے پاس جا پہنچا۔ اس نے گاڑی روک لی۔ دھند میں ملوث وہ عمارت اب بالکل بدل چکی تھی۔ گاڑی کو موز کروں سڑک سے اتار کر اندر لے آیا۔ پھر دروازہ کھول کر پیچھے اتر آیا۔ آٹھ سال پہلے کی طرح آج بھی وہاں خاموشی کا راج تھا۔ صرف لائٹس کی قندیل پہلے سے زیادہ تھی، اس نے ہارن نہیں دیا، اس لئے اندر سے کوئی نہیں نکلا۔ برآمدے میں اب وہ پانی کا ڈرم نہیں تھا۔ اور برآمدے سے گزرتے ہوئے اندر جانے لگا، تب ہی اندر سے ایک شخص نکل آیا، اس سے پہلے کہ وہ پچھتاوا سالار نے اس سے کیا۔

"میں چائے پینا چاہتا ہوں۔"

اس نے شاہی لی اور وہاں مڑ گیا۔

"آجائیں۔۔۔۔"

سالار اندر چلا گیا۔ یہ وہی کمرہ تھا مگر اندر سے کچھ بدل چکا تھا۔ پہلے کی نسبت میزوں اور کرسیوں کی تعداد زیادہ تھی اور کمرے کی حالت بھی بہت بہتر ہو چکی تھی۔

"چائے میں کچھ لسانہ کچھ اور بھی؟" اس آدمی نے سڑک پر اچانک پوچھا۔

"صرف چائے۔"

سالار ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

آدمی کاؤنٹر کے عقب میں اب اسٹوڈ جالے میں مصروف ہو چکا تھا۔

"آپ کہاں سے آئے ہیں؟" اس نے چائے کے لئے کیشی لاپر رکھتے ہوئے سالار سے پوچھا۔ جواب نہیں آیا۔

اس شخص نے گروں موز کروں دیکھا۔ چائے پینے کے لئے آنے والا وہ شخص کمرے کے ایک کونے پر نظر سے جاتے ہوئے تھا۔ بالکل پتھر کے کسی مجسمے کی طرح بے حس و حرکت۔

وہ نماز پڑھ کر اس کے بالمقابل میز کے دوسری جانب کرسی پر بیٹھی تھی۔ کچھ کبے بغیر اس نے میز پر پڑا جانے کا کپ اٹھایا اور اسے پیچھے لگی۔ لڑکا تب تک برنگر لے آیا تھا اور اب ٹھیک پر برنگر رکھ رہا تھا۔ سالار ٹھیک نظروں کے ساتھ اس برنگر کی پیٹ کو دیکھ رہا تھا، جو اس کے سامنے رکھی جا رہی تھی۔ جب لڑکے نے پیٹ رکھ دی تو سالار نے کانٹے کے ساتھ برنگر کا اوپر والا حصہ اٹھایا اور تنہا ہی نظروں سے غلنگ کا جائزہ لیا پھر چھری اٹھا کر اس نے لڑکے سے کہا جو اب امام کے برنگر کی پیٹ اس کے سامنے رکھ چکا تھا۔

”یہ شای کتاب ہے۔“

اس fillingos کی اوپر والی نہ کو الگ کر رہا تھا۔

”یہ آلیٹ ہے۔“ اس نے نیچے مویٹر آلیٹ کو چھری کی مدد سے خود ادا کر دیا۔

”اور یہ کچپ، تو چکن کہاں ہے؟“ میں نے جیسے چکن برنگر لانے کو کہا تھا؟“

اس نے اٹھ لیجے میں لڑکے سے کہا۔

امام تب تک خاموشی سے برنگر اٹھا کر کھانے میں مصروف ہو چکی تھی۔

”یہ چکن برنگر ہے۔“ لڑکے نے قدم دے گزرا کر کہا۔

”کیسے چکن برنگر ہے؟“ اس میں کہیں چکن نہیں۔“ سالار نے چیلنج کیا۔

”ہم اسے ہی چکن برنگر کہتے ہیں۔“ وہ لڑکا اب تروس ہو رہا تھا۔

”اور جو ساہو برنگر ہے اس میں کیا ڈالتے ہو؟“

”اس میں بس شای کتاب ہوتا ہے۔ اٹھ نہیں ہوتا۔“

”اور اندو ڈال کر ساہو برنگر چکن برنگر بن جاتا ہے۔ چونکہ اندے سے مرئی نکلتی ہے اور مرئی کے

گوشت کو چکن کہتے ہیں اس لئے directly نہیں تو indirectly یہ چکن برنگر بنتا ہے۔“

سالار نے بیوی سید کی سے کہا۔ وہ لڑکا کھانے انداز میں بسا امام ان دونوں کی گفتگو پر توجہ

دینے بغیر ہاتھ میں پکڑا کر کھانے میں مصروف تھی۔

”ٹھیک ہے جاؤ۔“ سالار نے کہا۔

لڑکے نے نظریہ سکون کا سانس لیا اور وہاں سے غائب ہو گیا۔ چھری اور کانٹے کو رکھ کر سالار نے

باہیں ہاتھ سے برنگر کو اٹھالیا۔ برنگر کھاتے ہوئے امام نے پہلی بار پیٹ سے سالار کے ہونٹوں تک

باہیں ہاتھ میں پکڑے ہوئے برنگر کے سفر کو تعجب آمیز نظروں سے دیکھا اور یہ تعجب ایک لمحہ میں غائب

ہو گیا تھا۔ وہ ایک بار پھر برنگر کھانے میں مصروف تھی۔ سالار نے اپنے برنگر کو دانتوں سے کاٹا ایک لمحہ

کے لئے منہ چلایا اور پھر برنگر کو اپنی پیٹ میں اچھال دیا۔

”فضول برنگر ہے۔ تم کس طرح کھا رہی ہو؟“ سالار نے لڑکے کو شکل طاق سے نگتے ہوئے کہا۔

”کتا برا نہیں ہے جتنا تمہیں لگ رہا ہے۔“ امام نے بے تاثر انداز میں کہا۔

”ہر چیز میں تمہارا سینڈ رڈ والا ہے امام اودہ چاہے برنگر ہو یا شوہر۔“

برنگر کھاتے ہوئے امام کا ہاتھ رک گیا۔ سالار نے اس کے سفید چہرے کو ایک بل میں سرخ

ہوتے دیکھا۔ سالار کے چہرے پر ایک تیار بننے والی مسکراہٹ آئی۔

”میں جلال انصاری ہات کر رہا ہوں۔“ اس نے جیسے امام کو یاد دلایا۔

”تم ٹھیک کہتے ہو۔“ امام نے پر سکون لیجے میں کہا۔

”میرا سینڈ رڈ واقعی بہت لو ہے۔“ وہ ایک بار پھر برنگر کھانے لگی۔

”میں نے سوچا تم برنگر چھڑے منہ پر دے بارو گی۔“ سالار نے دلی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”میں رزقی جیسی نعمت کو کیوں ضائع کروں گی۔“

یہ اکتا برا برنگر نعمت ہے؟“ اس نے ٹھیک آمیز انداز میں کہا۔

”اور کون کون سی نعمتیں ہیں اس وقت تمہارے پاس۔“

”انسان اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کر ہی نہیں سکتا۔ یہ میری زبان پر ذائقہ جھکنے کی جرح ہے یہ کتنی

بیوی نعمت ہے کہ میں لڑکوں کی چیز کھاتی ہوں تو میں اس کا ذائقہ محسوس کر سکتی ہوں۔ بہت سے لوگ ان

نعمت سے بھی محروم ہوتے ہیں۔“

”اور ان لوگوں میں ٹاپ آف وی لسٹ سالار سکندر کا نام ہو گا ہے نا؟“

اس نے امام کے بات عمل کرنے سے پہلے ہی نیز آواز میں اس کی بات کاٹی۔

”سالار سکندر کم از کم اس طرح کی چیزیں کھا کر انجوائے نہیں کر سکتا۔“

اس شخص نے جانے کا کپ اس کے سامنے رکھ دیا۔ سالار یک دم چونک گیا۔ سامنے والی کرسی

اب خالی تھی۔

”ساتھ میں کچھ اور چاہئے؟“ آدمی نے کھڑے کھڑے پھر پوچھا۔

”نہیں، بس چائے کافی ہے۔“ سالار نے جانے کا کپ اپنی طرف سمجھتے ہوئے کہا۔

”آپ اسلام آباد سے آئے ہیں؟“ اس نے پوچھا۔

”ہاں۔“

”لاہور جا رہے ہیں؟“ اس نے ایک اور سوال کیا۔

اس بار سالار نے سر کے اشارے سے جواب دیا۔ جواب چائے کا گھونٹ لے رہا تھا۔ اس آدمی کو

شبہ ہوا اس نے چائے پینے والے شخص کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی دیکھی ہے۔

"میں کچھ دیر یہاں اکیلا بیٹھنا چاہتا ہوں۔" اس نے چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے سر اٹھائے بغیر کہا۔

وہ شخص کچھ تعجب سے اسے دیکھتا رہا لیکن میں چلا گیا اور ٹالوئی نوٹیت کے کاموں میں مصروف ہو گیا۔

پورے پندرہ منٹ بعد اس نے سالار کو ٹیلی فون پر کھنکھارے سے اٹھتے دیکھا۔ وہ آدھی بڑی تیزی سے گاڑی کے ساتھ بگنی سے کمرے میں آیا مگر اس سے پہلے کہ وہ سالار کے پیچھے باہر جاتا میز پر خالی کپ کے نیچے پڑے ایک نوٹ نے اسے روک لیا۔ وہ چھوٹا سا نوٹ کو دیکھتا رہا، پھر اس نے آگے بڑھ کر اس نوٹ کو پکڑا اور تیزی سے کمرے سے باہر آ گیا۔ سالار کی گاڑی اس وقت ریموڈس ہوتے ہوئے تین روڈ پر جا رہی تھی۔ اس آدھی نے حیرانی سے اس دور چلتی ہوئی گاڑی کو دیکھا پھر ہاتھ میں پکڑے اس ہزار روپے کے نوٹ کو برآمدے میں لگی ٹیوب لائٹ کی روشنی میں دیکھا۔

"نوٹ اصلی ہے مگر آدھی بے وقوف۔"

اس نے اپنی خوشی پر قابو پاتے ہوئے زیر لب تھمر دیا اور نوٹ کو جیب میں ڈال لیا۔

☆ — ☆ — ☆

سکندر عثمان صبح ناشتے کی میز پر تھے تو بھی ان کے ذہن میں سب سے پہلے سالار کا ہی خیال آیا تھا۔

"سالار کہاں ہے؟ اسے بلواؤ۔"

انہوں نے ملازم سے کہا۔ "سالار صاحب خود اس کو ہی چلے گئے۔"

طیبہ اور سکندر نے بے اختیار ایک دوسرے کا چہرہ دیکھا۔

"کہاں چلے گئے؟"

"نہیں، وہ ابھی لاہور چلے گئے۔ کچھ رہے تھے لونی ضروری کام ہے، پھر صبح آپ کو بتا دوں۔"

سکندر ایک دم اٹھ کر فون کی طرف چلے گئے۔ انہوں نے سالار کا نمبر ڈائل کیا۔ سوہاگل آف تھا۔ انہوں نے اس کے فلیٹ کا نمبر ڈائل کیا۔

وہاں جوائی مشین لگی ہوئی تھی۔ انہوں نے پیغام دیکھا اور اسے بغیر فون بند کر دیا۔ کچھ پریشان سے وہ دو بار دہشتے کی میز پر آ بیٹھے۔

"فون پر کال کیا تھی؟" طیبہ نے پوچھا۔

"نہیں، سوہاگل آف ہے۔ اس کے فلیٹ پر آسرفون لگا ہوا ہے۔ پتا نہیں کیوں چلا گیا؟"

"آپ پریشان نہ ہوں۔" ناشتہ کریں۔" طیبہ نے انہیں تسلی دینے کی کوشش کی۔

"تم کرو۔۔۔ میرا سوا نہیں ہے۔"

وہ اٹھ کر باہر نکل گئے۔ طیبہ بے اختیار سانس لے کر رہ گئی۔

☆ — ☆ — ☆

سالار نے اپنے فلیٹ کا دروازہ کھولا، باہر فرقان تھا۔ وہ پلیٹ کر اندر آ گیا۔

"تم کب آئے؟" فرقان نے قدم ڈھکیں چرائی سے اس کے پیچھے اندر آتے ہوئے کہا۔

"آج صبح۔۔۔" سالار نے صوفے کی طرف چلتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟" "تمہیں گاڑی جانا تھا؟" فرقان نے اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں تو پارکنگ میں تیار ہی گاڑی پر کچھ کر آ گیا۔" بندہ آٹھ بجے تو تیار ہی ہو چکا ہے۔"

سالار جواب میں کچھ کہے بغیر صوفہ پر بیٹھ گیا۔

"کیا ہوا؟" فرقان نے چٹائی پر اس کے چہرے کو دیکھا اور تشویش میں مبتلا ہوا۔

"کیا ہوا؟" سالار نے جواب دیا۔

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں، تمہیں کیا ہوا ہے؟" فرقان نے اس کے سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں۔"

"گھر میں سب خیریت ہے؟"

"ہاں۔۔۔"

"تو پھر تم۔۔۔ سر میں درد ہے؟ میگرین؟"

فرقان اب اس کے چہرے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

"نہیں۔" سالار نے مسکراتے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس کا کاٹوہ بھی نہیں تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں کو مسلا۔

"تو پھر ہوا کیا ہے؟ تمہیں؟ آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں۔"

"میں رات سو یا نہیں۔ ذرا سو کر تازہ ہوں۔"

سالار نے بڑے عام سے انداز میں کہا۔

"تو اب سو جاتے۔ یہاں آکر فلیٹ پر صبح سے کیا کر رہے ہو؟" فرقان نے کہا۔

"کچھ بھی نہیں۔"

"سوئے کیوں نہیں۔۔۔؟"

"خینہ نہیں آ رہی۔"

"تم تو سلیپنگ ٹیبلے کر سو جاتے ہو، پھر خینہ نہ آتا کیا؟" فرقان نے پوچھا۔

فرقان کو تعجب ہوا۔

"بس آج نہیں لینا چاہتا تھا میں۔ یہاں کچھ لوگ آج میں سونا نہیں چاہتا تھا۔"

"کھانا کھایا ہے؟"

"نہیں، بھوک نہیں لگی۔"

"دو بج رہے ہیں۔" فرقان نے جیسے اسے بتایا۔

"میں کھانا بھیجوا رہا ہوں کھالو۔" تھوڑی دیر سوچا پھر راستے کو نکلتے ہیں آؤنگ کے لئے۔

"نہیں، کھانا مت بھیجوانا، میں سونے جا رہا ہوں۔ شام کو انھوں کا قہار ہو جا کر کہیں کھاؤں گا۔"

سالار کہتے ہوئے صوف پر لیٹ گیا اور اپنا بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔ فرقان کچھ دیر بیٹھا اسے دیکھتا رہا، پھر اٹھ کر باہر چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟"

رموہ نے سالار کے کمرے میں آتے ہوئے کہا۔ اس نے ریسپشن کی طرف جاتے ہوئے سالار کے کمرے کی کڑکیوں کے چند کھٹے ہوئے بلاکنڈز میں اسے اندر دیکھا تھا۔ کور پڑ در میں سے گزر جانے کی بجائے وہ رک گئی۔ سالار ٹیکل پر اپنی کہیاں نکالے دونوں ہاتھوں سے لپٹا کر پکڑے ہوئے تھا۔ رموہ جانتی تھی کہ اسے کبھی بھار سنگرمین کا دروازہ نہ ملے گا۔ وہ ریسپشن کی طرف جانے کے بجائے اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آ گئی۔

سالار اسے دیکھ کر سیدھا بولا۔ وہ اب ٹیکل پر کھلی ایک ٹائل کو دیکھ رہا تھا۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟" رموہ نے غرمدی سے پوچھا۔

"ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

اس نے رموہ کو دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ رموہ واپس جانے کے بجائے آگے بڑھ آئی۔

"نہیں تم ٹھیک نہیں لگ رہے؟ اس نے سالار کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم پلیز اس ٹائل کو لے جاؤ۔ اسے دیکھ لو۔ میں دیکھ نہیں پا رہا۔"

سالار نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے ٹائل بند کر کے ٹیکل پر اس کی طرف کھسکادی۔

"میں دیکھ لیتی ہوں، تمہاری طبیعت زیادہ خراب ہے تو گھر چلے جاؤ۔"

رموہ نے تشویش بھرے انداز میں کہا۔

"ہاں، بہتر ہے۔ میں گھر چلا جاؤں۔" اس نے اپنا بریف کیس نکال کر اسے کھولا اور اپنی چیزیں

انداز رکھنا شروع کر دیں۔ رموہ بخور اس کا جائزہ لیتی رہی۔

☆.....☆.....☆

وہ کیا رہے آفس سے واپس گھر آیا تھا۔ یہ چوتھا دن تھا جسے وہ مسلسل اسی حالت میں تھا۔ ایک دم ہر چیز میں اس کی دلچسپی ختم ہو گئی تھی۔

چنگ میں اپنی جاب۔

الگو (LUMS) کے لیچر۔

ڈاکٹر سیٹلی کے ساتھ نشست۔

فرقان کی کھینی۔

گاؤں کا اسکول۔

مستقبل کے منصوبے اور پلاننگ۔

اسے کوئی چیز بھی اپنی طرف متوجہ نہیں پارہی تھی۔

وہ جس امکان کے پیچھے کئی سال پہلے سب کچھ چھوڑ کر پاکستان آ گیا تھا وہ "امکان" ختم ہو گیا تھا اور اسے ابھی اندازہ نہیں تھا کہ اس کے ختم ہونے سے اس کے لئے سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ وہ مسلسل اپنے آپ کو اس حالت سے باہر لانے کے لئے جدوجہد کر رہا تھا اور وہ مسلسل ناکام ہو رہا تھا۔ محض یہ تصور کہ وہ کس اور شخص کی بیوی بن کر کسی اور کے گھر میں رہ رہی ہوگی۔ سالار ٹیکل کے لئے اتنا ہی جان لیوا تھا جتنا ماضی کا یہ اندیشہ کہ وہ غلط ہاتھوں میں نہ پل گئی تھی اور اس نے اپنی حالت میں اس نے عمرہ پر جانے کا فیصلہ کیا تھا وہ واحد جگہ تھی جو اس کی زندگی میں اچانک آ جانے والی اس بے معنییت کو ختم کر سکتی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ حرافہ پاندھے خانہ کعبہ کے صحن میں کھڑا تھا۔ خانہ کعبہ میں کوئی نہیں تھا۔ دور دور تک کسی وجود کا نشان نہیں تھا۔ راستے کے پچھلے پہر آسمان پر چاند اور ستاروں کی روشنی نے صحن کے ماربل سے منعکس ہو کر وہاں کی ہر چیز کی ایک عجیب سی دوہرا روشنی میں تبدیل دیا تھا۔ چاند اور ستاروں کے علاوہ وہاں اور کوئی روشنی نہیں تھی۔

خانہ کعبہ کے خلاف پر کھینچی ہوئی آیات، سیاہ لٹاف پر عجیب طرح سے روشنی تھیں۔ ہر طرف گہرا سکوت تھا اور اس گہرے سکوت کو صرف ایک آواز توڑ رہی تھی۔ اس کی آواز۔ اس کی اپنی آواز۔ وہ مقام ملنوم کے پاس کھڑا تھا۔ اس کی نظریں خانہ کعبہ کے دروازے پر تھیں اور وہ سر اٹھائے بلند آواز سے کہنے لگا۔

"لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ ۝ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ ۝ اِنِّ الْحَمْدُ وَالنَّعْمَةُ لَكَ وَالْمُلْكُ

لَا شَرِيكَ لَكَ ۝"

(حاضر ہوں میرے اللہ میں حاضر ہوں، حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، ویکٹ
مرد مجاہد سے لئے ہے، نعمت تیری ہے، بادشاہی تیری ہے کوئی حیرا شریک نہیں)۔
پوری قوت سے گونجتی ہوئی اس کی آواز خانہ کعبہ کے سکوت کو توڑ رہی تھی۔ اس کی آواز خلا کی
دستوں تک جا رہی تھی۔

"لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ۔"

تھکے پاؤں، نیم برہنہ وہاں کھڑا وہ اپنی آواز پہچان رہا تھا۔

"لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ۔" وہ صرف اس کی آواز تھی۔ اِنْ الْحَمْدُ وَالنَّعْمَةُ لَكَ
وَالْمَلِكُ۔"

اس کی آنکھوں سے پتے ہوئے آنسو اس کی ٹھوڑی سے نیچے اس کے پیروں کی انگلیوں پر گر
رہے تھے۔

"لَا شَرِيكَ لَكَ۔"

اس کے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھے ہوئے تھے۔

"لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ۔"

اس نے خانہ کعبہ کے خلاف پر گندہ آیات کو یک دم بہت روشن دیکھا۔ آثارِ روشن کہ وہ جگہ گانے
گئی تھیں۔ آسمان پر ستاروں کی روشنی بھی اچانک بڑھ گئی تھی۔ وہ ان آیات کو دیکھ رہا تھا۔ مہیوت سر
زور۔ کسی معمولی کی طرح اڑہاں پر ایک ہی جملہ لئے۔ اس نے خانہ کعبہ کے دروازے کو بہت آہستہ
آہستہ کھٹکے دیکھا۔

"لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ۔"

اس کی آواز اور بلند ہو گئی۔ ایک وردی طرح۔ ایک سانس۔ ایک لے۔

"لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ۔"

اس وقت پہلی بار اس نے اپنی آواز میں کسی اور آواز کو مدغم ہوتے محسوس کیا۔

"اِنْ الْحَمْدُ وَالنَّعْمَةُ۔۔۔۔۔"

اس کی آواز کی طرح وہ آواز بلند نہیں تھی۔ کسی سرگوشی کی طرح تھی۔ کسی کوچ کی طرح، مگر وہ
پہچان سکتا تھا وہ اس کی آواز کی کوچ نہیں تھی۔ وہ کوئی اور آواز تھی۔

"لَكَ وَالْمَلِكُ۔۔۔۔۔"

اس نے پہلی بار خانہ کعبہ میں اپنے علاوہ کسی اور کی موجودگی کو محسوس کیا۔

"لَا شَرِيكَ لَكَ۔۔۔۔۔"

خانہ کعبہ کا دروازہ کھل رہا تھا۔

"لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ۔"

وہ اس نسوانی آواز کو پہچانتا تھا۔

"لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ۔"

وہ اس کے ساتھ وہی الفاظ دہرا رہی تھی۔

"لَبَّيْكَ اَنْ الْحَمْدُ وَالنَّعْمَةُ۔"

آواز انہیں طرف نہیں تھی، پاؤں طرف تھی۔ کہاں۔۔۔ اس کی پشت پر۔ چند قدم کے فاصلے پر۔

"لَكَ وَالْمَلِكُ لَا شَرِيكَ لَكَ۔"

اس نے جھک کر اپنے پاؤں پر گرنے والے آنسوؤں کو دیکھا اس کے پاؤں بھیگ چکے تھے۔

اس نے سر اٹھا کر خانہ کعبہ کے دروازے کو دیکھا۔ دروازہ کھل چکا تھا۔ اندر روشنی تھی۔ دودھیا
روشنی۔ اشیٰ روشنی کہ اس نے بے اختیار کھٹکے ٹپک رہے۔ وہ اب سجدہ کر رہا تھا، روشنی کم ہو رہی تھی۔ اس
نے سجدے سے سر اٹھایا۔ روشنی اور کم ہو رہی تھی۔

وہ آٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ خانہ کعبہ کا دروازہ اب بند ہو رہا تھا۔ روشنی اور کم ہوئی جا رہی تھی اور تب اس
نے ایک بار پھر سرگوشی کی سماعت میں وہی نسوانی آواز سنی۔

اس بار اس نے مڑ کر دیکھا تھا۔

.....

سالار کی آنکھ کھل گئی۔ دوحرم شریف کے ایک برآمدے کے ستون سے سر نکلیے ہوئے تھا۔ وہ
کچھ دیر سستانے کے لئے وہاں بیٹھا تھا مگر نیند نے عجیب انداز میں اس پر غلبہ پایا۔

وہ امانہ تھی۔ بے شک امانہ تھی۔ سفید احرام میں اس کے پیچھے کھڑی۔ اس نے اس کی صرف ایک
جھلک دیکھی تھی مگر ایک جھلک بھی اسے یقین دلانے کے لئے کافی تھی کہ وہ امانہ کے علاوہ کوئی اور نہیں
تھا۔ خالی الدینی کے عالم میں لوگوں کو ادھر سے ادھر جاتے دیکھ کر بے اختیار اس کا دل بھر آیا۔

آٹھ سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا تھا اسے اس عورت کو دیکھے بیٹے اس نے آج وہاں حرم شریف
میں خواب میں دیکھا تھا کسی زخم کو پھر لا جڑا گیا تھا۔ اس نے گلاسز اتار دیئے اور دونوں ہاتھوں سے
چہرے کو ڈھانپ لیا۔

آنکھوں سے اٹنے گرم پانی کو کرکڑے، آنکھوں کو میسلے اسے خیال آیا۔ یہ حرم شریف تھا۔ یہاں
اسے کسی سے آنسو چھپانے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہاں سب آنسو بہانے کے لئے ہی آتے تھے۔ اس
نے چہرے سے ہاتھ ہٹائے۔ اس پر رقت طاری ہو رہی تھی۔ وہ سر جھکانے بہت دیر وہاں ٹھہرا رہا۔

پھر اسے یاد آیا وہ ہر سال وہاں عہدہ کرنے کے لئے آیا کرتا تھا۔ وہ امام ہاشم کی طرف سے بھی مرہ کیا کرتا تھا۔

وہ اس کی عافیت اور لمبی زندگی کے لئے بھی دعا مانگا کرتا تھا۔

وہ امام ہاشم کو ہر پریشانی سے محفوظ رکھنے کے لئے بھی دعا مانگا کرتا تھا۔

اس نے وہاں حرم شریف میں اسٹے سالوں میں اپنے اور امام کے لئے ہر دعا مانگ چھوڑی تھی جہاں بھری دعا نہیں، مگر اس نے وہاں حرم شریف میں بھی امام کو اپنے لئے نہیں مانگا تھا۔ عجیب بات تھی مگر اس نے وہاں بھی امام کے حصول کے لئے دعا نہیں کی تھی۔ اس کے آسویک و مہتمم تھے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

وہ غصے کے بعد اس نے عمرے کے لئے احرام باندھا۔ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے اس پر اتفاقاً اس مقام مشترم کے پاس جگہ مل گئی۔ وہاں، جہاں اس نے اپنے آپ کو خواب میں کھڑے دیکھا تھا۔

اپنے ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے اس نے دعا کرنا شروع کی۔

”یہاں کھڑے ہو کر تجھ سے انجاء دعا مانگا کرتے تھے۔ ان کی دعاؤں میں اور میری دعا میں بہت فرق ہے۔“

وہ گڑگڑا ہوا تھا۔

”میں جی ہوتا تو بیوی بھی دعا کرتا مگر میں تو عام بشر ہوں اور تمنا بگاڑ بشر۔ میری خواہشات، میری آرزوئیں سب عام ہیں۔ یہاں کھڑے ہو کر بھی کوئی کمی عورت کے لئے نہیں رہا ہو گا۔ میری ذلت اور بستی کی اس سے زیادہ اہم کیا ہو گی کہ میں یہاں کھڑا۔۔۔۔۔ حرم پاک میں کھڑا۔ ایک عورت کے لئے گڑگڑا رہا ہوں مگر مجھے اپنے دل پر اختیار ہے نہ اپنے آسودگی پر۔“

یہ میں نہیں تھا جس نے اس عورت کو اپنے دل میں جگہ دی۔ یہ تو نے کیا۔ کیوں میرے دل میں اس عورت کے لئے اتنی محبت ڈالی وی کہ میں تیرے سامنے کھڑا بھی اس کو چھو کر دیا ہوں؟ کیوں مجھے اس قدر بے بس کر دیا کہ مجھے اپنے وجود پر بھی کوئی اختیار نہیں رہا؟ میں وہ بشر ہوں جسے تو نے اپنا تمام کھڑو بچوں کے ساتھ بنایا۔ میں وہ بشر ہوں جسے تیرے سوا کوئی راستہ دکھانے والا نہیں اور وہ عورت وہ میری زندگی کے ہر راستے پر کھڑی ہے۔ مجھے کہیں جانے نہیں چاہئے تھیں دے رہی یا تو اس کی محبت کو اس طرح میرے دل سے نکال دے کہ مجھے بھی اس کا خیال تک نہ آئے یا پھر اسے مجھے دے دے۔ وہ نہیں لے لی تو میں ساری زندگی اس کے لئے ہی روتا رہوں گا۔ وہ مل جائے گی تو میرے علاوہ میں کسی کے لئے آسودگی پر سکون گار میرے آسودگی کو خالص ہونے دے۔

میں یہاں کھڑا تجھ سے پاک عورتوں میں سے ایک کو مانگا ہوں۔

میں امام ہاشم کو مانگا ہوں۔

میں اپنی نسل کے لئے اس عورت کو مانگا ہوں۔ جس نے آپ کے خلیفہ علیؑ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں کسی کو شریک نہیں کیا۔ جس نے ان کے لئے اپنی زندگی کی تمام آسائش کو چھوڑ دیا۔

اگر میں نے اپنی زندگی میں بھی کوئی نیکی کی ہے، تو مجھے اس کے عوض امام ہاشم دے دے۔ تو چاہے تو یہ اب بھی ہو سکتا ہے۔ اب بھی ممکن ہے۔

مجھے اس آزمائش سے نکال دے۔ میری زندگی کو آسان کر دے۔

آٹھ سال سے میں جس تکلیف میں ہوں مجھے اس سے رہائی دے دے۔

سالار سکندر پر ایک بار پھر رحم کر، وہی جو میری منفات میں افسوس ترین ہے۔

دوسرے جگہ نے وہاں ہلکے راتھا ہی جگہ پر جہاں اس نے خود کو خواب میں دیکھا تھا مگر اس بار اس کی پشت پر امام ہاشم نہیں تھی۔

بہت دیر تک وہاں گڑگڑانے کے بعد وہ وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ آسمان پر ستاروں کی روشنی اب بھی مدھم تھی۔ خانہ کعبہ روشنیاں سے اب بھی بھر پور تھا۔ لوگوں کا جوش و خروش اب بھی اتنی

طرح تھا۔ خواب کی طرح خانہ کعبہ کا دور وازد بھی نہیں نکلتا تھا۔ اس کے باوجود وہاں سے ہٹتے ہوئے سالار سکندر کو اپنے اندر سکون آتا تھا۔

وہ اس کیفیت سے باہر آ رہا تھا۔ اس میں وہ کچھلے ایک ماہ سے تھا۔ ایک عجیب سا قرار تھا جو اس دعا کے بعد اسے ملا تھا اور وہ اسی قرار اور طمانیت کو لے لے ہوئے ایک ہفتے کے بعد پاکستان لوٹ آیا تھا۔

☆ ☆ ☆

”میں اگلے سال اپنی بیوی کے لئے امریکہ جا رہا ہوں۔“

فرقان نے بے اختیار چونک کر سالار کو دیکھا۔

”کیا مطلب؟“ سالار حیرانی سے سسکرایا۔

”کیا مطلب کا کیا مطلب؟ میں اپنی بیوی کو رہا رہتا ہوں۔“

”یوں اچانک۔“

”اچانک تو نہیں۔ اپنی بیوی کرنی تو تھی مجھے۔ بہتر ہے ابھی کر لوں۔“ سالار اطمینان سے بتا رہا تھا۔

وہ دونوں فرقان کے گاؤں سے واپس آ رہے تھے۔ فرقان ذرا لمبے کر رہا تھا جب سالار نے اچانک اسے اپنی بیوی کی بات دے کے بارے میں بتایا۔

”میں نے دیکھ کر ہنس دیا ہے، میں نے یہ سنا کر ہنس کر دے گا سوچا ہے، لیکن وہ مجھے چھٹی دینا چاہ رہے ہیں۔ ابھی میں نے سوچا نہیں ہے کہ ان کی اس آفر کو قبول کر لوں یا پھر نہ کر دوں۔“

”تم ساری پلاننگ کئے بیٹھے ہو۔“

”ہاں ہار۔۔۔ میں مذاق نہیں کر رہا۔ میں واقعی اگلے سال پلاننگ ڈی کے لئے جا رہا ہوں۔“

”چند ماہ پہلے تک تو تمہارا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔“

”اور اسے کا کیا ہے وہ تو ایک دن میں بن جاتا ہے۔“

سالانہ کنفرس ہوتے ہوئے کھڑکی کے شیشے سے باہر نظر آنے والے کھیتوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں ویسے بھی بینکنگ سے متعلق ایک کتاب لکھنا چاہتا ہوں مگر یہاں میں پہلے کچھ سالوں میں اتنا

مصرف رہا ہوں کہ اس پر کام نہیں کر سکا۔ میں چاہتا ہوں پلاننگ ڈی کے دوران میں یہ کتاب لکھ کر شائع

کے کرداروں۔ میرے پاس کچھ فرصت ہوگی تو میں یہ کام آسانی سے کر لوں گا۔“

فرقان کچھ دیر خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتا رہا پھر اس نے کہا۔

”اور اسکول۔۔۔ اس کا کیا ہو گا؟“

”اس کا کچھ نہیں ہو گا۔ یہ ایسے ہی چل رہے گا اس کا انٹراسٹرکچر بھی بچہ ہو تا جائے گا۔ بروڈ آف

گورنرز ہے وہ لوگ آتے جاتے رہیں گے۔ تم ہو۔۔۔ میں نے پایا سے بھی بات کی ہے وہ بھی آیا نہیں

کے یہاں پر۔۔۔ میرے ساتھ ہونے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ یہ اسکول بہت پہلے سالانہ کنفرس کی

تھمائی ہوئی لائسنس چھوڑ چکا ہے۔ آئندہ بھی اسے ان کی ضرورت نہیں پڑے گی مگر میں مکمل طور پر اس

سے قطع تعلق نہیں کر رہا ہوں۔ میں اس کو دیکھتا رہوں گا۔ کبھی میری مدد کی ضرورت پڑی تو آجایا کروں

گا۔ پہلے بھی تو ایسا ہی کیا کرتا تھا۔“

وہ اب ٹھہرس میں سے چائے کپ میں ڈال رہا تھا۔

”پلاننگ ڈی کے بعد کیا کرو گے؟“ فرقان نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”واپس آؤں گا۔ پہلے کی طرح نہیں پر کام کروں گا۔ بیٹھ کے لئے نہیں جا رہا ہوں۔“

سالانہ کنفرس سکرانے ہوئے اس کے کندھے کو تھپکا۔

”کیا چند سال بعد نہیں جانتے تم؟“

”نہیں، جو کام آج ہو نا چاہئے اسے آج ہی ہونا چاہئے۔ میرا سوڈ ہے آگے پڑھنے کا۔ چند سال

بعد شاید خوب اچل نہ رہے۔“

سالانہ کنفرس کے چائے کے گھونٹ لیتے ہوئے کہا وہ اب بائیں ہاتھ سے ریڈیو کو نیون کرتے ہیں

مصرف تھا۔

”روٹری (Rotary) کلب والے اگلے ویک اینڈ پر ایک کنکشن کر رہے ہیں۔ میرے پاس انویٹیشن

آ رہا ہے۔ چلو گے؟“

اس نے ریڈیو کو نیون کرتے ہوئے فرقان سے پوچھا۔

”کیوں نہیں چلوں گا۔ ان کے پروگرام دلچسپ ہوتے ہیں۔“

فرقان نے جواب کہا۔ ”مٹنگ کا موضوع بدل چکا تھا۔“

☆ ☆ ☆

اس دن الزام تھا۔ سالانہ کنفرس رہے انہیں۔

اخبار کے سر سرٹپوں پر نظر دوڑاتے ہوئے وہ کچن میں ناشتہ تیار کرنے لگا۔ اس نے صرف مد

ہاتھ دھوا تھا۔ شیو نہیں کی۔ ٹائٹ ڈریس کے اوپر ہی اس نے ایک ڈیمیاڈ حالاسوٹر پہن لیا اس نے کپڑے

میں چائے کا پانی ابھی رکھا تھا جب ڈور بیل کی آواز سنائی دی۔ وہ انچاد ہاتھ میں چمکے ہوئے کھانا سے باہر آ

گیا، دروازہ کھولنے پر اسے حیرت کا ایک جھٹکا لگا جب اس نے سعیدہ امال کو وہاں کھڑا پایا۔ سالانہ

ڈور واؤڈ کھول دیا۔

”السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟“

اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے اس نے کہا۔

”اللہ کا شکر ہے میں بالکل ٹھیک ہوں، تم کیسے ہو؟“

انہوں نے بڑی گرم بگوشی کے ساتھ اس کے سر پر اپنے دونوں ہاتھ بچھیرے۔

”میں بھی ٹھیک ہوں، آپ امداد آئیں۔“

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ٹھیک تو نہیں رہے ہو۔ کمزور ہو گئے ہو، چہرہ بھی کالا ہو رہا ہے۔“ انہوں نے اپنی جینک کے

شیشوں کے پیچھے سے اس کے چہرے پر غور کیا۔

”رنگ کالا نہیں ہوا۔ میں نے شیو نہیں کی۔“ سالانہ نے بے اختیار اپنی مسکراہٹ روکی۔ وہ ان

کے ساتھ چلا ہوا اندر آ گیا۔

”تو بھلا شیو کیوں نہیں کی۔ اچھا آواز بھی رکھنا چاہتے ہو۔۔۔ بہت اچھی بات ہے۔ نیکی کا کام ہے۔

بہت اچھا کر رہے ہو۔“

دو صوفے پر بیٹھے ہوئے بولیں۔

”نہیں امال آواز بھی نہیں رکھ رہا ہوں۔۔۔ آج اتوار ہے۔ دیر سے انہا ہوں کچھ دیر پہلے ہی اس

لئے شیو نہیں کی۔“ وہ ان کی بات پر غلط ہوا۔

”دیر سے کیوں آئے ہو۔۔۔ جنازہ آ رہا ہے نہ انہا کرو۔ صبح جلدی اٹھ کر فجر کی نماز پڑھا کر

پھر ہے ہر روتق آتی ہے۔ اسی لئے تو تمہارا چہرہ سر جھایا ہوا ہے۔ صبح نماز پڑھ کر بندہ قرآن پڑھے پھر میر

کو چلا جائے۔ صحت بھی ٹھیک رہتی ہے اور اللہ بھی خوش ہوتا ہے۔“

سالار نے ایک گہرا سانس لیا۔

”میں نماز پڑھ کر سویا تھا۔ صرف اتوار والے دن ہی دیر تک سو جاؤں۔ ورنہ روز صبح ہی کرتا ہوں جو آپ گھر رہی ہیں۔“

وہ اس کی وضاحت پر بے حد خوش نظر آنے لگیں۔

”بہت اچھی بات ہے..... اسی لئے تو تمہارا چہرہ چمک رہا ہے۔ بروقی نظر آ رہا ہے۔“

انہوں نے اپنے بیان میں ایک بار پھر تبدیلی کی۔

”آپ کیس کی؟“

وہ اپنے چہرے پر کوئی تبصرہ نہیں ملتا چاہتا تھا، اس لئے اس نے موضوع بدلا۔

”بیشک کریں گی؟“

”نہیں، میں ناشتا کر کے آئی ہوں۔ صبح جیسے سات بجے میں ناشتا کر لیتی ہوں۔ کیا وہ مبارکھے

کیا وہ تو میں دو پہر کا کھانا بھی کھا لیتی ہوں۔“

انہوں نے اپنے معمولات سے آگاہ کیا۔

”تو پھر دو پہر کا کھانا کھا لیں۔ سناڑھے دس تو ہو رہے ہیں۔“

”نہیں ابھی تو مجھے ہموک ہی نہیں ہے۔ تم میرے پاس آکر بیٹھو۔“

”میں آتا ہوں ابھی۔“

وہ ان کے انتظار کے باوجود کچن میں آ گیا۔

”پورے جیسے بونے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔ تم نے ایک بار بھی شکل نہیں دکھائی۔ حالانکہ وعدہ

کیا تھا تم نے۔“

اسے گنگنا میں ان کی آواز جانی دی۔

”میں بہت مصروف تھا اماں جی۔“

اس نے اپنے لئے چائے تیار کرتے ہوئے کہا۔

”لو ابھی بھی کیا مصروفیت..... ارے سچے مصروف وہ ہوتے ہیں، جن کے بیوی بچے ہوتے ہیں نہ تم نے گھر بسایا، تم گھر والوں کے ساتھ رہ رہے ہو۔“ پھر بھی کہتے ہو مصروف تھا۔“

وہ نوسٹر سے سانس نکالتے ہوئے ان کی بات پر مسکرایا۔

”اب کچرا دیکھو یہ تمہارے کرنے کے کام تو نہیں ہیں۔“

وہ اسے چائے کی ٹرے لائے دیکھ کر غصے سے بولیں۔

”میں تو کہتی ہوں یہ کام مرد کے کرنے والے ہی نہیں ہیں۔“

وہ کچھ کہے بغیر مسکراتے ہوئے میز پر حق رکھنے لگا۔

”اب دیکھو بیوی ہوتی تو یہ کام بیوی کر رہی ہوتی۔ مرد اچھا لگتا ہی نہیں ایسے کام کرتے ہوئے۔“

”آپ ٹھیک کہتی ہیں اماں جی دیکھ اب مجھ پر ہی ہے۔ اب بیوی نہیں ہے تو کیا کیا جاسکتا ہے۔“

سالار نے چائے کا کپ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ انہیں اس کی بات پر ہنسا لگا۔

”یہ کیا بات ہوئی، کیا کیا جاسکتا ہے؟ ارے سچے اونٹ لڑکیوں سے بھری ہوئی ہے۔ تمہارے تو

اپنے ماں باپ بھی ہیں۔ ان سے کہو۔ تمہارا رشتہ طے کریں۔ یا تم چاہو تو میں کوشش کروں۔“

سالار کو یک دم صورت حال کی حقیقت کا احساس ہونے لگا۔

”نہیں، نہیں اماں جی، آپ چائے پئیں میں بہت خوش ہوں، اپنی زندگی سے۔ جہاں تک گھر

کے کاموں کا تعلق ہے تو وہ تو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کر لیا کرتے تھے۔“

”تو اب تم کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ میں تو تمہاری بات کر رہی ہوں۔“ وہ کچھ گڑبڑا گئیں۔

”آپ یہ شکست لیں اور کب تک بھی۔“

سالار نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

”ارے ہاں، جس کام کے لئے میں آئی ہوں وہ تو بھول ہی گئی۔“

”انہیں اچانک یاد آیا، اپنے ہاتھ میں پکڑا بڑا سا بیگ انہوں نے گھول کر اندر کچھ تلاش کرنا

شروع کر دیا۔

”تمہاری بہن کی شادی طے ہو گئی ہے۔“

سالار کو چائے پیتے بے اختیار اچھوٹا۔

”میری بہن کی..... اماں جی امیری بہن کی شادی تو پانچ سال پہلے ہو گئی تھی۔“

اس نے کچھ ہکا بکا ہونے والے بتایا۔ وہ اتنی دیر میں اپنے بچک سے ایک کارڈر آہ کر چکی تھیں۔

”ارے میں اپنی بیٹی کی بات کر رہی تھی۔ آمد کی، تمہاری بہن کی ہوئی نا۔“

انہوں نے اس کے جملے پر بڑے افسوس کے عالم میں اسے دیکھتے ہوئے کارڈر اٹھایا۔

سالار کو بے اختیار ہنسی آئی کل تک وہ اسے اس کی بیوی بنانے کی کوشش میں لگی ہوئی تھیں اور اب

ایک دم بہن بن گیا، مگر اس کے باوجود سالار کو بے تھاٹھا اطمینان محسوس ہوا۔ کم از کم اب اسے ان سے یا

ان کی بیٹی سے کوئی خطرہ نہیں رہا تھا۔

بہت مسرور سا ہو کر اس نے کارڈر پکڑ لیا۔

”بہت مبارک ہو۔۔۔ کب ہو رہی ہے شادی؟“ اس نے کارڈر کھولتے ہوئے کہا۔

"مجھے بخنے۔۔۔"

"چلیں اماں، آپ کی فکر تو ختم ہو گئی۔"

سالار نے "میری" کے بجائے "آپ" کی مکالمہ استعمال کیا۔

"ہاں اللہ کا شکر ہے، بہت اچھی جگہ رشتہ ہو گیا۔ میری ذمہ داری ختم ہو جائے گی، گھر میں بھی اپنے

بیٹوں کے پاس اٹھینڈ چلی جاؤں گی۔"

سالار نے کارڈ پر ایک سرسری سی نظر دوڑائی۔

"یہ کارڈ تمہیں دینے خاص طور پر آئی ہوں۔۔۔ اس بار کوئی بجائے نہیں سنوں گی۔ تمہیں شادی پر

آنا ہے، بھائی بن کر رخصت کر رہے ہیں کو۔"

سالار نے اپنی مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے چائے کا کپ لیا۔

"آپ فکر نہ کریں۔ میں ضرور آؤں گا۔"

وہ کپ پیچھے رکھ کر سلاخس پر بکھن لگانے لگا۔

"یہ فرقان کا کارڈ بھی لے کر آئی ہوں میں۔۔۔ اس کو بھی دینے جانا ہے۔"

انہیں اب فرقان کی یاد ہستانے لگی۔

"فرقان کو تو آج بھابھی کے ساتھ اپنے سسرال جانا تھا۔ اب تک تو کھن پکا ہو گا۔ آپ مجھے دے

دیں۔ میں اسے دے دوں گا۔" سالار نے کہا۔

"تم اگر بھول گئے تو؟" وہ مطمئن نہیں ہوئیں۔

"میں نہیں بھولوں گا، اچھا میں فون پر اس سے آپ کی بات کروا دیتا ہوں۔"

وہ ایک دم خوش ہوئیں۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ تم فون پر اس سے میری بات کروادو۔"

سالار اٹھ کر فون اسی میز پر لے آیا۔ فرقان کا موبائل نمبر ڈائل کر کے اس نے اسٹیکر آن کر دیا

اور خود ناشتہ کرنے لگا۔

"فرقان! سعید و اماں آئی ہوئی ہیں میرے پاس۔"

فرقان کے کال ریسپونڈ کرنے پر اس نے بتایا۔

"ان سے بات کرو۔"

وہ خاموش ہو گیا، اب فرقان اور سعید و اماں کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی۔

دس منٹ بعد جب یہ گفتگو ختم ہوئی تو سالار ناشتہ ختم کر چکا تھا۔ برتن بکٹن میں رکھتے ہوئے اسے

خیال آیا۔

"آئی کس کے ساتھ تھیں آپ؟" وہ باہر نکل آیا۔

"اپنے بیٹے کے ساتھ" سعید و اماں نے اطمینان سے کہا۔

"اچھا، چنا آگیا آپ کا؟ چھوٹا والا یا بڑا والا؟"

سالار نے دلچسپی۔

"میں ساتھ والوں کے راشد کی بات کر رہی ہوں۔" سعید و اماں نے بے اختیار ہر اماں۔

سالار نے ایک مگر اسامی لیا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا سعید و اماں کے لئے ہر لڑکا اپنا اوبڑ ہر لڑکی

اپنی بیٹی تھی۔ وہ بڑے آرام سے رشتے گزرتی تھیں۔

"تو وہ کہاں ہے؟" سالار نے پوچھا۔

"وہ چلا گیا۔ موٹر سائیکل پر آئی ہوں اس کے ساتھ، آندھی کی رفتار سے چلائی ہے اس نے۔ نو

بچے بیٹھی ہوں، پورے ساڑھے دس بجے اور پہنچا دیا اس نے، میری ایک ٹیبل سنی اس نے۔ سارا

راستہ۔ بار بار یہی کہتا رہا آہستہ چلا رہا ہوں۔ یہاں آتا رہتے وقت کہتے کہ آپ کے ساتھ موٹر سائیکل

پر میرا آخری سفر تھا۔ وہ بارہ کہیں جانا ہوا تو بیدل لے کر چاؤس کا آپ کو۔۔۔"

سالار کو ہنسی آئی، آدھ گھنٹہ میں ملے ہوئے والے راستے کو ڈیڑھ گھنٹہ میں طے کر کے والے کی

چھٹا ہٹ کا وہ اندازہ کر سکتا تھا۔ ڈیڑھ گھنٹہ کے ساتھ وقت گزارنا خاصا مشکل کام تھا۔ یہ وہ سعید و اماں

کے ساتھ ہونے والی پہلی ملاقات میں ہی جان گیا تھا۔

"تو وہاں کیسے جا گئی گی۔ راشد لینے آئے گا آپ کو؟"

"ہاں اس نے کہا تو ہے کہ بیچ ختم ہونے کے بعد آپ کو لے جاؤں گا۔ اب دیکھو کب آتا ہے۔"

وہ اسے ایک بار پھر اپنی بیٹی اور اس کے ہونے والے سسرال کے بارے میں اطلاعات پہنچانے لگیں۔

وہ مسکراتے ہوئے بڑی فرمانبرداری سے سنتا رہا۔

اس قسم کی معلومات میں اسے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی مگر سعید و اماں اب اس کے ساتھ بیکنگ کے

بارے میں تو گفتگو نہیں کر سکتی تھیں۔ ان کی باتیں رتی بھر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں مگر وہ یوں ظاہر

کر رہا تھا جیسے وہ ہر بات سمجھ رہا ہے۔

دوپہر کا کھانا اس نے ان کے ساتھ کھایا۔ اس نے ان کے سامنے فریج سے کچھ نکال کر گرم

کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ ایک بار پھر شادی کے قواعد اور ضرورت پر لکچر نہیں سنتا چاہتا تھا۔ اس

نے ایک ریسٹورنٹ فون کر کے لٹکا کر ڈر دیا۔ ایک گھنٹے کے بعد کھا؟ آگیا۔

کھانے کے وقت تک راشد نہیں آیا تو سالار نے ان کی تنقید کو کم کرنے کے لئے کہا۔

"میں گاڑی پر چھوڑ آتا ہوں آپ کو۔"

وہ فوراً تیار ہو گئیں۔

”ہاں یہ ٹھیک ہے، اس طرح تم میرا گھر بھی دیکھ لو گے۔“

”اماں جی! میں آپ کا گھر جانتا ہوں۔“

سالار نے کار کی چابی تلاش کرتے ہوئے انہیں یاد دلایا۔

آدھ گھنٹہ کے بعد وہ اس گلی میں تھا جہاں سعید دایاں کا گھر تھا۔ وہ گاڑی سے اتر کر انہیں اندر گلی میں

دروازے تک چھوڑ گیا۔ انہوں نے اسے اندر آنے کی دعوت دی، جسے اس نے ٹھکریہ کے ساتھ رد کر دیا۔

”آج نہیں..... آج بہت کام ہیں۔“

وہ اپنی بات کہہ کر ہچکچاتا ہوا

”بیچے! اسی لئے کہتی ہوں شادی کر لو۔ بیوی ہوگی تو خود سارے کام دیکھے گی۔ تم کہیں آ چا سکو

گے۔ اب یہ کوئی زندگی ہے کہ چھٹی کے دن بھی گھر کے کام لے کر بیٹھے رہو گے۔“ انہوں نے انہوں نے انہوں نے

بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

”جی آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ اب میں جاؤں گا۔“

اس نے کمال فرما کر داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔

”ہاں ٹھیک ہے جاؤ، مگر یاد رکھنا شادی پر ضرور آنا۔“ فرقان سے بھی ایک بار پھر کہہ دینا کہ وہ بھی

آئے اور اس کو کارڈ ضرور پہنچا دینا۔“

سالار نے ان کے دروازے پر گئی ہوئی زور بھری دھڑکن اور خدا حافظ کہتے ہوئے چلا۔

اپنے چہرے اس نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی۔ سعید دایاں اب اپنی بیٹی سے کچھ کہہ رہی تھیں۔

”پچھلے گرام پر دو گرام ہے، چلو گے؟“

فرقان نے اگلے دن شام کو اس سے کارڈ لینے ہوئے کہا۔

”نہیں، میں تو اس ویک اینڈ پر کراچی جا رہا ہوں، آئی جی اے کے ایک سیمینار کے لئے۔“ انوار کو

سیری واپسی ہوگی۔ میں تو آکر بس سوؤں گا۔

nothing else۔ تم چلے جانا، میں لفافہ دے دوں گا، وہ تم میری طرف سے معذرت کرتے ہوئے

دے دینا۔“ سالار نے کہا۔

”کتنے افسوس کی بات ہے سالار! وہ خود کارڈ دے کر گئی ہیں، انہی محبت سے بلا رہے۔“

فرقان نے کہا۔

”جانتا ہوں لیکن میں اوجھڑ جا کر وقت ضائع نہیں کر سکتا۔“

"ہم بس تھوڑی دیر نہیں کے پھر آجائیں گے۔"

"فرقان! میری واپسی کفرم نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے میں اتوار کو آتی نہ سکوں یا اتوار کی رات کو آؤں۔"

"بے حد فضول آوی ہو تم دو بڑی مایوس ہو گی۔"

"کچھ نہیں ہو گا، میرے نہ ہونے سے ان کی بیٹی کی شادی تو نہیں رُک جائے گی۔ ہو سکتا ہے انہیں

پہلے ہی میرے نہ آنے کا اندازہ ہو اور ویسے بھی فرقان اتم اور میں کوئی اتنے اہم مہمان نہیں ہیں۔"

سالار نے لا پرواہی سے کہا۔

"بہر حال میں اور میری بیوی تو جائیں گے۔ چاہے ہم کم اہم مہمان ہی کیوں نہ ہوں۔" فرقان

نے ناراضی سے کہا۔

"میں نے کب روکا ہے۔ ضرور جاؤ، تمہیں جانا بھی چاہئے۔ سعید اماں کے ساتھ تمہاری بھ

سے زیادہ ہے تکلفی اور دوستی ہے۔" سالار نے کہا۔

"مگر سعید اماں کو میرے بجائے تمہارا زیادہ خیال رہتا ہے۔" فرقان نے جتایا۔

"دو مروت ہوئی ہے۔" سالار نے اس کی بات کو سنجیدگی سے لئے بغیر کہا۔

"جو بھی ہوتا ہے بہر حال تمہارا خیال تو ہوتا ہے انہیں۔ چلو اور کچھ نہیں تو ڈاکٹر سہیل کی مزید

سمجھ کر ہی تم ان کے ہاں چلے جاؤ۔" فرقان نے ایک اور حربہ آزمایا۔

"ڈاکٹر صاحب تو خود یہاں نہیں ہیں۔ وہ تو خود شادی میں شرکت نہیں کر رہے اور اگر وہ یہاں

ہوتے بھی تو کم از کم مجھے تمہاری طرح مجبور نہیں کرتے۔"

"وہ چھاپا، میں بھی نہیں کرتا تمہیں مجبور۔ نہیں جانا چاہتے تو مت جاؤ۔"

فرقان نے کہا۔

سالار ایک بار پھر اپنے لپ باپ کے ساتھ مصروف ہو چکا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ ایک سرسبز و وسیع سبزہ زار تھا جہاں دو دونوں موجود تھے۔ وسیع کھلے سبزہ زار میں درخت تھے

مگر زیادہ بلند نہیں۔ خوب صورت پھولدار جھاڑیاں تھیں، چاروں طرف خاموشی تھی۔ دونوں کسی

درخت کے ماتے میں بیٹھنے کے بجائے ایک پھولدار سجھڑی کے قریب کھلی دھوپ میں بیٹھے تھے۔ اماں

اپنے کپڑوں کے گرد بازو لپیٹے ہوئے چٹائی تھی اور وہ کھاس پر چٹ پٹا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ ان

دونوں کے جوتے کچھ فاصلے پر پڑے ہوئے تھے۔ اماں نے اس بار خوب صورت سفید چادر اوڑھی ہوئی

تھی۔ ان دونوں کے درمیان گھٹن ہو رہی تھی۔ اماں اس سے کچھ کہتے ہوئے دور کسی چیز کو دیکھ رہی تھی۔

اس نے لیٹے لیٹے اس کی چادر کے ایک پلو سے اپنے چہرے کو ڈھانپ لیا۔ یوں جیسے دھوپ کی

شعاعوں سے آنکھوں کو بچانا چاہتا ہو۔ اس کی چادر نے اسے عجیب سا سکون اور سرشاری دی تھی۔ اماں

نے چادر کے سرے کو اس کے چہرے سے ہٹانے یا کھینچنے کی کوشش نہیں کی۔ دھوپ اس کے جسم کو

تراوٹ بخش رہی تھی۔ آنکھیں بند کئے وہ اپنے چہرے پر موجود چادر کے کس کو محسوس کر رہا تھا۔ اس پر

غور و غباری ہو رہی تھی۔ وہ نیند اسے اپنا گم وقت میں لے رہی تھی۔

سالار نے یک دم آنکھیں کھول دیں۔ وہ اپنے بند پر چٹ پٹا ہوا تھا۔ کسی چیز نے اس کی نیند کو توڑ

دیا تھا۔ وہ آنکھیں کھولے کچھ دیر بے چینی سے اپنے اوپر گرد کے ماحول کو دیکھ رہا۔ یہ وہ جگہ نہیں تھی

جہاں اسے ہونا چاہئے تھا۔ ایک اور خواب۔ ایک اور موقع۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور جب

اس کو اس موبائل فون کی آواز نے متوجہ کیا، جو مسلسل اس کے سر ہانے بج رہا تھا۔ یہ فون ہی تھا جو اسے

اس خواب سے باہر لے آیا تھا۔ قدرے جھنجھلاتے ہوئے اس نے لیٹے لیٹے ہاتھ پوچھا کہ اس نے موبائل

اٹھایا۔ دوسری طرف فرقان تھا۔

"کیا ہاں تھے سالار! کب سے فون کر رہا ہوں۔ اٹینڈ کیوں نہیں کر رہے تھے؟" فرقان نے اس کی

آواز سننے ہی کہا۔

"میں سو رہا تھا۔" سالار نے کہا اور اٹھ کر بند پر بیٹھ گیا۔ اس کی نظر اب پہلی بار گھڑی پر پڑی جو

چار بج رہی تھی۔

"تم فوراً سعید اماں کے ہاں چلے آؤ۔" دوسری طرف سے فرقان نے کہا۔

"کیوں؟ میں نے تمہیں بتایا تھا، میں تو۔۔۔"

فرقان نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں جانتا ہوں، تم نے مجھے کیا بتایا تھا مگر یہاں کچھ ایجنسی ہو گئی ہے۔"

"کیسی ایجنسی؟" سالار کو تشویش ہوئی۔

"تم یہاں آؤ گے تو پتا چل جائے گا۔ تم فوراً یہاں پہنچو، میں فون بند کر رہا ہوں۔"

فرقان نے فون بند کر دیا۔

سالار کچھ پریشانی کے عالم میں فون کو دیکھ رہا۔ فرقان کی آواز سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ

پریشان تھا مگر سعید اماں کے ہاں پریشانی کی نوعیت کیا ہو سکتی تھی۔

پندرہ منٹ میں کپڑے تبدیل کرنے کے بعد گاڑی میں تھا۔ فرقان کی انگلی کالی اس نے کار میں

رہی ہوئی تھی۔

"تم کچھ بتاؤ تو سہی، ہو کیا ہے؟ مجھے پریشان کر دیا ہے تم نے۔" سالار نے اس سے کہا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اور میری آدھ ہے۔ یہاں آؤ گے تو تمہیں پتا چل جائے

گا۔ میں فون پر تفصیلی بات نہیں کر سکتا۔
فرقان نے ایک بار پھر فون بند کر دیا۔

تیز رفتاری سے ڈرائیج کرتے ہوئے اس نے آدھ گھنٹہ کا سفر تقریباً پندرہ منٹ میں طے کیا تھا۔
فرقان اسے سعیدہ اماں کے گھر کے باہر ہی مل گیا۔ سالار کا خیال تھا کہ سعیدہ اماں کے ہاں اس وقت
بہت چٹل چٹل ہو گی مگر ایسا نہیں تھا۔ وہاں دور دور تک کسی بارات کے آثار نہیں تھے۔ فرقان کے
ساتھ وہ بیرونی دروازے کے بائیں طرف بیٹے ہوئے ایک پرانی طرذ کے ڈرائنگ روم میں آگیا۔
"آخر ہوا کیا ہے جو تمہیں مجھے اس طرح بلانا پڑ گیا۔"
سالار اب اٹھ رہا تھا۔

"سعیدہ اماں اور ان کی بیٹی کے ساتھ ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔" فرقان نے اس کے سامنے والے
صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ وہ بے حد سنجیدہ تھا۔
"کیسا مسئلہ؟"
"جس لڑکے سے ان کی بیٹی کی شادی ہو رہی تھی اس لڑکے نے کہیں اور اپنی مرضی سے شادی کر
لی ہے۔"

"مائی گڈ نیس۔" سالار کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"ان لوگوں نے ابھی کچھ دیر پہلے سعیدہ اماں کو یہ سب فون پر بتا کر ان سے معذرت کی ہے۔ وہ
لوگ اب بارات نہیں لارہے۔ میں ابھی کچھ دیر پہلے ان لوگوں کے ہاں گیا ہوا تھا، مگر وہ لوگ واقعی
مجبور ہیں۔ انہیں اپنے بیٹے کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہے کہ وہ کہاں ہے، اس لڑکے نے بھی انہیں
صرف فون پر ہی اس کی اطلاع دی ہے۔" فرقان تفصیل بتاتے لگا۔

"اگر وہ لڑکا شادی نہیں کرنا چاہتا تھا تو اسے بہت پیٹے ہی مان باپ کو صاف صاف بتا دینا چاہئے
تھا۔ بھاک کر شادی کر لینے کی بہت سی تو ماں باپ کو پہلے اس شادی سے انکار کر دینے کی بھی ہمت ہوتی
چاہئے تھی۔" سالار نے نا پسندیدگی سے کہا۔

"سعیدہ اماں کے بیٹوں کو اس وقت یہاں ہو چاہئے تھا، وہ اس معاملے کو بڑل کر سکتے تھے۔"

"لیکن اب وہ نہیں ہیں تو کسی نہ کسی کو تو سب کچھ دیکھنا ہے۔"

"سعیدہ اماں کے کوئی اور قریبی رشتہ دار نہیں ہیں؟" سالار نے پوچھا۔

"میں نے ابھی کچھ دیر پہلے ڈاکٹر سید علی صاحب سے بات کی ہے فون پر۔" فرقان نے اسے بتایا۔

"لیکن ڈاکٹر صاحب بھی فوری طور پر تو کچھ نہیں کر سکیں گے۔ یہاں ہوتے تو اور بات تھی۔"

سالار نے کہا۔

"انہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تمہاری فون پر ان سے بات کر دوں۔" فرقان کی آواز اس
بار کچھ دھیمی تھی۔

"میری بات..... لیکن کس لئے؟" سالار کچھ حیران ہوا۔

"ان کا خیال ہے کہ اس وقت تم سعیدہ اماں کی مدد کر سکتے ہو۔"

"ہاں؟" سالار نے چونک کر کہا۔ "میں کس طرح مدد کر سکتا ہوں؟"

"آمن سے شادی کر کے۔"

سالار دم بخود چلیں چپکائے بغیر اسے دیکھ رہا۔

"تمہارا ورغ تو ٹھیک ہے؟" اس نے ہنسنے پر فرقان سے کہا۔

"ہاں، بالکل ٹھیک ہے۔" سالار کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"پھر تمہیں پتا نہیں ہے کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔"

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ فرقان بڑی رفتاری سے اٹھ کر اس کے راتے میں شامل ہو گیا۔

"کیا سوچ کر تم نے یہ بات کہی ہے۔" سالار اپنی آواز پر قابو نہیں رکھ سکا۔

"میں نے یہ سب تم سے ڈاکٹر صاحب کے کہنے پر کہا ہے۔" سالار کے چہرے پر ایک رنگ آکر

نکڑ گیا۔

"تم نے انہیں میرا نام کیوں دیا؟"

"میں نے نہیں دیا سالار! انہوں نے خود تمہارا نام لیا ہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں تم

سے درخواست کروں کہ میں اس وقت سعیدہ اماں کی بیٹی سے شادی کر کے اس کی مدد کر دوں۔"

کسی نے سالار کے پیروں کے نیچے سے زمین چٹتی تھی یا سر سے آسمان، اسے اندازہ نہیں ہوا۔ وہ

پلٹ کر واپس صوفے پر بیٹھ گیا۔

"میں شادی شدہ ہوں فرقان! تم نے انہیں بتایا۔"

"ہاں، میں نے انہیں بتا دیا تھا کہ تم نے کئی سال پہلے ایک لڑکی سے نکاح کیا تھا، مگر پھر وہ لڑکی

وہاں سے نہیں نکلی۔"

"پھر؟"

"وہ اس کے باوجود یہی چاہتے ہیں کہ تم آمت سے شادی کر لو۔"

"فرقان..... میں....." وہ بات کرتے کرتے رُک گیا۔

"اور اماں..... اس کا کیا ہو گا؟"

"تمہاری زندگی میں امامہ کہیں نہیں ہے۔ اسے سالوں میں گون جانتا ہے۔ وہ کہاں ہے۔ ہے بھی

کہ نہیں۔"

"فرقان۔۔۔ سالار نے ترشی سے اس کی بات کافی۔" اس بات کو دیکھتے ہوئے وہ کہہ پائیں۔

مجھے صرف یہ بتانا کہ اگر کل امامہ آجاتی ہے تو کیا ہو گا؟"

"تم اپنی بات ڈاکٹر صاحب سے کہو۔" فرقان نے کہا۔

"نہیں، تم سب مجھے سعید واماں کو بتاؤ، آمنہ کو بتاؤ، ضروری تو نہیں ہے کہ وہ ایک ایسے شخص کو قبول کر لے جس کی پہچان سے ہی ایک بیوی ہے۔ ایسا ہوتا تو وہ پھر اسی لڑکے کو قبول کر لیتی جس نے کہیں اور شادی کر لی ہے۔"

"وہ اگر ہمارے لے کر آجائے تو شاید یہ بھی ہو جاتا۔ مسئلہ تو یہی ہے کہ وہ آمنہ سے دوسری شادی پر بھی تیار نہیں ہے۔"

"اسے ڈھونڈا جاسکتا ہے۔"

"ہاں، ڈھونڈا جاسکتا ہے لیکن یہ کام اس وقت نہیں ہو سکتا۔"

"ڈاکٹر صاحب نے آمنہ کے لئے ملحقہ انتخاب کیا ہے۔ میں۔۔۔ میں آمنہ کو کیا دے سکتا ہوں؟

میں تو اس آدمی سے بھی بدتر ہوں جو ابھی اسے چھوڑ گیا ہے۔"

سالار نے بے چارگی سے کہا۔

"سالار! انہیں اس وقت کسی کی ضرورت ہے، ضرورت کے وقت صرف وہی آدمی سب سے پہلے ذہن میں آتا ہے، جو سب سے زیادہ قابل اعتبار ہو۔ تم زندگی میں اتنے بہت سے لوگوں کی مدد کرتے آ رہے ہو، کیا ڈاکٹر صاحب کی مدد نہیں کر سکتے؟"

"میں نے لوگوں کی پیسے سے مدد کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب مجھ سے میری نہیں مانگ رہے۔"

اس سے پہلے کہ فرقان کچھ کہتا اس کے موبائل پر کال آئے گی تھی۔ اس نے نمبر دیکھ کر موبائل سالار کی طرف بڑھادیا۔

"ڈاکٹر صاحب کی کال آ رہی ہے۔"

سالار نے سوتے ہوئے چہرے کے ساتھ موبائل پکڑ لیا۔

وہاں پہلے موبائل کان سے لگائے سالار کو بولی پر احساس ہو رہا تھا کہ زندگی میں ہر بات، ہر شخص سے نہیں کہی جاسکتی۔ وہ جو کچھ فرقان سے کہہ سکتا تھا وہ ان سے اونچی آواز میں بات نہیں کر سکتا تھا۔ انہیں دلائل دے سکتا تھا، بنائے جاسکتا تھا۔ انہوں نے مخصوص نرم گھجے میں اس سے درخواست کی تھی۔

"اگر آپ اپنے والدین سے اجازت لے سکیں تو آمنہ سے شادی کر لیں۔ وہ میری بیٹی جیسی ہے۔ آپ سمجھیں میں اپنی بیٹی کے لئے آپ سے درخواست کر رہا ہوں، آپ کو تکلیف دے رہا ہوں لیکن میں

ایسا کرنے کے لئے مجبور ہوں۔"

"آپ جیسا چاہیں گے میں ویسا ہی کروں گا۔"

اس نے دم آواز میں ان سے کہا۔

"آپ مجھ سے درخواست نہ کریں، آپ مجھے علم دیں۔" اس نے خود کو کہتے پایا تھا۔

فرقان تقریباً دس منٹ کے بعد اندر آ گیا۔ سالار موبائل فون ہاتھ میں پکڑے گم گم فرش پر نظریں پڑائے ہوئے تھا۔

"ڈاکٹر صاحب سے بات ہو گئی تمہاری؟"

فرقان نے اس کے ہاتھ میں ایک کرسی پر بیٹھنے ہوئے دم آواز میں اس سے پوچھا۔

سالار نے سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر کچھ کہے بغیر بیٹھ بیٹھ اس کا موبائل دیکھ دیا۔

"میں رخصتی ابھی نہیں کرواؤں گا۔ بس نکاح کافی ہے۔"

اس نے چند لمحوں بعد کہا۔ وہ اپنے ہاتھوں کی ٹیکروں کو دیکھ رہا تھا۔ فرقان کو بے اختیار اس پر دس آگاہی۔ وہ عقلمند کا "شکار" ہونے والا پہلا انسان نہیں تھا۔

☆.....☆.....☆

سڑک پر گھبراہٹ کی تقریبات ہونے کے برابر تھی۔ رات بہت تیزی سے گزرتی جا رہی تھی۔ گہری دھند ایک بار پھر چیز کو اپنے حصار میں لے رہی تھی۔

سڑک پر چلنے والی اسٹریٹ لائٹس کی روشنی دھند کو چھڑے ہوئے اس ہالکونی کی تاریکی کو دور کرنے کی کوشش کر رہی تھی جہاں منڈر کے پاس ایک اسٹول پر سالار بیٹھا ہوا تھا۔ منڈر پر اس کے سامنے کافی کا ایک گگن بڑا ہوا تھا، جس میں سے اٹھنے والی گرم بخار دھند کے پس منظر میں عجیب سی شکلیں بنانے میں مصروف تھی اور وہ۔۔۔ وہ سینے پر دونوں ہاتھ اپنے ایک ایک نیچے سنسان سڑک کو دیکھ رہا تھا جو دھند کے اس غلاف میں بہت عجیب نظر آ رہی تھی۔

رات کے دس بج رہے تھے اور وہ چند منٹ پہلے ہی گھر پہنچا تھا۔ سعید واماں کے گھر فرقان کے بعد وہ وہاں ڈکا نہیں تھا۔ اسے وہاں عجیب سی وحشت ہو رہی تھی۔ وہ گاڑی لے کر بے مقصد شام سے رات کے تک سڑکوں پر پھرتا رہا۔ اس کا موبائل آگے تھا۔ وہ بیرونی دنیا سے اس وقت کوئی رابطہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ موبائل آن ہوتا تو فرقان اس سے رابطہ کرتا۔ بہت سی مشا جتیں دینے کی کوشش کرتا یا ڈاکٹر صاحب سے رابطہ کرتے، اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتے۔

وہ یہ دونوں چیزیں نہیں چاہتا تھا۔ وہ اس وقت مکمل غما میں چاہتا تھا۔ اٹھتی ہوئی بھاپ کو دیکھتے ہوئے اس نے ایک بار پھر چہرے پہلے کے واقعات کے بارے میں سوچا۔ سب کچھ ایک خواب کی طرح

لگ رہا تھا۔ کاش خواب ہی ہو تا۔ اسے وہاں بیٹھے گی ماہ پہلے حرم پاک میں مانگی جانے والی دعا یاد آئی۔
 "تو کیا اسے میری زندگی سے نکال دینے کا فیصلہ ہو ہے؟" اس نے تکلیف سے سوچا۔
 "تو پھر یہ اذیت بھی تو ختم ہونی چاہیے۔ میں نے اس اذیت سے رہائی بھی تو مانگی تھی۔ میں نے اس کی یادوں سے فرار بھی تو چاہا تھا۔" اس نے منظر پر پرکھا گرم کافی کا کپ اپنے سرد ہاتھوں میں تھام لیا۔
 تو بارہ ہاشم بالآخر تم میری زندگی سے ہمیشہ کے لئے نکل نہیں۔
 اس نے کافی کی کٹی اپنے اندر اتاری۔

"اور اب کیا میں دیکھتاؤں کہ کاش میں کبھی سعیدہ اماں کو اس سڑک پر نہ دیکھتا ہوں ان کو لگت نہ رہے۔ ان کا کمر لٹ جاتا اور میں انہیں وہاں ڈراپ کر کے آجاتا، ان کو اپنے گھر نہ لاتا نہ رواہلہ بڑھتے، نہ وہ اس شادی پر مجھے بلاتیں یا پھر کاش میں آتی کر اپنی میں ہی نہ ہوتا۔ یہاں ہوتا ہی نہیں یا میں سو ہائل آف کر کے سوتا۔ فون کا ریسیور رکھ دیتا۔ خرقان کی کال ریسیور ہی نہ کرتا یا پھر کاش میں ڈاکٹر سیٹھ علی کو نہ جانتا ہوتا کہ ان کے کہنے پر مجھے مجبور نہیں ہونا پڑتا یا پھر شاید مجھے یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ اماں میرے لئے نہیں ہے۔" اس نے کافی کا کپ دوبارہ منظر پر رکھ دیا۔ اس نے دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر بھیرے، پھر جیسے کوئی خیال آنے پر اپنا دانت نکال لیا۔ دانت کی ایک جیب سے اس نے ایک بڑا شدہ کاغذ نکال کر کھول لیا۔
 زبیر افکل سکندر!

مجھے آپ کے بیٹے کی موت پر بہت افسوس ہوا۔ چند سال پہلے میری وجہ سے آپ کو بہت تکلیف آگئی تھی۔ میں اس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ مجھے سالار کو کچھ رقم اور کرنی تھی وہ اب میں آپ کو بھیج رہی ہوں۔

معاذ حافظ

اماں ہاشم

اس نے نواہ میں کتنی بار اس کاغذ کو پڑھا تھا اسے یاد نہیں تھا۔ اس کاغذ کو بھجوتے ہوئے اسے اس کاغذ میں اماں کا لکس محسوس ہوا۔ اس کے ہاتھ سے لکھا ہوا اپنا نام..... کاغذ پر تحریر ان چند جملوں میں اس کے لئے کوئی اپنائیت نہیں تھی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اماں کو اس کی موت کی خبر پر بھی کوئی افسوس نہیں ہوا تھا۔ وہ خبر اس کے لئے ڈھائی سال بعد رہائی کا پیغام بن کر آئی تھی۔ اسے کیسے افسوس ہو سکتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ چند جملے اس کے لئے بہت اہم ہو گئے تھے۔

اس نے کاغذ پر لکھے جملوں پر اپنی انگلیاں پھیریں۔ اس نے آخر میں لکھے اماں ہاشم کے نام کو بھجوا..... پھر کاغذ کو دوبارہ وہی طرح نہ کر کے دانت میں رکھ لیا۔

منظر پر کافی کا کپ سرد ہو چکا تھا۔ سالار نے ٹھنڈی کافی کے باقی کپ کو ایک گھونٹ میں اپنے اندر اُنٹریل لیا۔

ڈاکٹر سیٹھ علی ایک بچے تک لندن سے واپس پاکستان پہنچ رہے تھے اور اسے ان کا انتظار تھا۔ بارہ ہاشم کے بارے میں جو کچھ وہ اپنے سالوں سے انہیں نہیں بتا سکا تھا وہ انہیں اب بتانا چاہتا تھا۔ اپنے ماضی کے بارے میں جو کچھ وہ انہیں نہیں بتا پایا تھا اب وہ ان سے کہہ دینا چاہتا تھا۔ اسے اب پروا نہیں تھی۔ وہ اس کے بارے میں کیا سوچیں گے۔

☆.....☆.....☆

رمضان کی چار تاریخ پہنچی، جب ڈاکٹر سیٹھ علی واپس آگئے تھے۔ وہ رات کو کافی دیر سے آئے تھے اور سالار نے اس وقت انہیں ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ رات کو ان کے پاس پہلے کی طرح جانا چاہتا تھا مگر وہ پہر کو خلاف توقع بینک میں ان کا فون آگیا۔ سالار کے کلاچ کے بعد یہ ان کا سالار کے ساتھ تیسرا رابطہ تھا۔ وہ کچھ دیر اس کا حال احوال دریافت کرتے رہے اور پھر انہوں نے اس سے کہا۔

"سالار! آپ آج رات کو نہ آئیں، شام کو آجائیں۔ افطاری میرے ساتھ کریں۔"

"ٹھیک ہے، میں آ جاؤں گا۔" سالار نے حامی بھرے ہوئے کہا۔

کچھ دیر ان کے درمیان مزید گفتگو ہوتی رہی پھر ڈاکٹر سیٹھ علی نے فون بند کر دیا۔

وہ اس دن بینک سے کچھ جلدی نکل آیا۔ اپنے فلیٹ پر پہنچے تبدیلی کرنے کے بعد وہ جب ان کے پاس پہنچا اس وقت افطاری میں ایک ٹھنڈا باقی تھا۔

ڈاکٹر سیٹھ علی کا لازم اسے اجتماع والے سیر دلی کرے کے بجائے سید عطاء اللہ خان میں لے آیا تھا۔ ڈاکٹر سیٹھ علی نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ اس سے گفتگو ہونے کے بعد بڑی محبت کے ساتھ اس کا ہاتھ پکڑا۔

"پہلے آپ ایک دو صحت کی حیثیت سے یہاں آتے تھے، آج آپ گھر کا ایک فرد بن کر یہاں آئے ہیں۔"

وہ جانتا تھا ان کا اشارہ کس طرف تھا۔

"آئیے بیٹھے۔" وہ اسے بیٹھے کا اشارہ کرتے ہوئے خود دوسرے صوفے پر بیٹھ گئے۔

"بہت مبارک ہو۔ اب تو آپ بھی گھر والے ہو گئے ہیں۔"

سالار نے خاموش نظروں اور ہنسی مسکراہٹ کے ساتھ انہیں دیکھا۔ وہ مسکرا رہے تھے۔

"میں بہت خوش ہوں کہ آپ کی شادی آنت سے ہوئی ہے۔ وہ میرے لئے بہری پونجی بنی کی طرح ہے اور اس رشتے سے آپ بھی میرے داماد ہیں۔"

سالار نے نظریں جھکا لیں۔ اس کی زندگی میں امام ہاشم کا باب نہ کھلایا ہو تا تو شاید ان کے منہ سے یہ جملہ سن کر وہ اپنے آپ پر فخر کرتا مگر سالار فرق امام ہاشم تھی۔ سالار فرق وہی ایک لڑکی بیہ کر رہی تھی وہ جو تھی اور نہیں تھی۔

ڈاکٹر سید علی کچھ دیر اسے دیکھتے رہے پھر انہوں نے کہا۔

”آپ ایسے سوالوں سے میرے پاس آ رہے ہیں آپ نے کبھی مجھے یہ نہیں بتایا کہ آپ کون کون سے جگہ ہیں۔ تب بھی انہیں ایک دو بار آپ سے ملادی گا کہ ہوں؟“

سالار نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

”میں آپ کو جانا جاتا تھا مگر۔۔۔“ وہ بات کرتے کرتے چپ ہو گیا۔

”سب کچھ اتنا عجیب تھا کہ میں آپ کو کیا جانتا۔“ اس نے دل میں کہا ”تب وہ اتنا آپ کا کھانا؟“

ڈاکٹر سید علی دھستے دھستے میں پوچھ رہے تھے۔ ”سالار سے آٹھ سال پہلے۔ تب میں انیس سال کا تھا۔“ اس نے کسی فکرت خورہ معمول کی طرح کہا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ انہیں سب کچھ بتاتا گیا۔ ڈاکٹر سید علی نے اسے ایک بار بھی نہیں ٹوکا تھا۔ اس کے خاموش ہونے کے بعد بھی بہت دیر تک وہ چپ رہے تھے۔

بہت دیر بعد انہوں نے اس سے کہا تھا۔

”آٹھ بہت اچھی لڑکی ہے اور وہ خوش قسمت ہے کہ اسے ایک صالح مرد ملا ہے۔“

ان کی بات سالار کو ایک چابک کی طرح لگی۔

”صالح؟ میں صالح مرد نہیں ہوں ڈاکٹر صاحب! میں تو اسفل المافین ہوں۔ آپ مجھے جانتے ہوئے تو میرے لئے کبھی یہ لفظ استعمال کرتے نہ اس لڑکی کے لئے میرا انتخاب کرتے جسے آپ اپنا بیٹی کی طرح سمجھتے ہیں۔“

”ہم سب اپنی زندگی کے کسی نہ کسی مرحلے پر ”زمانہ جاہلیت“ سے ضرور گزرتے ہیں، بعض گزر جاتے ہیں، بعض ساری زندگی اسی زمانے میں گزار دیتے ہیں۔ آپ اس میں سے گزر چکے ہیں۔ آپ کا بچتا ہوا ہمارا ہے کہ آپ گزر چکے ہیں۔ میں آپ کو پچھتاوے سے وہ کون گناہ تو یہ اور دماغ ہے، آپ پر فرض ہے کہ آپ اپنی ساری زندگی یہ کر لیں، مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ شکر بھی ہوا کریں کہ آپ نفس کی تمام بیماریوں سے بچھٹا رہا چکے ہیں۔“

اگر دنیا آپ کو اپنی طرف نہیں کھینچتی اگر اللہ کے خوف سے آپ کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں، اگر دوزخ کا تصور آپ کو ڈراتا ہے، اگر آپ اللہ کی عبادت اس طرح کرتے ہیں، جس طرح کرنی چاہئے، اگر نیکی آپ کو اپنی طرف راغب کرتی ہے اور برائی سے آپ ڈک جاتے ہیں تو پھر آپ صالح ہیں۔ کچھ صالح ہوتے ہیں، کچھ صالح بنتے ہیں، صالح ہونا خوش قسمتی کی بات ہے، صالح بننا اور عبادی

تکوار پر چلنے کے برابر ہے۔ اس میں زیادہ وقت لگتا ہے۔ اس میں زیادہ تکلیف سنی پڑتی ہے۔ میں اب بھی یہی کہتا ہوں کہ آپ صالح ہیں کیونکہ آپ صالح بنے ہیں، اللہ آپ سے بڑے کام لے گا۔“

سالار کی آنکھوں میں نمی آگئی۔ انہوں نے ایک بار پھر امام ہاشم کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا تھا۔ کچھ نہیں کہا تھا۔ کیا اس کا مطلب تھا کہ وہ ہمیشہ کے لئے اس کی زندگی سے نکل گئی؟ کیا اس کا مطلب تھا کہ وہ آٹھ بھی کبھی اس کی زندگی میں نہیں آئے گی؟ اسے اپنا زندگی آٹھ کے ساتھ ہی گزارنی پڑے گی؟ اس کا دل ڈوب رہا۔ وہ ڈاکٹر صاحب کے منہ سے امام کے بارے سے کوئی تسلی، کوئی دلاسا، کوئی امید چاہتا تھا۔

ڈاکٹر صاحب خاموش تھے۔ وہ چپ چاپ انہیں دیکھتا رہا۔

”میں آپ کے اور آٹھ کے لئے بہت دعا کروں گا بلکہ میں بہت دعا کر کے آیا ہوں خات کعبہ میں۔“ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ ”وہ لندن سے واپس پھر وکر کے آئے تھے۔ سالار نے سر جھکا لیا۔ دور اذان کی آواز آرہی تھی۔ ملازم انظار کے لئے میز چکر رہا تھا۔ اس نے پوچھل دل کے ساتھ ڈاکٹر سید علی کے ساتھ بیٹھ کر دوڑا انظار کیا پھر وہ وہ ڈاکٹر سید علی غراز پڑنے کے لئے قرعین مسجد میں چلے گئے۔ وہاں سے واپس پر اس نے ڈاکٹر سید علی کے ہاں کیا کھانا اور پھر اپنے فلیٹ پر واپس آ گیا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

”نکل میرے ساتھ سعید دہال کے ہاں چل سکتے ہو؟“

اس نے ڈاکٹر سید علی کے گھر سے واپس کے بعد دس بجے کے قریب فرحان کو فون کیا۔ فرحان ہاتھل میں تھا۔ اس کی نائٹ ڈیوٹی تھی۔

”ہاں، جیوں نہیں۔ کوئی خاص کام ہے؟“

”میں آٹھ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“

فرحان کچھ دیر بول نہیں سکا۔ سالار کا لہجہ بہت ہموار تھا۔ وہاں کسی تلخی کے کوئی آثار نہیں تھے۔

”کیسی باتیں؟“

”کوئی تشریح تک بات نہیں ہے۔“ سالار نے جیسے اسے تسلی دی۔

”پھر بھی۔“ فرحان نے اصرار کیا۔

”تم پھر امام کے بارے میں بات کرنا چاہتے ہو؟“

”تم پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ میرے ساتھ چلو گے؟“

سالار نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے پوچھا۔

”ہاں، چلوں گا۔“

"تو پھر میں تمہیں کل ہی بتاؤں گا کہ مجھے اس سے کیا بات کرنی ہے۔"
اس سے پہلے کہ فرقان کچھ کہنا فون بند ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

"تم اس سے امامہ کے بارے میں بات کرنا چاہتے ہو؟" فرقان نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے سالار سے پوچھا۔

"نہیں، صرف امامہ کے بارے میں نہیں اور بھی بہت سی باتیں ہیں جو میں کرنا چاہتا ہوں۔"
"فاریڈ سیک سالار انٹرویو سے مردے اکھاڑنے کی کوشش مت کرو۔" فرقان نے ناراضی سے کہا۔
"اس کو میری ترجیحات اور مقاصد کا پتہ ہونا چاہیے۔ اب اسے ساری زندگی گزارنی ہے میرے ساتھ۔"

سالار نے اس کی ناراضی کی پروا کئے بغیر کہا۔

"چنا چل جائے گا، سبھی وارنٹ کی ہے وہ اور اگر کچھ بتانا ہی ہے تو کھلا کر بتانا، وہیں چیخو اور باکس کھول کر مت بیٹھنا۔"

"کھلا کر بتانے کا کیا فائدہ، جب اس کے پاس وہی کال کوئی راستہ ہی نہ ہو۔ میں چاہتا ہوں وہ میری باتوں کو سنے، سمجھے، سوچے اور پھر کوئی فیصلہ کرے۔"

"اب کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی وہ۔ تمہارا اور اس کا نکاح ہو چکا ہے۔"
"رخصتی تو نہیں ہوئی۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"کیوں نہیں پڑتا۔ اگر اس کو میری بات پر اعتراض ہو تو وہ اس رشتے کے بارے میں نظر ثانی کر سکتی ہے۔" سالار نے سنجیدگی سے کہا۔

فرقان نے چپکتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

"اور اس نظر ثانی کے لئے تم کس طرح کے حقائق اور دلائل پیش کرنے والے ہو اس کے سامنے؟"
"میں اسے صرف چند باتیں بتانا چاہتا ہوں جس کا جاننا اس کے لئے ضروری ہے۔" سالار نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"وہ ڈاکٹر سید علی کی رشتے دار ہے، میں اس کو اسے اس کی بہت عزت کرتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے نہیں کہا ہوتا تو یہ رشتہ قائم بھی نہیں ہوتا لیکن میں....."

فرقان نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ٹھیک ہے، تم کو اس سے جو کہنا ہے، کہہ لیں امامہ کے لڑکوں کو ذرا ہم بھی رکھنا کیونکہ اگر وہ کسی

بات سے جڑے ہوئی تو وہ یہی بات ہو گی، باقی چیزوں کی پروا وہ شاید نہ کرے۔ آخر آلہ دوسری بیوی ہو نایا کہلاتا آسان نہیں ہوتا۔"

فرقان نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"اور میں چاہتا ہوں، وہ یہ بات سمجھیں کرے، سوچے، اس کے بارے میں..... ابھی تو کچھ بھی نہیں بکڑا، تم کہتے ہو وہ خوب صورت ہے، پڑھنی لکھنی ہے، اچھی ٹیکنی سے تعلق ہے اس کا۔"

فرقان نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹی۔

"ختم کرو اس موضوع کو سالار! تم کو اس سے جو کہنا ہے اسے جو سمجھانا ہے جا کر کہہ لیتا....."

"میں اس سے اکیلے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔" سالار نے کہا۔

"میں سعید واماں سے کہہ دوں گا۔ وہ تمہیں اکیلے میں اس سے بات کروادیں گی۔"

فرقان نے اس کی بات پر سر ہلاتے ہوئے کہا۔

وہ آدھ گھنٹہ میں سعید واماں کے پاس پہنچ گئے تھے۔ دروازہ سعید واماں نے ہی کھولا تھا اور سالار اور فرقان کو کچھ کر وہ جیسے خوشی سے بے حال ہو چکی تھیں۔ وہ ان دونوں کو ایسی جھنجھٹا کر کے میں لے گئیں۔

"سعید واماں! سالار! آؤ، آؤ، سے نکالی میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہے۔"

فرقان نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ سعید واماں کچھ اٹھیں۔

"کیسی باتیں؟" وہ اب سالار کی طرف دیکھ رہی تھیں جو خود بھی بیٹھنے کے بجائے فرقان کے ساتھ ہی کھڑا تھا۔

"میں چند باتیں، جو وہ اس سے کرنا چاہتا ہے مگر پریشانی والی کوئی بات نہیں۔" فرقان نے انہیں تسلی دی۔

سعید واماں ایک بار پھر سالار کو دیکھنے لگیں۔ اس نے نظریں چرائیں۔

"اچھا..... پھر تم میرے ساتھ آ جاؤ بیٹا! آؤ اندر رہے۔ اور اگر اس سے مل لو۔"

سعید واماں کہتے ہوئے دروازے سے باہر نکل گئیں۔ سالار نے ایک نظر فرقان کو دیکھا پھر وہ خود بھی پیچھے چلا گیا۔

جھنجھک بیرونی دروازے کے بائیں جانب تھی۔ دائیں جانب اوپر جانے والی سڑکیاں تھیں۔ بیرونی دروازے سے کچھ آگے ہائل مسافروں کچھ سڑکیاں چڑھنے کے بعد گھڑی کا ایک اور پرانی طرف کا بہت بڑا دروازہ تھا جو اس وقت کھلا ہوا تھا اور وہاں سرخ اینٹوں کا بڑا وسیع صحن نظر آ رہا تھا۔

سعید واماں کا رخ ان ہی سڑکیوں کی طرف تھا۔ سالار ان سے کچھ فاصلے پر تھا۔ سعید واماں اب

بڑھیاں چڑھ رہی تھیں۔ وہ جب بڑھیاں چڑھ کر صحن میں داخل ہو گئیں تو سالار بھی کچھ ہلکتا ہوا بڑھیاں چڑھنے لگا۔

دو تین سرخ انگوٹوں کے صحن کے اطراف دیواروں کے ساتھ کھاریاں بٹائی گئی تھیں جن میں لگے ہوئے سبز پڑے اور بلیں سرخ انگوٹوں سے بنی ہوئی دیواروں کے بیک گراؤ میں بہت خوب صورت لگ رہی تھیں۔ صحن کے ایک حصے میں دھوپ تھی اور دونوں کے اس حصے میں بھی دھوپ تھی۔ وہ صوبے کے حد تیز تھی۔ دھوپ نے سرخ رنگ کو کچھ اور نمایاں کر دیا تھا۔

آہستہ آہستہ بڑھیاں چڑھ کر سالار نے صحن میں قدم رکھ دیا اور وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔ صحن کے دھوپ والے حصے میں رکھی چار پائی کے سامنے ایک لڑکی کھڑی تھی۔ وہ شاید ابھی چار پائی سے اُترتی تھی۔ اس کی پشت سالار کی طرف تھی۔ وہ سفید کرتے اور سیاہ شلوار میں ملیں تھی اور بٹا کر لگی تھی۔ اس کی کمر سے کچھ اوپر اس کے سیاہ تیلے بال لٹوں کی صورت میں اس کی پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس کا سفید روپہ چار پائی پر بڑا ہوا تھا۔ وہ اپنے کرتے کی آستینوں کو کھینچیں تک فولد کرتے ہوئے سالار کی طرف مڑی تھی۔

سالار سانس نہیں لے سکا۔ اس نے زندگی میں اس سے زیادہ خوب صورت لڑکی نہیں دیکھی تھی یا پھر اسے اس لڑکی سے زیادہ خوب صورت کوئی نہیں لگا تھا۔ وہ یقیناً آتم تھی۔ اس گھر میں آتم کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔ وہ آگے نہیں بڑھ سکا۔ وہ اس سے نظریں نہیں ہٹا سکا۔ اس نے اس کے دلی کو منہ میں لیا تھا۔ دھڑکن نہ کی تھی یا وہاں وہ جان نہیں سکا۔

اس کے اور آتم کے درمیان بہت فاصلہ تھا۔ آستین موزے ہوئے آتم کی چمکی نظر سعید واماں پہنچی۔

”سالار بیٹا آیا ہے۔“

سعید واماں بہت آگے بڑھ آئی تھیں۔ آتم نے گردن کو توڑ چھا کرتے ہوئے صحن کے دروازے کی طرف دیکھا۔ سالار نے اسے بھی مٹھکے دیکھا۔ پھر دو مڑی۔ اس کی پشت ایک بار پھر سالار کی طرف تھی۔ سالار نے اسے دیکھا اور چار پائی سے دوپٹہ اٹھا کر دیکھا۔ وہ اپنے کو سینے پر پھیلاتے ہوئے اس نے اس کے ایک پیچ کے ساتھ اپنے سر اور پشت کو بھی ڈھانپ لیا تھا۔

سالار اب اس کی پشت پر بکھرے بال نہیں دیکھ سکتا تھا مگر اسے آتم کے اطمینان نے حیران کیا تھا۔ وہاں کوئی گھبراہٹ نہ ہو سکتی تھی۔ کوئی حیرانی نہیں تھی۔

سعید واماں نے مڑ کر سالار کو دیکھا پھر اسے دروازے میں ہی کھڑے دیکھ کر انہوں نے کہا۔

”اگر سے بیٹا وہاں کیوں کھڑے ہو اندر آکر تمہارا پانی گھر ہے۔“

آتم نے دوپٹہ اٹھا کر اپنے کے بعد مڑ کر اسے ایک بار پھر دیکھا تھا۔ وہ اب بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ لیکن چھپکے بغیر وہ دم بخود رہے جس و حرکت۔

آتم کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا۔ وہ اب آگے آ گیا تھا۔

”یہ آتم ہے، میری بیٹی۔“ سعید واماں نے اس کے قریب آنے پر تعارف کر دیا۔

”السلام علیکم“ سالار نے آتم کو کہتے ہوئے وہ کچھ بول نہیں سکا۔ وہ اس سے چند قدموں کے فاصلے پر کھڑی تھی۔ اسے دیکھنا مشکل ہو گیا تھا۔

وہ تروس ہو رہا تھا۔ آتم نے اس کی گھبراہٹ کو محسوس کر لیا تھا۔

”سالار! اتم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہے۔“

سعید واماں نے آتم کو بتایا۔

آتم نے ایک بار پھر سالار کو دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ دونوں نے بیک وقت نظریں نہائیں۔

آتم نے سعید واماں کو دیکھا اور سالار نے آتم کی کلائیوں تک پہنچنے کی کوشش ونگار سے بھرے ہاتھوں کو۔

ایک دم اسے لگا کہ وہ اس لڑکی سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔

”سالار بیٹا! اندر کھڑے میں بیٹے ہیں۔ وہاں تم اطمینان سے آتم سے بات کر لینا۔“

سعید واماں نے اس بار سالار کو مخاطب کیا۔

سعید واماں کہتے ہوئے اندر ہر آتم کے کی طرف بڑھیں۔ سالار نے آتم کو سر جھکائے ان کی طرف ہی کرتے دیکھا۔ وہ وہیں کھڑا اسے اندر جاتا دیکھا رہا۔ سعید واماں کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئیں۔ آتم نے دروازے کے پاس پہنچ کر مڑتے مڑتے اسے دیکھا۔ سالار نے بڑی رفتاری سے نظر جھکا لیں۔ آتم نے مڑ کر اسے دیکھا پھر شاید وہ حیران ہوئی۔ سالار اندر کیوں نہیں آ رہا تھا۔ سالار نے اس کی طرف دیکھے بغیر سر جھکائے قدم آگے بڑھا دیئے۔ آتم کچھ مطمئن ہو کر مڑ کر کمرے میں داخل ہو گئی۔

سالار جب کمرے میں داخل ہوا تو سعید واماں پہلے ہی ایک کرسی پر بیٹھ چکی تھیں۔ آتم لائٹ آن کر رہی تھی۔ سالار کو دھوپ سے اندر آکر تنگی کا احساس ہوا۔

”بچو بیٹا!“ سعید واماں نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس سے کہہ کر سالار کو کرسی پر بیٹھ گیا۔ آتم لائٹ آن کرنے کے بعد اس سے کچھ لایسلے پر ان کے بالفاظ ایک کاؤچ پر بیٹھ گئی۔

سالار منتظر تھا کہ سعید واماں چند لمحوں میں وہاں سے اٹھ کر چلی جائیں گی۔ فرقان نے واضح طور پر انہیں بتایا تھا کہ وہ اس سے چٹائی میں بات کرنا چاہتا تھا، مگر چند لمحوں کے بعد سالار کو اندازہ ہو گیا کہ اس

کا یہ انتظار بے کار تھا۔ وہ شاید یہ بھول گئی تھیں کہ سالار تنہائی میں آمد سے ملنا چاہتا تھا یا پھر ان کا یہ خیال تھا کہ وہ تنہائی صرف فرقان کی عدم موجودگی کے لئے تھی۔ سالار نے انہیں اس میں شامل نہیں کیا ہو گیا پھر وہ ابھی سالار کو اتنا قابل اعتبار نہیں سمجھتی تھیں کہ اپنی بیٹی کے ساتھ اسے اکیلا چھوڑ دیتیں۔

سالار کو آخری اندازہ صحیح لگا۔ وہ اس سے جو کچھ اور جتنا کچھ کہنا چاہتا تھا، سعیدہ اماں کے سامنے نہیں کہنا چاہتا تھا۔ وہ کہہ ہی نہیں سکتا تھا۔ اس نے اپنے ذہن کو کھلانے کی کوشش کی۔ اسے کچھ تو کہنا ہی تھا وہ کچھ نہیں ڈھونڈ سکا۔ اس کا ذہن خالی تھا۔

نیم تاریک ٹھیک کمرے میں بالٹن خاموشی تھی۔ وہ اب دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے فرش پر نظر میں جمائے ہوئے تھے۔

آمد نے کمرے میں کوئی فنیسی لائٹ روشن کی تھی۔ اونچی دیواروں والا فرنیچر سے بھرا ہوا وسیع و عریض کمرہ شاید شنگ روم کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ اس میں بہت زیادہ دروازے تھے اور تمام دروازے بند تھے۔ کمرے میں موجود واحد کھڑکی پر آمد سے جس کھلی تھی اور اس کے آگے پردے تھے۔ فرش کو بھاری بھرکم میروٹن فرش دنگار کے قالین سے ڈھکا کیا تھا اور فنیسی لائٹ کمرے کو چاروں طرف روشن کرنے میں ناکام ہو رہی تھی۔

کم از کم کمرے میں سالار کو تاریکی ہی محسوس ہو رہی تھی۔ شاید یہ اس کے احساسات تھے یا پھر۔ مجھے اپنے opinion سے آج ضرور ملنا چاہئے۔ قریب کے ساتھ ساتھ شاید میری دور کی نظر بھی کمزور ہو گئی ہے۔

سالار نے مایوسی سے سوچا۔ سینئر ٹیل کے دوسری طرف یعنی آمد کو وہ کچھ نہیں پتا تھا۔ اس نے ایک بار پھر نظر قالین پر جمادی پھر اس نے ایک دم آمد کو اٹھتے دیکھا۔ وہ دیوار کے پاس جا کر کچھ اور لائٹس آن کر رہی تھی۔ کمرہ ٹیوب لائٹ کی روشنی میں جھلکا اٹھا۔ فنیسی لائٹ بند ہو گئی۔ سالار حیران ہوا۔ آمد نے پہلے ٹیوب لائٹ آن کیوں نہیں کی تھی، پھر چونکہ اسے احساس ہوا وہ بھی نروس تھی۔

آمد دوبارہ پھر اس کے سامنے کاؤچ پر آکر نہیں بیٹھی۔ وہ اس سے کچھ قافلے پر سعیدہ اماں کے پاس ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ سالار نے اس بار اسے دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اسی طرح قالین کو گھورتا رہا۔ سعیدہ اماں کا منہ باز آخر جواب دے گیا۔ کچھ دیر بعد انہوں نے ٹھکڑا کر سالار کو متوجہ کیا۔

”مگر جی! وہ باتیں جو تم نے آمد سے تنہائی میں کرنی تھیں۔“

انہوں نے سالار کو بڑے پیار سے یاد دلایا۔

”اتنی دیر سے چپ بیٹھے ہو، میرا تھول ہول رہا ہے۔“

سالار نے ایک گہرا سانس لیا، پھر سعیدہ اماں اور آمد کو باری باری دیکھا۔

”کچھ نہیں، میں بالٹن نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔“

اس نے اپنے لہجے کو کتنی الامکان ہموار رکھتے ہوئے کہا۔ سعیدہ اماں کے چہرے پر بیاضیت آگئی۔

”قرانتی سی بات تھی اور فرقان نے مجھے ڈرا ہی دیا۔ ہاں ہاں ضرور دیکھو، کیوں نہیں۔ یہی ہے تمہاری۔“ وہ آنکھ کر کھڑا ہو گیا۔

”آپ ان سے کہہ دیں کہ سامان پیک کر لیں، میں باہر انتظار کرتا ہوں۔“

دور دروازے کی طرف بڑھتا ہوا سعیدہ اماں سے بولا۔ آمد نے چونک کر اسے دیکھا۔ سعیدہ اماں بھی حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

”مگر جی! تم تو صرف کچھ باتیں کرنا چاہتے تھے اس سے، پھر رخصتی۔۔۔ میرا مطلب ہے میں چاہتی تھی باقاعدہ رخصت کروں اور۔۔۔“

سالار نے نرمی سے سعیدہ اماں کی ہاتھ کاٹی۔

”آپ یہ سمجھ لیں کہ میں باقاعدہ رخصت کروانے کے لئے ہی آیا ہوں۔“

سعیدہ اماں کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتی رہیں پھر بولی۔

”ٹھیک ہے جی! تم اگر ایسا چاہتے ہو تو ایسا ہی کسی مگر اظہار کے لئے روکو۔ چند گھنٹے ہی باقی ہیں، کھانا تو کھا کر جاؤ۔“

”نہیں، مجھے اور فرقان کو کچھ کام ہے۔ میں اسے صرف ایک گھنٹے کے لئے لے کر آیا تھا۔ دوبارہ دیکھنا ممکن نہیں ہے میرے لئے۔“ وہ کھڑے کھڑے کہہ رہا تھا۔

”لیکن اماں! مجھے تو سامان پیک کرنے میں بہت دیر لگے گی۔“

آمد نے وہیں کرسی پر بیٹھے ہوئے پہلی بار ساری گفتگو میں حصہ لیا۔ سالار نے مزید گفت دیکھے بغیر سعیدہ اماں سے کہا۔

”سعیدہ اماں! آپ ان سے کہیں یہ آرام سے بیٹھ کر لیں، میں باہر انتظار کروں گا۔ جی! دیر یہ چاہیں۔“

وہ اب کمرے سے نکل گیا تھا۔

☆.....☆

فرقان نے حیرانی سے سالار کو دیکھا۔ وہ بیٹھک میں داخل ہو رہا تھا۔

”تم اتنی جلدی داپس آ گئے، میں تو سوچ رہا تھا کہ تم خاصی دیر کے بعد واپس آؤ گے۔“

سالار جواب میں کچھ کہنے کے بجائے بیٹھ گیا۔

فرقان نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔

"خیر بت ہے۔"

"ہاں۔"

"آمنہ سے ملاقات ہوئی؟"

"ہاں۔"

"پھر؟"

"پھر کیا؟"

"چلیں؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"میں آمنہ کو ساتھ لے کر جا رہا ہوں۔"

"کیا؟" فرقان بھونک رہا تھا۔

"تم تو اس سے بات کرنے کے لئے آئے تھے۔"

سالار جواب دینے کے بجائے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"یہ ایک دم رقصتی کاکین سوچ لیا؟"

"نہیں سوچ لیا۔"

اس بار فرقان نے اسے اُلجھی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

☆ ☆ ☆

وہ کھینے کے بعد آج صبح فرقان اور سالار کے ساتھ سالار کے کلیٹ پر پہنچی تھی، صبح افطار میں زیادہ وقت نہیں تھا۔ سالار نے افطاری کا سامان راستے سے لے لیا تھا۔ فرقان ان دونوں کو افطاری کے لئے اپنے کلیٹ پر لے جانا چاہتا تھا مگر سالار اس پر رضامند نہیں ہوا۔ فرقان نے اپنی بیوی کو بھی سالار کے کلیٹ پر بلوایا۔

افطاری کے لئے پہلے فرقان کی بیوی نے ہی تیار کیا تھا۔ آمنہ نے مدد کرنے کی کوشش کی تھی جسے فرقان اور اس کی بیوی نے رد کر دیا۔ سالار نے بداعبات نہیں کی تھی۔ وہ موبائل لے کر بالکونی میں بیٹھا کیا۔ اونٹن میں بیٹھے کھڑکیوں کے شیشوں کے پار آمنہ نے اسے بالکونی میں کھینے موبائل پر کسی سے بات کرتے دیکھا۔ وہ بہت سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

اس نے معیدہ اماں کے گھر سے اپنے کلیٹ تک ایک بار بھی اسے مخاطب نہیں کیا تھا۔ یہ صرف فرقان تھا جو وہ قافو قفا سے مخاطب کرتا تھا اور اب بھی یہی ہو رہا تھا۔

سالار نے دو خاموشی افطار کی میز پر بھی نہیں توڑی۔ فرقان اور اس کی بیوی ہی آمنہ کو مختلف چیزیں سرا کرتے رہے۔ آمنہ نے اس کی خاموشی اور سرد مہری کو محسوس کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

افطار کے بعد وہ فرقان کے ساتھ مغرب کی نماز کے لئے نکل آیا تھا۔ فرقان کو مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد باہر چل جانا تھا۔

مسجد سے نکل کر فرقان کے ساتھ کارپارکنگ کی طرف آتے ہوئے فرقان نے اس سے کہا۔

"تم بہت زیادہ خاموش ہو۔" سالار نے ایک نظر اسے دیکھا مگر کچھ کہے بغیر چلا ہوا۔

"کیا تمہیں کچھ کہنا نہیں ہے؟"

وہ مسلسل اس کی خاموشی کو توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سالار نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔

مغرب کے وقت ہی دس منہ سو اور ہونے لگی تھی۔ ایک گھر اسٹاپ لے کر اس نے فرقان کو دیکھا۔

"نہیں مجھے کچھ نہیں کہنا۔"

چند لمحوں کے بعد فرقان نے اسے پوچھا۔

"میں آج کچھ بھی کہنے کے قابل نہیں ہوں۔"

فرقان کو بے اختیار اس پر ترس آیا۔ ساتھ چلتے چلتے اس نے سالار کا کندھا چھو لیا۔

میں تمہارے احساسات مجھ ملکا ہوں لیکن زندگی میں یہ سب ہو جا رہا ہے، تم امام کے لئے جو

کچھ کر سکتے تھے تم نے کیا۔ جتنا تنہا کر سکتے تھے تم نے کیا۔ آٹھ نو سال کم نہیں ہوتے۔ اب تمہاری

قسمت میں اگر یہی لڑکی ہے تو ہم یا تم کیا کر سکتے ہیں۔"

سالار نے بے تاثر نظروں سے اسے دیکھا۔

"اس گھر میں آج امام کا مقدر نہیں تھا۔ آمنہ کا مقدر تھا۔ سو وہ آگئی۔ اس سے نکاح ہو گئے سات

دن ہوئے ہیں اور آج وہیں دن وہیں ہے۔ امام کے ساتھ نکاح کو نو سال ہونے والے ہیں اور وہ آج

تک تمہارے پاس نہیں آ سکی۔ کیا تم یہ بات نہیں سمجھ سکتے کہ امام تمہارے مقدر میں نہیں ہے۔"

وہ پوری دماغی سے اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ہماری بہت ساری خواہشات ہوئی ہیں۔ بعض خواہشات اللہ پوری کر رہا ہے، بعض نہیں کرتا۔

ہو سکتا ہے کہ امام کے دل میں تمہارے لئے بھیجی ہو۔ ہو سکتا ہے اللہ نے تمہیں آمنہ ہی کے لئے رکھا

ہو۔ ہو سکتا ہے کہ چند سال بعد تم اسی بات پر اللہ کا شکر ادا کرتے نہ تھکو۔"

وہ دونوں اب پارکنگ کے پاس پہنچ چکے تھے۔ فرقان کی گاڑی شروع میں ہی کھڑی تھی۔

"میں نے اپنی زندگی میں ایسا کوئی انسان نہیں دیکھا جس کی ہر خواہش پوری ہو، جس نے جو چاہا

پالیا ہو پھر شکوہ کس بات کا۔ آنت کے ساتھ ایک اچھی زندگی گزارنے کی کوشش کرو۔“
دو دونوں اب گاڑی کے پاس پہنچ چکے تھے۔ فرقان نے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول دیا مگر بیٹے سے پہلے اس نے سالار کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے باری باری اس کے دونوں گالوں کو نرمی سے چوما۔
”تمہیں یہی یاد رکھنا چاہیے کہ تم نے ایک نیکی کی ہے اور اس نیکی کا اجر اگر تمہیں یہاں نہیں ملے گا تو اگلی دنیا میں مل جائے گا۔“

دو اب سالار کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لئے ہوئے کہہ رہا تھا۔ سالار سر کو ہلکا سا خم کرتے ہوئے تھوڑا سا مسکرایا۔

فرقان نے ایک گہرا سانس لیا۔ آج کے دن یہ پہلی مسکراہٹ تھی جو اس نے سالار کے چہرے پر دیکھی تھی۔ اس نے غور بھی مسکراتے ہوئے سالار کی پشت پر چھپائی اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔
سالار نے گاڑی کا دروازہ بند کر دیا۔ فرقان انٹیشن میں چابی لگا رہا تھا۔ جب اس نے سالار کو کھڑکی کا شیشہ اٹلی سے بجاتے دیکھا۔ فرقان نے شیشہ نیچے کر دیا۔

”تم کہہ رہے تھے کہ تم نے آج تک کوئی ایسا انسان نہیں دیکھا جس نے مجھ کی چیز کی بھی خواہش کی ہو اسے مل گئی ہو۔“

سالار کھڑکی پر جھکے پر سکون آواز میں اس سے کہہ رہا تھا۔ فرقان نے اٹلی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ بے حد پر سکون اور مطمئن نظر آ رہا تھا۔

”پھر تم مجھے دیکھو کیونکہ میں وہ انسان ہوں، جس نے آج تک جو بھی چاہا ہے اسے وہ مل گیا ہے۔“
فرقان کو لگا اس کا ذہن غم کی وجہ سے متاثر ہو رہا تھا۔

”میں تم میری نیکی کہہ رہے ہو وہ دراصل میرا اجر ہے جو مجھے زمین پر ہی دے دیا گیا ہے۔ مجھے آخرت کے انتظار میں نہیں رکھا گیا اور میرا حقہ آج بھی وہی ہے جو نو سال پہلے تھا۔“
وہ غمگین گہری آواز میں کہہ رہا تھا۔

”مجھے وہی صورت دی گئی ہے جس کی میں نے خواہش کی تھی، ابامہ باشم اس وقت میرے گھر پہنچے ہیں۔“

فرقان دم بخود رہ جاتے ہوئے اس کی پشت دیکھتا رہا۔ وہ کیا کہہ کر گیا تھا اس کی کچھ میں نہیں آیا۔
”شاید میں ٹھیک سے اس کی بات نہیں سن پایا۔۔۔ یا پھر شاید اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔۔۔ یا پھر شاید اس نے مہر کر لیا ہے۔۔۔ ابامہ باشم۔۔۔“ سالار اب بہت دور نظر آ رہا تھا۔

باب ۹

لاہور پہنچنے کے بعد اس کے لئے اگلا مرحلہ کسی کی مدد حاصل کرنے کا تھا مگر کس کی؟ وہ باہر نہیں جاسکتی تھی۔ وہ جو یہ اور باتیں لوگوں سے رابطہ نہیں کر سکتی تھی، کیونکہ اس کے گھر والے اس کی دوستوں سے واقف تھے اور چند گھنٹوں میں وہ اسے لاہور میں ڈھونڈنے والے تھے، بلکہ ہو سکتا تھا اب تک اس کی تلاش شروع ہو چکی ہو اور اس صورت حال میں ان لوگوں سے رابطہ کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ اس کے لئے سمیجر کی صورت میں واحد آپشن رہ جاتا تھا، مگر وہ اس بات سے واقف نہیں تھی کہ وہ ابھی پشاور سے واپس آئی تھی یا نہیں۔

سمیجر کے گھر پر ملازم کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ وہ لوگ ابھی پشاور میں ہی تھے۔

”واپس کب آئیں گے؟“ اس نے ملازم سے پوچھا۔ وہ اسے جانتا تھا۔

”یہ تو مجھے معلوم نہیں ہے مگر ایک دو دن تک آ جائیں گے۔“ اس نے امار کو بتایا۔

"کیا آپ کے پاس وہاں کا فون نمبر ہے؟" اس نے قدر سے ایسی ہی کے عالم میں پوچھا۔

"جی، وہاں کا فون نمبر میرے پاس ہے۔" ملازم نے اس سے کہا۔

"وہ آپ مجھے دے دیں۔ میں فون پر اس سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

اسے کچھ ہل ہوئی۔ ملازم اسے اندر لے آیا۔ ڈرائنگ روم میں اسے بٹھا کر اس نے وہ نمبر لادیا۔

اس نے موبائل پر وہیں بیٹھے بیٹھے سمیٹ کرنگ کیا۔ فون پٹا اور میں گھر کے کسی فرد نے اٹھایا تھا اور اسے بتایا کہ سمیٹ باہر لگی ہوئی ہے۔

امامہ نے فون بند کر دیا۔

"سمیٹ سے میری بات نہیں ہو سکی۔ میں کچھ دیر بعد اسے دوبارہ فون کرؤں گی۔" اس نے پاس

کھڑے ملازم سے کہا۔

"جب تک میں یہیں بیٹھوں گی۔"

ملازم سر ہلاتے ہوئے چلا گیا۔ اس نے ایک گھنٹے کے بعد دوبارہ سمیٹ کو فون کیا۔ وہ اس کی کال پر حیران تھی۔

اس نے اسے مختصر طور پر اپنا گھر چھوڑ آنے کے بارے میں بتایا۔ اس نے اسے سالار سے اپنے گھر کے بارے میں نہیں بتایا کیونکہ وہ نہیں جانتی تھی سمیٹ اس سارے معاملے کو کس طرح دیکھے گی۔

"امامہ! تمہارے لئے سب سے بہتر یہ ہے کہ تم اس معاملے میں کورٹ سے واسطہ کرو۔ جبریلی لہجہ کے حوالے سے پروفیکشن مافک۔" سمیٹ نے اس کی ساری گفتگو سننے کے بعد کہا۔

"میں یہ کرنا نہیں چاہتی۔"

"کیوں؟"

"سمیٹ اسی پہلے ہی اس مسئلے کے بارے میں بہت سوچ چکی ہوں۔ تم میرے باپ کی پوزیشن اور اثر و رسوخ سے واقف ہو۔ پریس تو طوفان اٹھا دے گا۔ میری فیملی کو بہت ساری پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میں یہ تو نہیں چاہتی کہ میرے گھر پر جھراؤ ہو، میری وجہ سے میرے گھر والوں کی زندگی کو خطرہ ہو اور آج تک جتنی لڑکیوں نے اسلام قبول کر کے کورٹ پر دیکھیں لینے کی کوشش کی ہے ان کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ کورٹ دارالامان بھجوا دیتی ہے۔ وہ جیل بھجوانے کے مترادف ہے۔ کیس کا فیصلہ جتنی دیر تک ہو، کچھ پتا نہیں۔"

گھر والے ایک کے بعد ایک کیس فائل کر رہے ہیں۔ کتنے سال اس طرح گزر جائیں، کچھ پتا نہیں ہو تا اگر کسی کو کورٹ آزاد رہنے کی اجازت دے بھی دے تو وہ لوگ اسے مسئلہ کھڑے کرتے رہتے ہیں۔ کچھ بہت ساری لڑکیاں واپس گھر والوں کے پاس چلی جاتی ہیں۔ میں نہ تو دارالامان میں اپنی زندگی

برباد کرنا چاہتی ہوں نہ ہی لوگوں کی نظروں میں آنا چاہتی ہوں۔ میں نے خاموشی کے ساتھ گھر چھوڑا ہے اور میں اسی خاموشی کے ساتھ اپنی زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔"

"میں تمہاری بات سمجھ سکتی ہوں امامہ! لیکن مسائل تو تمہارے لئے ابھی بھی کھڑے کئے جائیں گے۔ وہ تمہیں تلاش کرنے کے لئے اپنی چوٹی کا زور لگا دیں گے اور ان لوگوں کے لئے مسائل پیدا ہوں گے جو تمہیں بنا دیں گے اور وہ جب تمہیں آخر کار شروع کر دیں گے تو تمہے تک پہنچنا تو ان کے لئے بہت آسان ہو گا۔ تمہاری مدد کر کے ہمیں بہت خوشی ہو گی مگر میرے ابو بیکجا چاہیں گے کہ مدد چھپ کر کرنے کے بجائے کھل کر کی جائے اور کورٹ اس معاملے میں فیصلہ تمہارے حق میں دینا فیصلہ دے گا۔ تم ابھی میرے گھر پر ہی رہو۔ میں اس بارے میں ملازم کو کہہ دیتی ہوں اور آج میں اپنے ابو سے بات کرتی ہوں ہم کوشش کریں گے، کل لاہور واپس آجائیں۔"

امامہ نے ملازم کو بلا کر فون اس کے حوالے کر دیا۔ سمیٹ نے ملازم کو کچھ ہدایات دیں اور پھر رابطہ منقطع کر دیا۔

"میں سینیڈا بی بی کا کروکھول رہا ہوں، آپ وہاں چلی جائیں۔" ملازم نے اس سے کہا۔ وہ سمیٹ کے گھر کے میں چلی آئی مگر اس کی تنقید اور پریشانی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ سمیٹ کے نقطہ نظر کو سمجھ سکتی تھی۔ وہ یقیناً یہ نہیں چاہتی تھی کہ خود سمیٹ اور اس کی فیملی پر کوئی مصیبت آئے۔ اس معاملے میں سمیٹ کے اندیشے درست تھے۔ اگر ہاشم نہیں کو یہ پتا چل جائے کہ اسے سمیٹ کی فیملی نے بنا دی تھی تو وہ ان کے جانی دشمن بن جاتے۔ شاید اس لئے سمیٹ نے اس سے قانون کی مدد لینے کے لئے کہا تھا مگر یہ راستہ اس کے لئے زیادہ دشوار تھا۔

جماعت کے اگلے دن بے لیاہر کی بیٹی کا اس طرح لہجہ چھوڑ دینا پوری جماعت کے نوجوانوں کے حرافہ تھا اور وہ جانتے تھے کہ اس سے پورے ملک میں جماعت اور خود ان کے خاندان کو کتنی ڈک چھینے گی اور وہ اس بے عزتی سے بچنے کے لئے کس حد تک جا سکتے تھے، امامہ چاہتی نہیں تھی، مگر اندازہ کر سکتی تھی۔

وہ سمیٹ کے کمرے میں داخل ہو رہی تھی جب اس کے ذہن میں ایک جھماکے کے ساتھ سیدہ مریم کی جلی کا خیال آیا تھا۔ وہ سمیٹ کی دوست اور کلاس میٹ تھی۔ وہ اس سے کئی بار ملتی رہی تھی۔ ایک بار سمیٹ کے گھر پر ہی مریم کو اس کے قبول اسلام کا پتا چلا تھا۔ وہ شاید سمیٹ کی واحد دوست تھی جسے سمیٹ نے امامہ کے بارے میں بتا دیا تھا اور مریم بہت حیران نظر آئی تھی۔

"تمہیں اگر کبھی میری مدد کی ضرورت ہوئی تو مجھے ضرور بتانا بلکہ بلا مجھ میرے پاس آ جاؤ۔"

اس نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ امام سے اٹھ مارتے ہوئے کہا۔ بعد میں بھی امام سے ہونے والی ملاقاتوں میں وہ ہمیشہ اس سے اسی گرم جوشی کے ساتھ ملتی رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اسے اس کا کیوں خیال آیا تھا یا وہ کس حد تک اس کی مدد کر سکتی تھی مگر اس وقت اس نے اس سے بھی رابطہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے موبائل سے فون کرنا چاہا مگر موبائل کی بیٹری ختم ہو چکی تھی۔ اس نے اسے ری چارج کرنے کے لئے لگا ہوا دو خود لاؤنج میں آکر اپنی ڈائری سے مریم کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔

فون ڈاکٹر سیٹ علی نے اٹھا لیا تھا۔

"میں مریم سے بات کرنا چاہتی ہوں، میں ان کی دوست ہوں۔"

اس نے اپنا شمارف کروایا۔ اس نے پہلی بار مریم کو فون کیا تھا۔

"میں بات کروا رہی ہوں۔" انہوں نے فون بولڈ رکھتے کہا۔ کچھ سیکنڈز کے بعد امام نے دوسری طرف مریم کی آواز سنی۔

"ہیلو۔"

"ہیلو مریم! میں امام سے بات کر رہی ہوں۔"

"امام۔۔۔ امام! ہم؟" مریم نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں، مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

وہ اسے اپنے بارے میں بتاتی گئی۔ دوسری طرف مکمل خاموشی تھی جب اس نے بات ختم کی تو مریم نے کہا۔

"تم اس وقت کہاں ہو؟"

"میں مسجد کے گھر ہوں، مگر مسجد کے گھر کوئی نہیں ہے۔ مسجد چھوڑ دی ہے۔"

اس نے مسجد کے ساتھ ہونے والی گفتگو کے بارے میں اسے بتا دیا۔

"تم وہیں رہو۔ میں ڈرائیو کو بھیجواؤں ہوں۔ تم اپنا سامان لے کر اس کے ساتھ آ جاؤ۔۔۔ میں انٹی دیر میں اپنی امی اور ابو سے بات کرتی ہوں۔"

اس نے فون بند کرتے ہوئے کہا۔ یہ صرف ایک اتفاق تھا کہ اس نے ڈاکٹر سیٹ علی کے گھر کی جانے والی کال سالار کے موبائل سے نہیں کی تھی ورنہ سکندر عثمان ڈاکٹر سیٹ علی کے گھر بھی پہنچ جاتے اور اگر امام کو یہ خیالی آجاتا کہ وہ موبائل کے بل سے اسے فون پر آؤت کرنے کی کوشش کریں گے تو وہ لاہور آکر ایک بار بھی موبائل استعمال نہ کرتی۔

یہ ایک اور اتفاق تھا کہ ڈاکٹر سیٹ علی نے اپنے آفس کی گاڑی اون ڈرائیو کو اسے لینے کے لئے بھیجوا لیا تھا، ورنہ مسجد کا ملازم مریم کی گاڑی اور ڈرائیو کو پہچان لیتا کیونکہ مریم اکثر وہیں آیا کرتی تھی اور

مسجد کے ساتھ ساتھ وہ لوگ بھی یہ جان جاتے کہ وہ مسجد کے گھر سے کہاں گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

آدھ گھنٹہ کے بعد ملازم نے ایک گاڑی کے آگے کی اطلاع دی۔ وہ اپنا بیگ اٹھانے لگی۔

"کیا آپ جا رہی ہیں؟"

"ہاں۔"

"مگر مسجد لی بی تو کبھی ہی تھیں کہ آپ یہاں رہیں گی۔"

"نہیں۔۔۔ میں جا رہی ہوں۔۔۔ اگر مسجد کا فون آئے تو آپ اسے بتادیں کہ میں چلی گئی ہوں۔"

اس نے دانستہ طور پر اسے یہ نہیں بتایا کہ وہ مریم کے گھر جا رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ پہلی بار مریم کے گھر گئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اسے وہاں جانے کا ایک بار پھر مریم اور اس کے والدین کو اپنے بارے میں سب کچھ بتانا پڑے گا۔ وہ ذہنی طور پر خود کو سوالوں کے لئے تیار کر رہی تھی مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔

"اہم لوگ تو ناشتہ کر چکے ہیں تم ناشتہ کرو۔"

مریم نے پورچ میں اس کا استقبال کیا تو اوپر اسے اندر لے جاتے ہوئے کہا۔ اندر لاؤنج میں ڈاکٹر سیٹ علی اور ان کی بیوی سے اس کا تعارف کروایا گیا۔ وہ بڑے تپاک سے ملے۔ امام کے چہرے پر اتنی سرگرمی اور پریشانی تھی کہ ڈاکٹر سیٹ علی کو اس پر حیرت آئی۔

"میں کھانا لگواؤں ہوں۔ مریم تم سے اس کا کمرہ دکھاؤ۔۔۔ تاکہ یہ کپڑے پہنچ کر لے۔" سیٹ علی کی بیوی نے مریم سے کہا۔

وہ جب کپڑے بدل کر آئی تو ناشتہ لگ چکا تھا۔ اس نے خاموشی سے ناشتہ کیا۔

"امام! اب آپ جا کر سو جائیں۔ میں آفس جا رہی ہوں، شام کو واپس پریم آپ کے مسئلے پر بات کریں گے۔"

ڈاکٹر سیٹ علی نے اسے ناشتہ ختم کرتے دیکھ کر کہا۔

"مریم! تم سے کمرے میں لے جاؤ۔" وہ خود لاؤنج سے نکل گئے۔

وہ مریم کے ساتھ اپنے کمرے میں چلی آئی۔

"امام! اب تم سو جاؤ۔ تمہارے چہرے سے لگ رہا ہے کہ تم پچھلے کئی گھنٹوں سے نہیں سوئیں۔ عام طور پر چٹکن اور پریشانی میں نیند نہیں آتی اور تم اس وقت اس کا شکار ہو گئیں۔ میں تمہیں کوئی ٹیبلٹ لا کر دیتی ہوں اگر نیند آگئی تو ٹھیک ہے ورنہ ٹیبلٹ لے لینا۔"

دو کمرے سے باہر نکل گئی، دیکھو وہ بعد اس کی واپسی ہوئی، پانی کا گلاب اور ٹھیکٹہ بیڑا بڑھ چکا تھا۔

"تم باہر رہیں ہو کر سو جاؤ۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ تم بھوکے تم اپنے کمرے میں ہو۔" وہ کمرے کی لابی آتے کرتی ایک بار پھر کمرے سے باہر نکل گئی۔

صبح کے ساڑھے نو بج رہے تھے مگر ابھی تک باہر بہت دھند تھی اور کمرے کی کڑکیوں پر پڑے ہوئے کی وجہ سے کمرے میں اندھیرا کچھ اور گہرا ہو گیا تھا۔ اس پہلے کسی معمول کی طرح ٹھیک پانی کے ساتھ نکل لی۔ اس کے بغیر ٹیکہ آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس کے ذہن میں اسے بہت سے خیالات آ رہے تھے کہ ریل پر لپٹ کر خلیہ کا نظارہ کرنا بہت مشکل ہو جا تا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے اپنے اصرار پر ایک ٹوکی کارڈی ہوئی مسموئی کی۔

☆ ☆ ☆

وہ جس وقت وہ باروا غمی اس وقت کمرہ مکمل طور پر تاریک ہو چکا تھا۔ وہ ریل سے اٹھ کر دوپار کی طرف آئی اور اس نے لائٹ جلا دی، وال کا فکرات کے ساتھ سے گیارہ بج رہا تھا۔ وہ فوری طور پر اندازہ نہیں کر سکی کہ یہ واقعی ٹھیک ٹھیک کا ڈھنسی یا پھر پھیلے کئی دلوں سے کچھ طور پر نہ ہو سکتے کی۔

"جو کچھ بھی تھا وہ صبح کے بہت بہتر حالت میں تھی۔ اسے بے حد بھوکہ لگ رہی تھی، مگر وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ کمرے کے افراد اس وقت جاگ رہے ہوں گے یا نہیں۔ بہت آہستگی سے دو دروازہ کھول کر لاؤنج میں نکل آئی۔ ڈاکٹر سیٹھ علی لاؤنج کے ایک صوفے پر بیٹھے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ دروازہ کھلنے کی آواز سن کر انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا اور اسے دیکھ کر مسکرائے۔

"اچھی ٹیکہ آئی؟" وہ بڑی ہنسٹ سے بولے۔

"جی..... اس نے مسکرائے کی کوشش کی۔

"اب ایسا کریں کہ وہ جانتے گئیں ہے، وہاں چلی جائیں۔ کھانا کھا لیا ہے۔ گرم کریں۔ وہاں نیکل ہو جی کھالیں اس کے بعد چائے کے دو کپ بنائیں اور یہاں آ جائیں۔"

وہ کچھ کچھ غصہ کن میں چلی گئی۔ ٹرین میں رکھا ہوا کھانا کال کر اس نے گرم کیا اور کھانے کے بعد چائے لے کر لاؤنج میں آ گئی۔ چائے کا ایک کپ بنا کر اس نے ڈاکٹر سیٹھ علی کو دیا۔

وہ کتاب میز پر رکھ چکے تھے۔ دوسرا کپ لے کر وہ ان کے بالمقابل دوسرے صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ اندازہ کر چکی تھی کہ وہاں سے کچھ باتیں کرنا چاہتے تھے۔

"چائے بہت اچھی ہے۔"

انہوں نے ایک سب سے لے کر مسکرائے ہوئے کہا وہ اچھی تھوڑی سی ان کی تعریف پر مسکرائی۔

شکر ادا کر سکی۔ وہ صرف انہیں دیکھتی رہی۔

"ایسا۔ آپ نے جو فیصلہ کیا ہے اس کے صحیح ہونے میں کوئی دیر رائے نہیں ہو سکتی مگر فیصلہ بہت بڑا ہے اور اسے بڑے فیصلے کرنے کے لئے بہت بہت کی ضرورت ہوتی ہے۔ خاص طور پر اس قسم عمری میں، مگر بعض دفعہ فیصلے کرنے کے لئے اتنی جرأت کی ضرورت نہیں ہوتی جتنی ان پر قائم رہنے کے لئے ہوتی ہے۔ آپ کو کچھ عرصہ بعد اس کا اندازہ ہو گا۔"

وہ بڑے غصے سے بولنے لگے میں کہہ رہے تھے۔

"میں آپ سے یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا مذہب کی تبدیلی کا فیصلہ صرف مذہب کے لئے ہے یا کوئی اور وجہ بھی ہے۔"

وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"میرا خیال ہے مجھے زیادہ واضح طور پر یہ سوال پوچھنا چاہئے کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ کسی لڑکے میں دلچسپی رکھتی ہیں اور اس کے کہنے پر یا اس کے لئے آپ نے کمرے کھلے کا فیصلہ کیا ہو یا مذہب بدلنے کا۔ اس سوال کا جواب دینے سے پہلے آپ یہ مت سوچنا کہ اگر ایسی کوئی وجہ ہوگی تو میں آپ کو برا سمجھوں گا یا آپ کی مدد نہیں کروں گا۔ میں یہ صرف اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ اگر ایسا ہوتا تو پھر مجھے اس لڑکے اور اس کے گھر والوں سے بھی ملنا ہو گا۔"

ڈاکٹر سیٹھ علی اس سوال نظروں سے اتر کر رہے تھے۔ اس وقت انہوں نے پہلی بار سریم سے اتنی ذہینت سے رابطہ کرنے پر پہنچا ہوا اور سالانہ کے بجائے ڈاکٹر سیٹھ علی، جلال سے یا اس کے گھر والوں سے بات کرتے تو شاید۔۔۔ اس نے پوچھنا دل سے لگی میں سر ہلادیا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔"

"کیا آپ کو واقعی یقین ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہے؟" انہوں نے ایک بار پھر پر سکون انداز میں اس سے کہا۔

"جی۔۔۔ میں نے اسلام جس کی ٹوکے کے لئے قبول نہیں کیا۔" وہ اس بار جھوٹ نہیں بول رہی تھی۔ اس نے اسلام واقعی جلال و امر کے لئے قبول نہیں کیا تھا۔

"پھر آپ کو یہ اندازہ ہونا چاہئے کہ آپ کو کتنی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"مجھے اندازہ ہے۔"

"آپ کے والد باختم مبین صاحب سے میں واقف ہوں۔ جماعت کے بہت سرگرم اور بار بار سونچ لیا رہی ہیں اور آپ کا ان کے مذہب سے تائب ہو کر اس طرح گھر سے چلے آجانے کے لئے ایک بہت بڑا

دھچکا ہے۔ آپ کو صوفی نے آواز دہیں لے جانے کے لئے دو ذہن آسان ایک کر دیں گے۔"

"مگر میں کسی بھی قیمت پر واپس نہیں جاؤں گی۔ میں نے بہت سوچ بچ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔"

"مگر آپ نے چھوڑ دیا ہے۔ اب آپ آگے کیا کریں گی؟" امام کو اندیشہ ہوا کہ وہ اسے کورٹ میں جانے کا مشورہ دیں گے۔

"میں کورٹ میں نہیں جاؤں گی۔ میں کسی کے بھی سامنے آنا نہیں چاہتی۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ سامنے آنے پر مجھے کتنے زیادہ مسائل پیدا ہو جائیں گے۔"

"پھر آپ کیا کرنا چاہتی ہیں؟" انہوں نے بغور اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"سامنے نہ آنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ میڈیکل کالج میں اپنی اسٹڈی جاری نہیں رکھ سکیں گی۔"

"میں جانتی ہوں۔" اس نے جانے کا کپ رکھتے ہوئے افسردگی سے کہا۔

"میں ویسے بھی خود تو میڈیکل کی تعلیم انورڈ کر بھی نہیں سکتی۔"

"اور اگر کسی دوسرے میڈیکل کالج میں کسی دوسرے شہر یا صوبے میں آپ کی مائیکریشن کروادی جائے تو؟"

"نہیں، وہ مجھے ڈراموں میں لے گئے۔ ان کے ذہن میں بھی سب سے پہلے جکی آئے تاکہ میں مائیکریشن کروانے کی کوشش کروں گی اور اسے تھوڑے سے میڈیکل کالج میں مجھے ڈراموں بہت آسان کام ہے۔"

"پھر.....؟"

"میں بی ایس سی میں کسی کالج میں ایڈمیشن لینا چاہتی ہوں مگر کسی دوسرے شہر میں..... لاہور میں وہ ایک ایک کالج چھانداریں گے اور میں اپنا نام بھی بدلوانا چاہتی ہوں..... اگر آپ ان دونوں کاموں میں میری مدد کر سکیں تو میں بہت آسان مند رہوں گی۔"

ڈاکٹر سید علی بہت دیر خاموش رہے وہ کسی گہری سوچ میں آگئے تھے۔ پھر انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔

"امام! ابھی کچھ غصہ آپ کو ہو سکتا رہتا ہے، پہلے تو یہ دیکھنا ہے کہ آپ کے گھر والے آپ کی تلاش میں کہا کیا طریقے اختیار کرتے ہیں۔ چند نئے اختراع کرتے ہیں پھر دیکھتے ہیں آگے کیا کرنا ہے۔ آپ اس گھر میں بالکل محفوظ ہیں..... آپ کو اس حوالے سے کوئی پریشانی نہیں ہونی چاہئے۔ آپ کورٹ میں نہیں جانا چاہئیں؟ میں آپ کو اس کے لئے مجبور بھی نہیں کروں گا اور آپ کو یہ ڈر نہیں ہونا چاہئے کہ کوئی یہاں تک آجائے گا یا آپ کو زبردستی یہاں سے لے جائے گا۔ آپ کے ساتھ کوئی بھی کسی بھی طرح کی زبردستی نہیں کر سکتا۔"

انہوں نے اس بات سے بہت سی تسلیاں دی تھیں۔ اسے ڈاکٹر سید علی کی عقل و کجہ کر کے بے اختیار ہاشم حسین یاد آتے رہے۔ وہ بوجھل دل کے ساتھ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

دوسرے دن ڈاکٹر سید علی شام پانچ بجے کے قریب اپنے آفس سے آئے تھے۔

"صاحب آپ کو اپنی اسٹڈی میں بلا رہے ہیں۔"

وہ اس وقت مریم کے ساتھ کچن میں تھی جب ملازم نے آکر اسے پیغام دیا۔

"آؤ امام! بیٹھو! کونسل کے دروازے پر دستک دے کر اندر داخل ہونے پر ڈاکٹر سید علی نے اس سے کہا وہ اپنی نیکل کی ایک دراز سے کچھ چیز نکال رہے تھے وہ وہاں رکھی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

"آج میں نے کچھ معلومات کروائی ہیں آپ کے بارے میں کہ آپ کے گھر والے آپ کی تلاش میں کہاں تک پہنچے ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔"

انہوں نے دراز بند کرتے ہوئے کہا۔

"یہ سالار سکندر کون ہے؟"

ان کے اگلے سوال نے اس کے دل کی دھڑکن کو چند لمحوں کے لئے روک دیا تھا۔ وہ اب کرسی پر بیٹھے اسے بغور دیکھ رہے تھے۔ اس کے چہرے کی فنی ہوتی ہوئی رنگت نے انہیں یہ بتا دیا کہ وہ امام کے لئے انجینیئر تھا۔

"سالار.....! ہمارے ساتھ..... والے..... گھر..... میں..... رہتا..... ہے۔" اس نے اچھٹے ہوئے کہا۔

"اس نے میری بہت مدد کی ہے۔ گھر سے نکلنے میں..... اسلام آباد سے لاہور مجھے وہی پھوڑ کر لیا تھا۔"

وہ افسانہ رک گئی۔

"میاں اس کے ساتھ کالج کے بارے میں بھی بتا چاہئے؟" وہ گونگوتی تھی۔

"آپ کے والد نے اس کے خلاف ایف آئی آر درج کروائی ہے، آپ کو اغوا کرنے کے الزام میں۔"

امام کے چہرے کی رنگت اور زرد ہو گئی۔ اسے قانع نہیں تھی کہ سالار سکندر رات ہی چل دی پکڑا جائے پھر اب اس کے گھر والے یقیناً جلال احمد تک بھی پہنچ جائیں گے اور وہ نکاح اور اس کے بعد کیا وہ یہاں آجائیں گے۔

"کیا وہ پکڑا گیا؟" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

"نہیں....." انہیں آؤٹ کر لیا گیا تھا کہ وہ اس رات کسی لڑکی کے ساتھ لاہور تک آیا تھا لیکن اس کا اصرار ہے کہ وہ آپ نہیں تھیں۔ کوئی دوسری لڑکی تھی۔ اس کی کوئی کرل فریڈ..... اور اس نے اس کا ثبوت بھی دے دیا ہے۔"

ڈاکٹر سیٹھ علی نے دانستہ طور پر یہ نہیں بتایا کہ وہ لڑکی کوئی طوائف تھی۔

"پولیس اسے گرفتار اس کے اپنے والد کی وجہ سے نہیں کر سکی۔ اس کے جوت دینے کے باوجود آپ کے گھر والوں کا بھی اصرار ہے کہ آپ کی گمشدگی میں وہی ملوث ہے۔ امامہ! کیا لڑکا ہے یہ سالار سکندر؟"

ڈاکٹر سیٹھ علی نے اسے تفصیل بتاتے ہوئے اچانک پوچھا۔

"بہت برا۔" نے اختیار امامہ کے منہ سے نکلا۔ "بہت ہی برا۔"

"مگر آپ تو یہ کہہ رہی تھیں کہ اس نے آپ کی بہت مدد کی ہے۔ پھر....."

"ہاں اس نے میری مدد کی ہے مگر وہ بہت برے کردار کا لڑکا ہے۔ میری مدد شاید اس نے اس لئے کی ہے کیونکہ میں نے ایک بار اسے فرسٹ ایئر دی تھی۔ اس نے خود بخود ہی کی کوشش کی تھی جب۔ اور شاید اس نے بھی اس نے میری مدد کی ہو کی کیونکہ میرا بھائی اس کا دوست ہے۔ ورنہ وہ بہت برا لڑکا ہے۔ وہ ذہنی مرعیش ہے۔ پتا نہیں مجھ پر کیا کرتا ہے۔ مجھ پر سختی کرتا ہے۔"

امامہ کے ذہن میں اس وقت اس کے ساتھ کئے گئے سفر کی یاد تازہ تھی جس میں وہ پرادرستہ جسمیں لاپتہ کا شکار ہوئی رہی تھی۔ ڈاکٹر سیٹھ علی نے سر ہلایا۔

"پولیس آپ کی فریڈم دے گی پھر چھو کر رہی ہے اور مجھ کے گھر تک بھی پولیس گئی ہے۔ مجھ پر چادر ہے۔ ابلیں آنٹی ہے، مگر مریم نے مجھ کو یہ نہیں بتایا کہ آپ ہمارے یہاں ہیں۔ آپ اب مجھ سے رابطہ مت کریں۔ اسے فون بھی مت کریں کیونکہ ابھی وہ اس کے گھر کا غر آ رہا دویشن رہیں کے اور فون کو بھی وہ خاص طور پر چیک کریں گے، بلکہ آپ اب کسی بھی وہ دست سے فون پر کالنگ مت کرنا ہی چاہئے باہر جانا۔"

انہوں نے اسے چالیا دیں۔

"میرے پاس موبائل ہے۔ اس پر بھی کالنگ نہیں کر سکتی؟"

وہ چونکے۔

"آپ کا موبائل ہے؟"

"نہیں، اسی لڑکے سالار کا ہے۔"

وہ سالار تک پہنچ گئے تو موبائل تک بھی پہنچ جائیں گے۔ "وہ بات کرنے کرتے تو کہہ گئے۔"

"جو کال آپ نے ہمارے گھر کی تھی وہ اس موبائل سے کی تھی؟" اس بار ان کی آواز میں کچھ

توتویش تھی۔

"نہیں، وہ میں نے مجھ کے گھر سے کی تھی۔"

"آپ اب اس موبائل پر دوبارہ کوئی کال کرنا نہ کرنا رہیں گے۔"

وہ کچھ مطمئن ہو گئے۔

☆.....☆.....☆

اگلے کچھ دنوں میں اسے ڈاکٹر سیٹھ علی سے اس کی تلاش کے سلسلے میں اور خبریں موصول ہوئی رہی تھیں۔ ان کے ذرائع معلومات جو بھی تھے مگر وہ بے حد ہوشیار تھے۔ اسے ہر جگہ ڈھونڈنا جاری رکھا۔ میڈیکل کالج، ہاسٹل، گارسن لیوڈ۔ ہاسٹل، روم میں اور فریڈم۔ ہاشم عین نے اسے ڈھونڈنے کے لئے نیو نیپ کا سہارا نہیں لیا تھا۔ میڈیا کی مدد لینے کا نتیجہ ان کے لئے رنجش کا ثابت ہوتا۔ وہ جس حد تک اس کی گمشدگی کو غلطی سمجھنے کی کوشش کر سکتے تھے کر رہے تھے، مگر وہ پولیس کی مدد حاصل نہیں کر رہے تھے۔ ان کی جماعت بھی ان کے سلسلے میں ان کی پارٹی مدد کر رہی تھی۔

دو لوگ مجھ تک پہنچ گئے تھے مگر وہ یہ جان نہیں پاتے تھے کہ وہاں اور آنے کے بعد اس کے گھر گئی تھی۔ شاید یہ مجھ کے ان دنوں چٹا میں ہونے کا نتیجہ تھا جن دنوں امامہ اپنے گھر سے ملی آئی تھی۔ ورنہ شاید مجھ اور ان کے گھر والوں کو بھی کچھ مسائل کا سامنا کرنا پڑتا۔

مریم نے مجھ کو امامہ کی اپنے باں موجودگی کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ اس نے مکمل طور پر ان کا ہر کیا تھا جیسے امامہ کی اس طرح کی گمشدگی باقی اسٹوڈنٹس کی طرح اس کے لئے بھی حیران کن بات تھی۔

☆.....☆.....☆

چند دن بعد گھر جانے کے بعد جب امامہ دوبارہ یقین ہو گیا کہ وہ ڈاکٹر سیٹھ علی کے ہاں محفوظ ہے اور کوئی بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا تو اس نے سالار سکندر کو فون کیا۔ وہ اس سے نکاح کے بیچر زینہ چاہتی تھی اور جب کوئی بار یہ جان کر اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی کہ سالار نے نہ تو طلاق کا حق اسے تو نہیں کیا تھا، نہ ہی وہ اسے طلاق دینے کا کوئی ارادہ رکھتا تھا۔

ڈاکٹر سیٹھ علی کے گھر پہنچنے کے بعد اس نے پہلی بار موبائل کا استعمال کیا تھا اور وہ بھی کسی کو بتاتے بغیر اور سالار سے فون پر بات کرنے کے بعد اسے اپنی حماقت کا شدت سے احساس ہوا۔ اسے سالار جیسے شخص پر کبھی بھی اس حد تک اعتماد نہیں کرنا چاہئے تھا اور اسے بیچر کو دیکھنے میں کچھ وقت لگ سکتا تھا جو اس نے انہیں دیکھنے سے اجتناب کیا اور پھر آخر اس نے بیچر کی ایک کاپی فوری طور پر اس سے کیوں نہیں لی۔ کم از کم اس وقت جب وہ اپنے گھر سے نکل آئی تھی۔

اسے اب لگتا تھا کہ وہ رہا تھا کہ وہ شخص اس کے لئے کئی بڑی مصیبت بن گیا تھا اور آئندہ آنے والے دنوں میں..... وہ اب ہر بات پر پہنچتا رہی تھی۔ اگر اسے اندازہ ہو جا کہ وہ ڈاکٹر سیٹھ علی جیسے آدمی کے پاس پہنچ جائے گی تو وہ کبھی بھی نکاح کرنے کی طاقت نہ کرے گی اور سالار جیسے آدمی کے ساتھ تو کبھی

بھی نہیں۔

اور اگر اسے یقین ہو تاکہ ڈاکٹر سید علی ہر حالت میں اس کی مدد کریں گے تو وہ کم از کم سالار کے بارے میں ان سے جھوٹ نہ بولتی پھر وہ کوئی نہ کوئی راستہ نکال لینے مگر اب جب وہ انہیں بڑے دھمے اور یقین کے ساتھ یہ یقین دلا چکی تھی کہ وہ کسی لڑکے کے ساتھ کسی بھی طرح ہوا تو انہیں بھی تو اس نکاح کا انکشاف اور وہ بھی اس لڑکے کے ساتھ..... جس کی برائیاں کے بارے میں وہ ڈاکٹر سید علی سے بات کر چکی تھی اور جس کے بارے میں وہ یہ بھی جانتے تھے کہ امام کے والدین نے اس کے خلاف وغیرہ کا کیس خالی کیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اگر اب ڈاکٹر سید علی کو یہ حقائق بتانے کی کوشش کرے گی تو ان کا رد عمل کیا ہو گا اور وہ کم از کم اس وقت وہ واحد شخص نہ ہونے کے لئے تیار نہیں تھی۔

انگلے کی دن اس کی بھوک پیاس باطن ختم ہو گئی۔ مستقبل یک دم جھوٹ بن گیا تھا اور سالار سکندر اسے اس شخص سے اتنی نفرت محسوس ہو رہی تھی کہ اگر وہ اس کے سامنے آ جاتا تو وہ اسے شرف کر دیتی۔ اسے عجیب عجیب خدشے اور اندیشے تک کرنے رہے۔ پہلے اگر اسے صرف اپنے گھر والوں کا خوف تھا تو اب اس خوف کے ساتھ سالار کا خوف بھی شامل ہو گیا تھا اگر اس نے بھی میری تلاش شروع کر دی تو اس کے ساتھ ہی اس کی حالت خیر ہوئے گی۔

ان کا وزن یک دم کم ہونے لگا تھا۔ وہ پہلے بھی خاموش رہتی تھی مگر اب اس کی خاموشی میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ شاید ذہنی دہاو میں تھی اور یہ سب کچھ ڈاکٹر سید علی اور ان کے گھر کے افراد سے پوشیدہ نہیں تھا۔ ان سب نے اس سے باری باری ان اچانک آنے والی تبدیلیوں کی وجہ جاننے کی کوشش کی لیکن وہ انہیں مانتی رہی۔

”تم پہلے بھی اس اور پریشان تھی مگر اب ایک دو ہفتے سے بہت زیادہ پریشان لگتی ہو۔ کیا پریشانی ہے امام؟“

سب سے پہلے مریم نے اس سے اس بارے میں پوچھا تھا۔

”نہیں، کوئی پریشانی نہیں۔ میں میں گھر کو مس کرتی ہوں۔“

ہمارے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

”نہیں، میں یہ نہیں مان سکتی۔ آخر اب اچانک اتنا کیوں مس کرنے لگی انہیں کہ کھانا پینا بھول گئی ہو۔ چہرہ زرد ہو گیا ہے۔ آنکھوں کے گرد جلتے پڑنے لگے ہیں اور وزن کم ہو جا چکا ہے۔ کیا تم پیاد ہونا چاہتی ہو؟“

وہ مریم کی کہی ہوئی کسی بات کو رد نہیں کر سکتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی ظاہری حالت دیکھ کر کوئی بھی اس کی پریشانی کا اندازہ لگائی لگا سکتا تھا اور شاید یہ اندازہ بھی کہ یہ پریشانی کسی نئے مسئلے کا نتیجہ

تھی مگر وہ اس معاملے میں بے بس تھی۔ وہ سالار کے ساتھ ہونے والے نکاح اور اس سے متعلقہ خدشات کو اپنے ذہن سے نکال نہیں پا رہی تھی۔

”مجھے اب اپنے گھر والے زیادہ یاد آنے لگے ہیں۔ جوں جوں دن گزر رہے ہیں وہ مجھے زیادہ یاد آ رہے ہیں۔“

امام نے غم آواز میں اس سے کہا اور یہ جھوٹ لگتی تھا اسے واقعی اب اپنے گھر والے پہلے سے زیادہ یاد آنے لگے تھے۔

وہ کبھی بھی ان کا باپ محمد ان سے الگ نہیں رہی تھی اور وہ بھی تحلیل طور پر اس طرح کٹ کر۔ لاہور بائبل میں رہتے ہوئے بھی وہ بیٹے میں ایک بار ضرور اسلام آباد جاتی اور ایک دو بار وسم یا پانچم مین لاہور اس سے ملنے چلے آتے اور فون تو وہ اکثر ہی کرتی رہتی تھی مگر اب یک دم اسے یوں لگنے لگا تھا جیسے وہ سندھ میں موجود کسی پرانے جزیرے پر آگئی تھی۔ جہاں دور دور تک کوئی قلعہ نہیں اور وہ پھرے..... جہاں سے اسے سب سے زیادہ محبت تھی وہ غزالیوں اور غلیلوں کے علاوہ نظر آتی نہیں سکتے تھے۔ پانچ مہینے مریم اس کے جواب سے مطمئن ہوئی پانچ مہینے مگر اس نے موضوع بدل دیا تھا۔ شاید اس نے سوچا ہو گا کہ اس طرح اس کا ذہن ہٹ جاسکے گا۔

☆.....☆.....☆

ڈاکٹر سید علی کی تین بیٹیاں تھیں، مریم ان کی تیسری بیٹی تھی۔ ان کی بڑی دو بھینوں کی شادی ہو چکی تھی۔ جب کہ مریم ابھی میڈیکل کی تعلیم حاصل کر رہی تھی۔ ڈاکٹر سید علی نے امام کو اپنی بڑی دونوں بیٹیوں سے بھی متعارف کرا دیا تھا۔ وہ دونوں بیرون شہر متیم تھیں اور ان کا رابطہ زیادہ تر فون کے ذریعہ ہی ہو جاتا تھا مگر یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ امام کے وہاں آنے کے چند ہفتوں کے دوران وہ دونوں باری باری کچھ دنوں کے لئے وہاں آئیں۔

امام سے ان کا ردیہ مریم سے مختلف نہیں تھا۔ ان کے ردیہ میں اس کے لئے محبت اور ماموریت کے علاوہ کچھ نہیں تھا لیکن امام کو انہیں دیکھ کر بیٹھ اپنی بڑی بیٹیوں یاد آ جاتیں اور پھر جیسے سب کچھ یاد آ جاتا۔ اپنا گھر..... بابا..... بڑے بھائی..... وسم..... اور سعد..... سعد سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ ان کی جماعت کے ہاثر خاندان اپنے گھر والے میں اولاد ہونے کے باوجود بے سہارا یا یتیم بچوں میں سے کسی ایک لڑکے کو گود لینے لگے تھے۔ یہ اپنی جماعت کے افراد کی مستقبل میں تعداد بڑھانے کے لئے کوششوں کا ایک ضروری حصہ تھی۔ ایسا بچہ ہمیشہ عام مسلمانوں کے بچوں میں سے ہی ہوتا اور ایسا لڑکا ہوتا۔ سعد بھی اسی سلسلے میں بہت چھوٹی عمر میں اس کے گھر آ گیا تھا۔ وہ اس وقت اسکول کے آخری سالوں میں تھی اور اسے گھر میں ہونے والے اس عجیب اٹانے نے کچھ حیران کیا تھا۔

"ہم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکر ادا کرنے کے لئے سعد کو گد لیا ہے، چاکر ہم بھی دوسروں کو لوگوں پر احسانات کر سکیں اور یہی کامیاب سلسلہ جاری رہے۔"

اس کی ای سی اس کے اشتہار پر اسے ٹھکرا دیا۔

"تم سمجھو وہ تمہارا چھوٹا بھائی ہے۔"

شب اسے اپنے باپاوردی پر بہت فخر ہوا تھا۔ وہ کہنے لگا کہ ایک بے سہارا بچہ کو اچھی زندگی دینے کے لئے گھر لے آئے تھے، اسے اپنا نام دے رہے تھے۔ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو اس کے ساتھ بانٹ رہے تھے۔ اس نے جب غور نہیں کیا تھا کہ ایسا ہی ایک بچہ اس کے تاپا اعظم کے گھر پر بھی کیوں تھا۔ ایسا ہی ایک بچہ اس کے چھوٹے چچا کے گھر پر کیوں تھا؟ ایسے ہی بہت سے دوسرے بچے ان کے چائے والے کچھ اور باپا خاندانوں کے گھر پر کیوں تھے؟ اس کے لئے میں بھی کافی تھا کہ وہ ایک اچھا کام کر رہے تھے۔ ان کی بڑا امت دیک "اچھے کام" کی ترغیب کر رہی تھی۔ یہ اس نے بہت بعد میں جانا تھا کہ اس "اچھے کام" کی حقیقت کیا تھی؟

سعد اس سے بہت باتوں تھا۔ اس کا زیادہ وقت امام کے ساتھ ہی گزرتا تھا۔ وہ شروع کے کئی سال امام کے کمرے میں اس کے بیڈ پر ہی سوتا رہا۔ اسلام قبول کر لینے کے بعد میڈیکل کالج سے وہ جب بھی اسلام آباد آتی وہ سعد کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں بتاتی رہتی۔ وہ اتنا چھوٹا تھا کہ کسی چیز کو متعلق طریقے سے نہیں سمجھایا جاسکتا تھا مگر وہ اس سے صرف ایک بات سیکھ رہی۔

"جیسے اللہ ایک ہو تا ہے اسی طرح اللہ ایک ہی ہے۔" وہ اس کے ہاتھ پر اشارہ کرتے ہوئے کہتی تھی۔ ان ساروں کی اور نہیں ہو سکتا۔"

وہ اسے ساتھ بے تاکید بھی کرتی رہتی کہ وہ ان دونوں کی آپس کی باتوں کے بارے میں کسی کو بھی نہیں بتائے اور امام یہ بھی جانتی تھی کہ اس کی یہ کوشش بے کار تھی۔ سعد کو بچپن ہی سے مذہبی احسانات میں لے جایا جانے لگا تھا اور وہ اس اثر کو قبول کر رہا تھا۔ وہ ہمیشہ یہ سوچتی رہتی کہ وہ میڈیکل کی تعلیم کے بعد سعد کو لے کر اپنے گھرانوں سے الگ ہو جائے گی اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ یہ کس قدر مشکل کام تھا۔ اس نے گھر سے بھاگتے ہوئے بھی سعد کو اپنے ساتھ لے آئے گا سوچا تھا مگر یہ سوچ ممکن تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ اسے لاتے ہوئے خود بھی پکڑی جائے۔ وہ اسے وہاں چھوڑ آتی تھی اور اب ڈاکٹر سیٹ علی کے ہاں پہنچ جانے کے بعد اسے اس کا بار بار خیال آتا کہ وہ کسی طرح اسے وہاں لے آتی تو وہ بھی اس دلدل سے لگن سکتا تھا مگر ان تمام سوچوں، تمام خیالوں نے اپنے گھروالوں کے لئے اس کی موت کو کم نہیں کیا۔ اپنے گھروالوں کے لئے، نہ جلال و نعر کے لئے۔

وہ ان کا خیال آنے پر جوڑ کا شروع ہوتی تو ساری رات روتی ہی رہتی۔ شروع کے دنوں میں وہ

ایک الگ کمرے میں تھی اور مریم کو ان کا اندازہ نہیں تھا مگر ایک رات وہ اچانک اس کے کمرے میں اپنی کوئی کتاب لینے آئی۔ رات کے پچھلے پہر اسے قطعاً یہ اندازہ نہیں تھا کہ امام جاگ رہی ہو گی اور نہ صرف جاگ رہی ہو گی بلکہ روتی ہو گی۔

امام کمرے کی لائٹ آف کئے اپنے جیڈ پر کھیل اور اسے روتی تھی جب اچانک وہ اندازہ کھلا تو اس نے کھل سے چہرے کو احاطہ کیا۔ وہ نہیں جانتی تھی مریم کو کیسے اس کے چائے کا اندازہ ہوا تھا۔

"امام! جاگ رہا ہوں؟"

اس نے امام کو آواز دی۔ امام نے حرکت نہیں کی مگر ہر مریم ان کی طرف چلی آئی اور اس نے کھل اس کے چہرے سے ہٹا دیا۔

"میرے اللہ... تم روتی ہو۔ اور اس وقت؟"

وہ اس کے پاس ہی ٹھوٹھیں کے عالم میں بیڈ پر بیٹھ گئی۔ امام کی آنکھیں برقی طرح سوجی ہوئی تھیں اور اس کا چہرہ آنسوؤں سے میکا ہوا تھا، مگر اسے جب سے زیادہ دھامت اس طرح پکڑے جانے کی تھی۔

"اس لئے تمہیں راتوں کو نیند نہیں آتی کیونکہ تم روتی رہتی ہو اور صبح یہ کہہ دیتی ہو کہ رات کو سوئے میں وقت ہوئی اس لئے آنکھیں سوتی ہوئی ہیں۔ اس تم آج سے یہاں نہیں سو گئی۔" انھوں میرے کمرے میں چلو۔"

اس نے کچھ برہمی کے عالم میں اسے سمجھا کر اٹھایا۔ امام ایک لفظ نہیں بول سکی۔ وہ اس وقت بے حد شرمندہ تھی۔

مریم نے اس کے بعد اسے اپنے کمرے میں ہی ساڑنا شروع کر دیا۔ راتوں کو وہ پر تک روئے کلاہ سلسلہ ختم ہو گیا مگر نیند چاہیں کاب بھی کوئی اختیار نہیں تھا۔ اسے نیند بہت دیر سے آتی تھی۔

کئی بار مریم کی عدم موجودگی میں اس کی میڈیکل کی کتابیں دیکھتی اور اس کا دل بھرتا۔ وہ جانتی تھی سب کچھ بہت پیچیدہ رہ گیا تھا۔

صبح مریم اور ڈاکٹر سیٹ علی کے گھر سے چلے جانے کے بعد وہ سارا دن آٹنی کے ساتھ گزار دیتا یا شاید وہ سارا دن اس کے ساتھ رہنے کی کوشش کرتی تھیں۔ وہ اسے اکیلا نہ رہنے دینے کی کوشش میں مصروف رہتی تھیں مگر ان کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی وہ چاہیں کن کن سوچوں میں ڈوبی رہتی تھی۔

اس نے سارا دن کے ساتھ دوبارہ رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ جانتی تھی اس کا کوئی قاصد نہیں تھا۔ اس کی ذہنی پریشانی میں اضافے کے علاوہ اس رابطے سے اسے کچھ حاصل نہیں ہونے والا تھا۔

اسے ڈاکٹر سبط علی کے پاس آئے تین ماہ ہو گئے تھے جب ایک دن انہوں نے رات کو اسے بلایا۔
 ”آپ کو اپنا گھر چھوڑے کچھ وقت گزر گیا ہے۔ آپ کے گھر والوں نے آپ کی تلاش ابھی تک
 ختم تو نہیں کی ہو گی مگر چند ماہ پہلے والی صفائی و تیزی نہیں رہی ہو گی اب۔ میں جانتا چاہتا ہوں کہ آپ
 اب آگے کیا کرنا چاہتی ہیں۔“
 انہوں نے مختصر قیید کے بعد کہا۔

”میں نے آپ کو بتایا تھا میں اسٹریز چاری رکھنا چاہتی ہوں۔“
 وہ اس کی بات پر کچھ دیر خاموش رہے پھر انہوں نے کہا۔
 ”ہمارے آپ نے اپنی شادی کے بارے میں کیا سوچا ہے؟“ وہ ان سے اس سوال کی توقع نہیں کر
 رہی تھی۔

”شادی.....؟ کیا مطلب.....؟“ وہ بے اختیار ہلکا لی۔

”آپ جن حالات سے گزر رہی ہیں ان میں آپ کے لئے سب سے بہترین راستہ شادی ہی ہے
 کسی اچھی ٹیلی میں شادی ہو جانے سے آپ اس عدم تحفظ کا شکار نہیں رہیں گی جس کا شکار آپ ابھی
 ہیں۔ میں چند ایسے لڑکوں اور ٹیلیز کو جانتا ہوں میں چاہتا ہوں ان میں سے کسی کے ساتھ آپ کی
 شادی کر دی جائے۔“

وہ بالکل سنبھلے چہرے کے ساتھ انہیں چپ چاپ دیکھتی رہی۔ وہ ان کے پاس آنے سے بہت
 پہلے اپنے لئے اسی حل کو منتخب کر چکی تھی اور اسی ایکے حل کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ سالار سکندر سے نکاح
 کی صداقت کر چکی تھی۔

اس وقت اگر وہ سالار سکندر سے نکاح نہ کر چکی ہوتی تو وہ بلا خیل و جست ڈاکٹر سبط علی کی بات ماننے
 پر تیار ہو جاتی۔ وہ جانتی تھی ان حالات میں کسی اچھی ٹیلی میں شادی کیلئے کتنی اور کن مصیبتوں سے بچا کتنی
 تھی۔ اس نے آج تک کبھی خود مختار زندگی نہیں گزاری تھی۔ وہ اپنی ہر چیز کے لئے اپنی ٹیلی کی محتاج رہی
 تھی اور وہ یہ تصور کرتے ہوئے بھی خود غلط دور ہوتی تھی کہ آخر وہ کب اور کس طرح صرف اپنے مل بوتے پر
 زندگی گزار سکے گی۔

مگر سالار سے وہ نکاح اس کے گلے کی ایسی بڑی بن گیا تھا جسے وہ نہ اٹھ سکتی تھی اور نہ اٹھ سکتی تھی۔
 ”نہیں میں شادی کرنا نہیں چاہتی۔“

”کیوں؟“ اس کے پاس اس سوال کا جواب موجود تھا، مگر حقیقت بتانے کے لئے حوصلہ نہیں تھا۔
 ڈاکٹر سبط علی اس کے بارے میں کیا سوچتے یہ کہ وہ ایک جھوٹی لڑکی ہے جو اب تک انہیں دھوکا
 دیتے ہوئے ان کے پاس رہ رہی تھی۔

”یہ کیا کہنا ہے..... وہ سالار سے شادی کے لئے ہی اپنے گھر سے نکلی تھی اور باقی سب کچھ کے
 بارے میں جھوٹ بول رہی تھی۔“

اور اگر انہوں نے حقیقت جان لینے پر اس کی مدد سے معذرت کرنی یا اسے گھر سے چلے جانے کا
 کہا تو.....؟ اور اگر انہوں نے اس کے والدین سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تو.....؟ وہ تین ماہ سے
 ڈاکٹر سبط علی کے پاس تھی۔ وہ کہتے ایسے انسان تھے وہ بخوبی جانتی تھی لیکن وہ اس قدر غور و فکر اور محتاط تھی
 کہ وہ کسی قسم کا ریسک لینے پر تیار نہیں تھی۔

”میں پہلے اپنی تعلیم مکمل کرنا چاہتی ہوں تاکہ کسی پر بھی بوجھ نہ بنوں۔ کسی پر بھی..... شادی کر
 لینے کی صورت میں اگر مجھے بعد میں کبھی کسی پر بیٹائی کا سامنا کرنا پڑا تو میں کیا کروں گی۔ اس وقت تو
 میرے لئے شاید تعلیم حاصل کرنا بھی ممکن نہیں رہے گا۔“

اس نے ایک لمبی خاموشی کے بعد جیسے کسی فیصلہ پر پہنچے ہوئے ڈاکٹر سبط علی سے کہا۔
 ”ہمارے اہم بیٹے آپ کی مدد کرنے کے لئے موجود رہیں گے۔ آپ کی شادی کر دینے کا مطلب
 یہ نہیں ہو گا کہ میرے گھر سے آپ کا تعلق ختم ہو جائے گا یا میں آپ سے جان چھڑانا چاہتا ہوں۔
 آپ میرے لئے چھ تھی بڑی ہیں۔“
 ہمارے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

”میں آپ پر کوئی دباؤ نہیں ڈالوں گا یا آپ چاہیں گی وہی ہو گا یہ صرف میری ایک تجویز تھی۔“
 ڈاکٹر سبط علی نے کہا۔

”کچھ سال گزر جائے دیں اس کے بعد میں شادی کر لوں گی۔ جہاں بھی آپ کہیں گے۔“ اس نے
 ڈاکٹر سبط علی سے کہا ”مگر ابھی فوری طور پر نہیں۔“

ابھی مجھے سالار سکندر سے جان چھڑانی ہے۔ اس سے طلاق لینے کا کوئی راستہ تلاش کرنا ہے۔“
 وہ ان سے بات کرتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

”کس شہر میں پڑھنا چاہتی ہیں آپ؟“
 ڈاکٹر سبط علی نے اس پر مزید کوئی دباؤ نہیں ڈالا۔

”کسی بھی شہر میں، میری کوئی ترجیح نہیں ہے۔“ اس نے ان سے کہا۔
 ☆.....☆.....☆

وہ اپنے گھر سے آتے ہوئے اپنے سارے ڈاکو منٹس اپنے پاس موجود رات کو وہ رقم بھی لے
 آئی تھی۔ جب ڈاکٹر سبط علی نے اس کشتی کے چند دن بعد ایک دن اسے بلا کر ملان میں اس کے اکیچیشن
 کے فیصلے کے بارے میں جاننے کے ساتھ اس کے ڈاکو منٹس کے بارے میں پوچھا تو وہ اس بیک کو لے کر

وہ ملتان چلی آئی تھی وہ اس کے لئے زندہ کی کے ایک نئے دور کا آغاز تھا۔ ایک مشکل اور تکلیف دہ دور۔ وہ ہاسٹل میں رہ رہی تھی اور وہ عجیب زندگی تھی۔ بعض دفعہ اسے اسلام آباد میں اپنا گھر اور خاندان کے لوگ اچھی شدت سے یاد آتے کہ اس کا دل چاہتا وہ بھاگ کر ان کے پاس چلی جائے۔ بعض اوقات وہ بغیر کسی وجہ کے رونے لگتی۔ بعض دفعہ اس کا دل چاہتا وہ جہاں انصر سے رابطہ کرے۔ اسے وہ بے تحاشا یاد آتا ہے وہ بی ایس ی کر رہی تھی اور اس کے ساتھ بی ایس ی کرنے والی لڑکیاں وہی تھیں جو ایک ایس ی میں میرے سلسلے پر نہیں آسکتی تھیں اور اب وہ بی ایس ی کرنے کے بعد میڈیکل کا بی ایس ی جانے کی خواہش مند تھیں۔

"میڈیکل کالج۔۔۔ ڈاکٹر" اس کے لئے بہت عرصے تک یہ دونوں الفاظ غنڈہ بنے رہے۔ کئی بار وہ اپنے ہاتھ کی کٹیروں کو دیکھ کر جبران ہوتی رہتی۔ آخر وہاں کیا تھا جو ہر چیز کو مٹی کی مذہبت بنا رہا تھا۔ کئی بار اسے جویریہ سے کی جانے والی اپنی باتیں یاد آتی تھیں۔

"میں اگر ڈاکٹر نہیں بن سکتی تو میں تو زندہ ہی نہیں رہ سکتی کی۔ میں سر جاؤں گی۔"

وہ جبران ہوتی، وہ مری تو نہیں تھی۔ اسی طرح زندہ تھی۔

"پاکستان کی سب سے مشہور آئی اسپیشلسٹ؟"

سب کچھ ایک خواب تھا۔ وہ ہر چیز کے اتنے پاس تھی کہ ہر چیز سے اتنا دور تھی۔ اس کے پاس گھر نہیں تھا۔

اس کے پاس گھر والے نہیں تھے۔ اس کے پاس اسجد نہیں تھا۔ میڈیکل کی تعلیم نہیں تھی۔

جہاں بھی نہیں تھا۔ وہ زندہ کی کی ان آسانکشیوں سے ایک ہی جھٹکے میں غرق ہو گئی تھی جن کی وہ عادی تھی اور اس کے باوجود وہ زندہ تھی۔ امام کو کبھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس قدر بیمار تھی یا کبھی ہو سکتی تھی مگر وہ ہو گئی تھی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی تکلیف میں کمی ہو نا شروع ہو گئی تھی۔ یوں جیسے اسے صبر آ رہا تھا۔ اللہ کے بعد شاید زمین پر نہ آکر سہا علی تھے جن کی وجہ سے وہ آج تک سہلنے لگی تھی۔

میں نے ایک بار ایک ایڈیٹر وہاں کے پاس لاہور آئی۔ وہ تو توکل سے ہاسٹل فہن کرتے رہے، اسے کچھ نہ کچھ بھگواتے رہے۔ ان کی بیٹیاں اوروں کی بھی اس کا بہت خیال رکھتے تھے۔ وہاں کے نزدیک ان کے گھر کا ایک فردین بھی تھی اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو میرا کیا ہو جاتا۔ وہ کئی بار سوچتی۔

ملتان میں اپنے قیام کے دوران بھی اس نے سالار سکندر کو کبھی اپنے ذہن سے فراموش نہیں کیا تھا۔ تعلیم کا سلسلہ باقاعدہ طور پر شروع کرنے کے بعد وہ ایک بار اس سے رابطہ کرنا چاہتی تھی اور اگر وہ

پھر اسے ملاقات دینے سے انکار کر دیتا تو وہ اب بالآخر اکثر سہیل علی کو اس قیام معاملے کے بارے میں بتا دینا چاہتی تھی۔

اور سالار سے رابطہ اس نے بی ایس ی کے امتحانات سے فارغ ہونے کے بعد لاہور آنے سے پہلے کیا۔ اپنے پاس سو دو سالار کے موبائل کا استعمال وہ بہت پہلے ترک کر چکی تھی۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ دو سال کے عرصہ میں سالار دوبارہ اپنی موبائل نمبر کو استعمال کرنا شروع کر چکا ہے یا پھر اس نے نمبر کو استعمال کر رہا تھا۔ جو اس نے اسے اپنا موبائل دے دینے کے بعد دیا تھا۔

ایک بی بی اوسے اس نے سب سے پہلے اس کا تیار نمبر ڈائل کیا۔ وہ نمبر کسی کے استعمال میں نہیں تھا۔ پھر اس نے اپنے پاس موجود موبائل کے نمبر کو ڈائل کیا۔ وہ نمبر بھی کسی کے استعمال میں نہیں تھا۔

اس کا واضح مطلب یہی تھا کہ اب وہ کوئی نمبر ڈائل کیا کچھ دیر تک تل ہوئی رہی، پھر خون اٹھایا گیا۔

اس نے بالآخر اس کے گھر کا نمبر ڈائل کیا کچھ دیر تک تل ہوئی رہی، پھر خون اٹھایا گیا۔

"ہیلو۔۔۔ کسی عورت نے وہ مری طرف سے کہا۔"

"ہیلو۔۔۔ میں سالار سکندر سے بات کرنا چاہتی ہوں۔" ایما نے کہا۔

"سالار صاحب سے۔۔۔ آپ کون بول رہی ہیں۔"

ایما کو چاہیے کہ اس عورت کے کچھ میں ایک دم جھنجھٹا ہو گیا تھا۔

ایما کو پتا نہیں کیوں اس کی آواز ٹیٹا سا لگی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی اچانک اس عورت نے بڑی پر جوش آواز میں کہا۔ "ایما بی بی! آپ امام بی بی ہیں؟"

ایک کرخت کھا کر ایما نے بے اختیار کر ٹیل دیا۔ وہ کون تھی جس نے اسے صرف آواز سے پہچان لیا تھا۔ اسے سالار سکندر بھی۔۔۔ اور اپنی جلدی اور وہ بھی سالار سکندر کے گھر۔۔۔

کچھ دیر اس کے ہاتھ کا پتہ نہ رہا۔ وہ بی بی او کے امروہ آئے کچھن میں تھی اور کچھ دیر سیو ر ای طرح ہاتھ میں لئے بیٹھا رہی۔

"ہو بھی جو مجھے مارنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اسلام آباد سے آئی وہ وہاں کہ یہاں مجھ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ مجھے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

اس نے سوچا اور بی بی او کے مالک کو ایک بار پھر کال ملانے کے لئے کہا۔

فون کی گھنٹی بجنے پر اس بار فون فوراً اٹھایا گیا تھا مگر اس بار بولنے والا کوئی مرد تھا اور وہ سالار نہیں تھا۔ یہ وہ آواز تھی جسے اس نے جانتا تھا۔

"میں سالار سکندر سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"آپ امام ہاشم ہیں؟"

مرد نے گھردری آواز میں کہا۔ اس بار امانہ کو کوئی شک نہیں لگا۔
 "ہی۔۔۔" دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

"آپ ان سے میری بات کروادیں۔"

"یہ ممکن نہیں ہے۔" دوسری طرف سے اس مرد نے کہا۔
 "کیوں؟"

"سالار زندہ نہیں ہے۔"

"کیا.....؟" بے اختیار امانہ کے حلق سے نکلا۔

"وہ مر گیا۔"

"ہاں....."

"کب.....؟"

اس بابر مرد خاموش رہا۔

"آپ نے آخری بار ان کا رابطہ کب ہوا؟"

اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اس آدمی نے کہا۔

"چند سال پہلے..... ڈھائی سال پہلے۔"

"ایک سال پہلے اس کی آواز ہوئی ہے۔ آپ....."

امانہ نے کچھ بھی اور سننے سے پہلے فون بند کر دیا۔ کچھ کہنے اور سننے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ آزاد ہو چکی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ایک انسان کے طور پر اسے اس کی موت پر افسوس ہونا چاہیے تھا مگر اسے کوئی افسوس نہیں تھا۔ اگر اس نے اس طرح اسے خلاقی دینے سے انکار کیا ہو تا تو وہ یقیناً اس کے لئے وہ کچھ محسوس کرتی مگر اس وقت ڈھائی سال کے بعد اسے بے اختیار سکون اور خوشی کا احساس ہوا تھا۔ وہ تیار ہو اس کے سر لگی ہوئی تھی وہ غائب ہو چکی تھی۔

اسے اب ڈاکٹر سیٹھ علی کو کچھ بھی جاننے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ صحیح معنوں میں آزاد ہو چکی تھی وہ اس کا رہاں بائبل میں آخری دن تھا اور اس رات اس نے سالار سکندر کے لئے جہیز کے لئے دعا کی۔
 وہ اس کی موت کے بعد اسے معاف کر چکی تھی اور وہ اس کی موت پر بے غم خوش تھی۔

☆ ☆ ☆

اس سے فون پر بات کرنے والی وہی ملازمہ تھی جو سالار کے ساتھ ساتھ اس کے گھر میں بھی کام کرتی رہی تھی اور اس نے امانہ کی آزاد کو فوراً پہچان لیا تھا۔ امانہ کے فون بند کرتے ہی وہ کچھ اضطراب اور جوش و خروش کے عالم میں سکندر عثمان کے پاس پہنچ گئی۔ یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ اس دن طبیعت کی

تربائی کی وجہ سے وہ گھبرایا تھا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے ایک لڑکی کا فون آیا ہے۔ وہ سالار صاحب سے بات کرنا چاہتی تھی۔"
 "تو تم بات کروادیں۔" سکندر عثمان نے قدرے لا پرواہی سے کہا۔ یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ سالار بھی ان دنوں پاکستان آیا ہوا تھا اور گھر پر ہی موجود تھا۔ ملازمہ کچھ جھنجکھائی۔
 "صاحب کی اوراد ہم لیا لی تھیں۔"

سکندر عثمان کے ہاتھ سے چائے کا کپ چھونے چھونکے بھارہ یک دم اس بات پر نظر آنے لگے۔
 "امانہ ہاشم۔۔۔ ہاشم متین کی بیٹی؟" ملازمہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ سکندر عثمان کا سر گھومتے دکا۔
 "تو کیا سالار ہر ایک کو اپنے وقوف دار ہے۔ وہ ابھی تک امانہ کے ساتھ رابطہ میں ہے اور وہ جانتا ہے کہ وہ کہاں ہے۔ تو پھر یقیناً وہ اس سے ملا بھی رہا ہو گا۔" انہوں نے بے اختیار سوچا۔
 "اس نے تمہیں خود اپنا نام بتایا؟" انہوں نے چائے کا کپ ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔۔۔ میں نے ان کی آواز پہچان لی اور جب میں نے ان کا نام لیا تو انہوں نے فون بند کر دیا۔" ملازمہ نے سکندر عثمان کو بتایا۔ مگر مجھے یقین ہے وہ ان ہی کی آواز تھی۔ مجھے کم تو کم اس بارے میں کوئی رد محسوس ہوا تھا۔ "اس سے پہلے کہ سکندر عثمان کچھ کہے انہوں نے فون کی کھنٹی ہی تکرار کیا۔ وہ ڈانٹکے دم میں موجود ایکشن کی طرف بڑھ گئے اور انہوں نے فون اٹھالیا۔ دوسری طرف موجود لڑکی ایک بار پھر سالار سکندر کا پوچھ رہی تھی۔ ان کے استفسار پر اس نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ وہ امانہ ہاشم ہی تھی۔ وہ نہیں جانتے تھیں مگر بے اختیار ان کے دل میں آیا کہ وہ اسے سالار کے مرنے کی خبر دے دیں، تاکہ وہ وہ بارہ کبھی ان کے گھر فون نہ کرے۔ انہیں اس سے بات کر کے یہ اندازہ تو ہو ہی چکا تھا کہ وہ بہت عرصے سے سالار کے ساتھ رابطہ نہیں کر سکی ہے اور اس کے پاس ان کے بیان کی جہد وقت کو پر کھینے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ وہ وہ بارہ رابطہ نہ کرتی تو ان کی جان اس سے ہمیشہ کے لئے چھوٹ سکتی تھی۔ وہ ابھی تک اس ایک سال کو اپنے ذہن سے نہیں نکال سکے تھے۔ جب امانہ کی شہادت کی فوراً بعد سالار پر شبہ ہونے کی وجہ سے ہاشم متین احمد نے ان کے لئے ہر قسم کی پریشانی ٹھکری کی تھی۔

بہت سے سرکاری دفاتر جہاں پہلے ان کی فرم کی فائلز بہت آسانی سے نکل آتی تھیں۔ میٹروں چھنی رہیں۔ ان کے گھر ہتھکی آمیز کا کڑا اور خط آتے رہے۔ کئی لوگوں نے بالواسطہ طور پر ان پر دباؤ ڈالا کہ وہ ہاشم متین احمد کی بیٹی کی دوا انہی کے لئے ان کی مدد کریں۔ ایک لمبے عرصے تک سالار بھی گھرائی کی کئی اور گھرائی کا یہ سلسلہ صرف پاکستان ہی نہیں باہر بھی جاری رہا، مگر جب کسی طرح بھی امانہ سے امن کے رابطے کا کوئی حوالہ نہیں ملا تو وہ روز بروز یہ تمام سرگرمیاں ختم ہو گئیں۔

سکندر عثمان کی بے پناہ کوشش کے باوجود بھی ہاشم متین کے ساتھ ان کے تعلقات بھل نہیں

ہوئے مگر ان کی طرف سے عدم تحفظ کا اندیشہ ختم ہو گیا تھا اور اب ڈھائی سال بعد وہ لڑکی ایک بار پھر سالار سے رابطہ کرنا چاہتی تھی وہ کسی صورت بھی وہ بارہ ان حالات کا سامنا نہ کرنا چاہتے تھے نہ ہی سالار کو کرنے دینا چاہتے تھے۔

اگر وہ خود ہاشم مبین احمد کی فکر کے آدمی نہ ہوتے تو اب تک وہ اس سے زیادہ منتظران اٹھا چکے ہوتے، جتنا نقصان انہوں نے اس ایک سال اور خاص طور پر شروع کے چند ماہ میں اٹھایا تھا۔ وہ ایسا کہ اس حلاق تاسے کی ایک کالی بھجوانا چاہتے تھے، جو سالار کی طرف سے انہوں نے تیار کیا تھا اور انہیں اس میں کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ وہ جائز تھا یا نہیں۔ وہ صرف ایسا کہ یہ زمین لاء دینا چاہتے تھے کہ سالار یا اس کے خاندان کے ساتھ اس کا کوئی تعلق ہونا چاہتے نہ ہی ہو گا۔

اگر کچھ تھا بھی تو وہ سالار کی موت اور اس سے بھی پہلے کے خیر شدہ اس طلاق تاسے کے ساتھ ہی ختم ہو گیا تھا مگر یہ ایک اور الحاق تھا کہ ایسا نے ان کی بات مکمل طور پر سے بغیر فون ہٹ کر دیا انہوں نے فون کو نہیں آؤٹ کرنے کی کوشش کی مگر وہ ملتان کے ایک پی ای او کا ثابت ہوا۔ سالار ایک دفتر کے بعد واپس امریکہ چلے والا تھا اور انہوں نے اس ایک دفتر اس کی مکمل طور پر نگرانی کر دینی۔ وہ ملازمین کو بددیانتی سے پہلے تھے کہ کسی کا بھی فون آئے وہ کسی بھی صورت سالار سے بات نہ کروائیں، چاہے فون کسی مرد کا ہو یا عورت کا چاہے تک وہ خود یہ جان نہ لیتے کہ فون کون لے والا کون تھا۔ ملازمہ کو بھی وہ سختی کے ساتھ منع کر چکے تھے کہ وہ سالار کو ایسا کی اس کال کے بارے میں نہ بتائے۔ ایک ہفتے کے بعد جب سالار واپس امریکہ چلا گیا تو انہوں نے سکھ کا سانس لیا۔

سرپرائز ہوئی آفت ایک بار پھر مل گئی تھی۔ سالار کی ایسی کے چند ہفتے کے بعد انہیں ایک لٹاڑا موصول ہوا تھا۔

ایسا نے لاہور واپس پہنچنے کے بعد وہ موبائل چل دیا تھا۔ وہ اسے واپس نہیں بھجوا سکتی تھی اور سالار کی وفات کے بعد اب یہ امکان نہیں تھا کہ کسی اس کے ساتھ آنا سمجھا ہوئے کی صورت میں وہ اسے وہ موبائل واپس دے سکے گی۔ اس نے موبائل پہنچنے سے ملنے والی رقم کے ساتھ اپنے پاس موجود کچھ اور رقم شامل کی۔ وہ اندازاً ان کاڑھ کے مل کی رقم تھی، جو ڈھائی تین سال پہلے سالار نے ادا کئے ہوں گے اور چند دوسرے اخراجات جو اپنے گھر قید کے دوران وہاں سے لاہور غراہ کے دوران سالار نے اس پر کئے تھے۔ اس کے ساتھ سکندر عثمان کے نام ایک مختصر نوٹ بھجوا دیا تھا۔ فریو لڑھکائیں۔ اس کے سر پر موجود اس آدمی کا قرض بھی اتر گیا تھا۔

اس رقم اور اس کے ساتھ ملنے والے نوٹ سے سکندر عثمان کو قلمی ہوئی تھی کہ وہ دوبارہ اس سے رابطہ نہیں کرے گی اور یہ بھی کہ اس نے واقعی ان کی بات پر یقین کر لیا تھا۔

باب ۱۰

ملتان سے بی ایس سی کرنے کے بعد وہ لاہور چلی آئی تھی۔ اسے گھر چھوڑے تین سال ہونے والے تھے اور اس کا خیال تھا کہ اب کم از کم اس طرح اسے تلاش نہیں کیا جائے گا، جس طرح پہلے کیا جاتا رہا تھا۔ مگر کیا بھی کیا تو صرف میڈیکل کالج پر نظر رکھی جائے گی۔ اس کا یہ اندازہ صحیح ثابت ہوا تھا۔ اس نے پنجاب یونیورسٹی میں کیمسٹری میں ایم ایس سی کے لئے ایڈمیشن لے لیا تھا۔ اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی وہ سب حد محظوظ تھی۔ یہ لاہور تھا یہاں کسی بھی وقت کوئی بھی اسے پہچان سکتا تھا۔ ملتان میں وہ صرف چادر اوڑھ کر کالج جاتی تھی۔ لاہور میں اس نے کلاب کا شروع کر دیا۔ لاہور میں دوبارہ واپس کے بعد وہ ڈاکٹر سید علی کے ساتھ نہیں رہی تھی، وہ سید واپس کے پاس رہنے لگی تھی۔

سعیدہ اماں سے اس کی پہلی ملاقات ڈاکٹر سبط علی نے ملتان جانے سے پہلے لاہور میں کروائی تھی۔ سعیدہ اماں کے بہت سے عزیز و اقارب ملتان میں رہتے تھے۔ ڈاکٹر سبط علی امامہ کو ان سے آگاہ کرتا چاہتے تھے، تاکہ ملتان میں قیام کے دوران کسی بھی ضرورت یا ایمر غرضی میں وہ ان کی مدد لے سکے۔

سعیدہ والدی ایک چھٹھ ستر سالہ بے حد باوقوف اور ایکٹو عورت تھیں۔ وہ لاہور کے انگریزوں شہر میں ایک پرائیویٹ میڈیکل سٹور میں تھیں۔ ان کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا جبکہ دو بیٹے بیرون ملک تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہیں مقیم تھے۔ وہ دونوں شادی شدہ تھے اور ان کے بے حد اصرار کے باوجود سعیدہ اماں باہر جانے پر تیار نہیں تھیں۔ ان کے دونوں بیٹے باری باری ہر سال پاکستان آیا کرتے اور کچھ عرصہ قیام کے بعد واپس چلے جاتے تھے۔ ڈاکٹر سبط علی سے ان کی قربت داری تھی۔ وہ ان کے گزن ہوتے تھے۔

ڈاکٹر سبط علی نے امامہ کے بارے میں پہلے ہی سعیدہ اماں کو بتا دیا تھا، اسی لئے جب وہ ان کے ساتھ ان کے گھر پہنچی تو وہ بڑی گرم جوشی سے اس سے ملی تھیں۔ انہوں نے ملتان میں موجود تقریباً پچھتر برسے دار کے بارے میں تفصیلات اس کے گوش گزار کر دی تھیں اور پھر شاید اس سب کو چھپائی جانتے ہوئے انہوں نے خود ساتھ چل کر اسے ہاسٹل چھوڑ آنے کی آفر کی جسے ڈاکٹر سبط علی نے نرمی سے رد کر دیا تھا۔

”نہیں آپا! آپ کو زحمت ہوگی۔“ ان کے بے حد اصرار کے باوجود وہ نہیں مانے تھے۔

”بھتر تو یہ ہے بھائی صاحب کہ آپ اسے میرے بھائیوں میں سے کسی کے گھر ٹھہرا دیں۔“ بچی کو

گھر جیسا آرام اور ماحول ملے گا۔“

انہیں اپنا کچھ ہاسٹل پر اعتراض ہونے لگا اور پھر انہوں نے ہاسٹل کی زندگی کے کئی مسائل کے بارے میں روشنی ڈالی تھی مگر ڈاکٹر سبط علی اور خود وہ بھی کسی کے گھر میں رہنا نہیں چاہتی تھی۔ ہاسٹل بہترین آپشن تھا۔

☆.....☆.....☆

سعیدہ اماں سے اس کی دوسری ملاقات ملتان جانے کے چند ماہ بعد اس وقت ہوئی تھی، جب ایک دن اپنا کچھ اسے کسی خاتون ملاقاتی کی اطلاع ہاسٹل میں دی گئی تھی۔ کچھ دیر کے لئے وہ خوف زدہ ہو گئی تھی۔ وہاں اس طرح اپنا کچھ اس سے ملنے کون آسکتا تھا اور وہ بھی ایک خاتون..... مگر سعیدہ اماں کو کچھ کروہ حیران رہ گئی۔ وہاں سے اسی گرم جوشی سے ملی تھیں، جس طرح لاہور میں ملی تھیں۔ وہ تقریباً دو ہفتے ملتان میں رہی تھیں اور ان دو ہفتوں میں کئی بار اس سے ملے آئیں۔ ایک بار وہ ان کے ساتھ ہاسٹل سے ان کے بھائی کے گھر بھی گئی۔

پھر یہ جیسے ایک معمول بن گیا تھا۔ وہ چند ماہ بعد ملتان آئیں اور اپنے قیام کے دوران باقاعدگی

سے اس کے پاس آتی رہتیں۔ وہ خود جب سینے میں ایک بار لاہور آتی تو ان سے ملنے کے لئے بھی جاتی۔ کئی بار جب اس کی چھٹیاں نہ پایوہ ہو تھیں تو وہ اسے وہاں ٹھہرنے کے لئے اصرار کرتیں۔ وہ کئی بار وہاں رہی تھی۔ سرخ شاخوں کا بنا ہوا وہ پرانا گھر اسے اچھا لگتا تھا یا پھر یہ تنہائی کا وہ احساس تھا جو وہ ان کے ساتھ شیئر کرتی تھی۔ اس کی طرح وہ بھی تنہا تھیں۔ اگرچہ ان کی یہ تنہائی ان کے بعد وقت میل جول کی وجہ سے کم ہو جاتی تھی مگر اس کے باوجود امامہ ان کے احساسات کو بتا کر خوشی کے کچھ کئی تھی۔

لاہور واپس شفقت ہونے سے بہت عرصہ پہلے ہی انہوں نے امامہ سے یہ جان لینے کے بعد کہ وہ ایم ایس سی لاہور سے کرنا چاہ رہی ہے اسے ساتھ رکھنے کے لئے اصرار کرنا شروع کر دیا۔

اسی عرصے کے دوران ڈاکٹر سبط علی کی سب سے بڑی بیٹی ان کے پاس اپنے بچوں سمیت کچھ عرصہ کے لئے رہنے چلی آئیں۔ ان کے شوہر بی ایچ ڈی کے لئے بیرون ملک چلے گئے تھے۔ وہ ڈاکٹر سبط علی کے سچے تھے۔ جانے سے پہلے وہ اپنی فیملی کو ان کے ہاں ٹھہرا گئے۔ ڈاکٹر سبط علی کے گھر میں جگہ کی کمی نہیں تھی مگر امامہ اب ان کے گھر میں رہنا نہیں چاہ رہی تھی۔ وہ جلد از جلد اپنے بیروں پر کڑا ہونا چاہتی تھی۔ ڈاکٹر سبط علی کے احساسات کا وہ جو پہلے ہی اسے زیر بار کر رہا تھا۔ وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ ان کے پاس رہ کر تعلیم حاصل کرے اور اس کے بعد اس کے چاب کرنے پر بھی وہ اسے کہیں اور رہنے نہ دیتے لیکن اگر وہ پہلے ہی علیحدہ رہائش اختیار رکھتی تو اس کے ملنے ان سے اپنا بات منوانا آسان ہو جاتا۔ سعیدہ اماں کا گھر اسے اپنی رہائش کے لئے بہت مناسب لگا تھا۔ وہ چاب شروع کرنے پر انہیں مجبور کر کے کرائے کی مدد میں کچھ نہ کچھ لینے پر مجبور کر سکتی تھی مگر ڈاکٹر سبط علی شاید یہ سب کچھ گوارا نہ کرتے۔

☆.....☆.....☆

ڈاکٹر سبط علی کے لئے اس کا فیصلہ ایک شاک کی طرح تھا۔

”کیوں آہستہ میرے گھر پر کیوں نہیں رو سکتیں آپ؟“ انہوں نے بہت پاراضی سے اس سے

کہا۔ ”سعیدہ آپا کے ساتھ کیوں رہنا چاہتی ہیں؟“

”وہ بہت اصرار کر رہی ہیں۔“

”میں انہیں سمجھا دوں گا۔“

”نہیں، میں خود بھی ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ میں ان کے ساتھ رہوں گی تو ان کی تنہائی دور ہو جائے گی۔“

”یہ کوئی وجہ نہیں ہے۔ آپ ان کے پاس جب چاہیں جا سکتی ہیں، مگر ساتھ رہنے کے لئے نہیں۔“

”پلیز، آپ مجھے وہاں رہنے کی اجازت دے دیں۔ میں وہاں زیادہ خوش رہوں گی۔ میں اب

آہستہ آہستہ اپنے حیرانوں پر کنٹرول ہونا چاہتی ہوں۔“

ڈاکٹر سید علی نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

”جی ہاں پر کھڑے ہونے سے کیا مراد ہے آپ کی؟“

وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر اس نے کہا۔

”میں آپ پر بہت لمبے عرصے تک بوجھ نہیں چٹا جاتی۔ پہلے ہی میں بہت سال سے آپ پر

انحصار کر رہی ہوں، عمر سنا رہی زندگی تو میں آپ پر بوجھ بن کر نہیں گزار سکتی۔“

وہ بات کرتے کرتے رنگ گئی۔ اسے لگا اس کے آخری لمبے نے ڈاکٹر سید علی کو تکلیف دی تھی۔

اسے پچھتاوا ہوا۔

”میں نے کبھی بھی آپ کو بوجھ نہیں سمجھا آئندہ کبھی بھی نہیں۔ بیلیاں بوجھ نہیں ہوتیں اور میرے

لئے آپ ایک بیٹی کی طرح ہیں پھر یہ بات..... مجھے بہت دکھ ہوا ہے۔“

”میں سنا جاتی ہوں ابوالاکرم میں صرف اپنی ٹیلیفون کی بات کر رہی تھی۔ دوسرے پر ڈیپریسڈ ہونا

بہت تکلیف دہ بات ہے۔ میں سعیدہ اماں کے ساتھ رہ کر زیادہ پرسکون رہوں گی۔ میں انہیں پے (pay)

کروں گی۔ آپ کو میں بھی پے (pay) کرتا چاہوں بھی تو نہ کر سکوں گی۔ شاید مجھے دس نوکریاں بھی ملیں

تو میں آپ کے احسانات کا بدلہ نہیں ادا کر سکتی مگر اب بس..... اب اور نہیں..... میں نے زندگی کو

خود مارنے کے سارے طریقے ابھی سیکھ لئے ہیں۔ مجھے سیکھنے دیو۔“

ڈاکٹر سید علی نے اس کے بعد اسے دوبارہ اپنے گھر میں رہنے پر مجبور نہیں کیا تھا۔ وہ اس کے لئے

بھی ان کی احسان مند تھی۔

سعیدہ اماں کے ساتھ رہنے کا تجربہ اس کے لئے بائبل میں یاد ڈاکٹر سید علی کے ہاں نہ رہنے سے

بالکل مختلف تھا۔ اسے ان کے پاس ایک عجیب سی آزادی اور خوشی کا احساس ہوا تھا۔ وہ بالکل اکیلی رہ جاتی

تھیں۔ صرف ایک ملازمہ تھی جو دن کے وقت آکر گھر کے کام کروایا کرتی تھی اور شام کو وہ انہیں چلی جایا

کرتی تھی۔ وہ بے حد سوشل لائف گزارتی تھیں۔ محلے میں ان کا بہت آنا جانا تھا اور نہ صرف محلے میں بلکہ

اپنے رشتہ داروں کے ہاں بھی اور ان کے گھر بھی اکثر کوئی نہ کوئی آتا رہتا تھا۔

انہوں نے محلے میں ہر ایک سے امداد کا تعارف اپنی بھانجی کہہ کر دیا تھا اور چند سالوں کے بعد

یہ تعارف بھانجی سے بیٹی میں تبدیل ہو گیا تھا، اگرچہ محلے والے پچھلے تعارف سے واقف تھے مگر اب کسی

نئے لئے والے سے جب وہ امداد کو بیٹی کی حیثیت سے متعارف کروائیں تو کسی کو کوئی تجسس نہیں ہوتا تھا۔

لوگ سعیدہ اماں کی عادت سے واقف تھے کہ وہ کتنا محبت جھراؤں تو سکتی تھیں۔ اتنا کے بیٹے بھی امداد کے

واقف تھے، بلکہ وہ باقاعدگی سے فون پر سعیدہ اماں سے بات کرتے ہوئے اس کا حال احوال بھی دریافت

کرتے رہتے تھے۔ ان کی بیوی اور بیٹے بھی اس سے بات چیت کرتے رہتے تھے۔

ان کے بیٹے ہر سال پاکستان آیا کرتے تھے اور ان کے قیام کے دوران بھی امداد کو کبھی ایسا محسوس

نہیں ہوتا تھا جیسے وہ ان کی فیملی کا حصہ نہیں تھی، بعض دفعہ اسے یوں لگتا جیسے دو دو اتنی سعیدہ اماں کی

بیٹی اور ان کے بیٹوں کی بہن تھی۔ ان دونوں کے بیچ اسے بھرپور کھانا کرتے تھے۔

پنجاب یونیورسٹی سے ایم ایس سی کرنے کے بعد اس نے ڈاکٹر سید علی کے توسط سے ایک

فارماسیوٹیکل کمپنی میں جاب شروع کر دی تھی۔ اس کی جاب بہت اچھی تھی اور کمپنی بار اس نے مالی طور پر

بھی خود بخاری حاصل کر لی تھی۔ یہ ویسی زندگی تھی جس میں خود اپنے والدین کے گھر گزارتی تھی نہ کسی دوسری

تھی جیسی زندگی کے وہ خواب دیکھا کرتی تھی مگر یہ ویسی بھی نہیں تھی جن خدشات کا وہ گھر سے نکلے

ہوئے بھڑک تھی۔ وہ ہر ایک کے بارے میں نہیں کہہ سکتی مگر اس کے لئے زندگی بھر اسے کا وہ سرمایہ تھی۔

سالار سکندر جیسے لڑکے سے اس طرح کی مدد..... ڈاکٹر سید علی تک رسائی..... سعیدہ اماں جیسے خاندان کا

ملنا..... تعلیم کا مکمل کرنا اور پھر وہ جاب..... صرف جال الفیہ تھا جس کا خیال ہمیشہ اسے تکلیف میں مبتلا کر

دیتا تھا اور شاید وہ اسے مل جاتا تو وہ خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھتی۔

آٹھ سالوں نے اس میں بہت سی تبدیلیاں پیدا کر دی تھیں۔ گھر سے نکلے وقت وہ جانتی تھی کہ

اب دنیا میں اس کے غم کے اٹھانے والا کوئی نہیں تھا۔ اسے سمجھا ہے کوئی توقعات وابستہ کرنی نہیں تھی

ان کے پر دائرہ ہونے پر تکلیف محسوس کرتی تھی۔ اس کا وہ ملاوٹا موٹا بھی وقت گزارنے کے ساتھ ساتھ کم

ہو چکا تھا۔ بیس سال کی عمر میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوف زدہ اور پریشان ہونے والی امداد ہاشم آہستہ

آہستہ اپنا وجود کھو گئی تھی۔ نئی خواہش ہونے والی امداد زیادہ پر اعتماد اور مضبوط اعصاب رکھتی تھی مگر اس

کے ساتھ ساتھ وہ بہت زیادہ محتاط بھی ہو گئی تھی۔ ہر چیز کے بارے میں اپنی محکموں کے بارے میں، اپنے

خود راہوں کے بارے میں۔

ڈاکٹر سید علی اور سعیدہ اماں دونوں کے خاندانوں نے اسے بہت محبت اور اپنائیت دی تھی لیکن

اس کے باوجود وہ ہمیشہ کو شش کرتی تھی کہ وہ کوئی ایسی بات یا حرکت نہ کرے، جو انہیں قابل اعتراض یا

ناموافق لگے۔ ہاشم بہن کے گھر میں اسے یہ ساری احتیاطیں نہیں کرنی پڑتی تھیں مگر وہاں سے نکل کر اسے

یہ سب کچھ سیکھنا پڑا تھا۔

سعیدہ اماں کی گمشدگی کے دوران وہ آٹھن میں تھی۔ چار بجے کے قریب جب وہ گھر آئی تو گھر پر

تاالا لگا ہوا تھا۔ اس کے پاس اس مائے کی دوسری چابی تھی، کیونکہ اس سے پہلے بھی سعیدہ اماں کئی بار

اوپر نوھر چلی جایا کرتی تھیں۔ اسے تشویش نہیں ہوئی۔

لیکن جب مغرب کی گلاں ہونے لگی تو وہ پہلی بار فکر مند ہوئی کیونکہ وہ شام کو بتائے بغیر بھی یوں

غائب نہیں ہوئی تھیں۔ ساتھ والوں کے ہاں پناہ کرنے پر اسے پتا چلا کہ ان کا بیٹا انہیں ہال کے گھر میں

چھوڑ کر قیامتاً سعید و اماں پہلے بھی اکثر وہاں آتی جاتی رہتی تھیں، اس لئے امام ان لوگوں کو اچھی طرح جانتی تھی۔ اس نے وہاں فون کیا تو اسے پتا چلا کہ وہ وہاں سے جا چکی تھیں اور تب پہلی بار اسے صحیح معنوں میں تشویش ہونے لگی۔

اس نے باری باری ہر اس جگہ پتہ کیا جہاں وہ جا سکتی تھیں مگر وہ کہیں بھی نہیں ملیں اور تب اس نے ڈاکٹر سیٹھ علی کو اطلاع دی۔ اس کی حالت تب تک بے حد خراب ہو چکی تھی۔ سعید و اماں کا میل جول اپنے محلے تک ہی تھا۔ وہ اندرون شہر کے علاوہ کسی جگہ کو اچھی طرح نہیں جانتی تھیں۔ انہیں کسی دوسری جگہ جانا ہوتا تو وہ ہمسایوں کے کسی گھر کے ساتھ جاتیں یا پھر امام کے ساتھ اور یہی بات امام کو تشویش میں مبتلا کر رہی تھی۔

دوسری طرف مالدار احمد دون شہر کے سوا شہر کے تمام پوش علاقوں سے واقف تھا۔ اگر اسے اندرون شہر کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات بھی ہو تھیں تب بھی وہ سعید و اماں کے اوصاف سے اپنے کے باوجود کئی ایسی طرح ان کے گھر تک پہنچ جاتا۔ ڈاکٹر سیٹھ علی نے رات کے اسے سعید و اماں کی خبریت سے اپنے کسی جاننے والے کے پاس ہونے کی اطلاع دی اور امام کی جیسے جان میں جان آئی۔

مزید ایک گھنٹے کے بعد وہ وائسے کی بیل بھی تھی اور اس نے تقریباً چھ گھنٹے ہوئے جا کر دروازہ کھولا۔ دروازے کی اوٹ سے اس کے سعید و اماں کے پیچھے کھڑے ایک خوش چلنی آدمی کو دیکھا، جس نے دروازہ کھلنے پر اسے سلام کیا اور پھر سعید و اماں کو خدا حافظ کہتے ہوئے مڑ گیا اور اس دوسرے روز ان تمام شخص کے پیچھے چلے گا جس کی امام کی طرف پشت تھی۔ امام نے اس پر غور نہیں کیا وہ تو بے اختیار سعید و اماں سے لپکتی گئی تھی۔

سعید و اماں اگلے گھر آئے اور اس کے سامنے ان دونوں کا نام لکھی درجیں، سالار اور فرقان۔ امام کو پھر بھی شبہ نہیں ہوا کہ وہ سالار۔ سالار سکندر بھی ہو سکتا تھا۔ مردہ لوگ زندہ نہیں ہو سکتے تھے اور اسے اگر اس کی موت کا یقین نہ بھی ہو تا تب بھی سالار سکندر جیسا شخص نہ تو ڈاکٹر سیٹھ علی کا سا ہوا ہو سکتا تھا ہی اس میں اس طرح کی اچھا نیاں ہو سکتی تھیں۔ انہی اچھا نیوں کا ذکر سعید و اماں وقتاً فوقتاً کرتی رہتی تھیں۔

اس کے کچھ عرصے بعد اس نے جس شخص کو اس رات سعید و اماں کے ساتھ بیڑ جیوں پہ کھڑے دیکھا تھا اس شخص سے اس کی پہلی ملاقات ہوئی۔ فرقان اپنی بیوی کے ساتھ ان کے ہاں آیا تھا۔ اسے وہ اور اس کی بیوی دونوں اچھے لگے تھے پھر وہ چند ایک بار اور ان کے گھر آئے تھے۔ ان کے ساتھ ان کی شامانی میں اضافہ ہو گیا تھا۔

اسے جانب کرتے جب وہ سال ہو چکے تھے۔ کچھ دینت شاید اور اسی طرح گزر جاتا۔ اگر وہ اتنا

ایک روز اس سڑک سے نہ گزرتی جہاں جلال کے بنائے ہوئے ہاسٹل کے باہر اس کا نام آدراں تھا۔ جلال انصر کا نام اس کے قدم روک دینے کے لئے کافی تھا مگر کچھ دیر تک ہاسٹل کے باہر اس کا نام دیکھتے رہنے کے بعد اس نے طے کیا تھا کہ وہ دوبارہ اس سڑک پر کبھی نہیں آئے گی۔

جلال شادی کر چکا تھا۔ یہ وہ گھر چھوڑتے وقت ہی سالار سے جان چکی تھی اور وہ وہاں اس کی زندگی میں نہیں آتا چاہتی تھی مگر اس کا یہ فیصلہ دیر پا ثابت نہیں ہوا۔

دو ہفتے کے بعد کارخانہ ہو چکی کہیں کے آفس میں ہی اس کی ملاقات راجہ سے ہوئی۔ راجہ وہاں کسی کام کے لئے آئی تھی۔ چند لوگوں کے لئے ڈرائے اپنے سامنے کچھ کرائی کی سمجھ ہی میں نہیں آیا کہ وہ کس طرح کارخانہ عمل ظاہر کرے۔ یہ مشکل راجہ نے آسان کر دی۔ وہ اس سے بڑی گرم جوشی کے ساتھ ملی تھی۔

"تم یک دم کہاں غائب ہو گئی تھیں۔ کالج اور ہاسٹل میں تو ایک لمبا عرصہ طوفان مچا رہا۔" راجہ نے چہرے ہی اس سے پوچھا۔ امام نے مسکرائے کی کوشش کی۔

"میں میں گھر سے چلی تھی تھی۔ کیوں گئی تھی تم تو جانتی ہی ہو گی۔" امام نے مختصر کہا۔

"ہاں، دیکھ کچھ اندازہ تو بخائی مگر میں نے کسی سے ذکر نہیں کیا۔ ویسے ہم لوگوں کی بڑی کم ہمتی آئی۔ میری جو بیوی، راجہ سب کی... جو بس تک نے پوچھ پچھ کی ہم سے۔ ہمیں تو کچھ پتا ہی نہیں تھا تمہارے بارے میں۔" راجہ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھی مسلسل بولے جا رہی تھی۔

"تم کیسی ہی گئی تھیں؟" اس نے بات گزرتے کرتے اچانک پوچھا۔

"ہاں۔" امام انصر کام پر جانے کا کہتے ہوئے بولی۔

"مگر گئی کہاں تھیں؟"

"کہیں نہیں، لیکن لاہور میں تھی۔ تم شاید تم کیا کر رہی ہو آج کل اور جو یہ... ہاں سب۔"

امام نے بات بدلتے ہوئے کہا۔

"میں پریکٹس کر رہی ہوں لاہور میں۔ جو یہ اسلام آباد میں ہوتی ہے۔ شادی ہو گئی ہے اس کی ایک ڈاکٹر سے۔ میری بھی قادی سے ہوئی ہے۔ تمہیں تو پتا ہو گا کلاس فیلو تھا میری۔"

امام مسکرائی۔ "اور زیب؟" اس کا دل بے اختیار دھڑکا تھا۔

"ہاں، زیب آج کل انگلینڈ میں ہوتی ہے۔ ریڈیو کی کر رہی ہے وہاں اپنے شو پر کے ساتھ۔"

اس کے بھائی کے ہاسٹل میں ہی قادی پریکٹس کرتے ہیں۔

امام نے بے اختیار اسے دیکھا۔ "جلال انصر کے ہاسٹل میں؟"

"ہاں، اسی کے ہاسٹل میں۔ وہ اس وقت لاہور میں کر کے قیام ہے کچھ عرصے پہلے لیکن بے چارے کے

سچہ بڑی شرمیلی ہوئی ہے۔ چند دن پہلے طلاق ہو گئی ہے۔ حالانکہ انکار چھانڈ رہے مگر۔
امام اس کے چہرے سے نظر نہیں اٹا سکی۔
”طلاق..... اکیوں؟“

”چائیں، فاروقی نے پوچھا تھا اس سے۔ کہ رہا تھا انڈر اسٹینڈنگ نہیں ہوئی۔ بڑی بچی تھی
تھی اس کی۔ ڈاکٹر ہے وہ بھی لیکن چائیں کیوں طلاق ہو گئی۔ ہم لوگوں کا تو خاصا آہنا تھا ان کے گھر
میں۔ ہمیں بھی بھی اندازہ نہیں ہو کہ ایسا کوئی مسئلہ ہے دونوں کے درمیان۔ ایک بیٹا ہے تین سال کا۔ وہ
بچہ لہ کے پاس ہی ہے۔ اس کی بڑی دوا نہیں اس کے چلی گئی ہے۔“
”اب لا پڑوائی سے تمام تھمتا سے بتا رہی تھی۔“
”تم اپنے بارے میں بتاؤ۔ یہ تو میں جانتی ہوں کہ یہاں جاب کر رہی ہو، مگر مسئلہ تو تم نے
تھا نہیں کی۔“

”ایم ایس کی کیا ہے بکسری میں۔“

”اور شادی وغیرہ؟“

”وہ ابھی نہیں۔“

”چائیں کے ساتھ تمہارا بھتیجا شرم ہو آیا نہیں؟“

امام نے ہنست سے اس کو دیکھا۔

”نہیں۔“ پھر اس نے مدہم آواز میں کہا۔

وہ کچھ دیر اس کے پاس بیٹھی رہی پھر چلی گئی۔ امام باقی کا سارا وقت آفس میں ڈسٹرب رہی۔ اس
نے جلال انصر کو بھی بھلا دیا نہیں تھا۔ وہ اسے بھلا نہیں سکتی تھی۔ اس نے سرک اپنی زندگی سے اس کو الگ
کر دیا تھا مگر وہاں بیٹھے ہوئے اس دن اسے احساس ہوا کہ یہ بھی ایک خوش گمانی یا خود فریبی کے سوا کچھ
نہیں تھا۔ وہ جلال انصر کو اپنی زندگی سے الگ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ وہ صرف اس کی زندگی میں داخل ہو
کر اسے کسی پریشانی سے دوچار کرنا چاہتی تھی نہ ہی اس کی ازدواجی زندگی کو خراب کرنا چاہتی تھی لیکن
بچہ جاننے کے بعد کہ اس کی ازدواجی زندگی پہلے ہی ناکام ہو چکی ہے اور وہ ایک ہار پھر اٹھاتا تھا۔ اسے
پہلے آٹھ سال پہلے وہ کس طرح اس شخص کے حصول کے لئے بچوں کی طرح چلتی رہی تھی۔ وہ اسے
مسل نہیں کر سکتی تھی۔ جب بہت سی دیا دیاں، بہت سی رکاوٹیں تھیں جنہیں وہ پار کر سکتی تھی نہ جلال انصر
پاسکتا تھا۔

شعراب بہت وقت گزر چکا تھا۔ ان رکاوٹوں میں سے اب کچھ بھی ان دونوں کے درمیان نہیں تھا۔
رہے اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی کہ وہ ایک شادی کر چکا تھا اس کا ایک بیٹا بھی تھا۔

”مجھے اس کے پاس ایک بار پھر جانا چاہئے، شاید وہ اب بھی میرے بارے میں سوچتا ہو شاید اسے
اب اپنی غلطی کا احساس ہو۔“ امام نے سوچا تھا۔

اس نے آخری بار فون پر بات کرتے ہوئے اس سے جو کچھ کہا تھا امام اس کے لئے اس کو
معاف کر چکی تھی۔ جلال کی جگہ جو بھی ہو تا وہ یہی کہتا، صرف ایک لڑکی کے لئے تو کوئی بھی اتنے رشک
نہیں لیتا اور پھر اس کا کیرئیر تھا جسے وہ ماننا چاہتا تھا۔ اس کے بچہ جس کی اس سے کچھ امیدیں تھیں انہیں وہ
شتم نہیں کر سکتا تھا۔ میری طرح وہ بھی مجبور تھا۔ بہت سال پہلے کہے گئے اس کے جملوں کی بازگشت نے
بھی اسے دلیراشتہ یا اپنے فیصلے پر دوبارہ غور کرنے پر مجبور نہیں کیا تھا۔

”مجھے اس کے پاس جانا چاہئے۔ ہو سکتا ہے یہ موتی مجھے اللہ نے ہی دیا ہو۔ جو منکسے اللہ نے میری
دعاؤں کو اب قبول کر لیا ہو۔ ہو سکتا ہے اللہ مجھ پر اب رحم فرمایا ہو۔“
وہ بار بار سوچ رہی تھی۔

”ورنہ اس طرح اپنا کدو میرے سامنے کیوں ڈالتی۔ مجھے کیوں یہ پتا چلا کہ اس کی زندگی سے
خلعہ لگی ہو چکی ہے۔ ہو سکتا ہے اب میں اس کے سامنے جاؤں تو.....“ وہ فیصلہ کر چکی تھی۔ وہ جلال انصر
کے پاس وہ بارہ جانا چاہتی تھی۔

☆.....☆

”میں ڈاکٹر جلال انصر سے ملنا چاہتی ہوں۔“ امام نے ریپشنسٹ سے کہا۔

”اپنا بحث منٹ ہے آپ کی؟“ اس نے پوچھا۔

”نہیں، اپنا بحث منٹ نہیں ہے۔“

”پھر تو وہ آپ سے نہیں مل سکیں گے۔ اپنا بحث منٹ کے بغیر وہ کسی پھٹ کو نہیں دیکھتے۔“ اس نے
بٹسے پر نشیمن انداز میں کہا۔

”میں پھٹ نہیں ہوں، ان کی دوست ہوں۔“ امام نے کاؤنٹر پر ہاتھ رکھتے ہوئے مدہم آواز
میں کہا۔

”ڈاکٹر صاحب جانتے ہیں کہ آپ ان وقت ان سے ملنے آئیں گی؟“ ریپشنسٹ نے اسے غور
سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”نہیں۔“ اس نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا۔

”ایک منٹ، انہیں ان سے پوچھتی ہوں۔“ اس نے ریپور اٹھاتے ہوئے کہا۔

”آپ کا نام کیا ہے؟“ دور ریپشنسٹ کا چہرہ دیکھتے گئی۔

”آپ کا نام کیا ہے؟“ اس نے اپنا سوال دہرایا۔

"امام! شرم۔" اسے یاد نہیں اس نے کتنے سالوں بعد اپنا نام لیا تھا۔

"مر کر کوئی خاتون آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔ وہ کہہ رہی ہیں کہ آپ کی دوست جیسا۔ امام! شرم نام ہے ان کا۔"

دوسری طرف سے جلال کی گفتگو مٹی رہی۔

"اوکے سر۔" پھر اس نے رؤیوہ دیکھ دیا۔

"آپ اندر چلی جائیں۔" ریشمست نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔

وہ سر ہلاتے ہوئے دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔ جلال انصر کا ایک مرتبہ باہر نکل رہا تھا اور وہ خود اپنی بیڑ کے پیچھے کھڑا تھا۔ امام نے اس کے چہرے پر حیرت دیکھی تھی۔ وہ اپنے حوٹے دل کی آواز باہر تک سن سکتی تھی۔ اس نے جلال انصر کو آٹھ سال اور کتنے ماہ کے بعد دیکھا تھا۔ امام نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ اسے یاد نہیں آیا۔

"What a pleasant surprise Imanul!" (کیسا خوشگوار سرور! تو ہے امام!)

جلال نے آگے بڑھ کر اس کی طرف آئے ہوئے کہا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا۔ تم کب کی ہو؟"

"میں ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟"

وہ اس کے چہرے سے نظریں ہٹائے اٹھ بیوی۔ پچھلے ڈیڑھ سال سے یہ چہرہ ہر وقت اس کے ساتھ رہا تھا اور یہ آواز بھی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں، تو بیٹھو۔"

اس نے اپنی ٹھیک کے سامنے پانی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ خود ٹھیک کے دوسری جانب اپنا کرسی کی طرف بٹھ گیا۔

وہ ہمیشہ سے پانی پیتی تھی۔ وہ جلال انصر کو جب بھی دیکھے کہ اس کا دل اسی طرح بے قابو ہو گا مگر اتنی خوشی ایسی سرشاری تھی جو وہ اپنے رنگ و بے پس خون کی طرح روڑنی محسوس کر رہی تھی۔

"کیا ہو گی؟" پائے، کافی، سوٹ ڈرنک؟" وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

"جو آپ چاہیں۔"

"اوکے، کافی منگوا لیتے ہیں۔" حسیں پند تھی۔

وہ دفتر کام اٹھا کر کسی کو کافی بھجوانے کی ہدایات دے رہا تھا اور وہ اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ڈائریکٹ اب نہیں تھی۔ اس کا سیر اسٹائل مکمل طور پر تبدیل ہو چکا تھا۔ اس کا وزن پہلے کی نسبت کچھ بڑھ گیا تھا۔ وہ پہلے کی نسبت بہت بڑا مٹا اور بے تکلف نظر آ رہا تھا۔

"تم آج کل کیا کر رہی ہو؟" رؤیوہ رکتے ہی اس نے امام سے پوچھا۔

"ایک فارماسیوٹیکل کمپنی میں کام کر رہی ہوں۔"

"ایم بی بی ایس تو پھوڑا دیا تھا تم نے۔"

"ہاں ایم ایس سی کیا ہے کبھی نہیں۔"

"کون سی کمپنی ہے؟" امام نے نام بتایا۔

"وہ خوبت اچھی کمپنی ہے۔"

وہ کچھ دیر اس کمپنی کے بارے میں تعریفی تبصرہ کرتا رہا۔ وہ چاب چاب اسے دیکھتی رہی۔

"میں اسٹیٹسٹا تو پیش کر کے آیا ہوں۔"

وہ اپنے بارے میں بتاتے لگا۔ وہ کلین پیچھے کے بغیر کسی معمول کی طرح اسے دیکھتی رہی۔ بعض لوگوں کو صرف دیکھنا ہی کتنا کافی "تو ہے۔" اس نے اسے بات کرتے دیکھ کر سوچا تھا۔

"ایک سال ہو اے اس باجیل کو شروع کئے اور بہت اچھی پریکٹس چل رہا ہے میری۔"

وہ یوں رہا۔ کافی آجکی تھی۔

"حسیں میرا پتہ کیسے چلا؟" وہ کافی کا کپ اٹھاتے ہوئے بولا۔

"میں نے آپ کے ہاسٹل کے بورڈ پر آپ کا نام پڑھا تھا پھر راجہ سے ملاقات ہوئی۔ آپ جانتے ہوں گے۔" راجہ بھی واقف تھی اس سے۔

"راجہ چاروٹی کی بات کر رہی ہو۔ بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ اس کا شوہر ڈاکٹر فاروق میرے ساتھ کام کر رہے۔" اس نے کافی پیتے ہوئے کہا۔

"ہاں، وہی۔" پھر میں یہاں آ گئی۔"

امام نے ابھی کافی نہیں پی تھی۔ کافی بہت گرم تھی اور بہت گرم چیزیں نہیں چیتی تھی۔ اس نے کسی زمانے میں میز کے دوسری جانب بیٹھے ہوئے حسیں کو آئینہ نظر کیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس میں ہر خوبی تھی، ہر وہ خوبی جو ایک مکمل مرد میں ہونی چاہئے۔ ہر وہ خوبی جو وہ اپنے شوہر میں دیکھنا چاہتی تھی۔ سال سے آٹھ سال گزر گئے تھے اور امام کو یقین تھا کہ وہ اب بھی ویسا ہی ہے۔ چہرے سے ڈاڑھی کے ہٹ جانے کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کو اب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ رہی ہو۔ اپنے ہاسٹل کی کامیابی کے قصیدے اس کے سامنے پڑھتے ہوئے بھی امام اس کی اسی آواز کو اپنے کانوں میں گونج محسوس کر رہی تھی، جس آواز نے ایک بار اس کی زندگی کا سب سے مشکل فیصلہ آسان کر دیا تھا۔

وہ اس کے منہ سے کامیاب پریکٹس اور شہرت کا سن کر مسرور تھی۔ جلال نے زندگی میں اتنی ہی کامیابیوں کو سیکھنے کے لئے ساڑھے آٹھ سال پہلے اسے چھوڑ دیا تھا مگر وہ خوش تھی۔ آج سب کچھ جلال

اصر کی منہ می تھا۔ کم از کم آج فیصلہ کرنے میں اسے کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

"تم نے شادی کر لی؟" بات کرتے کرتے اس نے اچانک پوچھا۔

"نہیں۔" امام نے مدہم آواز میں جواب دیا۔

"پوچھ رہی تھیں رتی ہو، کیا اپنے بڑے بھائی کے پاس ہو؟" جلال اس بار کچھ سنجیدہ تھا۔

"نہیں۔"

"پھر؟"

"اکیلے رہتی ہوں، بیڑن کے پاس کیسے جا سکتی تھی۔" اس نے مدہم آواز میں کہا۔

"آپ نے شادی کر لی؟" جلال نے کافی کا ایک گھونٹ لیا۔

"ہاں، شادی کر لی اور علیحدگی ہو گئی۔ تین سال کا ایک بیڑا ہے میرا۔ میرے پاس ہی ہوتا ہے۔"

جلال نے بے جاٹر لہجے میں کہا۔

"آئی ایم سوری۔" امام نے اظہارِ تسوس کیا۔

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔ اچھا ہوا یہ شادی ختم ہو گئی۔"

"It was not a marriage, it was a mess." (یہ شادی نہیں تھی ایک کھجور تھا۔)

جلال نے کافی کا کپ ٹھیک پر دیکھتے ہوئے کہا۔ کچھ دیر کمرے میں خاموشی رہی پھر اس خاموشی کو

امام نے توڑا۔

"بہت سال پہلے ایک بار میں نے آپ کو پرہیز کیا تھا جلال؟"

جلال اسے دیکھنے لگا۔

"پھر میں نے آپ سے شادی کے لئے ریکویسٹ کی تھی۔ آپ اس وقت مجھ سے شادی نہیں

کر سکتے۔"

"کیا میں یہ ریکویسٹ آپ سے دوبارہ کر سکتی ہوں؟"

اس نے جلال اصر کے چہرے کا رنگ بدلتے دیکھا۔

"آپ تو حالات بدل چکے ہیں۔ آپ کسی پراپوزٹ نہیں ہیں۔ نہ ہی میرے بڑے بھائی کے کسی مدد عمل

کا آپ کو اندر بھر ہو گا نہ ہی آپ کے بڑے بھائی کے پاس کسی کے۔ اب تو آپ مجھ سے شادی کر سکتے ہیں۔"

وہ جلال کا چہرہ اپنے لئے زکریا۔ وہ بالکل خاموش تھا۔ اس کی خاموشی نے امام کے اعصاب

کو متھل کیا۔ شاید یہ اس لئے خاموش ہے کیونکہ اسے اپنی پہلی شادی بے باطنی کا خیال ہو گا۔ امام نے سوچا۔

مجھے اسے بتانا چاہئے کہ مجھے اس کی پہلی شادی کی کوئی پروا نہیں ہے۔ وہ بھی اس بات پر اعتراض کرے گا اس کا

ایک بیڑا بھی ہے۔

"جلال! مجھے آپ کی پہلی شادی پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

جلال نے اس کی بات کاٹ دی۔

"امام! یہ ممکن نہیں ہے۔"

"کیوں ممکن نہیں ہے۔ کیا آپ کو مجھ سے محبت نہیں ہے؟"

"محبت کی بات نہیں ہے امام! اب بہت وقت گزر چکا ہے۔ ویسے بھی ایک شادی ناکام ہونے کے

بعد میں فوری طور پر دوسری شادی نہیں کرنا چاہتا۔ میں اپنے کیرئیر پر دھیان دینا چاہتا ہوں۔"

"جلال! آپ کو مجھ سے تو کوئی اندیشہ نہیں ہونا چاہئے۔ میرے ساتھ تو آپ کی شادی ناکام

نہیں ہو سکتی۔"

"پھر بھی..... میں کوئی رسک نہیں لےنا چاہتا۔" جلال نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں انتظار کر سکتی ہوں۔"

جلال نے ایک گھر اسانس لیا۔

"اس کا کوئی فائدہ نہیں امام! اس پر رتی میں نہیں ہوں کہ تم سے شادی کر سکیں۔"

دو م سادھے اسے دیکھتی رہی۔

"یہ شادی میں نے اپنی مرضی سے کی تھی۔ وہ بارہ میں اپنی مرضی میں نہیں کرنا چاہتا۔ دوسری شادی میں

اپنے بڑے بھائی کی مرضی سے کرنا چاہتا ہوں۔"

"آپ اپنے بڑے بھائی کو میرے بارے میں بتادیں۔ شاید وہ آپ کو اجازت دے دیں۔" اس نے

ڈونچے ہونے والے کے ساتھ کہا۔

"نہیں ہاں سکر۔ دیکھو امام! کچھ حقائق ہیں جن کا سامنا مجھے اور تمہیں بہت حقیقت پسندی سے کرنا

چاہئے۔ میں اپنے لئے تمہارے جذبات کی قدر کرتا ہوں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کسی زمانے میں،

میں بھی تمہارے ساتھ انوالو تھا یا یہ کہہ لو کہ محبت کرنا تھا۔ میں آج بھی تمہارے لئے دل میں بہت

خاص جذبات رکھتا ہوں اور مجھے رکھوں گا مگر زندگی جذبات کے سہارے نہیں گزار دی جا سکتی۔"

وہ زکا۔ امام کافی کے کپ سے اٹھتے دھوئیں کے پار اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"تم جب سات آٹھ سال پہلے اپنا گھر چھوڑ دی تھیں تو میں نے تمہیں بھیجا تھا کہ اس طرح نہ کرو

لیکن تم نے اس معاملے کو اپنی مرضی کے مطابق چلایا۔ اپنے بڑے بھائی کو مجھ سے شادی کے لئے کوئی

کمرے کے بجائے تم مجھے مجبور کرتی رہیں کہ میں تم سے چھپ کر شادی کر لوں۔ میں ایسا نہیں کر رہا ہوں

نہ ہی یہ مناسب تھا۔ مذہب کی بات اپنی جگہ، مگر مذہب کے ساتھ معاشرہ بھی تو کوئی چیز ہوتا ہے جس

میں ہم رہتے ہیں اور جس کی ہمیں پروا کرنی چاہئے۔"

امام کو یقین نہیں آیا۔ وہ یہ سب اس شخص کے منہ سے سن رہی تھی جو.....
 "تم تو چلی گئیں مگر تمہارے جانے کے بعد تمہارا اس طرح غائب ہو جانا کتنا بڑا سکیڑا ثابت ہوا
 اس کا قصہ اندازہ نہیں۔ تمہارے جوش نے پریس میں یہ خبر آنے نہیں دی مگر پورے میڈیکل کالج کو
 تمہارے اس طرح چلے جانے کا ہاتھ پوچھیں لے تمہاری بہت ساری فریڈز اور کلاس فیلوز سے
 تمہارے بارے میں انوسٹی گیشن کی۔ ذرا شب بھی اس میں شامل تھی۔ خوش قسمتی سے ہم بچ گئے۔"
 وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"میں نے اسے سال محنت کر کے اپنا ایک مقام بنایا ہے۔ میں اتنا بہادر نہیں ہوں کہ میں تم سے
 شادی کر کے لوگوں کی چو گویوں کا نشانہ بنوں۔ میرا قصہ سننا ڈاکٹر کی کیونٹی میں ہے اور امام ہاشم کی
 میری بیوی کے طور پر وہاں بھی اسکیڈ لائز کر دے گی۔ تم سے شادی کر کے میں لوگوں سے نظریں
 نہیں جھکا سکتا۔ تم اتنے سال کہاں رہی ہو، کیسے رہی ہو، یہ بہت اہم سوالات ہیں۔ میرے جوش کو
 تمہاری کسی بات پر یقین نہیں آئے گا اور مجھے لوگوں کی نظروں میں پانچویں مقام پر قرار دینا ہے۔ تم بہت
 اچھی جو مگر لوگ سمجھتے ہیں کہ تم اچھی لڑکی نہیں ہو اور میں بھی اسکیڈ لائز لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا۔
 میں برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی یہ کہے کہ میری بیوی کا کردار اچھا نہیں ہے۔ آئی ہو پ، تم میری
 پوزیشن کو سمجھ سکتی ہو۔"

کافی کے کپ سے انحصار حواں ختم ہو چکا تھا مگر جلال انصر کا چہرہ ابھی کسی دعووں کے پیچھے چھپا نظر
 آ رہا تھا پھر یہ اس کی آنکھوں میں اترنے والی وحشت تھی جس نے جلال انصر کو غائب کر دیا تھا۔
 کرسی کے دونوں بٹھوں کا سہارا لیتے ہوئے وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"ہاں، میں سمجھ سکتی ہوں۔" اس نے اپنے آپ کو کہتے ہوئے "خدا حافظ۔"
 "آئی ایم سوری امام! جلال معذرت کر رہا تھا۔ امام نے اسے نہیں دیکھا۔ وہ پیچھے ہٹنے کی حالت
 میں چلے ہوئے کمرے سے باہر آ گئی۔

شام کے سات بج چکے تھے، اندھیرا چھا چکا تھا۔ سڑکوں پر اسٹریٹ لائٹس اور نیون سائن بورڈز
 روشن تھے۔ سڑک پر بہت زیادہ ٹریفک تھی۔ اس پورے روڈ پر دونوں طرف ڈاکٹر کے لینک تھے۔
 اسے یاد تھا کسی زمانے میں اس کی بھی خواہش تھی کہ اس کا بھی ایسا ہی لینک ہو جا۔ اسے یہ بھی یاد تھا کہ وہ
 بھی اپنے نام کے نیچے اسی طرح کوالی ٹیکسٹر کی ایک لمبی لسٹ دیکھنا چاہتی تھی بالکل ویسے ہی جس طرح
 جلال انصر کے نام کے ساتھ تھیں۔ بالکل ویسے ہی جس طرح اس روڈ پر لگے ہوئے بہت سے ڈاکٹر کے
 ناموں کے ساتھ تھی۔ یہ سب ہو سکتا تھا، یہ سب ممکن تھا، اس کے ہاتھ کی مٹھی میں تھا اگر وہ..... وہ بہت
 سال پہلے اپنے گھر سے نہ نکلی ہوتی۔

وہ بہت دیر تک جلال کے ہاسٹل کے باہر سڑک پر کھڑی خالی المٹنی کی کیفیت میں سڑک پر
 دوڑتی لڑ لڑیٹ کو دیکھتی رہتی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ یہاں سے کہاں جائے اس نے ایک بار پھر
 سڑک پر ہاسٹل کے ماتھے پر جھک گئے الیکٹرک بورڈ پر ڈاکٹر جلال انصر کا نام دیکھا۔
 "تم ابھی لڑکی ہو، مگر لوگ تمہیں اچھا نہیں سمجھتے۔"

اسے چند منٹ پہلے کہے ہوئے اس کے الفاظ یاد آئے، وہاں کھڑے اسے پہلی بار بتا چکا کہ اس نے
 اپنی پوری زندگی ایک طرف محبت میں گزار دی تھی۔ جلال انصر کو اس سے کبھی محبت تھی ہی نہیں۔ نہ سارے
 آٹھ سال پہلے، نہ اب۔ اس کو صرف امام کی ضرورت نہیں تھی، اس کے ساتھ منسلک باقی چیزوں
 کی بھی ضرورت تھی۔ اس کا لمبا چوڑا فیملی بیک گراؤ..... سوسائٹی میں اس کے خاندان کا نام اور
 مرتبہ..... اس کے خاندان کے کالمیکس..... اس کے خاندان کی دولت..... جس کے ساتھ تھی جو کر
 وہ عجیب لگا کر راتوں رات اپر کلاس میں تو جاتا..... اور وہ اس خوش فہمی میں مبتلا رہی کہ وہ صرف اس کی
 محبت میں جتنا تھا..... اس کا خیال تھا کہ وہ ایک بار بھی اس کے کردار کے حوالے سے کوئی بات نہیں کرے
 گا۔ وہ تم از کم یہ یقین ضرور رکھے گا کہ وہ تیار رہے نہیں چل سکتی مگر وہ پھر غلط تھی..... اس کے نزدیک
 وہ ایک اسکیڈ لائز لڑکی تھی جس کے وقار میں اپنی مٹھی یاد دہرے لوگوں سے کچھ کہنے کے لئے اس کے
 پاس کوئی الفاظ نہیں تھا۔ سارے آٹھ سال پہلے گھر چھوڑتے ہوئے وہ جانتی تھی کہ لوگ اس کے بارے
 میں بہت کچھ کہیں گے۔ وہ اپنے لئے کانٹوں بھر رات وہ ہر آنکھ زبا میں اور پھر کرتی نظریں جن رہی تھی
 بکواس نے یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ ان لوگوں میں جلال انصر بھی شامل ہو گا۔ نہ ہر آنکھ زبا میں ایک
 زبان اس کی بھی ہو گی۔ وہ زندگی میں کم از کم جلال انصر کو اپنے کردار کے اچھا ہونے کے بارے میں
 کوئی صفائی یا وضاحت نہیں دیا چاہتی تھی۔ وہ اس کو کوئی صفائی دے ہی نہیں سکتی تھی۔ اس کے لفظوں نے
 سارے آٹھ سال بعد پہلی بار اسے صحیح معنوں میں حقیقت کے قریب بولے صحرا میں بھیج دیا تھا۔ وہ
 معاشرے کے لئے ایک outcast بن چکی تھی۔

"تو امام ہاشم یہ ہے تمہاری اوقات، ایک اسکیڈ لائز اور stigmatized (دامغ دار) لڑکی اور تم
 اپنے آپ کو کیا سمجھتی تھیں۔"

دولت ہاتھ پر چلنے لگی۔ ہر بورڈ، ہر نیون سائن کو پڑھتے ہوئے..... وہاں لگے ہوئے بہت سے
 ڈاکٹروں کے ناموں سے وہ واقف تھی۔ ان میں سے کچھ اس کے کلاس فیلوز تھے۔ کچھ اس سے جو نیوز
 کچھ اس سے سینئر اور وہ خود کہاں کھڑی تھی کہیں بھی نہیں۔

"تم، جیٹا امام، اتنے کم سن لڑکے اور وہ ہو گی۔ تمہیں کچھ بھی نہیں ملے گا، کچھ بھی نہیں۔
 اس کے کانوں میں ہاشم بنین کی آواز گونجنے لگی تھی۔ اس نے اپنے کالوں پر سیال دے کر کہتے

محسوس کیا۔ اس پاس موجود درختوں پر اب اس کی آنکھوں کو اور چند چٹائے لگی تھیں۔ جہاں اصرار آؤی نہیں تھا۔ بس وہ دو ٹھیک تھا جو سمجھ کر وہ اس کی طرف لگی تھی۔ کیسا دھوکا تھا جو اس نے کھایا تھا۔ جاننا بوجھ کر کھلی آنکھوں کے ساتھ وہ ابھی ایک مادہ پرست تھا مکمل مادہ پرست۔ صرف اس کا یہ روپ اس نے پہلی بار دیکھا تھا اور اس کے لئے یہ سب ناقابل یقین تھا۔ وہ براؤنی نہیں تھا۔ اس کی اپنی اخلاقیات تھیں اور وہ ان کے ساتھ ہی رہا تھا۔ امام باہم کو آج اس نے وہ اخلاقیات بتا دی تھیں۔ اس نے ایسی تھیک اور تشویر آٹھ سالوں میں پہلی بار دیکھی تھی اور وہ بھی اس شخص کے ہاتھوں سے وہ خوبوں کا مجموعہ سمجھتی رہی تھی اور خوبوں کے اس مجموعے کی فکروں میں وہ کیا تھی؟ کمرست بھاگی ہوئی ایک اسکول لائبریری۔ آنسوؤں کا ایک سیلاب تھا جو اس کی آنکھوں سے اندر با تھا اور اس میں سب کچھ بہ رہا تھا۔ سب کچھ اس نے سب دھجی کے ساتھ آنکھوں کو گڑا۔ اپنی چادر کے ساتھ کچلے چہرے کو خشک کرتے ہوئے ایک دیکھنے کو روک کر وہ اس میں بیٹھ گئی۔

دروازہ سفید دھات کے کھولا تھا۔ دوسرے کھائے اس طرح اندر داخل ہوئی کہ اس کے چہرے پر ان کی نظر نہ پڑی۔

"کہاں تھیں تم امام؟" ادا ہوئی۔ میرا تو دل کھرا رہا تھا۔ صاف دھاتوں کے گھر جانے والی تھی میں کہ کوئی تھمارے آفس جاکر تھمارا کمرہ۔"

سفید دھات دروازہ بند کر کے تشریف لے گئی۔ اس کے پیچھے آئی تھیں۔ "کیوں نہیں اس۔۔۔ اب اس آفس میں کچھ کام تھا اس لئے دیر ہو گئی۔"

اس نے ان سے چند قدم آگے چلتے ہوئے پیچھے مڑے بغیر ان سے کہا۔ "پہلے تو کبھی تمہیں آفس میں دیر نہیں ہوئی۔ پھر آج کیا ہو گا کہ رات ہو گئی۔ آخر آج کیوں اتنی دیر روکا انہوں نے تمہیں؟" سفید دھات کو اب بھی تسلی نہیں ہو رہی تھی۔

"اس کے بارے میں میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ آئندہ دیر نہیں ہو گی۔" وہ اسی طرح اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے ہوئی۔

"کھانا گرم کر دوں یا تھوڑی دیر بعد کھاؤ گی؟" انہوں نے اس کے پیچھے آتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں، میں کھانا نہیں کھاؤں گی۔ میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔ میں کچھ دیر کے لئے سونا چاہتی ہوں۔"

اس نے اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "درد کیوں ہو رہا ہے؟ کوئی دوائی دے دوں یا چائے بنا دوں؟" سفید دھات کو اور تشریف

لاحق ہوئی۔

"اماں! پلیز مجھے سونے دو۔ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ہوئی تو میں آپ سے کہہ دوں گی۔"

اس کے سر میں واقعی درد ہو رہا تھا۔ سفید دھات کو شاید اندازہ ہو گیا کہ ان کی تشریف لے جانے سے اس کے لئے آرام کر رہی ہے۔

"ٹھیک ہے تم سو جاؤ۔" وہ جانے کے لئے ہائیں۔

امام نے اپنے کمرے کی لائٹ آن نہیں کی، اس نے اسی طرح اندھیرے میں دروازے کو بند کیا اور اپنے بستر پر آکر لیٹ گئی۔ اچانک اس شخص کو اس نے سیدھا لپٹے ہوئے کوئی آنکھوں پر پڑا دیکھ لیا۔ وہ اس وقت صرف سونا چاہتی تھی۔ وہ کچھ بھی یاد نہیں کرنا چاہتی تھی نہ جہاں اصرار سے ہونے والی کچھ دیر پہلے کی گفتگوں ہی کچھ اور۔۔۔ درد نہ بھی نہیں چاہتی تھی۔ وہ اپنے مستقبل کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اس کی خواہش پوری ہو گئی تھی۔ اسے خند کیے آگئی یہ وہ نہیں جانتی تھی مگر وہ بہت گہری نیند سوتی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ اس سے چھٹن قدم آگے کھڑا تھا۔ اتنا قریب کہ وہ ہاتھ بڑھاتی تو اس کا کندھا چھو سکتی۔ وہ اس کی دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ وہ اس کے کندھے سے اوپر خات کچلے کے کھلتے ہوئے دروازے کو دیکھ رہی تھی۔ وہ نور کے اس سیلاب کو دیکھ رہی تھی جس نے وہاں موجود ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لینے شروع کر دیا تھا۔ وہ خات کچلے کے خلاف ہر طرح کی آفات کو باسانی دیکھ سکتی تھی۔ وہ آسمان پر موجود ستاروں کی روشنی کو یک دم بڑھتے محسوس کر سکتی تھی۔

ان میں سے آگے کھڑا شخص تلبیہ پڑھ رہا تھا۔ وہاں گونجنے والی واحد آواز اسی کی آواز تھی۔ خوش الحان آواز۔۔۔ اس نے بے اختیار اپنے آپ کو اس کے پیچھے دی کھاتے ہوئے اسے پایا۔ اسی طرح جس طرح وہ چاہ رہا تھا مگر زیر لب پھر وہ اپنی آواز اس کی آواز میں ملائے گی۔ اسی کی طرح مگر زیر لب۔۔۔ پھر اس کی آواز پلٹے ہوئے لگی پھر اس کو محسوس ہوا۔۔۔ وہ اپنی آواز اس کی آواز سے بلند نہیں کر پا رہی تھی۔ اس نے کوشش ترک کر دی۔ وہ اس کی آواز میں آواز ملائی رہی۔

خات کچلے کا دروازہ مکمل پکا تھا۔ اس نے اس شخص کو آگے بڑھ کر دروازے کے کچلے پاس جاکر کھڑے ہونے دیکھا۔ اس نے اسے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتے دیکھا۔ وہ دعا کر رہا تھا۔ دعا سے دیکھتی رہی پھر اس نے ہاتھ پیچھے کر لئے۔ اب وہ پیچھے پیچھے کر زمین پر جم رہا تھا۔ کچلے کے دروازے کے ساتھ تھے۔ وہ اسے دیکھتی رہی۔ اب وہ کھڑا ہو رہا تھا۔ وہ اپنے والا تھا۔ وہ اس کا چہرہ دیکھنا چاہتی تھی۔ اس کی آواز سننا

تھی مگر چہرہ چہرہ دیکھنے بغیر۔۔۔ وہ اب مڑ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ ایک دم بڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ کمرے میں تار کی تھی۔ چند لمحوں کے لئے اسے لگا دو دیں ہو، خانہ کعبہ میں۔ پھر جیسے وہ حقیقت میں واپس آ گئی۔ اس نے اٹھ کر کمرے کی لائٹ جلا دی اور پھر بیٹھ کر انگریز بارہ بیٹھ گئی۔ اسے خواب اپنی پارٹی جرنیات سمیت یاد تھا۔ یوں جیسے اس نے کوئی فلم دیکھی ہو۔ مگر اس آدمی کا چہرہ وہاں سے نہیں، کچھ سکی تھی۔ اس کے مڑنے سے پہلے اس کی آنکھ کھلی تھی۔

”خوش آجائیں، آواز، جلال انصر کے سوا کس کی ہو سکتی ہے۔“ اس نے سوچا۔

مگر وہ شخص درالاشق تھا۔ جلال انصر سانہ الا تھا۔ اس شخص کے احرام میں سے نکلے ہوئے کندھے اور بازوؤں کی درگت صاف تھی اور اس کی آواز وہ شناسا تھی۔ وہ یہ پہچان نہیں پا رہی تھی کہ وہ آواز جلال کی تھی یا کسی اور کی۔

خواب بہت عجیب تھا مگر اس کے سر کا درو عجب ہو چکا تھا۔ وہ حیران کن لمبوتر پر سکون تھی۔ اس نے اٹھ کر کمرے کی لائٹ آن کی۔ وال کا ایک ایک بھار با تھا۔ اماں کو یاد آیا۔ وراثت کو عشاء کی نماز پڑھے بغیر ہی سو گئی تھی۔ اس نے کپڑے بھی تبدیل نہیں کئے تھے۔ نہ ہی سونے سے پہلے وضو کیا تھا۔ اس نے کپڑے تبدیل کئے اور اپنے کمرے سے باہر آ گئی۔ سعید واماں جکے کمرے میں روشنی نہیں تھی۔ وہ سو رہی تھیں۔ پورے گھر میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ صحن میں بلب بج رہا تھا۔ بالی بالی دھند کی موجودگی بھی پسپ کی۔ روشنی میں محسوس کی جا سکتی تھی۔ صحن کی دیواروں کے ساتھ چڑھی سبز پتیلیں، سرخ اینٹوں کی دیواروں کے ساتھ بالکل ساکت تھیں۔ وہ وضو کرنے کے لئے صحن کے دوسری طرف موجود ہاتھ دھو رہی تھیں جانا جاتا تھا جی تھی مگر صحن میں جانے کے بجائے وہ یہ آمدے کے ستون کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ اپنے سونے کی آستینوں کو اوپر کرتے ہوئے اس نے اپنی ٹہلے کی آستینوں کے ٹٹن کھولے ہوئے انہیں اوپر فولد کر دیا۔ چند لمحوں کے لئے اسے بھر بھری آئی۔ تھی بہت زیادہ تھی پھر وہ انہیں گود میں گھسنے لگی۔ ایک بار پھر جلال انصر کے ساتھ شام کو بونے والی طاقت اسے یاد آ رہی تھی مگر اس بار اس کی باتوں کی کوئی اسے اٹک بار نہیں کر رہی تھی۔

”بھیری بیوی خنائی کی تو نے ہی تو کی

میں تو سر۔ جاتا اگر ساتھ نہ ہوتا میرا

تو یہ نہ میری کیا ذہن پر جب نوبت تھی

نور ہو جاتا ہے کچھ اور ہو یا میرا

کچھ نہیں، بالکل شاہوں سے یہ پیدا میرا

اس کی دولت ہے کلہ نقلی کھلتے پاتیرا

ایک افسردہ میسر اہلے اس کے جو ٹٹوں پر نمودار ہوئی۔ گڑبڑے ہوئے پھلے بازھے آنکھ

ملاؤں میں یہ آواز۔ اور یہ الفاظ اس کے ذہن سے کبھی معدوم نہیں ہوئے تھے اور پھر اسے کچھ دیر پہلے کے خواب میں سنائی دینے والی دورہ سہری آواز یاد آئی۔

”ایک اللہم ایک، ایک لا شریک لك، لا شریک لك، لا شریک لك، ان الحمد والنعمة لك والملك لا شریک لك۔“

وہ آواز کبھی اور شناسا تھی مگر جلال انصر کی آواز کے علاوہ وہ اور کسی آواز سے مختلف نہیں تھی۔ آنکھیں بند کر کے اس نے خواب میں دیکھے ہوئے اس منظر کو یاد کرنے کی کوشش کی۔ مقام حرم، خانہ کعبہ کا کھلا دروازہ، خلافت کعبہ کی دور روشن آیات۔ وہ پر سکون، عظیم الشان منظر رات۔ خانہ کعبہ کے دروازے سے چوتھی دور دراز حیران کن اور سجدہ کرنا تسلیم پڑتا وہ مرد۔ اماں نے آنکھیں کھول دیں۔

کچھ دیر تک وہ صحن میں اتنی دھند میں نظر نہیں جھانکے اس آدمی کے بارے میں سوچتی رہی۔

اس آدمی کے برہنہ کندھے کی پشت پر لٹکے پٹکے بالوں میں زخم کا ایک مندر شد نشان تھا۔ اماں کو حیرت ہو رہی تھی۔ خواب کی اس طرح کی جرنیات اسے پہلے کبھی یاد نہیں رہی تھیں۔ اس نے زندگی میں پہلی بار خانہ کعبہ کو خواب میں دیکھا تھا۔ وہاں بیٹھے اسے خواب میں ہوئی تھی کہ کاش وہ کبھی اسی طرح مسجد نبوی ﷺ میں روشنی دھند ر سول سلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھڑی ہو۔ اسی طرح مسجد نبوی ﷺ لوگوں سے خالی ہو، وہاں صرف وہ ہو، وہ اندازہ نہیں لگا سکی وہ کتنی دیر وہاں اسی طرح بیٹھی رہی۔ وہ اپنے گرد و پیش میں تب لوٹی تھی جب سعید واماں تھوڑے پڑنے کے لئے وضو کرنے کی خاطر باہر صحن میں آ گئی تھیں۔ اماں کو وہاں اس وقت دیکھ کر وہ حیران ہو گئی تھیں۔

”تمہارے سر کا درو کیسا ہے؟“ اس کے پاس کھڑے ہو کر انہوں نے پوچھا۔

”اب تو درو نہیں ہے۔“ اماں نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

”رات کو گھٹا گھٹاے بغیر ہی سو گئی تھیں؟“ وہ اس کے پاس برآمدے کے خطے فرش پر بیٹھے

ہوئے یو لیں۔

وہ خاموش رہی۔ سعید واماں ایک گرم آبی شال اوڑھے ہوئے تھیں۔ اماں نے ان کے کندھے پر

پہنا چھوڑا۔ اماں اس کے سنا چہرے کو گرم شال سے ایک عجیب سی آسودگی کا احساس ہوا۔

”اب تم شادی کر لو آمد؟“ سعید واماں نے اس سے کہا۔ وہ اسی طرح گرم شال میں اپنا چہرے

پہنائے رہی۔ سعید واماں پہلی بار یہ بات نہیں کہہ رہی تھیں۔

”آپ کر رہیں۔“ وہ ہمیشہ ان کی اس بات پر خاموشی اختیار کر لیتی تھی۔ کیوں؟ وہ خود بھی نہیں

جانتی تھی لیکن آج پہلی بار وہ خاموش نہیں رہی تھی۔

”تم کی کہہ رہی ہو؟“ سعید واماں اس کی بات پر حیران ہو گئی تھیں۔

نہیں کر رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

قید کے گھر والوں کا اصرار تھا کہ شادی سادگی سے ہو اور اس پر کسی کو بھی اعتراض نہیں ہو تھا۔ امامہ خود بھی شادی سادگی سے کرنا چاہتی تھی مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ قید کے گھر والوں کا سادگی پر اصرار دراصل کچھ اور وجوہات کی بناء پر تھا۔

اس کا علاج ہندی والی شام کو ہوتا تھا مگر اس شام کو جب قید کے قریب قید کے گھر والوں کی طرف سے یہ اطلاع دی گئی کہ نکاح آگے دن یعنی شادی والے دن ہی ہو جائے۔ جب تک اسے یا سعید و اماں کو کوئی اندازہ نہیں ہوا تھا کہ قید کے گھر میں کوئی مسئلہ تھا۔ ہندی کی ویسے بھی کوئی بلی پوڑی قریب نہیں تھی۔ صرف سعید و اماں کے بہت قریبی لوگ تھے یا پھر نزدیکی حسائے نکاح کی قریب کے لئے جس کھانے کا انتظام کیا گیا تھا وہ ان لوگوں کو سرا کر دیا گیا۔

شادی کی تقریب بھی سادگی سے گھر پر ہی ہو گئی تھی۔ چار بچے بارگاہ کو آ جانا تھا اور تھے چھ بچے کے قریب رہتے تھے لیکن بارگاہ آنے سے ایک گھنٹہ پہلے قید کے گھر والوں نے سعید و اماں کو قید کی روپوشی کے بارے میں اطلاع دیتے ہوئے اس رشتے سے معذرت کر لی۔

امامہ کو چار بچے تک اس سارے معاملے کے بارے میں کچھ پتا نہیں تھا۔ قید کے گھر سے عروسی لباس پہلے بھجوا دیا گیا تھا اور وہ اس وقت وہ لباس پہنے تقریباً چار گھنٹے پہلے مریم امیں کے کمرے میں پہنچ آئی۔ اس کا چہرہ سنا ہوا تھا اس نے امامہ کو کپڑے تبدیل کر لے کے لئے کہا، اس نے امامہ کو فوری طور پر یہ نہیں بتایا تھا کہ قید کے گھر والے انکار کر کے چاہتے تھے۔ اس نے امامہ سے صرف یہی کہا کہ قید کے گھر والوں نے شادی کی سہولت کر دی ہے اس کے گھر میں کئی قریبی مزاج کا انتقال ہو گیا ہے۔ وہ یہ بتا کر بہت افراتفری میں کمرے سے نکل گئی۔ امامہ نے کپڑے تبدیل کر لئے لیکن اس وقت اس کی بھینٹیں سسٹے آتے اس پر بیٹنی سے اچھا کرنا شروع کر دیا تھا۔ اسے مریم کی بات پر یقین نہیں آیا تھا۔

کپڑے تبدیل کر کے وہ اپنے کمرے سے باہر نکل آئی اور باہر موجود لوگوں کے تاثرات نے اس کے جسم شہادت کی تصدیق کر دی تھی۔ وہ سعید و اماں کے کمرے کی طرف چلی گئی۔ وہاں بہت سے لوگ جمع تھے۔ کلثوم آنکھیں میوڑے، نور العین آبا۔ حسائے میں دہنے والی چند عورتیں، مریم اور سعید و اماں۔ مریم سعید و اماں کو پانی چاہ رہی تھی۔ وہ بہت غلامی نظر آ رہی تھیں۔ ایک لمحے کے لئے اس کے دل کی دھڑکن لڑی۔ انہیں کیا ہوا تھا۔ اس کے اندر داخل ہوتے ہی سب کی نظریں اس پر پڑیں۔ بیوقوف آپاں کی طرف تیزی سے بدھیں۔

"آمد اہم باہر آ جاؤ" انہوں نے اسے ساتھ لے جانے کی کوشش کی۔

"اماں کو کیا ہوا ہے؟" وہ ان کی طرف بڑھ گئی۔ کلثوم آنکھیں سسٹے میں موجود لوگوں کو باہر نکالنا شروع کر دی۔ وہ سعید و اماں کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

"انہیں کیا ہوا ہے؟" اس نے بے تابی سے مریم سے پوچھا۔

اس نے جواب نہیں دیا۔ سعید و اماں کا چہرہ آنسوؤں سے بھیا ہوا تھا۔ وہ امامہ کو دیکھ رہی تھیں مگر اسے یوں لگا جیسے وہ اس وقت اسے دیکھ نہیں پا رہی تھیں۔ گلاس ہاتھ سے بناتے ہوئے انہوں نے اسے ساتھ لگا کر وہ باخروج کر دیا۔

گھر و خالی ہو چکا تھا۔ صرف ڈاکٹر سیٹھی کی بیٹی وہاں پر تھی۔

"کیا ہوا ہے اماں؟ مجھے بتائیں۔" امامہ نے انہیں نرمی سے خود سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

"قید نے اپنے گھر والوں کو بتائے بغیر گھر سے جا کر کسی اور کے ساتھ شادی کر لی ہے۔" مریم نے دم دم آواز میں کہا۔ "وہ لوگ کچھ دیر پہلے معذرت کرنے آئے تھے۔ وہ لوگ یہ رشتہ ختم کر گئے ہیں۔" چند منٹ تک وہ بالکل سادست رہی تھی۔ خون کی گردش، دل کی دھڑکن، جلتی ہوئی سانس، چند سیکنڈ زب بھر جیسے ٹوک گیا تھا۔

"کیا میرے ساتھ یہ بھی ہوا تھا؟" اس نے بے اختیار سوچا۔

"کوئی بات نہیں اماں! آپ کیوں رو رہی ہیں؟" اس نے بیانی سہولت سے سعید و اماں کے آنسو صاف کئے۔ سب کچھ ایک بار پھر بھائی ہو گیا تھا سو اس کی دھت کے وہ فی تھی۔

"آپ پریشان نہ ہوں۔" سعید و اماں کو اس کی باتوں پر اور رونا آیا۔

"سب میری وجہ سے ہوا ہے۔ میں..." امامہ نے انہیں بات مکمل کرنے نہیں دی۔

"اماں! چھوڑیں ناں۔ کوئی بات نہیں، آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ لیٹ جائیں۔ کچھ دیر آرام کر لیں۔" وہ انہیں پر سکون کر لے کی کوشش کر رہی تھی۔

"میں تمہارے دل کی حالت کو سمجھتی ہوں۔ میں تمہارے غم کو چاہتی ہوں۔ آمد امیری بیٹی مجھے حالہ کر دو۔ یہ سب میری وجہ سے ہی ہوا ہے؟" انہیں تسلی نہیں ہو پا رہی تھی۔

"مجھے کوئی غم نہیں ہے اماں! اگر فی تکلیف نہیں ہے۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے سعید و اماں سے کہا۔

سعید و اماں ایک دم روتے ہوئے اٹھ کر باہر نکل گئیں۔

امامہ کبھی سے کوئی بات کہے بغیر ایک بار پھر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ اس کے بل پر تمام چیزیں اسی طرح چڑی ہوئی تھیں۔ اس نے انہیں سینا شروع کر دیا۔ اس کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو اس وقت وہاں بیٹھی رو رہی ہوتی مگر وہ غیر معمولی طور پر پرسکون تھی۔

پاراس نے بڑے شوق سے اپنے ہاتھوں پر نقش و نگار بنائے تھے نہ صرف ہاتھوں پر بلکہ پیروں پر بھی۔ وہ اپنے پیروں کو دیکھتے تھے۔ مثال کو اپنے کردار پہنچتے ہوئے اس نے اپنے ہاتھوں اور بازوؤں کو اس کے نیچے پھپھایا۔

"اسجد سے جلال۔ جلال سے فہد۔ اور فہد سے سالار۔۔۔ ایک شخص کو میں نے روک دیا۔ وہ نے مجھے روک دیا اور چار تھا شخص جو میری زندگی میں شامل ہوا وہ سب سے بدترین ہے۔ سالار سکندر۔ اس کے اندر دو حواس ہمارے ہیں۔ وہ اپنے اسی خلیے کے ساتھ ان کے سامنے تھا۔ کھار بیان، گلے میں لٹکی ہوئی زنجیر، برہنہ میں بندھے بال، جھپٹی ہوئی تھنک آئینہ نظریں، وہ انہی کال پر مذاق اڑاتی مسکراہٹ کے ساتھ چلنے والے لاکھلوں، گھائیوں میں لٹکے جینز اور ریلیٹ، عورتوں کی تھوڑی سی والی گلف جینز۔ وہ جیسے اس کے زندگی کے سب سے خوب صورت خواب کی سب سے بھیاںک تصویر بن کر سامنے آیا تھا۔ اس کے دل میں سالار سکندر کے لئے اذہار اور عزت نہ تھی۔

"میں نے زندگی میں بہت سی غلطیاں کی ہیں مگر میں اتنی بدی نہیں ہوں کہ تمہارے جیسا بدنام میری زندگی میں آئے۔" اس نے کئی سال پہلے فون پر اس سے کہا تھا۔

"ٹھیکہ اسی لئے جلال نے بھی تم سے شادی نہیں کی کیونکہ ٹیک مردوں کے لئے ٹیک عورتیں ہوتی ہیں، تمہارے جیسی نہیں۔"

سالار نے جواب کیا تھا۔ امام نے اپنے ہونٹ جھنجھک لئے۔

"چاہے کچھ ہو جائے سالار! میں تمہارے ساتھ نہیں رہوں گی۔ تم واقعی مر جاتے تو زیادہ اچھا تھا۔" وہ بڑا ڈانٹا تھی۔

اس وقت ایک لمحے کے لئے بھی اسے خیال نہیں آیا تھا کہ سالار سکندر نے بھی اس پر کوئی احسان کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ڈاکٹر سید علی جس رات پاکستان واپس آئے تھے اس رات امام ان کے گھر پر ہی تھی عکرات کو اس نے ان سے سالار کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ مریم ابھی لاہور میں ہی تھی اس لئے وہ سب آجکی میں خوش گپیوں میں مصروف رہے۔

اگلے دن صبح بھی وہ سب اسی طرح اچھے بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ وہ امام کو ان تمام کے بارے میں بتاتے رہے جو وہ انٹرنیٹ سے امام اور سالار کے لئے لے کر آئے تھے۔ امام خاموشی سے سنتی رہی۔

"سالار بھائی کو تو آج اطلاع دی پر بلائیں۔" یہ مریم کی توجہ پر تھی۔

ڈاکٹر سید علی نے مریم کے کہنے پر سالار کو فون کیا۔ امام جب بھی خاموش رہی۔

وہ دوسرا پیر کو نماز پڑھنے کے لئے باہر جانے لگا تو امام ان کے ساتھ باہر پہنچ گئے۔

"ابو! مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔" اس نے دیر سے کہا۔

"ابھی؟" ڈاکٹر سید علی قدرے حیرانی سے بولے۔

"نہیں، آپ نماز پڑھ آئیں پھر وہاں پر۔"

وہ کچھ دیر بیٹھ بیٹھ سے اسے دیکھتے رہے اور پھر کچھ لمحے بغیر باہر چلے گئے۔

☆ ☆ ☆

"میں سالار سے ملائی تھا جانتی ہوں۔" وہ مسجد سے واپسی پر اپنے لئے کراچی اسٹریٹ میں آگئے تھے اور امام نے بلا کسی حسید یا توقف کے اپنا مطالبہ پیش کر دیا۔

"آمنہ! وہ دم بخود رہ گئے۔

"میں اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔" وہ مسلسل فرش پر غور رہی تھی۔

"آمنہ! آپ کے ساتھ اس کی دوسری شادی ضرور ہے لیکن اس کی پہلی بیوی کا کوئی بچہ نہیں ہے۔ فرکان ہمارا تھا کہ تقریباً نو سال سے ان دونوں میں کوئی رابطہ نہیں ہے اور شادی بھی نہیں، صرف نکاح ہوا تھا۔"

ڈاکٹر سید علی اس کے انکار کو پہلی شادی کے ساتھ جوڑ رہے تھے۔

"کون جانتا ہے وہ کہاں ہے، کہاں نہیں۔ نو سال بہت لمبا عرصہ ہوتا ہے۔"

"میں اس کی پہلی بیوی کو جانتی ہوں۔" اس نے اسی طرح سر جھکائے ہوئے کہا۔

"آپ؟" ڈاکٹر سید علی کو یقین نہیں آیا۔

"وہ میں ہوں۔" اس نے پہلی بار سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

وہ بولنے کے قابل نہیں رہے تھے۔

"آپ کو یاد ہے نو سال پہلے میں ایک لڑکے کے ساتھ اسلام آباد سے لاہور آئی تھی جس کے بارے میں آپ نے مجھے بعد میں بتایا تھا کہ میری پہلی نے اس کے خلاف ایک آئی آر روج کراوائی ہے۔"

"سالار سکندر۔۔۔۔۔ ڈاکٹر سید علی نے بے اختیار اس کی بات کالی۔

"یہ وہی سالار سکندر ہے؟" امام نے انہماک میں سر ہلایا۔ وہ جیسے شاک میں تھے۔ سالار سکندر سے ان کی فرکان کے توسط سے پہلی ملاقات امام کے گھر سے چلے آئے کے چار سال بعد ہوئی تھی اور ان کے ذہن میں بھی یہ نہیں آیا کہ اس سالار کا امام سے کوئی تعلق ہو سکتا تھا۔ چار سال پہلے سے چلنے والے ایک نام کو وہ چار سال بعد ملنے والے ایک دوسرے شخص کے ساتھ جھپٹ کر سکتے تھے اور اگر بھی دیتے اگر وہ چار سال پہلے امام سے ہی ملے مگر وہ جس شخص سے ملے تھے وہ حافظ قرآن تھا۔ اس

ہوں۔ میرے خدا۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر سیٹھ ملی اسے کہتے ہیں۔ اس کے ذہن میں ایک لٹرا برپا تھا۔

”آدم۔ بیٹا! باں کو۔“ سعید واماں نے اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھا۔
”سالار سکندر جیسے شخص کے لئے ہاں.....؟“

اس کا دل بھی نے اپنی ٹانگیں میں لے کر ہینچا۔ وہ ”ہاں“ کے علاوہ اس وقت کچھ اور کہہ نہ سکتی تھی۔ خوف اور شاک کے عالم میں اس نے کاغذات پر ہر حلقہ لگاتے تھے۔

”کاش کوئی مجھ کو۔ یہ وہ سالار سکندر ہے۔ یہ سب ایک اتفاق ہے۔“ اس نے اللہ سے دعا کی تھی۔
ان سب لوگوں کے کمرے جے پلے جانے کے بعد مریم نے اس کے پیچھے سے چار بنادی۔
اس کے پیچھے سے کارنگ بالکل فید ہو چکا تھا۔

”کیا ہو؟“ مریم کی تشویش میں اضافہ ہو گیا۔ وہ کچھ نہیں سکتی۔ وہ اس سے کیا کہہ رہی تھی۔ اس کا ذہن نہیں اور تھا۔

”مریم! Just do me a favour! اس نے مریم کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”میں نے انہیں کر لیا ہے۔ مگر میں آج رخصتی نہیں چاہتی۔ تم سعید واماں سے کہو کہ وہ آج میری رخصتی نہ کریں۔ پلیز۔“

مریم اس کا ہجرہ دیکھنے لگی۔

”کیوں؟“

”میں تم اس وقت مجھ سے کچھ نہ پوچھو، کچھ بھی نہیں۔ سعید واماں سے کہو میں ابھی رخصتی نہیں چاہتی۔“

اس کے لہجے میں کچھ نہ کچھ ایسا ضرور تھا کہ مریم آنسو کر باہر نکل گئی۔ وہ بہت جلد ہی واپس آگئی۔
”امامہ رخصتی نہیں ہو رہی ہے۔ سالار بھی رخصتی نہیں چاہتا۔“

امامہ کے ہاتھوں کی کینچا پٹت کچھ تم ہو گئی۔

”ابو کا خون آنے والا ہے تمہارے لئے۔ وہ تم سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں۔“

اس نے امامہ کو طرے اٹھا کر دیا۔ وہ خون منے کے لئے دوسرے کمرے میں آگئی۔ انہوں نے کچھ دیر بعد اسے فون کیا تھا۔ وہ اسے مبارکباد دے رہے تھے۔ امامہ کا دل رونے کو چاہا۔

”سالار بہت اچھا انسان ہے۔“ وہ کہہ رہے تھے۔ ”بھئی خواتین تھی کہ آپ کی شادی اسی سے ہو، مگر چونکہ آپ سعید واماں کے پاس رہ رہی تھیں اس لئے میں نے ان کی خواہش اور انتخاب کو مقدم سمجھا۔“

دوسرائے لئے تک کے قابل نہیں رہتی تھی۔

”مجھے یہ علم نہیں تھا کہ سالار نے اس سے پہلے کبھی شادی کی تھی مگر تجویزی دیر پہلے فرقان نے مجھے اس کے بارے میں بتایا ہے۔ وہ صرف ضرور نکالیا جائے والا کوئی نکاح تھا۔ فرقان نے مجھے تفصیل نہیں بتائی اور میں سمجھا ہوں کہ اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ میرے جیسے والوں میں سالار سے اچھا کوئی شخص ہو تا تو اس کے نکاح کے بارے میں جان لینے کے بعد میں آپ کی شادی سالار سے کرنے کے بجائے کہیں اور کر دیتا۔ لیکن میرے ذہن میں سالار کے علاوہ اور کوئی آیا ہی نہیں۔ آپ خاموشی کیوں ہیں آدم؟“

انہیں بات کرنے کو کہتے اس کا خیال آیا۔

”ابو! آپ واپس کب آئیں گے؟“

”میں ایک ہفتے تک آ رہا ہوں۔ ڈاکٹر سیٹھ ملی نے کہا۔“

”مجھے آپ سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔ مجھے آپ کو بہت کچھ بتانا ہے۔“

”آپ خوش نہیں ہیں؟“ ڈاکٹر سیٹھ ملی کو اس کے لہجے نے پریشان کیا۔

”آپ پائین آجائیں پھر میں آپ سے بات کروں گی۔“ اس نے سختی لہجے میں کہا۔

آدم

اور اس کو سونے سے پچھلے وضو کرنے کے لئے ہاتھ روم میں لئی۔ وضو کر کے واپس آتے ہوئے اپنے کمرے میں جانے کے بجائے وہ صحن میں برآمد ہوئی۔ کمرے میں اس وقت کوئی مہمان نہیں تھا۔ وہ دوسرے سعید واماں بیٹھ کی طرح تھا۔ سعید واماں تھکاوٹ کی وجہ سے بہت جلد سو گئیں۔ وہ سالار کے ساتھ کمرے میں موجود کام بناتی رہی۔ سالار سے دس بجے کے قریب حجاز بھی اپنا کام ختم کر کے جانے کے لئے چلی گئی۔ وہ شادی کے کاموں کی وجہ سے پچھلے کچھ دنوں سے وہیں وہاں ہی تھی۔ امامہ، لیکن اور اپنے کمرے کے بہت سے چھوٹے چھوٹے کام بناتی رہی۔

وہ جس وقت ان سب کاموں سے فارغ ہوئی اس وقت رات کے ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔ وہ بہت تھک چکی تھی مگر سونے سے پہلے وضو کرنے کے بعد صحن سے گزرتے ہوئے ایک دم ہی اس کا دل اپنے کمرے میں جانے کو نہیں چاہتا۔ وہ وہیں برآمد ہوئی بیٹھ گئی۔ صحن میں چلنے والی روشنیوں میں اس نے اپنے ہاتھوں اور کپڑوں پر کئی بوٹی مہندی کو دیکھا۔ مہندی بہت اچھی رہی تھی۔ اس کے ہاتھ کبھی تک صحن میں نہیں رہے تھے۔ اس نے کل بہت ساروں کے بعد پہلی بار پون شوق سے مہندی لگوائی تھی۔ اسے مہندی بہت پسند تھی۔ تیاران کے علاوہ بھی دوا کٹر اپنے ہاتھوں پر مہندی لگوا کر کئی تھی مگر سالار نے آٹھ سال پہلے اپنے کمرے سے نکلنے کے بعد اس نے کبھی مہندی نہیں لگائی تھی۔ غیر موسیٰ طور پر ان قیام چڑوں سے اس کی دلچسپی ختم ہو گئی تھی مگر سالار نے آٹھ سال کے بعد پہلی

کے اندازہ اخبار اور گفتار میں کہیں اس ذہنی مرض کا شکار نہیں پایا جاتا تھا جس کا حوالہ انھیں امام نے کئی بار دیا تھا۔ ان کا دھوکا کھانا تھا ایک فطری امر تھا پھر یہ سب اسی طرح سے "طے کیا گیا تھا۔"

"اور آپ نے کونسا پہلے اس سے شادی کی تھی؟" وہ اب بھی بے یقینی کا شکار تھے۔

"صرف نکاح۔" اس نے مدغم آواز میں کہا۔

"اور پھر ان نے انھیں سب کچھ بتا دیا۔ ڈاکٹر سیٹھ علی بہت دیر خاموش رہے تھے پھر انہوں نے ایک کمر اسانس لینے ہوئے کہا۔

"آپ کو کچھ پر اعتبار کرنا چاہئے تھا آمد! میں آپ کی مدد کر سکتا تھا۔"

امام کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں، مجھے آپ پر اعتبار کر لینا چاہئے تھا مگر اس وقت میرے لئے یہ بہت مشکل تھا۔ آپ کو اندازہ ہی نہیں ہے کہ میں اس وقت کس ذہنی کیفیت سے گزر رہی تھی یا پھر شاید میری قسمت میں یہ آزمائش بھی لکھی تھی اسے آگاہی تھا۔"

وہ بات کرتے کرتے ڈکی، پھر اس نے تم آنکھوں کے ساتھ سر اٹھا کر ڈاکٹر سیٹھ علی کو دیکھا اور منکرانے کی کوشش کی۔

"لیکن اب تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ اب تو آپ طلاق لینے میں ہی مدد کر سکتے ہیں۔"

"نہیں، میں اب اس طلاق میں کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ اور! میں نے اس سے آپ کی شادی کروائی ہے۔" انہوں نے جیسے اسے یاد دلایا۔

"اسی لئے تو میں آپ سے کہہ رہی ہوں۔ آپ اس سے مجھے طلاق دلا دیں۔"

"لیکن کیا میں کیوں اس سے آپ کو طلاق دلا دوں؟"

"کیونکہ... کیونکہ وہ ایک... اچھا آدمی نہیں ہے کیونکہ میں نے اپنی زندگی کو سالار جیسے آدمی کے ساتھ گزارنے کا نہیں سوچا۔ ہم دو مختلف دنیاؤں کے لوگ ہیں۔" وہ بے حد دلیرانہ بودہ تھی۔

"میں نے کبھی اللہ سے شکایت نہیں کی اور! میں نے کبھی اللہ سے شکایت نہیں کی مگر اس بار مجھے اللہ سے بہت شکایت ہے۔"

وہ کچھ کمر کچھ میں بولی۔

"میں اپنی محبت کرتی ہوں اللہ سے۔ اور وہ کبھی اللہ نے میرے ساتھ کیا کیا۔ میرے لئے دنیا کے سب سے برے آدمی کو چنا۔"

وہ اب رو رہی تھی۔

"لڑکیاں دیکھنا چاہتی ہیں... میں نے تو کچھ بھی نہیں مانگا، صرف ایک "صالح آدمی" مانگا تھا۔"

اس نے مجھے وہ تک نہیں دیا۔ کیا اللہ نے مجھے کسی صالح آدمی کے قاتل نہیں سمجھا۔" وہ بچوں کی طرح رو رہی تھی۔

"اما۔ اور صالح آدمی ہے۔"

"آپ کیوں اسے صالح آدمی کہتے ہیں؟ وہ صالح آدمی نہیں ہے۔ میں اس کو جانتی ہوں، میں اس کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔"

"میں بھی اس کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"آپ اس کو اتنا نہیں جانتے جتنا میں جانتی ہوں۔ وہ شراب پی پیتے، وہ نفسیاتی مریض ہے کئی بار خودکشی کی کوشش کر چکا ہے۔ گریبان کھلا جھڑک رہا ہے۔ عورت کو دیکھ کر نیکی نظر تک پٹی دکھتا نہیں ہے۔"

پھر پھر آپ کہتے ہیں وہ صالح آدمی ہے؟

"اما! میں اس کے ماضی کو نہیں جانتا، میں اس کے حال کو جانتا ہوں۔ وہ ان میں سے کچھ بھی نہیں کرتا جو آپ کہہ رہی ہیں۔"

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایسا کچھ نہیں کرتا۔ وہ جھوٹا اور مکار ہے۔ میں اس کو جانتی ہوں۔"

"وہ ایسا نہیں ہے۔"

"اور! وہ ایسا ہی ہے۔"

"تو سکتا ہے اسے واقعی آپ اسے محبت ہو۔ وہ آپ کی وجہ سے تبدیل ہو گیا ہو۔"

"مجھے ایسی محبت کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے اس کی فکر دوس سے گھن آتی ہے۔ مجھے اس کے کھلے گریبان سے گھن آتی ہے۔ میں ایسے کسی آدمی کی محبت نہیں چاہتی۔ وہ بدل نہیں سکتا۔ ایسے لوگ کبھی نہیں بدلتے۔ وہ صرف اپنے آپ کو چھپا لیتے ہیں۔"

"نہیں، سالار ایسا کچھ نہیں کر رہا۔"

"ابو! میں سالار جیسے کسی شخص کے ساتھ زندگی گزارنے کا سوچ ہی نہیں سکتی۔ وہ ہر چیز کا مذاق اڑاتا ہے۔ مذہب کا، زندگی کا، عورت کا... کیا ہے جسے وہ چنگیوں میں اڑاتا نہیں جانتا۔ جس شخص کے نزدیک میرا اپنے مذہب کو چھوڑ دینا ایک حماقت ہے، جس کے نزدیک مذہب نجاست کرنا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے جو صرف "What is next to ecstasy" کا مطلب جاننے کے لئے خود کشیاں

کر رہا پھر! میں اس کے نزدیک زندگی کا مفہوم صرف پیش ہے۔ وہ میرے ساتھ محبت کرے بھی تو کیا صرف محبت کی دنیا ہے؟ میں اس کے ساتھ زندگی گزار سکتی ہوں؟ میں نہیں گزار سکتی۔"

"سازھے! آٹھ سال سے وہ آپ کے ساتھ قائم رہنے والے اس اتفاق رہنے کو قائم رکھنے

ہوئے ہے۔ آپ کو آپ کے قہار سے نظریات اور عقائد کو جانتے ہوئے بھی اور وہ آپ کے انتظار میں

بھی ہے۔ یہ سوچتے ہوئے کہ آپ اس کے ساتھ رہنے پر تیار ہو جائیں گی۔ کیا ان ساری خواہشوں کے ساتھ اس نے اپنے اندر کچھ تبدیلی نہیں کی ہو گی؟

”میں نے اس کے ساتھ زندگی نہیں گزارنی۔ میں نے اس کے ساتھ نہیں رہا۔ وہ اب بھی اپنی بات پر مصر تھی۔“ مجھے حق ہے کہ میں اس شخص کے ساتھ نہ رہوں۔“

”لیکن اللہ یہ نہیں کر رہا ہے کہ اس شخص کو بار بار آپ کے سامنے لا رہا ہے۔ وہ دفعہ آپ کا علاج ہو اور وہ لوں دفعہ اسی آؤ گی۔“

وہ ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔

”میں نے زندگی میں ضرور کوئی گناہ کیا ہو گا، اس لئے میرے ساتھ ایسا ہو رہا ہے۔“ اس نے ہجرتی ہوئی آواز میں کہا۔

”آمین! آپ کبھی ضد نہیں کرتی تھیں پھر اب کیا ہو گیا ہے آپ کو؟“ ڈاکٹر سید علی حیدر ان تھے۔

”آپ مجھے مجبور کریں گے تو میں آپ کی بات مان لوں گی کیونکہ آپ کے مجھ پر اتنے احسانات

ہیں کہ میں تو آپ کی کبھی بات کو رد نہ کر رہی تھیں لیکن آپ اگر یہ کہیں گے کہ میں اپنی مرضی اور خوشی

کے ساتھ اس کے ساتھ زندگی گزاروں تو وہ میں کبھی نہیں کر سکن گی۔ مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ وہ

میرا تعلیم پاتا ہے، کتنے اچھے مہدے پر کام کر رہا ہے یا مجھے کیا دے سکتا ہے۔ آپ ایک ان پڑھ آدمی سے

شادی کر دیتے لیکن وہ اچھا انسان ہو تا تو میں کبھی آپ سے کوئی شکوہ نہیں کرتی لیکن سالار وہ آنکھوں

دیکھی کسی سے جس کو میں اپنی خوشی سے نہیں بھگ سکتی۔ آپ سالار کے بارے میں وہ جانتے ہیں، جو آپ

نے سنا ہے۔ میں اس کے بارے میں جو جانتی ہوں، وہ میں نے دیکھا ہے۔ ہم چند سال ایک دوسرے

کے ہمسائے رہے ہیں۔ آپ تو اس کو چند سالوں سے جانتے ہیں۔“

”آمین! میں آپ کو مجبور کبھی نہیں کروں گا۔ یہ رشتہ آپ اپنی خوشی سے قائم رکھنا چاہیں گی تو

لھیک ہے لیکن صرف میرے کہنے پر اسے قائم رکھنا چاہو تو ایسا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ

دو تین بار سالار سے مل لیں پھر بھی اگر آپ کا یہی مطالب ہو تو میں آپ کی بات مان لوں گا۔“

ڈاکٹر سید علی بے حد سنجیدہ تھے۔

اسی وقت ملازم نے آکر سالار کے آنے کی اطلاع دی۔ ڈاکٹر سید علی نے اپنی گھڑی پر ایک نظر

روڑائی اور ملازم سے کہا۔

”اے نہیں! اندر لے آؤ۔“

”یہاں؟“ ملازم حیران ہوا۔

”ہاں، یہیں پر۔“ ڈاکٹر سید علی نے کہا۔

امام اٹھ کر کمرے کی طرف گئی۔

”میں ابھی اس طرح اس سے بات نہیں کرنا چاہتی۔“

اس کا اشارہ اپنی متورم آنکھوں اور سرخ چہرے کی طرف تھا۔

”آپ نے ابھی تک اسے دیکھا نہیں ہے۔ آپ اسے دیکھ لیں۔“ انہوں نے مجھے لہجے میں اس

سے کہا۔

”یہاں نہیں، میں اندر کمرے میں سے اس کو دیکھ لوں گی۔“

وہ بات کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ کمرے کا دروازہ لودھ کھلا تھا۔ اس نے اسے بند نہیں کیا۔

کمرے میں تاریکی تھی۔ لودھ کھلے دروازے سے لاؤنج سے آنے والی روشنی اتنی کافی نہیں تھی کہ کمرے

کے اندر ابھی طرح سے دیکھا جاسکے۔ وہ اپنے بیڈ پر آکر بیٹھ گئی۔

اپنے بیڈ پر بیٹھ کر اس نے اپنی آنکھوں کو مسلا۔ وہ جہاں بیٹھی تھی وہاں سے وہ

لاؤنج کو بخوبی دیکھ سکتی تھی۔ نو سال کے بعد اس نے لودھ کھلے دروازے سے لاؤنج میں اس شخص کو

نمودار ہوتے دیکھا جسے وہ ایک عرصہ پہلے مراد سمجھ چکی تھی جس سے زیادہ غرت اور محنت سے کبھی

کسی سے محسوس نہیں ہوئی تھی جسے وہ بدترین لوگوں میں سے ایک سمجھتی تھی اور جس کے نکاح میں وہ پہلے

کئی سالوں سے تھی۔

تقدیر کیا اس کے علاوہ کسی اور چیز کو کہتے ہیں؟

اپنی آنکھوں میں آخری دھند کو اس نے انگلیوں کی پوروں سے صاف کیا۔ ڈاکٹر سید علی اس سے

کچھ غلط رہے تھے۔ اس کی پشت امام کی طرف تھی۔ اس نے سنا تھا کہ اسے پہلے ہاتھ میں پکڑے

ہوئے بچوں اور ایک بیکٹ سینئر ٹیبل پر رکھا تھا۔ بعد ازاں کے بعد وہ صوفے پر بیٹھ گیا اور جب پہلی بار امام

نے اس کا چہرہ دیکھا۔

کھلا کر بیان، کھلے ہیں غلطی زنجیریں، ہاتھوں میں نکلے بیٹے، اور بیٹے میں بندھے بالوں کی پٹی وہاں

ایسا کچھ نہیں تھا۔ وہ کریم گلر کے ایک سادو شلوار سوٹ پہ ڈاسک پہنچے ہوئے تھا۔

”ہاں غلطی طور پر بہت بدل گیا ہے۔“ اسے دیکھتے ہوئے اس نے سوچا۔ اسے دیکھ کر کوئی بھی

یقین نہیں کر سکتا کہ یہ کبھی..... اس کی سوچ کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ وہ اب ڈاکٹر سید علی سے باتیں کر رہا تھا۔

ڈاکٹر سید علی اسے شادی کی مبارکباد دے رہے تھے۔ وہ وہاں بیٹھی ان دونوں کی آواز میں باسالی سن رہی

تھی اور وہ ڈاکٹر سید علی کے انتظار پر انہیں امام کے ساتھ ہونے والے اپنے نکاح کے بارے میں

تیار تھا۔ وہ اپنے چچا سے کا اہتمام کر رہا تھا جس طرح اس نے چال کی شادی کے بارے میں اس سے

جھوٹ بولا۔ جس طرح اس نے طلاق کے بارے میں اس سے جھوٹ بولا۔

"جی اس کے بارے میں سوچتا ہوں تو مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ اتنی تکلیف کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتا۔ وہ میرے ذہن سے نکلتی ہی نہیں۔"

وہ دیکھتے دیکھتے اس کے ذہن میں ڈاکٹر سید علی کو بتا رہا تھا۔

"بہت عرصے تو میں ڈاکٹر سید علی کے ساتھ رہا۔ اس نے مجھ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے دعا مانگی تھی۔ یہ کہہ کر کہ میں ایک مسلمان ہوں۔ ختم نبوت پر یقین رکھنے والا مسلمان۔ میں دھوکا نہیں دے گا۔ اسے اور میری بہن کی انتہائی تکلیفیں کہ میں نے اسے دھوکا دیا۔ یہ جاننے کے باوجود کہ وہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر محبت کرتی ہے کہ سب کچھ چھوڑ کر گھر سے نکل آئی اور میں اس کا مذاق اڑاتا رہا۔ اسے بالکل سمجھا اور کہتا رہا۔ جس رات میں اسے لاہور چھوڑنے آیا تھا اس نے مجھ سے راستے میں کہا تھا کہ ایک دن مجھے ہر چیز کی سمجھ آ جائے گی، تب مجھے اپنی اوقات کا پتہ چل جائے گا۔"

وہ عجیب سے انداز میں ہنسا تھا۔

"اس نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ مجھے واقعی ہر چیز کی سمجھ آ گئی۔ اتنے سالوں میں، میں نے اللہ سے اپنی دعاؤں کو پتہ کی ہے کہ۔"

وہ بات کرتے کرتے رُک گیا۔ امام نے اسے سینئر نیکل کے شیشے کے کنارے پر اپنی انگلی بھیرتے دیکھا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ آنسو خطا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"بعض دہائی مجھے قلم تھا کہ شاید میری دعاؤں کو پتہ قبول ہو گئی۔" وہ ڈکا۔

"مگر اس دن۔ میں آمد کے ساتھ نکاح کے ساتھ اس پر دھنسا کر رہا تھا تو مجھے اپنی اوقات کا پتہ چل گیا۔ میری دعاؤں کو پتہ چک گیا۔ میں نے قبول نہیں ہوئی۔ ایسا ہو تا تو مجھے امام صلی اللہ علیہ وسلم سے خدائیں تو اللہ انسان کو وہ دے دیتا ہے کہ مجھوں کے علاوہ کوئی چیز جسے پورا کر ہی نہیں سکتی۔ میری خواہشیں دیکھیں میں نے اللہ سے کیا مانگا۔ ایک ایسی لڑکی جسے کسی اور سے محبت ہے، وہ تو مجھے افضل السالکین سمجھتی ہے، جسے میں نو سال سے ڈھونڈ رہا ہوں مگر اس کا کچھ پتہ نہیں ہے۔"

اور میں۔ میں خواہش لئے پھر رہا ہوں اس کے ساتھ اپنی زندگی گزارنے کی۔ یوں جیسے وہ مل ہی جائے گی، یوں جیسے وہ مل گئی تو میرے ساتھ رہنے کو چاہتی ہو جائے گی، یوں جیسے وہ جلال و انور کو ہلا چکی ہو گی۔ ویوں جتنی اور ویوں جتنی عبادت کرتا تو شاید اللہ میرے لئے یہ معجزہ کر دیتا ہے میرے جیسے آدمی کے لئے۔ میری اوقات تو یہ ہے کہ لوگ خانہ کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر بخشش مانگتے ہیں۔ میں وہاں کھڑا ہو کر بھی اسے شایع کرتا رہا۔ شاید اللہ کو یہی برا لگے۔"

امام کے جسم سے ایک کرنٹ گزرا تھا۔ ایک بھرا کے کی طرح وہ خواب اسے یاد آیا تھا۔

"میرے بھائی! اس نے اپنے دونوں ہاتھ۔ منہ پر رکھ لئے۔ وہ بے چینی سے سالار کو دیکھ رہی

تھی۔ وہ خواب میں اس شخص کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ کیا وہ یہ شخص تھا، یہ جو میرے سامنے بیٹھا ہے۔ یہ آدمی۔۔۔" اس نے تب خواب میں اس آدمی کو جلال سمجھا تھا مگر اسے یاد آیا تھا جلال دراز قد نہیں تھا، وہ آدمی دراز قد تھا۔ سالار سکندر دراز قد تھا۔ اس کے ہاتھ کاٹنے لگے تھے۔ جلال کی رنگت گندمی تھی۔ اس آدمی کی رنگت صاف تھی۔ سالار سکندر کی رنگت صاف تھی۔ اس نے خواب میں اس آدمی کے کندھے پر ایک تیسری چیز دیکھی تھی۔ وہ تیسری چیز؟

اس نے کانپنے ہاتھوں سے اپنے چہرے کو مکمل طور پر ڈھانپ لیا۔

وہ معجزوں کے نہ ہونے کی باتیں کر رہا تھا اور۔۔۔ اللہ ڈاکٹر سید علی خاموش تھے۔ وہ کیوں خاموش تھے۔ یہ صرف وہ اور امام جانتے تھے، سالار سکندر نہیں۔ امام نے اپنی آنکھیں مگڑیں اور چہرے سے ہاتھ ہٹا دیے۔ اس نے ایک بار پھر پتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ اس شخص کو دیکھا۔

نہ دوہوئی تھا۔ وہ دراصل۔۔۔ صرف بچے دل سے تو پتہ کرنے والا ایک شخص تھا۔ اسے دیکھتے ہوئے اسے پہلی بار احساس ہوا کہ جلال اور اس کے درمیان کیا چیز آکر کھڑی ہو گئی تھی جس نے اسے سالوں میں جلال کے لئے اس کی ایک بھی دعا قبول نہیں ہونے دی۔ کون سی چیز آخری وقت میں فہم کی جگہ اس کو لے آئی تھی۔

اس شخص میں کوئی نہ کوئی بات تو ایسی ہو گی کہ اس کی دعائیں قبول ہو گئیں۔ یہ ہی نہیں۔ ہر بار مجھے پتا کہ اسی کی طرف بھیجا گیا۔

اس نے ہم آہنگیوں کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے سوچا۔ اس نے ڈاکٹر سید علی کو اسے صالح آدمی کہتے سنا۔ وہ جانتی تھی وہ بات کس کے لئے کہہ رہے تھے۔ وہ سالار کو نہیں بتا رہے تھے۔ وہ امام کو بتا رہے تھے۔ وہ اسے صالح قرار دے رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اب اسے صالح ماننے پر مجبور تھی۔

اس کے پاس جو کوئی تھی وہ دنیا کی ہر گواہی سے بڑھ کر تھی۔ اس کے پاس جو ثبوت تھا اس کے بعد اللہ کسی ثبوت کی ضرورت نہیں نہ سمجھتا تھا۔ اسے کیا "پتا" دیا گیا تھا اسے کیا "چکا" دیا گیا تھا۔ وہ جانتی تھی۔۔۔ صرف وہی جان سکتی تھی۔

اطہاری کے بعد سالار اور ڈاکٹر سید علی نماز پڑھنے کے لئے چلے گئے۔

وہ دن تھا کہ وہ کچن میں چلی آئی۔ ان کے آنے سے پہلے اس نے ملازم کے ساتھ مل کر کھانا کھا دیا تھا۔ سالار کی وہ اپنی کھانے کے بعد ہوئی تھی اور اس کے جانے کے بعد ڈاکٹر سید علی جس وقت کھانا میں آئے اس وقت امام۔ کچن کی میز پر بیٹھی کھانا کھا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں اب بھی عوام تھیں مگر اس کا چہرہ بالکل سکون تھا۔

"میں نے سالار کو آپ کے بارے میں نہیں بتایا لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ اب جلد از جلد اس

سے مل کر بات کر لیں۔"

ڈاکٹر سید علی نے اس سے کہا۔

"مجھے اس سے کوئی بات نہیں کرنی۔" وہ پانی پیتے ہوئے رک گئی۔ "اے اللہ نے میرے لئے منتخب کیا ہے اور میں اللہ کے انتخاب کو رد کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔ اس نے کہا ہے کہ وہ توبہ کر چکا ہے وہ نہ بھی کرتا دیکھائی ہو تا جیسا پہلے تھا تب بھی میں اس کے پاس چلی جاتی اگر میں جان لیتی کہ اسے اللہ نے میرے لئے منتخب کیا ہے۔"

دوبارہ بارہ پانی پی رہی تھی۔ "آپ اس سے کہیں مجھے لے جائے۔"

☆.....☆.....☆

سالار جس وقت مغرب کی نماز پڑھ کر آیا تب تک امامہ فرحان کی بیوی کے ساتھ کھانے کی میز لگا چکی تھی۔ فرحان اور سالار کی عدم موجودگی میں اس بار آمد و صرا کر کے اس کے ساتھ کام کرنے لگی تھی۔

سالار کے آنے پر وہ اپنے فلیٹ جانے کے لئے تیار ہو گئی۔ سالار اور امامہ نے اسے روک دیکھ کر کوشش کی تھی۔

"نہیں مجھے بچوں کے ساتھ کھانا کھانا ہے۔ وہ بے چارے انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"آپ انہیں بھی نہیں بلوائیں۔" سالار نے کہا۔

"نہیں بھئی، میں اس قسم کی فضول حرکت نہیں کر سکتی۔ امامہ تو پھر نہیں چاہے یہاں سے جانے کا نام ہی نہیں لے گی۔" نوشین نے اپنی بیٹی کا نام لیا۔

"سالار بڑا بیکار کرنا ہے امامہ کے ساتھ۔"

فرحان کی بیوی نے امامہ سے کہا۔ ایک لمحے کے لئے سالار اور امامہ کی نظریں ملیں پھر سالار برقی رفتار سے مڑ کر ٹھیل پر پڑے گلاس میں جگ سے پانی اٹھ لیتے دکھائی دیں۔ نوشین نے حیرانی سے امامہ کے سرخ ہوتے ہوئے چہرے کو دیکھا مگر وہ سمجھ نہیں پائیں۔

"تم لوگ کھانا کھاؤ۔ سہری بھی میں ملازم کے ہاتھ بھجوا دوں گی۔ تم لوگ کچھ تیار مت کرنا۔"

ان کے جانے کے بعد سالار دروازہ بند کر کے واپس آ گیا۔ امامہ کو مخاطب کئے بغیر وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا لیکن اس نے کھانا شروع نہیں کیا۔

امامہ چند لمحے گھڑی کچھ سوچتی رہی پھر خود بھی ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ اس کے بیٹھ جانے کے بعد سالار نے اپنے سامنے بڑی پلیٹ میں چاول نکالنا شروع کئے۔ کچھ چاول نکال لینے کے بعد اس نے دائیں ہاتھ سے چاولوں کا ایک بچہ منہ میں ڈالا۔ چند لمحوں کے لئے امامہ کی نظر اس کے دائیں ہاتھ سے

ہوتی ہوئی اس کے چہرے پر گئی۔ سالار اس کی طرف متوجہ نہیں تھا مگر وہ جانتا تھا وہ کیا دیکھ رہی تھی۔ کھانا بہت خاموشی سے کھایا گیا۔ امامہ کو اس کی خاموشی اب ہر ہی طرح چھینے لگی تھی۔ آخر وہ اس سے بات کیوں نہیں کر رہا تھا؟

"کیا مجھے دیکھ کر اتنا شاک لگا ہے اسے؟" پھر؟

اسے اپنی بھوک غائب ہوئی محسوس ہوئی۔ اسے اپنی پلیٹ میں موجود کھانا ختم کرنا مشکل لگنے لگا۔ سالار اس کے برعکس بہت اطمینان اور تیز رفتاری سے کھانا کھا رہا تھا۔ اس نے جس وقت کھانا ختم کیا، اس وقت عشاء کی آواز سنائی دی۔

امامہ کے کھانا ختم کرنے کا انتظار کئے بغیر وہ میز سے اٹھ کر اپنے پیڑروم میں چلا گیا۔ امامہ نے اپنی پلیٹ پیچھے سرکا دی۔

وہ میز پر پڑے برتن سینٹے لگی جب اس نے سالار کو تبدیل شدہ لباس میں پر آمد ہوتے دیکھا۔ ایک بار پھر اسے مخاطب کئے بغیر وہ فلیٹ سے نکل گیا تھا۔ امامہ نے بچے ہوئے کھانے کو فریج میں رکھ دیا۔ برتنوں کو منگ میں رکھنے کے بعد اس نے میز صاف کی اور خود بھی نماز پڑھنے چلی گئی۔

☆.....☆.....☆

وہ عشاء کی نماز کے بعد جس وقت واپس لوٹا اس وقت وہ کچن میں برتن دھونے میں مصروف تھی۔ سالار اپنے پاس موجود چٹائی سے فلیٹ کا دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ سالار لاؤنج کے گزرتے ہوئے ڈک گیا۔ کچن کے دروازے کی طرف امامہ کی پشت تھی اور وہ منگ کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کا دوپٹہ لاؤنج کے صوفے پر پڑا ہوا تھا۔

سالار نے پہلی بار اسے سعیدہ اماں کے پاس کچھ کہنے پہلے دوپٹے کے بغیر دیکھا تھا اور اب وہ ایک بار پھر اسے دوپٹے کے بغیر دیکھ رہا تھا۔

نو سال پہلے وضو کرتے دیکھتے ہوئے اسے پہلی بار امامہ کو اس چادر کے بغیر دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی تھی جو وہ اوڑھے رکھتی تھی۔ نو سال بعد اس کی خواہش پوری ہو گئی تھی۔ اس نے نو سال میں کئی بار اسے اپنے کمر میں "محسوس" کیا تھا مگر آج جب وہ اسے وہاں "دیکھ" رہا تھا تو وہ دم بخود تھا۔ اس کے سیاہ بال اُسٹیلے اُجالے انداز میں جوڑے کی شکل میں اپنے گھٹے تھے اور سفید سوئیٹر کی پشت پر وہ یک دم بہت نمایاں ہو گئے تھے۔

نکاح نامے پر آمد میں ولہ ہاشم مبین احمد کو اپنی بیوی کے طور پر تسلیم کرنے کا اقرار کرتے ہوئے اس کے ذہن میں ایک لمحے کے لئے بھی کوئی شک پیدا نہیں ہوا تھا وہی ہاشم مبین احمد کے نام نے اسے چونکا دیا تھا۔ وہ سعیدہ اماں کی "بیٹی" سے شادی کر رہا تھا۔ اس کا نام امامہ ہاشم بھی ہو تا تب بھی اس کے

ہم، گمان میں بھی یہ بھی نہیں آتا کہ یہ وہی امام تھی، کوئی اور نہیں اور اسے سعیدہ ماں کے گمن میں کھڑا دیکھ کر اسے ایک لمحہ کے لئے بھی غصہ نہیں رہا تھا کہ اس کا کائنات کس سے ہوا تھا۔

☆.....☆.....☆

”ضمیمہ ہائے امام انوسال میں کتنے دن، کتنے گھنٹے، کتنے منٹ ہوتے ہیں؟“
خاموشی نے غبی تھی۔ اس کی آواز میں جسم کو ہلکا دینے والی خشک تھی۔ امام نے ہونٹ پیچھے ہٹے اور اس کے سینے سے نکلا ہوا۔ اس نے مڑنے کی کوشش نہیں کی۔
وہ اپنی گردن کی پشت پر اس کے سانس لینے کی مدد میں آواز سن رہی تھی۔ وہ اب اس کے خواب کا منتظر تھا۔ اس کے پاس خواب نہیں تھا۔ سب کے کناروں پر ہاتھ بٹاتے وہ غبی سے کرتے ہوئے چند آخری فکروں کو دیکھتی رہی۔

”کیا ان سالوں میں ایک بار بھی تم نے میرے بارے میں سوچا؟ سالار کے بارے میں؟“

اس کے سوالیہ مشکلی ہوتے جا رہے تھے۔ وہ ایک بار پھر چپ رہی۔

”What is next to custody?“ (خواب کا انتظار کئے بغیر کہہ رہا تھا۔

”تم نے کہا custody تم نے لیک کہا تھا۔“

وہ ایک لمحہ کے لئے رکا۔

”میں یہاں اس گھر میں ہر جگہ تمہیں اتنی بار دیکھ چکا ہوں کہ اب تم میرے سامنے ہو تو مجھے نہیں نہیں آتا۔“

امام نے سب کے کناروں کو اور مضبوطی سے جھام لیا۔ ہاتھوں کی کپکپاہٹ کو روکنے کے لئے وہ اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

”مجھے لگتا ہے، میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ آنکھیں کھولوں گا تو۔“

وہ رکا۔ امام نے آنکھیں بند کر لیں۔

”تو سب کچھ سوچا، بس تم نہیں ہو گی۔ آنکھیں بند کروں گا تو۔“

امام نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کے کال ہیک رہے تھے۔

”تو بھی اس خواب میں دوبارہ نہیں جاؤں گا۔ تم وہاں بھی نہیں ہو گی، مجھے تمہیں باجھ لگاتے ڈر لگتا ہے۔ ہاتھ بڑھاؤں گا تو سب کچھ تحلیل ہو جائے گا جیسے پانی میں نظر آنے والا گیس۔“

وہ اس کے اٹنے قریب تھا کہ ذرا ہلکا تو اس کے ہونٹ اس کے بالوں کو چھو جاتے مگر وہ اسے چھو نہیں چاہتا تھا۔

”اور تم ہو کون امام۔؟ آمت۔؟ میرا وہم۔؟ کیا پھر کوئی مجھ کو؟“

”کیا میں تمہیں یہ بتاؤں کہ مجھے۔۔۔ مجھے تم سے۔۔۔“

وہ کچھ کہتے کہتے رکا گیا۔ امام کی آنکھوں سے نکلنے والا پانی اس کے چہرے کو بھگوتا ہوا اس کی غمزدگی سے ٹپک رہا تھا۔ وہ کیوں نہ تھا وہ نہیں جانتی تھی کہ اسے زندگی میں کبھی خاموشی اتنی بڑی نہیں لگی تھی جتنی اس وقت لگی تھی۔ وہ بہت دیر خاموش رہا اتنی دیر کہ وہ اسے پلٹ کر دیکھنے پر مجبور ہو گئی اور جب اسے پتا چلا وہ کیوں خاموش ہو گیا تھا۔ اس کا چہرہ ابھی بچکا ہوا تھا۔

دو دنوں زندگی میں پہلی بار ایک دوسرے کو اتنے قریب سے دیکھ رہے تھے۔ اتنے قریب سے کہ وہ ایک دوسرے کی آنکھوں میں نظر آنے والے اپنے آپ کو بھی دیکھ سکتے تھے پھر سالار نے اس سے نظریں پھرانے کی کوشش کی تھی۔

وہ اپنے ہاتھ سے اپنے چہرے کو صاف کر رہا تھا۔

”تم مجھ سے اور میں تم سے کیا چھپائیں گے سالار۔۔۔ اسب کچھ تو جانتے ہیں ایک دوسرے کے بارے میں۔“

امام نے مدھم آواز میں کہا، سالار نے ہاتھ روک کر ہر اٹھایا۔

”میں کچھ نہیں چھپا رہا۔ میں آنسوؤں کو صاف کر رہا ہوں تاکہ تمہیں ابھی طرح دیکھ سکوں۔ تم پھر کسی وجہ میں لپٹی ہوئی نظریں آؤ۔“

وہ اس کے کان کی گون میں نکلنے والے فن سونچوں کو دیکھ رہا تھا، جنہیں اس نے بہت سال پہلے بھی دیکھا تھا۔ فرق صرف یہ تھا آج وہ بہت قریب تھے۔ ایک بار ان سونچوں نے اسے بہت زلا پائی تھا۔ وہ موتی آج بھی رارہ ہے تھے، اپنے ہر ہلکے کے ساتھ وہم سے جنٹش۔۔۔ جنٹش سے وہم بنتے ہوئے۔ وہ اپنے کانوں کی لوؤں پر اس کی کویت محسوس کر رہی تھی۔

”میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میں کبھی تمہارے اٹنے قریب کھڑے ہو کر تم سے بات کر رہا ہوں گا۔“

وہ مسکرایا تھا لیکن تم آنکھوں کے ساتھ۔۔۔ امام نے اس کے دائیں کال میں چند لمحوں کے لئے ہاتھ پھرنے والا گڑھا رکھا۔ مسکراتے ہوئے اس کے صرف ایک کال میں اکیل پڑنا تھا، دائیں کال میں اور نو سال پہلے امام کو اس ڈیپل سے بھی بڑی جھنجھلاہٹ ہوتی تھی۔ نو سال کے بعد اس ڈیپل نے پہلی بار عجیب سے انداز میں اسے اپنی طرف کھینچا تھا۔

”میں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ میں کبھی تمہارے کان میں موجود دائرہ رنگ کو ہاتھ لگاؤں گا۔“

تم۔۔۔

وہ اب اس کے دائیں کان میں ہلکورے لیتے ہوئے موتی کو اپنا انگلیوں کی چوروں سے روک رہا تھا۔
”اور تم..... تم مجھے ایک تھپڑ نہیں تھپڑ مارو گی۔“

امامہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ سالار کے چہرے پر کوئی مسکراہٹ نہیں تھی۔ اگلے لمحے وہ نیلے چہرے کے ساتھ بے اختیار ہنسی تھی۔ اس کا چہرہ صرخ ہوا تھا۔

”تمہیں ابھی بھی وہ تھپڑ یاد ہے۔ وہ ایک reflex action تھا اور کچھ نہیں۔“

امامہ نے ہاتھ کی پشت سے اپنے بچکے ہوئے گالوں کو صاف کیا۔ وہ ایک بار پھر مسکرایا۔ ”میں ایک بار پھر نمودار ہوا۔ اس نے بہت آہستگی سے اپنے دونوں ہاتھوں میں اس کے ہاتھ قلم لئے۔“

”تم جانتا چاہتے ہو کہ میں اسے سال کہاں رہی، کیا کرتی رہی، میرے بارے میں سب کچھ؟“

وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر رکھ رہا تھا۔

”میں کچھ جانتا نہیں چاہتا، کچھ بھی نہیں۔ تمہارے لئے اب میرے پاس کوئی اور سوال نہیں ہے۔ میرے لئے کافی ہے کہ تم میرے سامنے کھڑی ہو، میرے سامنے تو ہو۔ میرے جیسا آدمی کسی سے کیا تحقیق کرے گا۔“

امامہ کے ہاتھ سالار کے سینے پر اس کے ہاتھوں کے نیچے دبے تھے۔ پانی نے اس کے ہاتھوں کو سرد کر دیا تھا۔ وہ جانتی تھی وہ کیوں اس کے ہاتھ اپنے سینے پر رکھے ہوئے تھا۔ لاشعوری طور پر وہ اس کے ہاتھوں کی خشک شکم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بالکل اسی طرح جس طرح کوئی بڑا کسی بچے کے سر ہاتھوں میں حرارت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اس کے سینے پر ہاتھ رکھے وہ سوئزر کے نیچے سے اس کے دل کی دھڑکن کو محسوس کر سکتی تھی۔ وہ بے ترتیب تھی۔ بھڑ..... پر جوش..... کچھ گنتی ہوئی..... کچھ کہنے کی کوشش کرتی ہوئی..... اس کے سینے پر ہاتھ رکھے وہ اس وقت اس کے دل تک پہنچی ہوئی تھی، اسے شب نہیں تھا۔

وہ شخص اس سے محبت کرتا تھا، کیوں کرتا تھا؟ اس کا جواب سامنے کھڑا ہوا شخص بھی نہیں دے سکتا تھا۔ اس نے اس شخص سے یہ سوال کیا بھی نہیں تھا۔ سالار کی آنکھیں پر سکون انداز میں بند تھیں نہ بھی ہو تھیں تب بھی ان آنکھوں کو دیکھتے ہوئے اب اسے کوئی آنکھیں نہیں ہو رہی تھی۔ ان آنکھوں میں جو کچھ نو سال پہلے تھا اب نہیں تھا۔ جواب تھا وہ نو سال پہلے نہیں تھا۔

”ہم کیا ہیں، ہماری محبتیں کیا ہیں، کیا پاتے ہیں۔“

اس کی آنکھوں میں ایک بار پھر نمی اترنے لگی تھی۔

”جلال اللہ..... اور سالار سکندر..... خواب سے حقیقت..... اور حقیقت سے خواب..... زندگی

کیا اس کے سوا اور کچھ ہے؟“

امامہ نے آہستگی سے اپنے ہاتھ کھینچے۔ سالار نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کی آنکھوں میں ایک ٹاپے کے لئے ابھرنے والے تار کو صرف وہی پہچان سکتی تھی۔

پریشانی، اضطراب، خوف..... تینوں میں سے کچھ تھا۔ امامہ نے ایک نظر اس کے چہرے کو دیکھا پھر سیاہ سوئزر کے گلے سے باہر نکلے ہوئے سفید کالرڈ کو دیکھا۔ کچھ کہے بغیر بہت نرمی کے ساتھ اس کی گردن کے گرد بازو جمائل کرتے ہوئے اس نے سالار کے سینے پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس نے پہلی بار سالار کے گالوں کی ہلکی سی مہک کو محسوس کیا۔ نو سال پہلے وہ بہت جبر قسم کے پریلوڈ استعمال کرتا تھا۔ نو سال بعد.....

سالار بالکل سانسگت تھا۔ یوں جیسے اسے یقین نہیں آیا ہو۔ چھ لمحوں کے بعد اس نے بڑی نرمی کے ساتھ امامہ کے گرد اپنے بازو بچھائے۔

”I am honoured“ (یہ میرے لئے اعزاز ہے)۔

امامہ نے اسے مدغم آواز میں کہتے سنا۔ وہ اس کی بند آنکھوں کو نرمی سے چوم رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ سالار کے ساتھ خانہ کعبہ کے صحن میں بیٹھی ہوئی تھی۔ سالار اس کے دائیں جانب تھا۔ وہ وہاں ان کی آخری رات تھی۔ وہ پچھلے پندرہ دن سے وہاں تھے۔ کچھ دیر پہلے انہوں نے تہجد ادا کی تھی۔ وہ تہجد کے نوافل کے بعد وہاں سے چلے جایا کرتے تھے۔ آج نہیں گئے، آج وہیں بیٹھے رہے۔ ان کے اور خانہ کعبہ کے دروازے کے درمیان بہت لوگ تھے اور بہت فاصلہ تھا۔ اس کے باوجود وہ دونوں جہاں بیٹھے تھے وہاں سے وہ خانہ کعبہ کے دروازے کو بہت آسانی سے دیکھ سکتے تھے۔

وہاں بیٹھتے وقت ان دونوں کے ذہن میں ایک ہی خواب تھا۔ وہ اس رات کو اب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ حرم پاک کے فرش پر اس جگہ ٹھٹھوں کے بل بیٹھے ہوئے سالار سورگوار میں کی تلاوت کر رہا تھا۔ امامہ جان بوجھ کر اس کے برابر میں بیٹھنے کی بجائے بائیں جانب اس کے عقب میں بیٹھ گئی۔ سالار نے تلاوت کرتے ہوئے گردن موڑ کر اسے دیکھا پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر آہستگی سے اپنے برابر والی جگہ کی طرف اشارہ کیا۔ امامہ اٹھ کر اس کے برابر بیٹھ گئی۔ سالار نے اس کا ہاتھ چھو ڈیا۔ وہ اب خانہ کعبہ کے دروازے پر نظر جمائے ہوئے تھا۔

وہ اب بھی خانہ کعبہ کو دیکھنے لگی۔ وہ خانہ کعبہ کو دیکھتے ہوئے اس غرض المان آواز کو سنتی رہی جو اس کے شوہر کی تھی۔ ”ایہا الامامہ دیکھا دیکھا ہاں۔“

اور تم اپنے پڑ پڑ کو گار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

”تم جبر کچھ کر رہی ہو امامہ! تم اس پر بہت مہچھتاؤ گی۔ تمہارے ہاتھ کچھ بھی نہیں آتے گا۔“

لو سال پہلے ہاشم یمن نے اس کے چہرے پر تھپڑ مارتے ہوئے کہا تھا۔

"ساری دنیا کی اہل سنت اور رسوائی میدان میں اور بھوک تہوار مقصد رہی چاہئے گی۔"

انہوں نے اس کے چہرے پر ایک اور تھپڑ مارا۔

"تہوار سے بھی لڑکیوں کو اٹھانے اور دھوا کر تباہ ہے۔ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔"

امام کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"ایک وقت آئے گا جب تم دوبارہ ہماری طرف لوٹو گی۔ منت ساجت کرو گی۔ لڑکھائی نہ ہو گی۔"

ہم تمہیں دھکا دیں گے۔ جب تم جیج جیج کر اپنے منہ سے اپنے گلا کی بجائی باگھو گی۔ کوئی کہ میں غلام تھا۔"

امام اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میری خواہش ہے بابا! اس نے زبردست کہا۔" لڑکی میں ایک بار میں آپ کے سامنے

آؤں اور آپ کو بتا دوں کہ دیکھ لیجئے، میرے چہرے پر کوئی اہل سنت اور رسوائی نہیں ہے۔ میرے اٹھ

اور میرے ہاتھ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری حفاظت کی۔ مجھے دنیا کے لئے نشانہ نہیں بنانا تھا۔ دنیا

میں بنایا ہے نہ ہی آخرت میں میں کسی رسوائی کا سامنا کروں گی اور میں آج اگر یہاں موجود ہوں تو

صرف اس لئے کہ یہ لوگ میں سیدھے راستے پر ہوں اور یہاں بیٹھ کر میں ایک بار پھر اقرار کرتی ہوں کہ میں

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے آخری رسول ہیں۔ انا کے بعد کوئی پیغمبر آیا ہے نہ ہی کبھی آئے گا۔ میں

اقرار کرتی ہوں کہ دینی پیر کامل ہیں۔ میں اقرار کرتی ہوں کہ ان سے کائنات میں انسان دوسرا کوئی نہیں۔

ان کی نسل میں بھی کوئی ان کے برابر آیا ہے نہ ہی کبھی آئے گا اور میں اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ وہ مجھے

آئے والی زندگی میں بھی بھی اپنے ساتھ شریک کر دے۔ میں اللہ کے آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے برابر کسی کو لا کھڑا کرنے کی جرأت ہو۔ میں دعا کرتی ہوں کہ اللہ زندگی میرے سیدھے سیدھے راستے پر

رکھے۔ بے شک میں اس کی کسی نعمت کو نہیں چھوڑ سکتی۔"

سالار نے سورہ رحمن کی تلاوت تم کر لی تھی۔ چند لمحوں کے لئے وہ دکھا کر میرے من چلا گیا۔

مجھ سے اتنے کے بعد وہ کھڑا ہوتے ہوئے لڑک گیا۔ امام آنکھیں بند کئے دونوں ہاتھ پھیلائے دعا

کر رہی تھی۔ وہ اس کی دعا ختم ہونے کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ امام نے دعا ختم کی۔

سالار نے اٹھنا چاہا۔ وہ اٹھ نہیں سکا۔ امام نے بہت نرمی کے ساتھ اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ

خیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

"یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ تاکہ جس سے محبت ہوئی وہ نہیں ملا۔ ایسا ہوتا ہے؟"

راستہ کے اس چھپنے پر نرمی سے اس کا ہاتھ تھامے وہ بھگی آنکھوں اور مسکراتے چہرے کے

ساتھ کہہ رہی تھی۔

"محبت میں صدق نہ ہو تو محبت نہیں ملتی۔ نو سال پہلے میں نے جب جلال سے محبت کی تو پھر

صدق کے ساتھ کی۔ دعائیں مانگتے، نہیں کیا تھا جو میں نے نہیں کر چھوڑا مگر وہ مجھے نہیں ملا۔"

وہ جھٹکوں کے بل بیٹھی ہوئی تھی۔ سالار کا ہاتھ اس کے ہاتھ کی نرم گرفت میں اس کے گلے پر

دھر رہا تھا۔

"پتا ہے کیوں؟ کیونکہ اس وقت تم بھی مجھ سے محبت کر لے گئے تھے اور تمہاری محبت میں میری

محبت سے زیادہ صدق تھا۔"

سالار نے اپنے ہاتھ کو دیکھا۔ اس کی ٹھوڑی سے چھپنے والے آنسو اب اس کے ہاتھ پر گر رہے

تھے۔ سالار نے دوبارہ امام کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"مجھے اب لگتا ہے کہ اللہ نے مجھے بہت پیار سے بنایا تھا۔ وہ مجھے کسی اپنے شخص کو سوچنے پر تیار نہیں

تھا جو میری نافرمانی کرتا۔ مجھے خالص کرنا اور جلال اور میرے ساتھ سب کچھ کرتا۔ وہ میری قدر سمجھ

تا کرتا۔ نو سال میں اللہ نے مجھے ہر حقیقت بتا دی۔ ہر شخص کا اندر اور باہر دکھا دیا اور پھر اس نے مجھے

سالار سکھایا کہ میں کیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ تم وہ شخص ہو جس کی محبت میں صدق ہے۔ تمہارے علاوہ اور

کون تھا جو مجھے یہاں لے آتا۔ تم نے ٹھیک کہا تھا تم نے مجھ سے بات محبت کی تھی۔"

وہ بے حس و حرکت اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اب اس کے ہاتھ کو نرمی سے چومتے ہوئے باری بارہی

اپنی آنکھوں سے نکال رہی تھی۔

"مجھے تم سے کتنی محبت ہو گی، میں نہیں جانتی۔ دل پر میرا اختیار نہیں ہے مگر میں جتنی زندگی

تمہارے ساتھ گزاروں گی تمہاری وفادار اور فرمانبردار رہوں گی۔ یہ میرے اختیار میں ہے۔ میں

زندگی کے ہر مشکل مرحلے پر آزمائش میں تمہارے ساتھ رہوں گی۔ میں اچھے دنوں میں تمہاری

زندگی میں آئی ہوں۔ میں ہر دن دنوں میں بھی تمہیں اٹھائیں چھوڑوں گی اس نے جتنی نرمی سے اس کا

ہاتھ پکڑا تھا اسی نرمی سے چھوڑ دیا۔ وہ اب سر جھکا کے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کو صاف کر رہی تھی۔

سالار کچھ کہے بغیر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ خانہ کعبہ کے دروازے کو دیکھ رہا تھا۔ بلاشبہ اسے زمین پر

آٹاری جانے والی صلیح اور بہترین عورتوں میں سے ایک شخص ہو گی تھی۔ وہ عورت جس کے لئے

نورسماں اس نے ہر وقت اور ہر جگہ دعا کی تھی۔

ایسا سالار سکندر کے لئے خستوں کی کوئی حد نہ تھی اور اب جب وہ عورت اس کے ساتھ تھی تو

اسے احساس ہوا تھا کہ وہ کبھی بھاری زندگی اپنے لئے لے بیٹھا تھا۔ اسے اس عورت کا ہاتھ پکڑ لیا

تھا جو نکلے اور پارسائی میں اس سے کہیں آگے تھی۔

امام آٹھ کھڑی ہوئی۔ سالار نے کچھ کہے بغیر اس کا ہاتھ تھام کر وہاں سے جانے کے لئے قدم

بڑھا دیئے۔ اسے اس عورت کی حفاظت سونپ دی گئی تھی، جس نے اپنے اختیار کی زندگی کو اس کی طرح کسی آلائش اور غلاظت میں نہیں ڈبویا، جس نے اپنی تمام جسمانی اور جذباتی کمزوریوں کے باوجود اپنی روح اور جسم کو اس کی طرح نفس کی بھیٹ نہیں چڑھایا۔ اس کا ہاتھ تھامے قدم بڑھاتے ہوئے اسے زندگی میں پہلی بار پارسائی اور تقویٰ کا مطلب سمجھ میں آ رہا تھا۔ وہ اس سے چند قدم پیچھے تھی۔ وہ حرم پاک میں بیٹھے اور چلتے لوگوں کی قطاروں کے درمیان سے گزر رہے تھے۔

وہ اپنی پوری زندگی کو جیسے فلم کی کسی اسکرین پر چلتا دیکھ رہا تھا اور اسے بے تحاشا خوف محسوس ہو رہا تھا۔ گناہوں کی ایک لمبی فہرست کے باوجود اس نے صرف اللہ کا کرم دیکھا تھا اور اس کے باوجود اس وقت کوئی اس سے زیادہ اللہ کے غضب سے خوف نہیں کھا رہا تھا۔ وہ شخص جس کا آئی کیویول ۱۵۰+ تھا اور جو فوٹو گرافک میموری رکھتا تھا نو سال میں جان گیا تھا کہ ان دونوں چیزوں کے ساتھ بھی زندگی کے بہت سارے مقامات پر انسان کی اندھے کی طرح ٹھوکر کھا کر گر سکتا تھا۔ وہ بھی گرا تھا بہت بار..... بہت مقامات پر..... تب اس کا آئی کیویول اس کے کام آیا تھا نہ اس کی فوٹو گرافک میموری۔

ساتھ چلتی ہوئی لڑکی وہ دونوں چیزیں نہیں رکھتی تھی۔ اس کی مٹھی میں ہدایت کا ایک ننھا سا جگنو تھا اور وہ اس جگنو سے اُمڈتی روشنی کے سہارے زندگی کے ہر گھپ اندھیرے سے کوئی ٹھوکر کھائے بغیر گزر رہی تھی۔

☆.....☆.....☆